

اصحاح
من سيرة النبي الاكرم

جلد سوم

(ارو و ترجمہ)

تالیف
عالمیہ مطبعہ اسلامیہ



فہرست

مقدمہ

پانچواں	باب :	ہجرت سے	بدر	تک
پہلی	فصل:	رسول اکرم (ص)	مدینہ	میں
رسول	اکرم (ص)	کی	مدینہ	میں تشریف آوری
رسول	اکرم (ص)	کا	مدینہ	میں قیام
ابن	سلام	کا	قبول	اسلام
دو	اہم			نکات:
پہلا	اہم	نکتہ		:
دوسرا	اہم	نکتہ		:
دوسری	فصل :	غیر جنگی	حوادث و	واقعات
حبشہ	کی	طرف	ہجرت	کرنے والے بعض مہاجرین کی واپسی
حضرت	عائشہ	نبی اکرم (ص)	کے	گھر میں
رخصتی		کی		رسم
انوکھا				استدلال
ایک	نئے	دور	کی	ابتداء
مؤمنین	کے	درمیان	صلح	والی آیت :
سلمان	محمد	ی	(ص)	کا قبول اسلام
ایک		اہم		بات:

رومہ کا کنواں حضرت عثمان کے صدقات میں
اریس کا کنواں
مسئلے کی حقیقت
کھجور کی پیوند کاری
تیسری فصل: ابتدائے ہجرت میں بعض اساسی کام
تمہید:

1 _ ہجری تاریخ کی ابتداء کے متعلق تحقیق
کس شخص نے سب سے پہلے ہجرت نبویہ کے ساتھ تاریخ لکھی
تمہید:

تاریخ گذاری کی حکایت مؤرخین کی زبانی
بہترین نظریہ
محرم کا مشورہ کس نے دیا؟
اس نظریہ کے حامی حضرات:
سہیلی کی بات:
خلاصہ بحث:
پھر عیسوی تاریخ کیوں؟
نکتہ:

مخلصانہ
2 _ مدینہ میں مسجد کی تعمیر:
اپیل

الف: حضرت ابوبکر اور دس دینار

ب: پتھر اور خلافت

ج: حضرت عثمان اور حضرت عمار

کیا حضرت عثمان حبشہ میں نہ تھے؟

آنحضرت (ص) کی طرف سے عمار کی نصرت و تائید کا راز:

پہلے مسجد کی تعمیر کیوں؟

مسجد کو بنانے میں نبی اکرم(ص) کی شرکت:

مسجد کی تعمیر میں خواتین کا کردار

صرف عورتوں کیلئے نماز جماعت:

3 _ مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ:

مؤاخات کرنے والوں کی تعداد:

ہر ایک کا اس جیسے کے ساتھ بھائی چارہ

علی (ع) کے ساتھ نبی اکرم(ص) کی مؤاخات :

حدیث مؤاخات کا تواتر:

حضرت علی (ع) کو ابو تراب کی کنیت ملنا :

علی (ع) کے ساتھ نبی اکرم (ص) کی مؤاخات کے منکرین:

ہم کہتے ہیں کہ :

کچھ مؤاخات کے متعلق :

الف : بہترین متبادل

ب: انسانی روابط کا ارتقاء

ج: نئے معاشرے کی تشکیل میں مؤاخذات کا کردار:

یہ مؤاخذات دو بنیادوں پر قائم تھی : _

اول: حق

دوم: باہمی تعاون

حضرت ابوبکر کے خلیل:

سلمان کی دوستی ، کس کے ساتھ؟

حدیث مؤاخذات کا انکار اور اس کا جواب :

ابوذر ، سلمان کی مخالفت نہ کرے

4_ جدید معاشرے میں تعلقات کی بنیاد:

سند کا متن

معاہدہ یا معاہدے؟

معاہدے پر سرسری نگاہ :

5_ یہودیوں سے صلح :

چوتھی فصل: شرعی احکام

اذان کی تشریح :

اذان کی روایات پر بحث:

آخری بات

اذان میں حی علی خیر العمل:

عبداللہ بن عمر سے روایات:

امام زین العابدین (ع) سے روایات

سہل بن حنیف سے روایات:

حضرت بلال سے روایات:

بے جا اعتراضات:

"حی علی خیر العمل" ، نعرہ بھی اور موقف بھی

اس عبارت کے حذف ہونے کا سبب:

اس رائے پہ تبصرہ:

نماز میں اضافہ:

نماز کے فرض ہونے میں ایک اور نظریہ:

زکوٰۃ کا فریضہ:

ماسبق سے متعارض روایت

زکات فطرہ کا فرض ہونا

روزے کا فرض ہونا:

ایک اعتراض اور اس کا جواب

روز عاشور کا روزہ:

ان روایات کا جھوٹ:

روز عاشورا کے دیگر فضائل:

یوم عزاء یا عیدکا دن؟

جعلی
عاشورا کی یاد مٹا نے کے مختلف طریقے:
پانچویں فصل: اسلام میں جہاد کی اہمیت
اسلام اور تلوار
1: اسلام اور دیگر ادیان میں جنگ کے خد و خال
ایک اشارہ
2 جب: جنگ ناکزیر ہو
کیا اسلام تلوار سے پہلا؟
چھٹی فصل: جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں
رسول (ص) کے غزوات اور سرایا:
ایک : معرکہ سے فرار
دو: سرایا کے لئے نبی (ص) کی وصیت :
اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر:
ابتدائی جنگیں :
1 _ حضرت علی (ع) کی کنیت ابوتراب قرار دینا:
دغابازی اور جھوٹ:
یہ جعل سازیاں کیوں؟
اس کنیت کی اہمیت :
2 _ سرایا کا مقصد؟

- اول : صلح اور باہمی عہدو پیمان :
- دوم: قریش کی پریشانی
- 3_ سپاہیوں کو آنحضرت (ص) کی نصیحتیں
- 4_ صرف مہاجرین ہی کیوں ؟
- الف: انصار کا گمان
- ب: جنگ اور امن کا مسئلہ
- ج: انصار کے مخصوص حالات
- د: مہاجرین کی نفسیاتی کیفیت
- عربوں مینخون کا معاملہ
- قریش اور انصار
- تاریخی دغابازی
- ہ: انصار کے متعلق پیامبر اسلام (ص) کی تاکید:
- جنگ انصار پر معاف نہ تھی:
- چھٹا باب: غزوہ بدر کا عظیم معرکہ
- پہلی فصل: جنگ کی فضاؤں میں
- قریش کی ناکام سازش
- بدر کی جانب روانگی:
- لوگوں سے ڈرنے والے

عاتکہ کا خواب
 قریش کی تیاری :
 امیہ بن خلف کا موقف
 مذکورہ واقعہ پر چند نکات
 طالب بن ابی طالب کی جنگ سے واپسی
 ہمارا نظریہ
 مجبور اور واپس پلٹ جانے والے
 مذکورہ افراد کے متعلق نبی کریم(ص) کا موقف
 آپ (ص) کے موقف پر ایک سر سری نظر
 جنگ کے لئے آپ(ص) کا مشورہ لینا
 1_ آنحضرت (ص) کا اپنے صحابہ سے مشورہ
 2_ بہترین رائے ، قریش سے جنگ
 3_ نفسیاتی تربیت
 4_ جنگ سے متعلق مشوروں پر ایک سرسری نگاہ
 5_ مقداد اور سعد کی باتوں پر آنحضرت(ص) کے سرور کی وجوہات
 6_ حضرت علی علیہ السلام نے مشورہ کیوں نہیں دیا؟
 " حباب" اچھی رائے والا
 مسلمانوں اور مشرکوں کی تعداد اور ساز و سامان
 مشرکوں کی ہٹ دھرمی اور کینہ توزی

دونوں فوجوں کا پڑاؤ
 مسلمانوں کی معنویات اور پروردگار کی عنایات
 اس جنگ کے مقاصد
 صف آرائی
 طوفان سے قبل آرام
 الف: مشرکین کے خوف کی وجوہات
 ب: مشرکین کو نبی (ص) کریم کی پیشکش پر ایک نگاہ
 ج: رسول (ص) خدا جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتے
 نبی (ص) کریم سائبان تلے؟
 نکتہ:
 جنگ کی ابتداء:
 تینوں جنگجوؤں کے قتل کے بعد
 الف: حضرت ابوطالب (ع) کے حق میں آنحضرت (ص) کا غصہ
 ب: اپنے رشتہ داروں سے آنحضرت (ص) کی جنگ کی ابتداء
 ج: شیبہ کا توہین آمیز رویہ
 د: خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والا حق
 جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے
 جنگ بدر میں فرشتوں کا کردار
 جنگ جمل میں بی بی عائشہ کا کردار

شکست اور ذلت
دوسری فصل: جنگ کے نتائج
جنگ کے نتائج :
حضرت علی علیہ السلام کے کارنامے:
ایک اور جھوٹی روایت
تو پھر صحیح کیا ہے ؟
نکتہ
مشرکین کے مقتولین ، کنوئیں میں:
کیا " مہجع " سید الشهداء ہے ؟
ذوالشمالین:
چند نکات
ب: جنگ فیصلہ کن تھی
ج: شکست، طاقت کا عدم توازن اور فرشتوں کی امداد
د: انصار کے خلاف قریش کا کینہ
پہلے اہل بیت (ع) کیوں ؟
ه: حضرت علی (ع) اور ان کے گھرانے پر جنگ بدر کے اثرات
شہدائے انصار
آیت تخفیف کے متعلق علامہ طباطبائی کا نظریہ :
تیسری فصلي: مال غنیمت اور جنگی قیدی

مال غنیمت کی تقسیم :

رسول(ص) خدا نے خمس کیوں نہیں لیا ؟

رسول(ص) خدا ایک بار پھر خمس اپنے اصحاب میں بانٹ دیتے ہیں

حضرت علی (ع) کے دور حکومت میں غربت کا خاتمہ

اہم نوٹ : خمس اور اقربا پروری؟

جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے والے بعض افراد کا مال غنیمت سے حصہ

الف : طلحہ اور سعید بن زید:

ب: عثمان بن عفان

دوسروں کے فضائل پر ڈاکہ

دوقیدیوں کا قتل :

الف: عقبہ کا نسب

ب: پسماندگان کے لئے دوزخ کی بشارت

ج: عقبہ کو نسب کا طعنہ

د: واقعہ بدر میں نصر بن حارث کے قتل کا انکار

باقی قیدیوں کی صورتحال :

عذاب کے نزول کی صورت میں صرف عمر کی ہی جان بچتی ؟

رسول (ص) کریم اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتے ہیں ؟

سعد بن معاذ یا عمر بن خطاب ؟

قیدیوں کا قتل ہی زیادہ مناسب تھا

قیدیوں کے بارے میں عمر کا موقف
نبی (ص) کریم بھاگ جانے والے قیدی کو قتل نہیں کرتے
قید میں عباس کے نالے
عباس کا فدیہ اور اس کا قبول اسلام
نکتہ:

نبی کریم کو قتل کرنے کی سازش
زینب کے ہار اور رسول (ص) خدا کا موقف
چند جواب طلب سوال
جناب زینب کا واقعہ اور ابن ابی الحدید
فدیہ اسیر، تعلیم تحریر
قیدیوں سے سلوک
سودہ کا آنحضرت (ص) کے خلاف قیدیوں کو بھڑکانا
چوتھی فصل: جنگ بدر کا اختتام
اہل بدر بخشے ہوئے ہیں
اہل بدر سے بھی افضل لوگ؟
ابن جوزی اور بدریوں کے مغفرت والی حدیث
ناکام واپسی
کامیاب واپسی
جنگ بدر کے بعض نتائج

جنگ بدر کے نتائج سے نجاشی کی خوشی
آخری بات:

اہل بدر کے بارے میں معاویہ کا موقف
پانچویں فصل: سیرت سے متعلق چند باتیں
تمہید:

پہلا عنوان: شیعان علی (ع) کی بعض خصوصیات
دوسرا عنوان: جناب ابوبکر کی شجاعت اور سائبان میں ان کی موجودگی
مذکورہ باتیں نادرست ہیں

الف: کئی مقامات پر ابوبکر کا فرار

ب: جناب ابوبکر کے ذریعہ نبی (ص) کریم کی حفاظت

ج: ابوبکر میدان جنگ میں

د: حضرت علی (ع) کی ناکثین اور قاسطین سے جنگ

ه: جناب ابوبکر کی زکات نہ دینے والوں سے جنگ

و: وفات رسول (ص) کے وقت اس کی ثابت قدمی

تیسرا عنوان: ذوالشمالین کا قصہ اور نبی (ص) کا سہو

شیعوں کے نزدیک سہو کی روایات

یہ ماجرا کس لئے؟

ان توجیہات کے نقائص

ایک اعتراض اور اس کا جواب

سہو ، خطا اور نسیان سے بچنا اپنے اختیار میں ہے
 پختہ ارادہ
 تبلیغ و غیرہ میں عصمت
 گناہوں سے عصمت بھی اختیاری ہے : ایک جواب طلب سوال
 جواب :
 اسلام اور فطرت
 عصمت کے لئے ضروری عناصر
 توضیح اور
 حضرت محمد(ص) افضل ترین مخلوق
 حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " کا صحیح مطلب
 چوتھا عنوان: خمس کا شرعی حکم اور سیاست
 غنیمت کا
 آنحضرت (ص) کے خطوط میں خمس کا تذکرہ
 ان خطوط پر ایک نظر
 وافر مال پر خمس واجب ہے
 مزید دلائل
 معدنیات اور مدفون خزانوں پر بھی خمس ہے
 لطیفہ
 خمس لینے والے نمائندے

کتاب اور سنت میں خمس کے استعمال کے مقامات
 اہل بیت (ص) کی روایات میں خمس
 اہل سنت کی روایتوں میں خمس
 عہد نبوی (ص) کے بعد خمس کا استعمال
 خلیفہ ثانی کے دور میں
 خلیفہ سوم کے دور میں
 خمس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی سیرت
 معاویہ کے دور میں
 عمر بن عبدالعزیز کے دور تک
 خمس کے متعلق علمائے اہل سنت کے نظریات
 خمس کے متعلق اہل بیت (ع) اور ان کے پیروکاروں کا نظریہ

توفيقاته)

مترجم: معارف اسلام پبلشرز

4

نام كتاب: الصحيح من سيرة النبي الاعظم (ص)

مؤلف: علامه محقق جناب حجة الاسلام والمسلمين سيد جعفر مرتضى عاملی

(ادام) الله توفيقاته)

مترجم: معارف اسلام پبلشرز

ناشر: نور مطاف

جلد: تيسري

اشاعت: اول

تاريخ: اشاعت: ربيع الاول 1427ھ _ ق

تعداد: 3000

Web : www.maaref-foundation.com

E-mail: info@maaref-foundation.com

جمله حقوق طبع بحق معارف اسلام پبلشرز محفوظ ہیں _

5

بسم الله الرحمن الرحيم

و صلى الله على محمد و آله الطاهرين و لعنة الله على اعدائهم اجمعين
و لكم فى رسول الله اسوة حسنة

مقدمہ:

بہترین اور کامل ترین طرز زندگی، باعث تخلیق کائنات ہستیوں کی پیروی میں
مضمر ہے۔ اور ان ہستیوں میں بھی رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ
(ص) کی سیرت طیبہ سب سے درخشان اور نمایاں ہے کہ پیروی کے لئے ان
سے بہتر کوئی اور شخصیت ملی ہی نہیں سکتی۔
یہ کتاب " الصحیح من سیرة النبی الاعظم " عظیم محقق، حجت الاسلام
والمسلمین علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی (ادام اللہ توفیقاته) کی قیمتی، گراں
بہا، نہایت سودمند اور بے مثال کاوش ہے جس میں انہوں نے سیرت
نبوی(ص) کے تقریباً تمام پہلوؤں پر گہری اور منصفانہ تحقیق کر کے رسول
(ص) کریم کی قابل فخر حیات طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کو متعصبانہ،
مغرضانہ اور ناپختہ سیرت نگاری کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر
منصفانہ تحقیق کے روشن افق پر لاکھڑا کیا اور حقیقت پسند علماء و محققین
کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر کے ان سے داد تحسین وصول کی ہے اور
دنیا ئے اسلام کی علمی محافل کی بھی بھر پور توجہ حاصل کی ہے۔

معارف اسلام پبلشرز خداوند متعال کا نہایت شکرگزار ہے کہ وہ اپنے اصلی فریضے _ یعنی اردو زبان جاننے والوں کی ضروریات کے مطابق اخلاق، عقائد، فقہ، تفسیر، تاریخ اور سیرت جیسے اہم اور ضروری موضوعات پر مختلف کتابوں کے ترجمہ اور نشر و اشاعت کے فرائض _ کو انجام دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے " الصحيح من سيرة النبي (ص) الاعظم " کی تیسری جلد کو اس سال میں کہ جسے راہبر معظم انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای (مدظلہ) نے رسول اعظم حضرت محمد (ص) کا سال قرار دیا ہے، اہل مطالعہ و تحقیق اور حق کے متلاشی حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہے _ امید ہے کہ یہ کوشش خداوند متعال کی بارگاہ میں اور ولی خدا امام زمانہ حضرت مہدی حجت ابن الحسن العسکری (عج) کے نزدیک مقبول قرار پائے گی _

آخر میں اس نکتہ کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ یہ ترجمہ عربی متن کے جدید ترین ایڈیشن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے _ اور اس کے مطالب و موضوعات کی ترتیب میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں اور منابع کی تکمیل کی گئی ہے، ان سب کا اس ترجمہ میں مکمل خیال رکھا گیا ہے _ لہذا معارف اسلام پبلشرز اس کتاب کا ترجمہ، تصحیح، نظر ثانی اور خاص کر جدید ایڈیشن سے مطابقت والے طاقت فرسا کام انجام دینے والی محترم فاضل شخصیات کا بھی نہایت شکرگزار رہے اور خداوند عالم سے ان کے لئے مزید توفیقات کا طالب ہے _

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين
معارف اسلام پبلشرز

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

7

پانچواں باب

ہجرت سے بدر تک

8

پہلی فصل : رسول اکرم (ص) مدینہ میں
دوسری فصل : غیر جنگی حوادث و واقعات
تیسری فصل : ابتدائے ہجرت میں بعض اساسی کام
چوتھی فصل: شرعی احکام
پانچویں فصل :اسلام میں جہاد کی اہمیت
چھٹی فصل : جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں

پہلی فصل :

رسول اکرم (ص) مدینہ میں

رسول اکرم (ص) کی مدینہ میں تشریف آوری :

قباہ کے مقام پر پندرہ (1) دن قیام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ، مکہ سے آپ (ص) کی روانگی اور قبائیز مدینہ پہنچنے کی تواریخ کے بارے میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے ، البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ربیع الاول کے ابتدائی ایام میں آپ (ص) مدینہ میں داخل ہوئے (2)۔

علامہ مجلسی کی تحقیق کے مطابق آپ (ص) یکم ربیع الاول بروز پیر ہجرت کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے اور بارہ ربیع الاول بروز جمعہ مدینہ پہنچے۔

شیخ مفید کا بھی یہی نظریہ ہے اور بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (3)

ایک روایت میں ہے کہ آپ (ص) سورج نکلنے سے پہلے مدینہ پہنچے ، اس وقت حضرت ابوبکر اور آنحضرت (ص) ایک جیسے سفید لباس میں ملبوس

تھے جس کی وجہ سے لوگ غلطی سے رسول اکرم (ص) کا گمان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کو سلام کرتے رہے ، جب سورج نکل آیا اور آنحضرت (ص) پر دھوپ پڑنے لگی تو حضرت ابوبکر نے آپ (ص) پر سایہ بنایا تو اس وقت لوگوں نے آپ (ص) کو پہچانا_ (4)

- 1) البحار ج 19 ص 106 از اعلام الوری ، السیرة الحلیبۃ ج 2 ص 55 ، صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ (ص) نے قبا ء میں چودہ دن قیام فرمایا ، ان کے علاوہ اور بھی کچھ اقوال موجود ہیں۔
- 2) ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 58 ص 366 ، المواہب اللدنیہ ج 1 ص 67 اور تاریخ الخمیس ج 1 ص 337۔
- 3) اس دعویٰ کے دلائل ملاحظہ ہوں : بحار الانوار ج 8 ص 366 و 367۔
- 4) تاریخ الخمیس ج 1 ص 337۔ نیز مندرجہ ذیل منابع میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ملتا ہے: سیرہ حلبیہ ج 2 ص 52 ، دلائل النبوة بیہقی ج 2 ص 498 و 499 ، البدایہ والنہایہ ج 3 ص 186 نیز ملاحظہ ہو السیرة النبویہ ابن بشام ج 2 ص 137۔

12

البتہ مذکورہ بالا روایت قطعاً صحیح نہیں ، اس لئے کہ نبی اکرم (ص) بہت سے مؤرخین کی تصریح کے مطابق تپتی دوپہر میں مدینہ پہنچے تھے۔ (1) اگر کہا جائے کہ ان روایات سے مراد شاید یہ ہو کہ مکہ سے آتے ہوئے جب آپ (ص) سیدھے مدینہ پہنچے تو اس وقت دوپہر کا وقت تھا جس کے (فوراً) بعد آپ (ص) قبا کی طرف روانہ ہوئے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ

اہل مدینہ ہر روز گروہ در گروہ قبا آتے تھے اور آنحضرت (ص) کی خدمت میں سلام عرض کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ (ص) مدینہ والوں کے نزدیک ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ پس یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ابوبکر کو نبی کریم (ص) سمجھ لیا؟ یہاں تک کہ ابوبکر نے آپ (ص) پر سایہ کیا تب انہیں پتہ چلا۔ اس سے صرف نظر، خود نبی اکرم (ص) کی شخصیت ہی آپ (ص) کی پہچان کیلئے کافی تھی، آپ (ص) کی شخصیت حضرت ابوبکر سے بہت زیادہ مختلف تھی۔ چنانچہ جب ام معبد نے اپنے شوہر کے سامنے آنحضرت (ص) کی صفات ذکر کیں تو اس نے فوراً آپ (ص) کو پہچان لیا (2) جبکہ حضرت ابوبکر کی صفات ان کی بی-ٹی حضرت عائشہ کی زبانی پہلے گزر چکی ہیں، علاوہ ازاں گزشتہ روایات میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت (ص) نے مدینہ جاتے ہوئے راستے میں نماز جمعہ ادا کی تھی (3) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ص) ظہر کے کچھ دیر بعد مدینہ میں داخل ہوئے کیونکہ مدینہ اور قبا کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ اس پر مزید یہ کہ آپ (ص)، ابوبکر سے دو سال بڑے بھی تھے۔ پس ابوبکر سے ان لوگوں کا یہ پوچھنا کہ یہ لڑکا آپ کے ساتھ کون ہے؟ (4) یہ کیا معنی رکھتا ہے اور کیا ترین سالہ بزرگ کو بچہ کہا جاتا ہے؟ مگر یہ کہا جائے کہ "غلام" کا لفظ لڑکے اور بزرگ دونوں کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے کہ جب انہیں آپ (ص) کی ہجرت کا علم تھا تو

ابوبکر سے آپ(ص) کے متعلق پوچھنے کی کیا تک بنتی ہے؟ جبکہ سینکڑوں لوگ آپ(ص) کے استقبال کے لئے شہر سے باہر بھی

1) تاریخ الخمیس ج1/ص337 ، 336 و السیرة النبویہ ابن ہشام ج2 ص 137 ، صحیح بخاری مطبوعہ سنہ 1309 ج2 ص 213 و سیرہ

حلبیہ ج2 ص 52

2) تاریخ الخمیس ج1 ص 334 و ص 335 ، سیرہ ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 94 و 50 ، دلائل النبوة ج1 ص 279

3) المواہب اللدنیہ ج1 ص 67 ، سیرہ ابن ہشام ج2 ص 139 ، تاریخ الخمیس ج1 ص 339 ، بحار الانوار ج8 ص 367 نیز دلائل النبوة

ج2 ص 500

4) الغدیر ج7 ص 258 کثیر منابع سے ، نیز سیرہ حلبیہ ج2 ص 41 و مسند احمد ج3 ص 287

13

نکل آئے تھے۔

رسول اکرم (ص) کا مدینہ میں قیام :

آپ ، بروز جمعہ اپنی سواری پر بیٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے _ علی علیہ السلام آپ (ص) کے ہمراہ تھے جو آپ (ص) کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے ، آپ (ص) انصار کے قبائل میں سے جس قبیلے کے پاس سے بھی گزرے تھے وہ آپ (ص) کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے اور آپ (ص) کی خدمت میں اپنے ہاں ٹھہرنے کی درخواست کرتے ، آپ (ص) ان کے

جواب میں فرماتے تھے: "اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو ، یہ خود ہی اس کام پر مامور ہے۔"

آپ (ص) نے اونٹنی کی مہار ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی ، یہاں تک کہ وہ چلتے چلتے مسجد النبی (ص) کی جگہ پر پہنچی اور وہیں رک کر بیٹھ گئی ، یہ جگہ ابو ایوب انصاری کے گھر کے قریب تھی جو مدینہ کے فقیرترین شخص تھے (1) پس ابوایوب یا انکی والدہ وہاں آئے اور آنحضرت (ص) کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے ، یوں رسول اللہ (ص) ان کے ہاں قیام پذیر ہوئے جبکہ علی (ع) بھی آپ (ص) کے ساتھ تھے اور مسجد اور اپنے گھروں کی تعمیر تک آپ (ص) وہیں مقیم رہے (2) کہا گیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے تقریباً ایک سال تک ابو ایوب کے ہاں قیام فرمایا ، جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق سات ماہ اور تیسرے کے بقول صرف ایک ماہ وہاں قیام پذیر رہے (3) ہمارے نزدیک یہ آخری قول حقیقت کے زیادہ قریب ہے ، کیونکہ بعید ہے کہ تعمیر کا کام اتنی طویل مدت تک جاری رہا ہو حالانکہ مہاجرین و انصار اپنی پوری کوشش اور توانائی سے اس کام میں مصروف تھے جبکہ رسول اکرم (ص) خود بھی ان کے ساتھ اس کام میں شریک رہے (4)۔

(1) البحار ج19 ص 121 ، مناقب ابن شہر آشوب ج1 ص 185 _

(2) روضة الكافي ص 340 _ 339 ، البحار ج19 ص 116 _

(3) البدء و التاريخ ج4 ص 178 ، وفاء الوفاء ج 1 ص 265 ، السيرة الحلبية ج2 ص 64 _

ابن سلام کا قبول اسلام :

مکتب اہل بیت (ع) سے ناواقف تاریخ اور سیرت نگار کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام نامی یہودی نے رسول اکرم (ص) کے مدینہ میں داخل ہوتے وقت لوگوں کے شور و غل کو سنا تو تیزی سے آپ (ص) کے پاس آیا ، آپ (ص) کو دیکھنے اور آپ (ص) کی باتیں سننے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ یہ (نورانی) چہرہ جھوٹ بولنے والا نہیں ہو سکتا (1)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے آنحضرت (ص) سے تین ایسے سوال پوچھے جنہیں نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا پس آپ (ص) نے ان کا صحیح جواب دیا تو وہ اسلام لے آیا اور آپ (ص) کی خدمت میں عرض کی : " اس سے پہلے کہ یہودیوں کو میرے اسلام کا علم ہو، آپ (ص) ان سے میرے متعلق پوچھیں" رسول اکرم (ص) نے یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا : " ہم سب سے اچھا شخص ہے اور سب سے اچھے شخص کا بیٹا ہے ، وہ خود بھی ہم سے افضل ہے اور ہم میں سے افضل ترین شخص کا بیٹا ہے" _ اس کے بعد جب یہودیوں کو اس کے اسلام کا علم ہوا تو کہنے لگے _ " شرنا و ابن شرنا " وہ خود بھی ہم میں سے بدترین شخص ہے

اور بدترین شخص کا بیٹا ہے (2)۔
کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن سلام ہی وہ شخص ہے جسکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

(شہد شاهد من بنی اسرائیل علی مثلہ فآمن واستکبرتم) (احقاف 10)
بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایسی ہی بات کی گواہی دے چکا ہے جبکہ وہ ایمان لایا اور تم نے پھر بھی تکبر کیا (3)۔

(1) الاصابة ج 2 ص 320، الاستيعاب ج 2 ص 382 ، مستدرک الحاكم ج 3 ص 13 ، تلخیص مستدرک ذہبی ج 3 ص 13۔

(2) البخاری حاشیہ فتح الباری ج 7 ص 212، 213 (خود ابن سلام سے روایت) الاصابة ج 2 ص 321 ، الاستيعاب (حاشیہ الاصابة) ج 2 ص

382

(3) اسد الغابة فی معرفة الصحابة ص 3 ج 176، صحیح بخاری حاشیہ فتح الباری ج 7 ص 97، الاستيعاب حاشیہ الاصابة ج 2 ص 383 ،

الدر المنثور ج 4 ص 69 ، روایت ابو یعلیٰ، ابن جریر، حاکم، مسلم ، نسائی ، ابن المنذر ، ابن مردویہ ، ترمذی ، ابی حاتم ، ابن عساکر و عبد

بن حمید۔

15

نیز درج ذیل آیت بھی اس کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔
(قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم ومن عنده علم الکتاب) (نبی اسرائیل 96)
کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور وہ گواہ کافی ہے جسکے پاس

کتاب کا علم ہے (1)۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی آیات اس کے بارے میں ذکر کی جاتی ہیں، جنہیں یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں، مذکورہ بالا روایات کے بارے میں درج ذیل امور توجہ طلب ہیں۔

اول: اہل تحقیق حضرات جانتے ہیں کہ ابن سلام کے اسلام لانے کے بارے میں روایات کے درمیان واضح تناقض اور تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ بعض مؤرخین کے مطابق اس نے ہجرت کے آٹھویں سال اسلام قبول کیا، قیس بن ربیع نے عاصم اور اس نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے رسول اکرم (ص) کی وفات سے دو سال پہلے اسلام قبول کیا (2) عسقلانی نے اس روایت کی سند میں قیس بن ربیع نامی راوی کی وجہ سے اسے ضعیف اور غلط قرار دیتے ہوئے رد کر دیا ہے (3)۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس روایت کو رد کرنے کی اس کی دلیل وہ گذشتہ روایات ہیں جن کے مطابق عبداللہ بن سلام ابتدائے ہجرت میں اسلام لے آیا تھا جبکہ ہم اس کی یہ بات قبول نہیں کر سکتے اس لئے کہ شعبی کا زمانہ عسقلانی کی نسبت نزدیک تر ہے اور اس نے عبداللہ بن سلام کے اسلام قبول کرنے کے سال کو اس طرح دقت کے ساتھ مشخص و معین کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے بے پرکی نہیں اڑائی ہے۔ اسی طرح اگر ابن سلام اتنی ہی باعظمت شخصیت کا حامل تھا تو کیا وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد آٹھ سال کے طویل عرصے میں اس کی کوئی بات یا کوئی

مشورہ ہمارے لئے نقل نہیں ہوا جبکہ تاریخ نے ایسے کم عمر صحابہ کی

(1) الاصابة ج2 ص321 ، الاستيعاب ج2 ص383 ، الدر المنثور ج4 ص69 ، روایت از ابن مردويه ، ابن جرير ، ابن ابی شيبه ، ابن سعد

ابن منذر_

(2) الاصابة ج2 ص320

(3) الاصابة ج2 ص320 ، فتح الباری ج7 ص97_

16

باتیں اور ان کے کردار کو ہمارے لئے محفوظ رکھا ہے کہ جنہیں ایام طفولیت میں نبی اکرم (ص) کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ، پس کیا وجہ ہے کہ تاریخ نے (بقول ان کے) ایسے عظیم شخص کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ اسی طرح عسقلانی کا قیس بن ربیع کو ضعیف قرار دینا بھی نامناسب ہے اس لئے کہ خود عسقلانی نے عفان بن قیس ، الثوری ، شعبہ ، ابوالولید اور ابن عدی سے قیس کی وثاقت کو نقل کیا ہے نیز یعقوب بن ابی شیبہ ، عثمان بن ابی شیبہ ، ابو حاتم ، شریک ، ابن حبان ، العجلی ، ابو حصین ، یحییٰ بن سعید ، معاذ بن معاذ ، ابن عینیہ اور ابونعیم و غیرہ نے قیس کی تعریف کی ہے (1)۔ عسقلانی و غیرہ کے قیس پر الزامات کا راز وہی ہے جس کی طرف احمد نے اشارہ کیا ہے ، کیونکہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے: " وہ (قیس) شیعہ تھا اور حدیث

مینغلطی

کیا کرتا

تھا" (2)۔

جی ہاں اس سے منقول احادیث میں جرح کا یہی راز ہے اگرچہ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایات درست ہیں (3) قیس پر اس طرح کی الزام تراشی کرنے والی شخصیت احمد بن حنبل ہے ، اور اس سے یہ بات کوئی عجیب نہیں اس لئے کہ یہ وہی ہے جو متوکل ناصبی کے زمانے میں تھا اور اس ناصبی متوکل نے ابن سکیت کے ساتھ وہ سلوک کیا جو سب کو معلوم ہے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ اس کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے اور اسی فعل کے نتیجہ میں اس کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن سکیت نے متوکل کے دو بیٹوں کو امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے افضل و برتر قرار دینے سے انکار کیا تھا (4)، متوکل وہی تو ہے جس نے اپنے ہی بیٹے منتصر (جو اپنے باپ سے امیر المؤمنین علی (ع) کی کسر شان کرنے پر ناراض رہتا تھا) کو کچو کے لگانے کے لئے اپنی لونڈی کو یہ گانے کا حکم دیتا تھا ۔

غار الفتی لابن عمہ راس الفتی فی حرّامہ (5)

(1) تہذیب التہذیب ج 8 ص 395 ، 392

(2) تہذیب التہذیب ج 2 ص 394

(3) تہذیب التہذیب ، ترجمہ قیس ج 8

متوکل وہی شخص ہے جو علی علیہ السلام کی فضیلت میں ایک روایت نقل کرنے والے کو ایک ہزار تازیانے لگایا کرتا تھا، اور اسی نے حضرت امام حسین (ع) کے روضہ اطہر پر ہل چلوا دیا تھا اور وہ لوگوں کو آپ (ع) کے روضہ اطہر کی زیارت سے روکتا تھا (1)۔ اسی متوکل کے دربار میں احمد بن حنبل کو وہ عظیم مقام حاصل تھا کہ اسے متوکل نے اپنے بیٹے معتز، دیگر بیٹوں ، شہزادوں اور ولی عہدوں کا اتالیق مقرر کیا ہوا تھا (2) اور ابن کثیر کے بقول متوکل اس کے مشورے کے بغیر نہ تو کسی کو عزل کرتا اور نہ ہی کسی عہدہ پر کسی کو منصوب کرتا تھا۔ (3) ہم سوال کرتے ہیں کہ اے اہل بصیرت کس وجہ سے متوکل کے دربار میں احمد بن حنبل اس قدر عظیم منزلت و عظمت کا مستحق قرار پایا، اس بارے میں آپ کتاب "بحوث مع اہل السنة والسلفية" کی طرف رجوع کریں تا کہ اہل حدیث اور حنابلہ کی ناصبیت کے کچھ شواہد آپ پر واضح ہوجائیں۔

دوم: رہا آیت مجیدہ " و شهد شاهد من بنی اسرائیل ... " کا مسئلہ تو اس سلسلے میں ہم درج ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف: عکرمہ کہتا ہے : یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ،

اور اس آیت کا نزول مکہ میں ہوا ، آیت سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص (قرآن پر)ایمان لایا وہ اس شخص کی مانند ہے جو رسول اکرم(ص) پر ایمان لے آئے اور اسی طرح کی بات مسروق بھی قسم کھا کر بیان کرتا ہے۔ شعبی بھی یہی کہتا ہے اور عکرمہ ہی کی دلیل کو مدنظر رکھتے ہوئے ابو عمر نے بھی اس آیت کا (عبداللہ بن سلام کے متعلق ہونے کا) انکار کیا ہے (3)۔

ابن سلام والی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اس آیت کو مدنی قرار دینا کسی طرح بھی قابل توجیہ نہیں کیونکہ ایسے ایسے مذکورہ اشخاص اس کا انکار کر رہے ہیں جو زمانہ نبوت کے قریب تھے جبکہ شعبی و غیرہ نے بھی اس کے خلاف تصریح کی ہے(جسے ہم بعد میں ذکر کریں گے)۔

1)الکامل ابن اثیر ج7 ص 55_

2)مناقب امام احمد بن حنبل ابن جوزی ص 385 و 364 ، احمد بن حنبل والمحنہ ص 190 و حلیۃ الاولیاء ج9 ص209 _

3)البدایۃ والنہایہ ج10 ص 316 _

4) الاستیعاب حاشیہ الاصابۃ ج2 ص383 ، فتح الباری ج7 ص98،درالمنثور ج6 ص39 ،ابن جریر، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن المنذر

روایات سے منقول ہیں۔

ب: بعض روایات کے مطابق یہ آیت میمون بن بنیامین کی شان میں نازل ہوئی ، اس کا قصہ بھی ابن سلام کے قصے کی مانند نقل کیا گیا ہے (1) اور زہری ، مجاہد، ابن عمر ، سعید بن جبیر ، عمر اور قتادہ سے اس سے مختلف واقعات منقول ہیں (2)۔

ج: شعبی سے منقول ہے کہ اس نے کہا : " عبد اللہ کے متعلق قرآن مجید میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی " (3)۔

د: ظاہری طور پر مذکورہ آیت میں ان مشرکین کو خطاب کیا گیا ہے جنہوں نے اس سمرے تکبر کیا جب ان کی باتوں پر اندھا اعتماد کرنے والے بعض بنی اسرائیل بھی آپ (ص) پر ایمان لے آئے اور یہ ممکن نہیں کہ اس آیت میں یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہو، کیونکہ خود یہود بھی بنی اسرائیل مینسے ہیں ، اور اس بات سے عکرمہ ، شعبی اور مسروق و غیرہ کے گزشتہ قول کی بھی تائید ہوتی ہے۔

ه: طحاوی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ابن سلام کی شان میں اس آیت کے نزول کے بارے میں رسول اکرم (ص) نے کوئی تصریح نہیں فرمائی اور اس بات کو مالک نے (اپنی طرف سے) استنباط کیا ہے (4)۔

سوم: آیت مجیدہ : "و من عنده علم الكتاب" کے بارے میں ہم درج ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

1_ مذکورہ آیت کے ضمن جو قول بیان کیا گیا ہے اس کی مخالفت میں زہری ، مجاہد، سعید بن جبیر، ابن عمر، قتادہ اور عمر و غیرہ سے منقول روایات

موجود ہیں، اور مذکورہ قول جندب، ابن عباس اور مجاہد سے منقول دو روایتوں میں سے صرف ایک میں ذکر ہوا ہے۔

(1) الدر المنثور ج 6 ص 40 ، (عبد بن حمید مکی) ، فتح الباری ج 7 ص 98 نیز الاصابہ ج 3 ص 471۔

(2) الدر المنثور ج 4 ص 69 ، مشکل الآثار ج 1 ص 137۔

(3) مشکل الآثار ج 1 ص 137 اس روایت کے مطابق ابن سلام کی شان میں کوئی آیت نازل نہ ہونے کے بارے میں سعید بن جبیر نے بھی

شعبی کی تائید کی ہے، الدر المنثور ج 4 ص 69 ، و ج 6 ص 39 ، 40 ، ابن منذر سے روایت ، دلائل الصدق ج 2 ص 135 ، المیزان

ج 11 ص 389۔

(4) مشکل الآثار ج 1 ص 139۔

19

2: شعبی کا بھی قول پہلے گزر چکا ہے کہ ابن سلام کی شان میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

3: اسی طرح عکرمہ، حسن، شعبی، محمد بن سیرین اور سعید بن جبیر میں

سے ہر ایک نے ابن سلام کی شان میں اس آیت کے نازل ہونے سے متعلق قول

کو رد کیا ہے اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن سلام اس

کے بعد اسلام لایا تھا (1)۔

4: مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اس آیت کے نزول کے

بعد اسلام قبول کیا _ انہوں نے رسول اکرم (ص) کو حالت نماز میں اس آیت کو دوسری آیات کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے سنا تو وہیں رک کر آپ (ص) کی نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے، جب آنحضرت (ص) نے سلام پھیرا تو وہ تیزی سے آگے بڑھے اور اسلام لے آئے (2) اور واضح ہے کہ عمر مکہ میں اسلام لایا تھا۔

5: ایسی بہت سی متواتر روایات موجود ہیں جن میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ "و من عنده علم الكتاب" سے مراد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ذات بابرکت ہے جو قرآن مجید کی تفسیر، تاویل، ناسخ و منسوخ اور حرام و حلال و غیرہ کا علم رکھتے ہیں، یہ روایت ابوسعید خدری، ابن عباس، محمد بن حنفیہ، امام محمد باقر (ع)، سدی، زید بن علی (ع)، امام موسیٰ (ع) بن جعفر (ع) اور ابوصالح سے منقول ہے (3)۔

اس آیت کے بارے میں ابوصالح کا قول مضحکہ خیز ہے _ وہ کہتا ہے: "و من عنده علم الكتاب" سے مراد قریش کا ایک شخص ہے جو ہے تو حضرت علی (ع) لیکن ہم کبھی اسکا نام نہیں لیں گے (4) _

(1) مشکل الآثار ج 1 ص 137، 138، الاستیعاب (حاشیہ الاصابہ) ج 2 ص 383، الدر المنثور ج 4 ص 69، روایات از نحاس، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذروا بن ابی حاتم، دلائل الصدق ج 2 ص 135، غرائب القرآن نیشاپوری ج 13 ص 100 (جامع البیان کے حاشیہ پر مطبوع) الاتقان ج 1 ص 12، احقاق الحق ج 3 ص 280 تا 284، الجامع الاحکام القرآن ج 9 ص 336 نیز ینابیع المودة ص 104

(2) الدرالمثور ج4ص69 ، عبدالرزاق اور ابن المنذر نے زہری سے روایت کی ہے۔

(3) شواہد التنزیل حسکانی ج1ص307 ، 308 ، 310 ، مناقب ابن المغازلی حدیث نمبر 361 ، الخصائص ص 26 ، غایۃ المرام ص 357

، 360، از تفسیر ثعلبی والحبیری (خطی نسخہ) عمدۃ ابن بطریق ص 124 ، دلائل الصدق ج 2ص135 ، (ینابیع المودۃ اور ابی نعیم سے

منقول) _ ینابیع المودۃ ص 102 و 105 نیز ملاحظہ ہو ملحقات احقاق الحق ج4 ص 362 و 365 و ج3 ص 451 و ص 452 و ج3 ص

280 تا ص 285 حاشیہ اور متن دونوں ج20 ص 75 تا 77 کثیر منابع سے ، اور الجامع لاحکام القرآن ج9 ص 336۔

(4) شواہد التنزیل ج1ص310 نیز ملحقات احقاق الحق ج14 ص 364۔

20

ہم پوچھتے ہیں : اے شخص تم ان کا نام کیوں نہیں لینا چاہتے ؟ جبکہ تمہیں اس بارے میں اچھی طرح علم ہے؟ پس کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ کیا تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ تم پر شیعہ ہونے کی تہمت لگ جائے گی جو کفر و الحاد کے برابر سمجھی جاتی ہے؟ اور پھر کیا تمہیں علی (ع) اور اہل بیت (ع) کے دشمنوں کی طرف سے مصائب و مشکلات کا خوف ہے کہ جو حکومت و سلطنت پر قابض تھے؟ یہاں تک کہ کسی شاعر نے یہ بھی کہا ہے:

و متی تولى آل احمد مسلم

قتلوه او و صموہ بالاحاد(1)

(اور جب کوئی مسلمان آل احمد(ص) سے اظہار مؤدت کرتا ہے تو وہ اسے

قتل کر دیتے ہیں یا اس پر کفر و الحاد کا الزام لگادیتے ہیں)۔

دو اہم نکات:

پہلا اہم نکتہ:

بعید نہیں ہے کہ عبد اللہ بن سلام کو یہ تمغے معاویہ اور اس کے چیلونے ہی عطا کئے ہوں۔ اس کی دلیل قیس بن سعد بن عبادہ کی وہ روایت ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ "و من عنده علم الكتاب" سے مراد علی (ع) ہیں لیکن معاویہ بن ابوسفیان کہتا ہے کہ وہ عبد اللہ بن سلام ہے۔ جس پر سعد کہتا ہے کہ خدا نے "انما انت منذر و لكل قوم ہاد" اور "افمن كان على بينة من ربه و يتلوه شاہد منہ" والی آیتیں نازل کیں اور پہلی آیت میں ہادی اور دوسری آیت میں شاہد (گواہ) سے مراد حضرت علی (ع) ہیں کیونکہ نبی (ص) کریم نے انہیں غدیر کے دن منصوب فرمایا اور "من كنت مولاه فعلى مولاه" کا فرمان ارشاد فرمایا اور یہ فرمایا :

(1) حياة الامام الرضا السياسية از مؤلف و مجموعة الرسائل الخوارزی اہل نیشابور کے لیے۔

" انت منى بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبى بعدى " جس پر معاویہ خاموش ہو گیا اور اس کا جواب نہ دے سکا (1)۔

دوسرا اہم نکتہ :

یہاں ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص سے مذکورہ آیت کو منسوب کیا جا رہا ہے اور امیر المؤمنین علی (ع) کے فضائل کو جھوٹے دعوؤں کے ذریعہ زبردستی اس کی طرف نسبت دی جا رہی ہے وہ ہمیشہ علی (ع) کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا اور جب خلافت کے سلسلے میں لوگ آپ (ع) کی بیعت کر رہے تھے تو اس نے آپ (ع) کی بیعت سے اجتناب کیا تھا (2)۔ یہ جو ابن سلام کو اتنی اہمیت دی گئی ہے، اس کی شخصیت کیلئے مقام و منزلت کو ثابت کیا گیا ہے نیز رسول اکرم (ص) اور وحی الہی کی تصدیق میں اس کی پہل کو ذکر کیا گیا ہے اس سب اہتمام میں شاید یہی راز پوشیدہ ہے (کہ وہ دشمن علی (ع) تھا)۔

شیخ ابوریہ کہتے ہیں کہ یہ ابن سلام (اپنے یہودی مذہب کی) اسرائیلی روایات، اسلامی احادیث میں داخل کیا کرتا تھا (3) اور یہودی حضرت جبرائیل (ع) کے سخت دشمن تھے۔ اور شاید یہی سبب تھا کہ "و اذ را او تجارة او لہوا انفضوا الیہا" والی آیت میں "لہو" کی تشریح عبد اللہ بن سلام یوں کرتا ہے کہ "لہو" سے مراد لوگوں کا دھیہ کلبی کے حسن کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ جبکہ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت

جبرائیل (ع) اسی دحیہ کی شکل میں آپ(ص) پر نازل ہوتے تھے (4) اور واضح رہے کہ بعض خلفاء بالخصوص حضرت عثمان ، اہم امور میں اس سے مشورہ کیا کرتے تھے اور وہ انہیں اپنے نظریات کے مطابق

1)ینابیع المودة ص 104 نیز کتاب سلیم بن قیس_

2)حضرت علی (ع) کی بیعت نہ کرنے کے سلسلے میں ملاحظہ ہو: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 ص 9_

3)ملاحظہ ہو: ابوریہ کی کتب شیخ المضیرہ و اضواء علی السنة المحمدیہ_

4)ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج 1 ص 190_

22

مشورہ دیا کرتا تھا_ اسی عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمان کے محاصرے کے وقت اس کی زبانی کلامی حمایت پر اکتفا کیا اور اس کی کوئی عملی مدد نہیں کی (1) حالانکہ اس نے جناب عثمان کی عملی مدد کا وعدہ بھی کیا تھا_ اور جب جناب عثمان کا گھیراؤ کرنے والے لوگوں نے عبداللہ بن سلام کے متعلق اسے کہا کہ یہ ابھی تک بھی اپنی یہودیت پر ڈٹا ہوا ہے تو وہ اپنی یہودیت کی نفی کرنے لگا (1) نہ صرف یہ بلکہ ابن سلام ، کعب الاحبار اور یہود و نصاری کے دوسرے زعماء و بزرگان جنہوں نے اسلام کا اظہار کیا تھا وہ اسلامی حکومت کے بہت سے اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز تھے ، یہ

دونوں اشخاص بہت سے اہم امور میں اس وقت کے حکمرانوں کے مشیر اور
معاون ہوتے تھے۔
ہم بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہیں کہ وہ ہمیں اہل کتاب کی سیاہ کاریوں اور
مسلمانوں کی سیاست، عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں ان کی ریشہ
دوانیوں اور اثر گذاریوں کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھنے کی توفیق عطا
فرمائے۔

1) مندرجہ ذیل کتب میں اس کے اقوال ملاحظہ ہوں : المصنف صنعانی ج 11 ص 444، ص 445 و 446 نیز اسی کے حاشیہ میں از

طبقات ابن سعد ج 3 ص 83 ، حیاة الصحابہ ج 3 ص 540 ، مجمع الزوائد ج 9 ص 92 و 93 و الاصابہ ج 2 ص 321 _

2) ملاحظہ ہو: الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 223 و 224 _

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

23

دوسری فصل : غیر جنگی حوادث و واقعات

25

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے بعض مہاجرین کی واپسی :

جب حبشہ میں موجود مسلمانوں کو نبی اکرم (ص) اور مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت کی خبر پہنچی تو ان میں سے (33) مرد اور آٹھ عورتیں واپس آئیں۔ جن میں سے دو مرد مکہ میں فوت ہو گئے اور سات آدمیوں کو قید کر لیا گیا لیکن باقی مدینہ میں رسول اللہ (ص) کی خدمت میں پہنچے جن میں سے چوبیس افراد جنگ بدر میں بھی موجود تھے (1)۔ اور (حبشہ سے) مدینہ کی طرف ہجرت کا یہ سلسلہ جاری رہا (2) یہاں تک کہ حضرت جعفر (ع) ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے موقع پر باقی ماندہ افراد کو لے کر پہنچے۔ جسکا ذکر انشاء اللہ بعد میں آئے گا۔ مذکورہ بالا تیس اشخاص ان افراد کے علاوہ ہیں جو بعض کے بقول بعثت کے پانچویں برس اور ہجرت مدینہ سے آٹھ سال پہلے مکہ میں واپس آئے تھے۔ لیکن ان کا مکہ سے گزرنے کا سبب (حالانکہ وہ اسی شہر سے ہی بھاگ کر گئے تھے) بظاہر یہ ہے کہ چونکہ مدینہ کی طرف جانے والا راستہ مکہ کے قریب سے گزرتا تھا (3) تو شاید وہ مکہ میں موجود اپنے اموال کو لینے، اقربا اور رشتہ داروں سے ملنے اور بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد پھر مدینہ جانے کے ارادے سے مخفیانہ یا علانیہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے۔ لیکن قریش ان کے ساتھ قساوت قلبی اور سنگدلی کے ساتھ پیش آئے، ان کے لئے کسی قسم کے

(1) طبقات ابن سعد / حصہ 1 ص 139_

(2) طبقات ابن سعد ج/1 حصہ 1 ص 139، زاد المعاد ج/1 ص 25 و ج/2 ص 24 ، البدء والتاریخ ج/4 ص 152 و فتح الباری ج/7

ص 145_

(3) اور اس پر المصنف ج/5 ص 367 کی یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ "جب رسول اللہ (ص) کفار قریش سے برسریکارہونے تو وہ

مہاجرین حبشہ کے رسول (ص) خدا کے پاس پہنچنے سے مانع ہوئے یہاں تک کہ وہ لوگ جنگ خندق کے موقع پر مدینہ میں آپ (ص)

سے آملے " البتہ ان کا " جنگ خندق کے موقع پر " کہنا ، ناقابل تائید ہے اور شاید خندق ، خیبر کی جگہ لکھا گیا ہے۔

26

احترام ، غریب الوطنی اور رشتہ داری کا لحاظ بھی نہیں کیا اور یہ بات واضح ہے کہ حبشہ کے مہاجرین کے اس گروہ کا مدینہ میں پہنچنا نبی اکرم (ص) کے مدینہ پہنچنے کے چند مہینے بعد تھا کیونکہ نبی اکرم (ص) کی ہجرت کی خبر کا ان تک پہنچنا پھر ان کا مکہ کی طرف آنا اور وہاں پر رشتہ داروں سے ملاقات کرنا اور قریش کا وہ سلوک کرنا اور پھر ان کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا یہ سب چیزیں ایک طولانی مدت کے گزرنے کی متقاضی ہیں، یہاں تک کہ عسقلانی کہتا ہے: " ابن مسعود مکہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے تیس آدمیوں میں سے تھے اور وہ مدینہ میں اس وقت پہنچے جب نبی اکرم (ص) جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف

تھے" (1)۔

حضرت عائشہ نبی اکرم (ص) کے گھر میں :

ہجرت کے پہلے سال (اور کہا گیا ہے کہ دوسرے سال) حضرت عائشہ نبی اکرم (ص) کے بیت الشرف میں آئیں اور یہ ماہ شوال کی بات ہے، مورخین نے کہا ہے کہ نبی اکرم (ص) نے اس کے علاوہ کسی دوسری کنواری عورت سے شادی نہیں کی لیکن ہم اس بات کے صحیح ہونے پر اطمینان نہیں رکھتے اور اس کی وجہ نبی اکرم (ص) کے حضرت خدیجہ (ع) کے ساتھ ازدواج کی بحث میں گزر چکی ہے کہ حضرت خدیجہ (ع) کی رسول (ص) خدا کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے شادی کا مسئلہ نہایت مشکوک ہے۔ ہو سکا تو انشاء اللہ ہم آئندہ بھی اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

رخصتی کی رسم

اور ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے حضرت عائشہ کی رخصتی کی رسم نبی اکرم (ص) کے نزدیک اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ آپ (ص) نے اس کے لئے ولیمہ نہیں کیا حالانکہ اس دور میں لوگوں کو آپ (ص) سے ولیمہ کھانے کی توقع بھی تھی اور آپ (ص) اس کی طاقت بھی رکھتے تھے۔ صرف یہی کچھ نقل کیا گیا ہے کہ دودھ کا ایک پیالہ سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا اور اس میں سے کچھ آپ (ص) نے پیا اور باقی

حضرت عائشہ (2)

27

نے۔ اسی کو آپ (ص) کی اس شادی کا ولیمہ قرار دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ طبعی بات ہے کہ آپ (ص) تو اپنے پاس بیٹھنے والے کو کھانا پیش کرنے سے غفلت نہیں فرما سکتے تھے آپ (ص) کی زوجہ کی تو بات ہی اور ہے۔

انوکھا استدلال :

حضرت عائشہ نبی اکرم (ص) کے نزدیک اپنی منزلت اور شان پر اس طرح استدلال فرماتی تھیں کہ آپ (ص) نے ان کے ساتھ ماہ شوال میں ازدواج کیا تھا _ وہ کہتی تھیں کہ :

رسول اللہ (ص) نے ماہ شوال میں مجھے شرف زوجیت بخشا پس رسول اللہ (ص) (ص) کی ازواج میں سے کون سی زوجہ آپ (ص) کے نزدیک مجھ سے زیادہ منزلت رکھتی ہے؟ (1)۔

حقیقتاً یہ انوکھا استدلال ہے _ اس لئے کہ کب ماہ شوال کی اتنی عظیم فضیلت تھی جو حضرت عائشہ کی منزلت و فضیلت پر دلالت کرتی ہے؟

جبکہ بلاشك و شبہہ حضرت خدیجہ اور حضرت ام سلمہ اور دیگر ازواج، نبی

اکرم (ص) کے نزدیک ان کی نسبت زیادہ منزلت و عظمت رکھتی تھیں اسی وجہ سے تو یہ ان سے حسد کرتیں، ان کو اذیت دیتیں اور اکثر خودنہی اکرم (ص) کے سامنے بھی ان کے ساتھ بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتی تھیں ہمارے اس دعوے کے بعض دلائل ہجرت سے پہلے حضرت عائشہ کے عقد سے بحث کے دوران ذکر ہو چکے ہیں۔ اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض حضرات نے ماہ شوال میں عقد کے استحباب کا حکم صادر کیا ہے (2)۔ لگتا یہی ہے کہ رسول (ص) کریم کی رحلت کے بعد آنے والی حکومت وقت کی دست راست اور حکومت وقت اور ان کے حامیوں کی آنکھوں کے کانٹے حضرت علی (ع) کی اچھائی کے ساتھ نام تک نہ لے سکے والی (3)۔

(1) تاریخ طبری مطبوعہ الاستقامة ج 2 ص 118 ، السيرة الحلیبہ ج 2 ص 120، تاریخ الخمیس ج 1 ص 358۔

(2) نزہة المجالس صفوری الشافعی ج/2 ص 137۔

(3) فتح الباری ج 2 ص 131، مسند احمد ج 6 ص 228، و الغدير ج 9 ص 324۔

حضرت عائشہ سے کچھ لوگوں کی محبت و عقیدت ، اور ان کی خواہشات کو اہمیت دینا ہی ان لوگوں کی اس طرح کی شریعت سازی کا موجب بنا۔ حالانکہ

خود ہی روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت جویریہ اور حضرت حفصہ کے ساتھ ماہ شعبان میں اور زینب بنت خزیمہ کے ساتھ ماہ مبارک رمضان میں اور زینب بنت جحش کے ساتھ ذی القعدہ میں رشتہ ازدواج استوار فرمایا۔ پس اس صورت میں نبی اکرم (ص) نے اس مستحب کو ترک کیا ہے اور اس پر صرف اور صرف اکیلی حضرت عائشہ کے لئے عمل کیا ہے۔ یہ بات حقیقتاً تعجب آور ہے اور نہایت ہی عجیب ہے

ایک نئے دور کی ابتداء

بہر حال ... نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بیت الشرف میں حضرت عائشہ کے آنے سے امن و آشتی اور عظمت و وقار کے نمونہ اس گھر میں خاص قسم کی تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئیں اور یہ گھر بہت سے ایسے اختلافات اور جھگڑوں کی جولانگاہ بن گیا جو اکثر اوقات نبی اکرم (ص) کے لئے غم و غصہ کے موجب بنتے تھے اور اکثر جھگڑوں میں حضرت عائشہ کا کردار بنیادی ہوتا تھا۔ ہمارے اس مدعا پر تاریخ اور متواتر احادیث گواہ ہیں بلکہ بعض منابع کے مطابق خود حضرت عائشہ نے تصریح کی ہے کہ : "نبی اکرم (ص) کے بیت الشرف میں رونما ہونے والے تمام اختلافات کا سبب میں ہی تھی۔"

مومنین کے درمیان صلح والی آیت:

بعض مورخین نے غزوہ بدر سے پہلے کے حالات میں لکھا ہے (1) کہ رسول

اسلام (ص) ایک مرتبہ خزرج کے قبیلہ بنی حرت میں سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے۔

(1) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 64۔

29

آپ (ص) اپنی سواری پر سوار عبداللہ بن ابی کی ایک محفل کے قریب سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے۔ ان میں عبداللہ بن رواحہ بھی موجود تھا۔ آپ (ص) کی سواری کی ٹاپوں سے گرد و غبار اڑا تو ابن ابی نے اپنی چادر سے ناک ڈھاپنتے ہوئے کہا: "ہم پر گرد و غبار نہ اڑاؤ"۔ آپ (ص) سواری سے نیچے اترے اور اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی تو ابن ابی کہنے لگا: "بھلے مانس اگر تیری باتیں سچ ہیں تو یہ سب سے بہترین باتیں ہیں لیکن تیرے کہنے کا انداز بالکل بھی صحیح نہیں ہمیں محفل میں آکر پریشان مت کرو، جاؤ اپنی سواری کا رخ کرو اور جو تمہارے پاس آئے تم اسے یہ باتیں سنانا"۔ ابن رواحہ نے کہا: "جی ہاں یا رسول اللہ آپ ہمارے پاس آکر ہمیں اطمینان سے یہ باتیں سنائیں کیونکہ ہمیں آپ (ص) کی یہ فرمائشے ات پسند ہیں"۔ پھر تو مسلمانوں اور مشرکوں کے

درمیان ایسی گالی گلوچ شروع ہوگئی کہ مارکٹائی تک نوبت پہنچنے والی تھی
 _ لیکن رسول (ص) خدا انہیں خاموش رہنے کی برابر تلقین کرتے رہے ،
 یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگئے۔
 اس کے بعد آپ(ص) سعد بن عبادہ کے پاس تشریف لے گئے اور سارا ماجرا
 اسے سنایا۔ سعد نے عرض کی کہ آپ (ص) ابن ابی کو چھوڑ دیں کیونکہ جلد
 ہی ہم اس پر ہلہ بولیں گے۔ لیکن جب وہ ان کے حملے سے پہلے اسلام لے
 آیا تو سعد بن عبادہ کے قبیلہ والے اس پر چڑھائی سے باز رہے۔
 دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ رسول کریم (ص) اور کچھ مسلمان آپ (ص)
 کے ہمراہ ابن ابی کی طرف تشریف لے گئے تاکہ اس کے قبیلے سے روابط
 برقرار کریں۔ جب آپ(ص) اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: "دور ہو جاؤ
 مجھ سے بخدا تمہاری سواری کی بد بو سے مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔"
 اس پر ایک انصاری صحابی بولے: "اللہ کی قسم تیرے وجود کی بوسے رسول
 اللہ کی سواری کی بو کہیں زیادہ پاکیزہ ہے۔" ابن ابی کے قبیلے کے آدمی کو
 غصہ آیا اس نے اسے گالیاں دیں۔ اب طرفین غضبناک ہوگئے اور پھر دونوں
 میں چھڑیوں اور جوتوں سے لڑائی ہوئی۔

30

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:
 (و ان طائفان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بينهما ...) (حجرات 9)
 اگر مومنین کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرادو۔ (1)

تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ جس نے ابن ابی سے مذکورہ بات کی وہ
 عبداللہ بن رواحہ تھے اور لڑائی ابن رواحہ کے قبیلے اوس اور ابن ابی کے
 قبیلے خزرج کے درمیان ہوئی۔
 البتہ دونوں روایات قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ:
 اولاً: آیت صلح پہلی روایت پہ منطبق نہیں ہوتی کیونکہ اس روایت کی رو سے
 جھگڑا مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان تھا دو مسلمان گروہوں کے درمیان
 نہیں۔ بلکہ دوسری روایت سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ جھگڑا مومنین کے
 دو گروہوں میں تھا۔ اگر دونوں روایات کو ایک روایت قرار دیں کیونکہ دونوں
 کا سیاق و سباق اور مضمون ایک ہی ہے تو پھر بھی یہ اطمینان حاصل نہیں
 ہوتا کہ یہ آیہ مجیدہ اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہو۔
 ثانیاً: آیہ مجیدہ سورہ مبارکہ حجرات میں ہے جو ہجرت کے چند سال بعد
 نازل ہوئی۔ کیونکہ اس سورت کا نزول سورہ مجادلہ، اور جنگ خندق کی
 مناسبت سے نازل ہونے والی سورت احزاب اور دیگر سورتوں کے نزول کے
 بعد ہوا۔ جبکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ مذکورہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے
 کا ہے۔ ان ساری باتوں کے علاوہ روایات کے مضامین میں بھی اختلاف و
 تناقض پایا جاتا ہے جو واضح ہے۔
 البتہ ایسا بھی نہیں کہ روایت سرے سے ہی ناقابل قبول اور جعلی ہو۔ تاہم ہو
 سکتا ہے یہ واقعہ ہجرت کے چند سال بعد سورہ حجرات کے نزول اور ابن
 ابی کے اسلام لانے کے بعد رونما ہوا ہو اور جھگڑا مومنین کے دو گروہوں

کے درمیان ہو۔ اس اعتبار سے دوسری روایت مضمون کے زیادہ قریب اور مناسب ہے۔

(1) السيرة الحلبية ج/2 ص 63 و 64، درمنثور ج/6 ص 90 از مسلم، بخاري، احمد، البيهقي کی سنن، ابن مردويه، ابن جرير اور ابن منذر،

حياة الصحابة ج/2 ص 578، 579، 560 از البخاري ج/1 ص 370، ج/3 ص 845۔

31

سلمان محمدي (ص) کا قبول اسلام :

پہلی ہجری میں اور بقولے اسی سال کے ماہ جمادی الاولی (1) میں سلمان محمدي (ص) المعروف سلمان فارسی (حشر نا الله معه و فی زمرة) نے اسلام قبول کیا۔ یہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا: "سلمان منا اهل البيت" (2)۔ یہی وہ سلمان ہیں جنہوں نے دین حق کی تلاش میں اپنے علاقے سے ہجرت کی اور اس راہ میں انہوں نے بہت ساری مصیبتیں اور مشکلات برداشت کیں۔ یہاں تک کہ غلام ہوئے اور پھر نبی اکرم (ص) کے ہاتھوں آزاد ہوئے (3)۔ کہتے ہیں کہ مدینہ میں "قبا" کے مقام پر حضرت سلمان فارسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں حاضری دی اور آپ (ص) کے سامنے یہ کہہ کہ کھجوریں پیش کیں کہ یہ صدقہ ہے۔ آپ (ص) نے خودتو

کھانے سے انکار فرمایا لیکن اصحاب سے امر فرمایا کہ کھالیں تو انہوں نے یہ
 کھجوریں کھالیں۔ حضرت سلمان نے اسے پہلی نشانی شمار کیا۔
 اگلی مرتبہ پھر جناب سلمان کی ملاقات آنحضرت (ص) سے مدینہ میں ہوئی۔
 اس نے آپ (ص) کی خدمت میں کھجوریں یہ کہہ کر پیش کیں کہ یہ تحفہ ہے
 آپ (ص) نے قبول فرمایا اور کھجوریں کھالیں پس حضرت سلمان نے اسے
 دوسری نشانی شمار کیا۔

1) تاریخ	الخمیس	/ج	1	ص	351_
2) قاموس	الرجال	4/ج		ترجمہ	سلمان_

(3) المصنف ج / 8 ص 418 مینان کے اسلام لانے کا واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلمان فارسی کے علاقے میں ایک رابب
 تھا۔ آپ نے بعض خاص قسم کی تعلیمات اس سے سیکھیں اور علاقے کے لوگوں کو بتائیں تو انہوں نے رابب کو اپنے علاقے سے
 نکال باہر کیا۔ آپ اپنے اہل و عیال سے چھپ کر اس کے ساتھ وہاں سے نکلے اور موصل پہنچ گئے۔ وہاں انکی ملاقات
 چالیس 40 راببوں سے ہوئی۔ چند ماہ بعد ایک رابب کے ہمراہ آپ بیت المقدس گئے وہاں ایک رابب کی سخت عبادت و ریاضت اور انکی
 بے چینی کو دیکھا لیکن پھر جلد ہی اس کا دل اس سے بھر گیا۔ وہاں انصار کے سواروں کے ایک دستے نے ان راببوں سے حضرت
 سلمان کے بارے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک بھگوڑا غلام ہے۔ پس انہوں نے اسے مدینے لے جا کر ایک باغ میں کام پر
 لگادیا۔ اس رابب نے جناب سلمان کو بتایا تھا کہ عرب سے ایک نبی (ص) نے عنقریب ظہور کرنا ہے جو صدقہ نہیں کھانے گا، بدیہ
 قبول کرے گا اور اسکے شانوں پر نبوت کی مہر ہوگی۔ اس رابب نے آپ سے کہا تھا کہ اسکی اتباع کرنا۔

اسکے بعد حضرت سلمان کی ملاقات آپ (ص) سے بقیع کے ایک نشیب میں ہوئی جہاں آپ (ص) اپنے بعض اصحاب کی تشیع جنازہ میں شریک تھے پس قریب آئے ، آپ (ص) پر سلام کیا اور پیچھے پیچھے چل دیئے۔ آپ (ص) نے اپنی پشت مبارک سے چادر ہٹائی تو دیکھا کہ شانوں پر نبوت کی مہر موجود ہے۔ پس اب وہ آپ (ص) کی طرف جھکے ، شانوں پر بوسہ دیا اور گریہ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اسلام قبول کیا اور آپ (ص) کی خدمت میں اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ اسکے بعد حضرت سلمان نے اپنے مالک سے اپنی آزادی کا معاہدہ کیا اور اپنی آزادی کی رقم ادا کرنے کے لئے محنت مزدوری کرنے لگا اور آنحضرت (ص) نے بھی اس کی مالی امداد فرمائی۔ اور پھر حضرت سلمان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی غلامی میں اپنی ساری زندگی گذاردی تا کہ اس آزادی کا حق ادا کرسکیں۔ اس نے پہلی مرتبہ جنگ خندق میں حصہ لیا اور پھر اس کے بعد کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ انہوں نے پہلے پہل جنگ بدر میں حصہ لیا اور یہ نظریہ رسول (ص) خدا کی مالی امداد کے تناظر میں زیادہ مناسب ہے۔ اسکے لئے حدیث و تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ (1) نیز ہماری کتاب "سلمان الفارسی فی مواجهة التحدي" (سلمان فارسی چیلنجوں کے مقابلے میں) بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ایک اہم بات :

یہاں قابل ملاحظہ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت سلمان نے ذاتی احساسات یا مفادات کی بناء پر اسلام قبول نہیں کیا اور نہ ہی کسی مجبوری یا کسی کے دباؤ یا کسی سے متاثر ہونے کی بنا پر اسلام قبول کیا بلکہ خالصتاً اپنی عقل و فکر اور سوچ و بچار کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ دین حق تک پہنچنے کے لئے انہوں نے بہت سعی و کوشش کی اور اس راہ میں بہت سی رکاوٹوں، مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کیا۔ اور یہ بات اس دین کے فطری ہونے نیز عقل کے احکامات اور سالم فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہونے کی تائید کرتی

1) بطور مثال قاموس الرجال ج/4 ، الاصابہ ج/2 ص 62 ، الاستیعاب اور دیگر کتابیں۔

ہے۔ اسی طرح کی باتیں ہم حضرت ابوذر کے اسلام قبول کرنے کے واقعات میں بیان کر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

رومہ کا کنواں حضرت عثمان کے صدقات میں :

بعض نے حضرت عثمان کے فضائل میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ (ص) مدینہ تشریف لائے تو سوائے رومہ کے کنویں کے کوئی اور ایسا کنواں نہ

تھا جس سے صاف اور میٹھا پانی پیا جاتا۔ آنحضرت (ص) نے فرمایا: "کون ہے جو اپنے ذاتی مال سے اس کنویں کو خریدے اور اپنی بالٹی اور دیگر مسلمانوں کی بالٹیاں اس میں قرار دے (یعنی سب مسلمانوں کے لئے وقف کر دے) تو اسے جنت میں اپنی پسند کا اس سے بھی اچھا کنواں ملے گا؟" پس حضرت عثمان نے اپنے خالص مال سے اس کنویں کو خریدا اور اس کنویں میں اپنی اور مسلمانوں کی بالٹیاں ڈال دیں۔ لیکن جب حضرت عثمان کا محاصرہ ہو تو لوگوں نے انہیں اس کنویں سے سخت پیاس کی صورت میں بھی پانی نہیں پینے دیا تھا حتیٰ کہ وہ مجبور ہو کر سمندر کا پانی پینے لگے تھے۔

لیکن ان روایات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم بعد میں مدارك و مصادر کی طرف اشارہ کریں گے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے ہمیں ان کے صحیح ہونے کے بارے شک ہے۔ یہ اختلافات مندرجہ ذیل ہیں:۔
 اولاً: روایات میں اتنا تناقض و اختلاف ہے کہ کوئی ایک روایت بھی دوسری سے نہیں ملتی۔ مثلاً کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کے خلاف بغاوت ہوئی تو انہوں نے باغیوں کو رومہ کے کنویں والے واقعہ کا واسطہ دیا لیکن یہاں روایتوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک روایت تو یہ کہتی ہے کہ جب وہ اپنے گھر میں محاصرے میں تھے تو تب انہوں نے لوگوں کے سامنے آکر یہ بات کی تھی جبکہ ایک اور روایت کہتی ہے کہ اس وقت وہ مسجد میں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آدھا کنواں سو اونٹنیوں کے عوض اور باقی

آدھا ایک آسان نرخ پہ خریدا_ دوسری روایت کہتی ہے کہ چالیس ہزار کا کنواں
خریدا ایک اور روایت میں

34

ہے کہ 35 اونٹنیوں کے عوض خریدا_ چوتھی روایت ہے کہ آدھا کنواں بارہ
ہزار درہم میناور باقی آدھا آٹھ ہزار میں خریدا_
ایک اور روایت اس بارے میں یہ ہے کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا_ کوئی بھی
قیمت ادا کئے بغیر اس سے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں پی سکتا تھا_ ایک اور
روایت کہتی ہے کہ یہ کنواں قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کا تھا_ تیسری
روایت کہتی ہے کہ یہ کنواں بنی غفار کے ایک شخص کی ملکیت تھا_ یہاں
ایک روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت عثمان نے کنواں خریدا جبکہ دوسری یہ
کہتی ہے کہ انہوں نے کنواں کھودا_ لوگ دونوں روایتوں کو جمع کرتے
ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے پہلے کنواں خریدا لیکن اسکے بعد اسے دوبارہ
کھودنے کی ضرورت پڑ گئی_ (1) لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ
خود کہتے ہیں کہ اس کا ذکر حضرت عثمان نے اس وقت کیا تھا جب اصحاب
کو اس کی قسم دی تھی اور یہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ ہوا تھا_
ایک روایت یہ کہتی ہے کہ یہ چشمہ تھا جو زمین پر جاری تھا جبکہ دوسری
کہتی ہے کنواں تھا_ ایک روایت کہتی ہے کہ حضرت عثمان نے نبی صلی اللہ
علیہ و آلہ و سلم اور مسلمانوں کے مدینہ پہنچنے پر کنواں خریدا_ لیکن

دوسری روایت کی حکایت یہ ہے کہ جب خلیفہ تھے تب یہ کنواں خریدا تھا۔
 ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت (ص) نے ان سے کنواں خریدنے کو
 فرمایا۔ دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ آنحضرت (ص) نے مسلمانوں میں
 اعلان کرایا کہ کوئی ہے جو کنواں خریدے۔ تیسری روایت کا کہنا ہے کہ اس
 غفاری (کنویں کے مالک) نے جنت میں دو چشموں کے بدلے بھی پاک
 پیغمبر (ص) کے ہاتھوں اسے بیچنا گوارا نہ کیا۔ جب یہ بات حضرت عثمان
 کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اسے 35 ہزار میں خریدا (2)۔

(1) اس توجیہ کو سمہودی نے وفاء الوفاء ج/ 3 ص 970 میں ذکر کیا ہے۔
 (2) ان روایات کا مطالعہ فرمائیں اور ان کا آپس میں تقابل کریں۔ وفاء الوفاء للسمہودی ج/ 3 ص 967 _ 971 ، سنن نسائی ج/ 6 ص
 234 ، 235 ، 236 ، منتخب کنز العمال ج/ 5 ص 11 ، حیات الصحابہ ج/ 2 ص 89 از طبرانی وابن عساکر ، مسند احمد ج/ 1 ص 70 ، 75
 ، السیرة الحلبیہ ج/ 2 ص 75 ، اسی طرح بغوی، ابن زبالہ، ابن شبہ، ابن عبدالبر، الحازمی، ابن حبان، ابن خزیمہ سے بھی روایت کی گئی
 ہے ، الترمذی ص 627 ، حلیۃ الاولیاء ج/ 1 ص 58 ، البخاری حاشیہ فتح الباری ج/ 5 ص 305 ، فتح الباری ج 5 ص 305 ، 306 ، سنن
 بیہقی ج/ 6 ص 167 ، 168 نیز الترتیب الاداریہ۔

35

اختلافات اور تناقضات کی فہرست طولانی ہے جن کے ذکر کا موقع نہیں
 ہے۔ اگر کوئی چاہے تو ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے جن کے ہم نے

حوالہ دیئے ہیں۔

ثانیاً : نسائی، مسند احمد اور ترمذی جیسی کتب میں ایک روایت مذکور ہے کہ آپ(ص) جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں میٹھا اور پینے کے قابل پانی نہ تھا۔ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیوں کہ جب آپ(ص) مدینہ تشریف لائے تو میٹھے پانی کے کافی سارے کنویں تھے۔ جن کنوؤں سے حضرت (ص) نے زندگی بھر پانی استعمال فرمایا۔ ان کنوؤں میں سے اسقیا، بضاعہ، جاسوم اور دار انس کے کنویں تھے جن میں آنحضرت(ص) نے اپنا لعاب دین پھینکا تو اسکے بعد مدینے میں ان سے زیادہ میٹھے پانی کا کوئی اور کنواں نہ تھا(1) اس کے علاوہ بہت سارے کنویں تھے اس سلسلے میں وفاء الوفاء کے باب " آبار المدینہ" کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

ثالثاً : اگر رومہ کے کنویں والی حدیث صحیح مان لی جائے تو پھر مندرجہ ذیل جواب طلب سوالات سامنے آتے ہیں۔

1_ حضرت عثمان جو حبشہ سے تازہ آئے تھے اور انکے پاس کوئی مال و متاع بھی نہ تھا تو پھر چالیس ، پینتیس یا بیس ہزار درہم اور سو اونٹنیاں کہاں سے آگئیں۔ انہوں نے کب اور کس طرح یہ مال کمایا؟

2_ حضرت عثمان نے جنگ بدر کے موقع پر اتنی بڑی رقم کے ہوتے ہوئے مدد کیوں نہ کی؟ یا ان اونٹیوں میں کوئی چیز کیوں خرچ نہ کی جو روایات کے بقول یہ ان کا خالص ذاتی مال تھا؟ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کو چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ دو یا تین افراد ایک ہی

اونٹ پر بیٹھتے تھے اور ان کے پاس صرف ایک ہی گھوڑا تھا _ مسلمانوں کے پاس صرف چھ عدد زر ہیں اور آٹھ عدد تلواریں تھیں جبکہ باقیوں نے ڈنڈوں اور کھجور کی چھڑیوں کے ساتھ جنگ کی _ اسکا اور اس کے منابع کا ذکر آئے گا _

حضرت عثمان نے اپنے اموال سے بالکل بھی مدد نہ کی؟ کیا پھر بھی یہ بات درست اور معقول ہے کہ انہوں نے اپنے پاس موجود سب کچھ لٹا دیا اور خالی ہاتھ ہو گئے؟

(1) وفاء الوفاء للمہودی ج/ 3 ص 951 ، 956 ، 958 ، 959 ، 972 _

36

حضرت عثمان نے کیونکر غریب مسلمانوں کو کھانا نہ کھلایا ، انکی ضروریات کو پورا نہ کیا اور انصار کی مدد نہ کی؟ خود پیامبر اسلام (ص) کی مدد کیوں نہ کی _ جبکہ آپ (ص) شدید اقتصادی بحران کا شکار تھے اور آپ (ص) اور مسلمانوں کی معاشی حالت ہجرت کے چند سال بعد جاکے کہیں ٹھیک ہوئی؟

3_ بعض روایات کہتی ہیں کہ حضرت عثمان کو اس کنویں کا پانی پینے سے منع کر دیا گیا جس سے وہ سمندر کا پانی پینے پر مجبور ہو گئے _ یہ بات واقعاً

بہت عجیب ہے پس اگر حضرت عثمان پانی حاصل کرسکتے تھے تو انہوں نے مدینہ میں دسیوں کی تعدا میں موجود دیگر کنوؤں کا میٹھا پانی کیوں استعمال نہیں کیا ؟_

کیونکہ جس شخص نے پانی پینے سے منع کیا تھا وہ تو چاہتا تھا کہ ان تک کسی طرح کا کوئی پانی ، کہینسے بھی نہ پہنچے۔ کیونکہ بقول ان کے حضرت عمار یاسر اس تک پانی پہنچانے لگے تو طلحہ نے انہیں منع کر دیا

(1)_

پس جب تک حضرت علی (ع) نے اپنے بچوں کے ہمراہ پانی نہیں پہنچایا تب تک انہیں پانی میسر نہیں آیا اور واضح ہے کہ آپ(ع) نے اس کام سے اپنے خاندان کو خطرات میں جھونک دیا۔ کیا یہ درست ہے کہ انہوں نے واقعا سمندر کا پانی پیا تھا؟_ جبکہ سمندر کا فاصلہ مدینہ سے بہت زیادہ دور ہے۔ یا یہ نمکین اور کھارا پانی استعمال کرنے سے کنایہ ہے ؟ ؟

4_ اگر حضرت عثمان نے یہ سارا مال صدقہ کیا تھا تو کیوں ان کی مدح میں ایک آیت بھی نازل نہیں ہوئی جو اس عمل کی تعریف کرتی جبکہ حضرت علی (ع) نے مختلف اوقات میں " جو کی تین روٹیاں " ، " انگوٹھی " ، " چاردرہم " اسی طرح " نجوی " کے واقعہ میں صدقے دیئے تو مختلف آیات کے نزول سے تعریف کے مستحق بنے لیکن حضرت عثمان کئی ہزار درہم اور ایک سو اونٹنیاں صدقہ دینے پر بھی کسی تعریف کے مستحق نہیں ٹھہرے بلکہ خدا نے ان کے متعلق ایک کلمہ یا ایک حرف تک بھی ارشاد نہیں فرمایا ؟ اس کے

برعکس وہ روایت جو اس عظیم فضیلت کو بیان کرتی ہے اس میں بہت زیادہ
تناقض پایا جاتا ہے اور وہ علمی اور آزاد تنقید کے سامنے بالکل نہیں ٹھہرتی
_ اس کے علاوہ انہونے بھی دوسرے صحابہ کی طرح ایک درہم کا صدقہ
دے کر "آیت"

(1) وفاء الوفاء ج 3 ص 945 _

37

نجوي" پر عمل کیوں نہیں کیا؟ یہاں تک کہ اصحاب کی مذمت میں آیت نازل
ہوئی۔ اور رسول (ص) سے گفتگو سے قبل صدقہ دینے سے کترانے پر ان
کی بھی دوسرے صحابہ سمیت مذمت کی ہے۔

"اریس" کا کنواں

بالاخر ہم یہ نہیں جان سکے کہ صرف "رومہ" کے کنویں کو اتنی عزت و
عظمت کیسے ملی اور اریس کے کنویں کے ساتھ ایسا کیوں نہ ہوا؟ _ جبکہ
دعویٰ یہ ہے کہ یہ کنواں بھی حضرت عثمان نے ہی ایک یہودی سے خریدا
تھا۔ پھر اسے وقف بھی کر دیا تھا۔ (1) اللہ تعالیٰ حضرت عثمان کو کنوؤں
کے معاملے میں برکت دے لیکن یہودیوں کو تو اس غم اور غصہ سے مرجانا
چاہئے تھا کیونکہ کنویں تو وہ کھودتے تھے لیکن ان سے حضرت عثمان

خرید خرید کر وقف کر دیتے تھے اور یہ سب فضیلت ، کرامت اور عظمت حاصل کرتے جاتے تھے۔

مسئلے کی حقیقت

ظاہراً صحیح بات وہی ہے جو " عدی بن ثابت " کے ذریعہ سے ابن شہہ کی روایت میں آئی ہے کہ مزینہ قبیلے کے ایک شخص کو " رومہ " نامی کنواں ملاتو اس نے اس کا ذکر حضرت عثمان (جو اس وقت خلیفہ تھے) سے کیا تو انہوں نے یہ کنواں بیت المال سے 30 ہزار درہم کا خرید کر اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا (2)۔

لیکن سمہودی نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ روایت متروک ہے اور زبیر بن بکار نے اپنی کتاب "عتیق" میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔ لیکن وہ اسے رد کرتے ہوئے کہتا ہے: " یہ درست نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ثابت یہ ہے کہ حضرت عثمان نے یہ کنواں رسول اسلام (ص) کے زمانے میں اپنے مال سے خرید کر اسے وقف کر دیا تھا" (3)۔

(1) وفاء الوفاء ج 3 ص 968

(2) وفاء الوفاء ج 3 ص 967 از ابن شہہ۔ اس روایت کو زبیر بن بکار نے بھی روایت کیا ہے۔

(3) گذشتہ حوالہ۔

جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ روایات جن کی طرف زبیر بن بکار نے اشارہ کیا ہے کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہیں۔ خصوصاً جبکہ ان روایات میں بہت اختلاف اور تناقض پایا جاتا ہے اور ان روایات پہ ایسے اعتراضات بھی گزر گئے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں نیز ان روایات کی اسناد و مدارک میں بھی بہت سے اعتراضات ہیں۔ ایسے حالات میں روایت مذکور کی سند میں متروک شخص کے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسے ماننا ہی پڑے گا کیونکہ یہ روایت اس زمانے کے حالات اور تاریخی واقعات سے مطابقت بھی رکھتی ہے۔ اور بقیہ روایات بھی صحیح نہیں ہوسکتیں کیونکہ یہ ساری کی ساری حضرت عثمان کی فضیلت بنانے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ البتہ مذکورہ بالا روایت کا یہ جملہ ہم نہیں سمجھ سکے " انہوں نے بیت المال مسلمین سے 30 ہزار درہم کا کنواں خریدا اور پھر مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دیا..."۔ اگر یہ کنواں مسلمانوں کے اموال سے خریدا گیا تھا تو پھر مسلمانوں ہی کے لئے وقف کرنے کا کیا معنی ہے؟ ہاں اس صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ در حقیقت بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اس لئے اسے وقف کہتے تھے۔ اور ہم نے ان کے اس نظریئے پر کچھ دلائل اور قرائن بھی بیان کئے ہیں اس لئے آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں (1)

کھجور کی پیوندکاری

کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جب مدینہ تشریف لائے اور کھجوروں کی پیوند کاری کر نے والے کچھ افراد کے قریب سے گزرے (یا ان کا شور سنا) تو آپ (ص) نے ان سے فرمایا اگر تم اس کام کو چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ ان لوگوں نے اس کام کو چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کھجوریں نرم گٹھلی والی اور خراب نکل آئیں۔ پھر ایک روز ان کے قریب سے گزرے یا ان سے یہ بات ذکر کی گئی، تو آپ (ص) نے استفسار فرمایا کہ کیا ہوا تمہاری کھجوروں کو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ (ص) نے ہی تو ایسا کرنے کو کہا تھا (لہذا اس کا نتیجہ واضح ہے)۔ آپ (ص)

(1) ملاحظہ ہو ہماری کتاب: دراسات و بحوث فی التاريخ و الاسلام، بحث "ابوذر، سوشلسٹ، کیمونسٹ یا مسلمان؟"۔

39

نے فرمایا: "تم لوگ دنیاوی امور کو مجھ سے بہتر جانتے ہو"۔ یا یہ فرمایا: "اگر مفید تھا تو انہیں ویسا ہی کرنا چاہئے تھا میں نے تو یوں ہی ایک گمان کیا تھا۔ لہذا تم لوگ اس گمان کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہیں کر سکتے۔ البتہ میں جب اللہ تعالیٰ کی کوئی بات تمہیں بتاؤں تو تم اس پر ضرور عمل کرو کیونکہ میں خدا پر ہرگز جھوٹ نہیں بولتا" (1)۔ ہمیں اس روایت کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ کیونکہ اس روایت کی

نصوص میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل چند سوالات کا پوچھنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ایسے کاموں میں مداخلت کیوں کرتے تھے جن سے آپ (ص) کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا اور نہ ہی آپ (ص) کو ان میں کوئی مہارت حاصل تھی؟ کیا آپ (ص) نہیں جانتے تھے کہ لوگ آپ (ص) کی باتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ آپ (ص) کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر عمل کرتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں؟۔۔۔ لوگ اتنے بڑے نقصان پر کیسے راضی ہو گئے؟ پھر آپ (ص) کے مشورے کے نتیجہ میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار کون تھا؟ پھر آپ (ص) کا یہ کہنا کیسا؟ آپ (ص) تو وہ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ وہ آپ (ص) سے جو کچھ بھی سن رہا ہے سب تحریر کرے کیونکہ آپ (ص) کی زبان مبارک سے سوائے حق کے کوئی چیز نہیں نکلتی؟ یہ روایت بہت مشہور و معروف ہے۔ یہ روایت اپنے مآخذ مدارک کے ساتھ پہلی جلد میں بیان ہو چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔۔۔ اسی طرح آپ (ص) کا سن مبارک اس وقت (33 تینتیس) سال سے زیادہ تھا اور آپ (ص) عرب خطے کے مرکزی حصے کے رہنے والے تھے۔ کیا ہم اس بات کی تصدیق کر سکیں گے کہ آپ (ص) پیوند کاری اور اس کے فوائد کو نہیں جانتے تھے اور یہ کہ کھجور اسکے بغیر کوئی نتیجہ نہیں دیتی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ (ص) نے زندگی کا

1) صحیح مسلم ج/7 ص 95، سنن ابن ماجہ ج/2 ص 825 کتاب الرہون باب 15، مسند احمد ج/6 ص 123 نیز ج 3 ص 152، البر صان
والعرجان ص 254، مشکل الآثار ج/2 ص 294، كشف الاستار عن مسند البزار ج 1 ص 112، مسند ابو یعلیٰ ج 6 ص 198 و 238 و
صحیح ابن حبان مطبوعہ مؤسسة الرسالة ج 1 ص 201۔

40

ایک بڑا عرصہ اس کے متعلق کچھ بھی نہ سنا ہو حالانکہ آپ (ص) انہی
عربوں کے درمیان اور ان کے ساتھ رہتے تھے یا کم از کم ان کی ہمسائیگی
میں تو تھے؟
بالآخر ... کیا یہ صحیح ہے کہ دنیاوی امور میں لوگوں پر آپ (ص) کی
اطاعت واجب نہ تھی؟ اور یہ کہ آپ (ص) نے اپنی رائے بیان فرمائی تھی؟
کیا یہ درست ہے کہ اسلام، دین اور دنیا میں فاصلے کا قائل ہو اور اس دین
مقدس کا کل ہم و غم دنیاوی امور نہ ہوں بلکہ صرف اخروی امور ہوں؟ کیا
یہ اسلام پر بہتان اور تہمت نہیں ہے؟ کیا یہ سب کچھ اسلام اور قرآن و سنت
کی تعلیمات کے برخلاف نہیں؟ اور کیا یہ سیکو لرازم کی طرف اشارہ نہیں؟
اور اسلام کو صرف عبادت گاہوں میں منحصر کرنے کی ابتداء نہیں؟

الصحيح من سيرة النبي الاعظم (ص)

تیسری فصل :

ابتدائے ہجرت میں بعض اساسی کام

تمہید:

مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد رسول اکرم (ص) نے بہت سے ایسے بنیادی کام انجام دیئے جو آپ (ص) کی اسلامی دعوت کے مستقبل سے مربوط تھے، یہ کام مختلف نوعیت کے تھے ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

1: نماز جمعہ کا انعقاد۔

2 : مسجد قبا کی تعمیر، ان دونوں کاموں کے متعلق ہم پہلے بحث کرچکے ہیں۔

3 : مدینہ میں مسجد کی تعمیر۔ اس بارے میں ایک علیحدہ فصل میں بات کریں گے۔

4 : ہجری تاریخ کا آغاز۔ اس کے لئے بھی ایک علیحدہ فصل مخصوص کی گئی ہے۔

5 : مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ۔
6 : مسلمانوں کے آپس میں آئندہ تعلقات نیز غیر مسلم اقوام کے ساتھ ان کے روابط

کی نوعیت اور حدود کا تعین۔
7 : علاقے میں بسنے والے یہودیوں سے صلح :
اور ان مؤخر الذکر تین امور کے لئے بھی علیحدہ فصل رکھی گئی ہے۔
اس سلسلے میں آنحضرت (ص) نے کچھ اور کام بھی انجام دیئے ، آپ (ص)
کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم ان کی طرف اشارہ کریں گے ، یہاں
ہم مؤخر الذکر آپ (ص) کے پانچ کاموں کی وضاحت کرتے ہیں اور ابتدا
ہجری تاریخ کے آغاز سے کرتے ہیں۔

44

1_ ہجری تاریخ کی ابتداء کے متعلق تحقیق

کسی بھی ایسے تمدن کی حیات اور دوسرے گروہوں ، قبیلوں اور قوموں پر
اس کے غلبے اور مطلوبہ اہداف تک پہنچنے کے لئے حالات، واقعات اور
معاملات کو ضبط تحریر میں لانا ایک لازمی اور ناگزیر امر ہے جو مذکورہ
کاموں کا ارادہ رکھتی ہو۔ اور یہ مسئلہ اس مسلم امت کے لئے بہت ہی اہمیت
کا حامل ہوجاتا ہے جو الطاف خداوندی اور رضائے الہی کے سائے میں پھل

پھول رہی ہو اور زمانوں بلکہ طویل دورانیے تک کے لئے تمام انسانوں کے تمام امور اور حالات کو دگرگوں کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ یہیں سے یہ بات بالکل واضح اور بدیہی ہو جاتی ہے کہ رسول (ص) خدا نے فوری طور پر پہلا کام ہی تاریخ وضع کرنے کا کیا ہوگا۔ بلکہ تعمیر مسجد کی طرح یہ بات بھی آپ (ص) کی اولین ترجیحات میں ہونی چاہئے تھی۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ در پردہ ہاتھوں نے اس اہم ترین واقعہ کی بھی پردہ پوشی کرنی چاہی۔ اس لئے اس واقعہ پر تاریخی لحاظ سے بحث کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں علمی دلائل کے ساتھ ہمارے لئے یہ قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ اس ہجری تاریخ کو رسول (ص) کریم نے ہی وضع کی ہے۔ اور آپ (ص) نے ہی کئی بار اور کئی موقعوں پر تاریخ گذاری کی ہے۔ اس لئے ہم یہ سب سمجھنے کے لئے اس بحث کی ابتداء ہی اس سوال سے کرتے ہیں کہ :

کس شخص نے سب سے پہلے ہجرت نبویہ کے ساتھ تاریخ لکھی ؟

تمہید:

مؤرخین کہتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے ہجرت نبویہ کے ساتھ تاریخ لکھی وہ خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب ہے۔ اور اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ تاریخ کے لئے ہجرت کو مبداء اور بنیاد قرار دینا حضرت علی ابن ابی

طالب (ع) کی رہنمائی سے تھا (1) اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ مشورہ دینے والے فقط حضرت علی (ع) نہیں تھے

(1) تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص 76 ، الكامل لابن الاثیر مطبوعہ صادر ج/2 ص 526، تاریخ الیعقوبی ط صادر ج/2 ص 145 ، التنبیہ والاشراف ص 252 ، محاضرة الاوائل ص 28 ، تهذیب تاریخ ابن عساکر ج/1، ص 23 ،فتح الباری ج / 7 ، ص 209 ، تاریخ الخلفاء ص 132 ، 136 ، ص 23 و 138 از تاریخ بخاری ،بحار الانوار ج /58 ص 350 ، 351 ، سفینة البحار ج/2 ص 641 المناقب لابن شهر آشوب ج/2 ص 144 ، البحار ج/40 ص 218، ا حقائق الحق ج/8 ص 220 علی و الخلفاء ص 141، 139 ، اعلان بالتویخ ص 80 و 81 والوسائل سیوطی ص 129_

45

بلکہ ان کے ہمراہ کچھ اور صحابہ بھی تھے (1) اور تیسرے گروہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ کچھ صحابہ نے مشورہ دیا تھا لیکن مشورہ دینے والوں کا نام ذکر نہیں کیا (2)_ اور چوتھا گروہ مشورہ کے ذکر سے خاموش ہے اور فقط اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہجری تاریخ لکھی (3)_

تاریخ گذاری کی حکایت مؤرخین کی زبانی:

مؤرخین نے وضع تاریخ کے سبب کے متعلق مختلف حکایتیں نقل کی ہیں لیکن

ہم نے ابن کثیر سے منقول واقعہ کا انتخاب کیا ہے البتہ در میان میں بعض وضاحتوں کو بریکٹ میں لکھا ہے، اور ان کے منابع کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔

ابن کثیر کہتا ہے کہ واقدی کا قول ہے کہ اسی سال (یعنی 16 ویں، 17 ویں یا 18 ویں (4) سال کے ربیع الاول میں حضرت عمر بن الخطاب نے تاریخ لکھی اور یہ پہلی شخصیت ہے کہ جس نے تاریخ لکھی۔ البتہ اس کی وجوہات کے متعلق میں کہتا ہوں کہ ہم نے سیرت عمر میں اس کے سبب کو ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر کے پاس ایک سند لائی گئی جس میں ایک شخص کے لئے دوسرے شخص کے ذمہ قرض لکھا ہوا تھا کہ جسے شعبان میں ادا کیا جانا تھا تو اس نے کہا کہ کون سا شعبان؟ اس سال کا، گذشتہ سال کا یا آئندہ سال کا؟

پھر (اصحاب النبی (ص)) کو جمع کیا اور کہا کہ لوگوں کے لئے کوئی ایسی تاریخ معین کریں کہ جس سے ان کو

(1) البداية والنهاية ج/7 ص 74 ، الوراء والکتاب ص 20 و مآثر الانافة ج 3 ص 336۔

(2) صبح الاعشى ج/6، ص 241، مآثر الانافة ج3ص36 ، فتح الباری ج7ص209، کامل ابن ج 1، ص10۔

(3) الاستيعاب (حواشی الاصابة) ج 2 ، ص 460، المحاسن والمساوی ج 2 ص 68 ، تاریخ الخميس ج/1 ص 338 ، اور ج/2 ص

241، تہذیب التہذیب ج/7 ص 440 ، مآثر الانافة ج1، ص 92 ، تحفة الناظرین شر قاوی (حواشی فتوح الشام) ج/ 2 ص 62، صفة

الصفوة ج/1 ص 276 ، طبقات ابن سعد ج 3 ، حصہ اول ص 202 تاریخ ابن الوردي ج/1 ص 145 الاوائل للعسكري ج/1 ص 223 تاریخ

طبری ج/3 ص 277 ، محاضرات الراغب ج1 ص 105 ، الانس الجلیل ج1 ص188 الاعلاق النفیسه ص 199 بحار الانوار ج58 ص 349

و 350 ، نیز ملاحظہ ہو: الاعلان بالتویخ ص 79 و نفس الرحمان ص 44_

(4)الوزراء والکتاب ص 20 نیز البدایہ والنہایہ ج3 ص 206 و 207_

46

اپنے قرض کی ادائیگی کا وقت معلوم ہو _ کہا جاتا ہے کہ کچھ حضرات (یا ہرمزان) (1) نے کہا کہ ایرانیوں کی طرح تاریخ لکھی جائے جیسا کہ وہ اپنے بادشاہوں سے تاریخ لکھتے ہیں ، جب ایک بادشاہ ہلاک ہو جاتا ہے تو بعد میں آنے والے بادشاہ کی تاریخ حکومت سے تاریخ لکھتے ہیں لیکن اسے اصحاب نے ناپسند کیا ، کچھ لوگوں نے (جو یہودیت سے مسلمان ہوئے تھے) (2) کہا: "اسکندر کے زمانہ سے روم کی تاریخ لکھی جائے" _ اسے بھی طولانی ہونے کی وجہ سے ناپسند کیا گیا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ نبی اکرم (ص) کی ولادت سے تاریخ لکھی جائے اور کچھ کہتے تھے کہ آپ (ص) کی بعثت سے لیکن حضرت علی (ع) ابن ابی طالب اور کچھ صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ (ص) کی مدینہ کی طرف ہجرت سے تاریخ لکھی جائے کیونکہ یہ واقعہ ہر شخص کے لئے آپ (ص) کی ولادت اور بعثت کی نسبت زیادہ واضح ہے _ پس حضرت عمر اور دیگر صحابہ نے اس کو پسند کیا اور حضرت عمر نے حکم دیا کہ نبی (ص) اکرم کی ہجرت سے تاریخ لکھی جائے

(3)

اور حاکم نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے (اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے) کہ اس نے کہا ہے کہ " حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ کس دن سے تاریخ لکھی جائے تو حضرت علی (ع) بن ابی طالب نے فرمایا کہ جس روز نبی اکرم(ص) نے ہجرت فرمائی تھی اور شرك کی زمین کو چھوڑا تھا

-
- (1) صبح الاعشى ج/6 ص 241 ، اس میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اسے خط لکھا اور مشورہ چاہا البحار ج/58 ص 349 ، 350 ، سفينة البحار ج/2 ص 641، تاریخ ابن الوردی ج/1 ص 145 ، الانس الجلیل فی اخبار القدس و الخلیل ج/1، ص 187 ، الخطط للمقریزی ج/1 ص 284 ، اور اس میں ہے کہ حضرت عمر نے اس سے استدعا کی تھی _
- (2) الاعلان بالتوبيخ ص 81 ، البحار ج / 58 ، ص 350 ، اور نزہة الجلیس ج/1 ص 22 میں تاریخ ابن عساکر سے نقل کیا گیا ہے کہ نصاریٰ اسکندر کی تاریخ سے لکھتے تھے یہاں مؤلف کہتے ہیں کہ پھر تاریخ عیسوی کہاں تھی ، اور کب ظاہر ہوئی ؟ جواب: جیسا کہ کہتے ہیں کہ تقریباً چوتھی صدی ہجری میں ظاہر ہوئی ہے بلکہ ان آخری صدیوں میں ظاہر ہوئی ہے۔
- (3) البداية و النهاية ج / 7 ص 73 ، 74 نیز ج3 ص 306، تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 75، 76 تہذیب تاریخ ابن عساکر ج/1 ص 22 ، 23 ، شرح نہج البلاغہ للمعتزلی ج/12 ، ص 74 ، علی و الخلفاء ص 240 ، الاعلان بالتوبيخ ص 80 ، 81، منتخب کنز العمال ، حواشی مسند احمد ج / 4 ص 67 ، الكامل لابن الاثیر ج/1 ص 10 البحار 58 ص 349 نزہة الجلیس ج1 ص 21 طبری ج2 ص 388 ، الوزراء والکتاب ص 20 ، فتح الباری ج7 ص 209 ، صبح الاعشى ج6 ص 241 ابن حاجب نعمان سے ذخیرہ الکتاب میں روایت ہے کہ ابوموسیٰ نے حضرت عمر کو لکھا کہ آپ کی ہمارے پاس کچھ تحریری اسناد آئی ہیں جو شعبان کی ہیں ہم نہیں جانتے یہ کونسا شعبان ہے گذشتہ یا آنیوالا تو حضرت عمر نے اصحاب کو جمع لیا ... الاوائل ابولبل اسکری ج1 ص 243 کنز العمال ج10 ص 195 از مستدرک

اس روز سے _ پس حضرت عمر نے ایسا ہی کیا _ یہ حدیث صحیح السند ہے لیکن شیخین نے اس کو درج نہیں کیا " (1)_ اور یعقوبی نے 16 ھ کے واقعات میں لکھا ہے : " اور اسی سال خطوط پر تاریخ لکھی گئی _ جبکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مولد النبی (ص) سے تاریخ لکھیں _ اور پھر بعثت سے لکھنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت علی (ع) بن ابی طالب نے مشورہ دیا کہ ہجرت سے تاریخ لکھی جائے " (2)_ ان کے علاوہ اور بھی نصوص پائی جاتی ہیں جو اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ حضرت عمر ہی وہ پہلی شخصیت ہے جس نے تاریخ ہجری اسلامی کو وضع کیا _

بہترین نظریہ

لیکن اس قول کے صحیح ہونے میں ہمیں شدید شک ہے ہماری رائے یہ ہے کہ ہجری تاریخ نبی اکرم (ص) کے زمانے سے ہی وضع کی گئی ہے اور خود نبی اکرم (ص) نے متعدد بار مختلف مناسبتوں سے یہ تاریخ لکھی ہے اور جو کچھ حضرت عمر کے زمانے میں ہوا ہے وہ فقط یہی ہے کہ ربیع الاول کے بجائے محرم کو سال کی ابتداء قرار دیا ہے جیسا کہ صاحب بن عباد نے بھی

اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے (3)۔ اور اس سلسلے میں بھی مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے ، کچھ مؤرخین قائل ہیں کہ انہوں نے پہلے سال کے محرم کو ہجری سال کی ابتداء قرار دیا تھا اور یہ جمہور کا نظریہ ہے، اور کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ انہوں نے دوسرے سال کے محرم کو ہجری سال کی ابتداء قرار دیا تھا اور اس سے پہلے کے مہینوں کو شمار نہیں کیا اور اس کی بیہقی نے حکایت کی ہے اور یعقوب بن سفیان الفسوی اسی کا قائل ہے (4)۔

- (1) مستدرک الحاکم ج/3 ص14 ، تلخیص المستدرک للذہبی (اس صفحہ کے حواشی میں) الاعلان بالتویخ ص 80 فتح الباری ج7 ص 209 ؛ تاریخ الطبری ط المعارف ج/2 ، ص 391 اور ج/3 ص 144 ، تاریخ عمر بن الخطاب ص 76 ، تہذیب تاریخ ابن عساکر ج/1 ص 23 ، منتخب کنز العمال (حاشیہ مسند) ج/4 ص 67 ، علی و الخلفاء ص 239 ، و 240 ، احقاق الحق ج 8/ ص 219 ، الخطط و الآثار ج/1 ص 284 ، الشماریخ للسيوطی ص 4 مطبوعہ لیڈن و التاريخ الكبير للبخاری ج/1 ص 9 اور الكامل ج/1 ص 10 ، ط صادر كنز العمال ج10 ص 193 و 192۔
- (2) تاریخ الیعقوبی طبع صادر ج/2 ص 145۔
- (3) عنوان المعارف و ذکر الخلفاء ص 11۔
- (4) البداية والنهاية ج/3 ص 94۔

محرم کا مشورہ کس نے دیا؟

لیکن ربیع الاول کی بجائے محرم کو ابتدائے سال ہجری قرار دینے کا مشورہ کس شخص نے دیا؟ تو اس سلسلہ میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے ، کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عثمان بن عفان کے مشورہ سے تھا (1) یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلکہ یہ خود حضرت عمر کی رائے تھی (2) اور کچھ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف نے رجب کا مشورہ دیا تو حضرت علی (ع) نے اس کے مقابلہ میں محرم کا مشورہ دیا تو اسے قبول کر لیا گیا (3)۔ اور دیار بکری و غیرہ قائل ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت علی (ع) اور حضرت عثمان کے مشورہ دینے کے بعد محرم سے ابتداء کی (4)۔ سخاوی اور کچھ دوسرے حضرات قائل ہیں کہ " ... تمام روایات و آثار سے استفادہ ہوتا ہے کہ عمر حضرت عثمان اور حضرت علی (ع) نے محرم کا مشورہ دیا تھا (5) اور کتاب اوائل ج/1 ص 223 میں کلام عسکری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ہی ہیں جنہوں نے سال کی ابتداء محرم قرار دینے کا مشورہ دیا تھا کہ امن والے مہینے ایک ہی سال میں جمع ہوجائیں۔ لیکن ہمیں بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی (ع) نے ربیع الاول کو چھوڑ دینے اور محرم کو ابتداء قرار دینے کا مشورہ اس لئے دیا ہو کہ محرم عربوں کے نزدیک سال کا پہلا مہینہ شمار ہوتا ہے (6) بلکہ ہم اس کے خلاف یقین رکھتے ہیں۔ حضرت علی (ع) تو اپنی پوری زندگی میں ربیع الاول کو ابتداء سال قرار دینے پر مصرّ تھے اور یہ فقط آپ کی رائے نہیں تھی بلکہ

بہت سے نیک و صالح مسلمانوں اور صحابہ کرام کی بھی یہی رائے تھی اور اس سلسلہ میں ہم مندرجہ ذیل امور کو دلیل سمجھتے ہیں کہ جن کو مجموعاً ملاحظہ کیا جانا چاہیے۔

- (1) نزہة الجلیس ج/1 ص 21 ، فتح الباری ج / 7 ص 209 ، الاعلان بالتویبہ ص 80 ، منتخب کنز العمال (حاشیہ مسند احمد) ج / 4 ص 67 ، الشماریخ ص 10 ، ط 1971، کنز العمال ج/17 ص 145 از ابن عساکر و ج/10 ص 193 از ابوخیثمہ۔
- (2) الاعلان بالتویبہ ص 79 ، الوزراء والکتاب ص 20 ، فتح الباری ج/7 ص 209 نیز مآثر الانافہ ج/3 ص 337
- (3) الاعلان بالتویبہ ص 81 ، ط القاہرہ اور ص 82 ، میں لکھا ہے کہ الفردوس میں دیلمی اور اس کے بیٹے دونوں نے اس واقعہ کو علی (ع) سے روایت کی ہے، احقاق الحق ج/8 ص 220۔
- (4) تاریخ الخمیس ج/1 ص 338 ، وفاء الوفاء ج/1 ص 248۔
- (5) الاعلان بالتویبہ لمن یذم التاریخ ص 80 ، ارشاد الساری ج/6 ص 234 ، فتح الباری ج/7 ص 209 و ص 210۔
- (6) البداية والنهاية ج/3 ص 207 ، بحار الانوار ج/58۔

49

1_ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے مشورہ دیا تھا کہ یوم ہجرت یا جس دن نبی اکرم (ص) نے شرک کی زمین کو چھوڑا اس دن سے تاریخ لکھی جائے جیسا کہ ابن مسیب کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے اور یہ ہجرت سب کو معلوم ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔

2_ اہل نجران کے ساتھ معاہدہ میں یہ عبارت امیر المؤمنین (ع) نے لکھی تھی

عبداللہ (1) بن ابی رافع نے 10 جمادی الثانی 37 ھ نبی اکرم (ص) کے مدینہ میں داخل ہونے کے دن سے سینتیس سال بعد تحریر کیا ہے (2)_ اور واضح ہے کہ رسول (ص) خدا ربیع الاول کے مہینے میں مدینہ میں داخل ہوئے۔ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت ہم کہتے ہیں کہ:

1_ سہیلی و غیرہ کی روایت کے مطابق مالك بن انس قائل ہے کہ "اسلامی سال کی ابتداء ربیع الاول سے ہے چونکہ یہی وہ مہینہ ہے کہ جس میں نبی اکرم (ص) نے ہجرت فرمائی تھی" (3)_

2_ سنحوی نے اصمعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ربیع الاول یعنی "ماہ ہجرت" سے تاریخ لگائی (4) اور اس طرح زہری سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

3_ جہشیاری کہتا ہے کہ ایک شاذ روایت میں آیا ہے کہ جب رسول (ص) خدا نبوت کے چودہویں سال پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو تاریخ گذاری کا حکم دیا (5)_

5_ ہجرت کے پانچویں سال کے وسط تک صحابہ ربیع الاول سے ہجری سال کے مہینوں کو شمار کرتے تھے (اور بعد میں آئے گا کہ مؤرخین نے بھی صحابہ کی پیروی کی ہے)۔

ان تمام باتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم جان سکتے ہیں کہ حضرت علی (ع) نے کبھی بھی حضرت عمر کو مشورہ نہیں دیا کہ محرم کو ابتدائے سال

ہجری قرار دیا جائے بلکہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو اصرار کرتے تھے
کہ

-
- (1) ظاہراً
عبداللہ
ب۔
- (2) الخراج لابی یوسف ص 81 ، جمہرۃ رسائل العرب ج/1 ص 82 ، شماره نمبر 53۔
- (3) البداية والنهاية ج/3 ص 207 ، اور اسی طرح اس کی طرف ج/4 ص 94 میں بھی اشارہ کیا ہے۔
- (4) الاعلان بالتوبيخ لمن يذم التاريخ ص 78۔
- (5) الوزراء والكتاب ص 20۔

50

ابتداءً سال ربیع الاول ہی کو رہنے دیا جائے کہ جس میں نبی اکرم (ص)
مکہ سے خارج ہوئے یا غار سے نکلے یا آپ (ص) کے مدینہ میں داخل ہونے
کے پہلے دن کو ابتداءً تاریخ رہنے دیا جائے جیسا کہ بہت سے مسلمان و
صحابہ بھی اس تبدیلی پر راضی نہیں تھے لیکن دوسرے گروہ نے غلبہ
حاصل کر لیا۔

اس بات کی طرف بھی متوجہ کر تے چلینکہ نبی (ص) کریم کے مدینہ میں
داخل ہونے کے دن کو تاریخ کی ابتداءً قرار دینے پر حضرت علی (ع) کے
اصرار والی روایت اس شخص کے قول کی تائید کرتی ہے جو قائل ہے کہ

نبی اکرم (ص) ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو مدینہ میں داخل ہوئے اور اس کے متعلق کچھ گفتگو آئندہ بھی آئے گی۔ اگرچہ اس بحث میں ہمارا اصلی مقصد یہ نہیں بلکہ یہاں پر ہمارا اصل مقصد یہ بحث کرنا ہے کہ کس شخص نے سب سے پہلے ہجری سال کے ساتھ تاریخ لکھی اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ نبی اکرم (ص) نے سب سے پہلے ہجرت کے ساتھ تاریخ لکھی۔

اس نظریہ کے حامی حضرات :

اگرچہ بہت سے حضرات اس نظریہ میں ہمارے ساتھ موافقت نہیں رکھتے اور بعض اس بارے میں کوئی قطعی حکم لگانے میں تردد کا شکار ہیں۔ اور بعض کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قول مشہور کی طرف رجحان رکھتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کی بازگشت ایک ہی امر کی طرف ہے اور وہ یہ کہ اس سلسلہ میں قطعی نظریہ پیش کرنے کیلئے وہ حضرات ضروری مقدار میں نصوص کے وجود سے بے خبر ہیں اور مؤرخین اور راویوں کے زبانوں پر جو مشہور ہے اسی پر قناعت کے عادی ہو گئے ہیں بہر حال پھر بھی یہ حضرات ہمارے نظریہ کے موافق ہیں: سید عباس مکی نزہۃ الجلیس میں (جیسا کہ بعد میں اس کی عبارت کا ذکر آئیگا)۔ اور اسکوسیوطی نے ابن القماح سے (اس نے) ابن الصلاح سے اور اس نے ابن مجمش الریادی سے نقل کیا ہے (اسکا ذکر بھی آئے گا) البتہ صاحب المواہب نے کہا ہے کہ "نبی

اکرم (ص) نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور ہجرت کے وقت سے تاریخ لکھی "
 _ زرقانی کہتا ہے کہ " اسی کو حاکم نے الاکلیل میں زہری سے مفصلاً روایت
 کیا ہے جبکہ قول

51

مشہور اس کے برخلاف ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے جیسا
 کہ حافظ نے کہا ہے (1) " اس کو اصمعی و غیرہ سے بھی نقل کیا گیا ہے جیسا
 کہ بعد میں آئے گا _
 صاحب بن عباد کہتا ہے کہ " آپ (ص) بروز سو مواریہ ربیع الاول کو مدینہ
 میں داخل ہوئے اور تاریخ ہجری اسی دن سے شروع ہوئی لیکن پھر اسے
 محرم سے شمار کیا گیا (2) _
 ابن عساکر کہتا ہے کہ " یہی قول نہایت ہی مناسب ہے " سیوطی نے بھی ان
 بعض امور کے ساتھ اس کی بات تائید کی ہے جو بعد میں ذکر ہوں گے (3) _
 قسطلانی نے المواہب اللدنیہ ج 1 ص 67 میں اور مغلطائی نے اپنی کتاب سیرت
 ص 35 ، 36 ، میں لکھا ہے " نبی اکرم (ص) نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور
 یہ تاریخ ہجرت سے لکھی گئی _ اور ابن الجزار کہتا ہے کہ یہ سال عام الاذن
 کے نام سے مشہور ہے جبکہ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر
 نے تاریخ لکھی اور سال ہجری کو محرم سے شمار کیا " علاوہ ازیں ان دس
 سالوں میں سے ہر ایک کو ایک خاص نام کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے اور پہلے

سال کو مسعودی کی التنبیہ والاشراف میں بھی عام الاذن کہا گیا ہے۔(4)
 علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ ہجرت کو مبدا تاریخ قرار دینا در اصل حدیث
 نبوی سے منسوب اور وحی الہی سے حاصل شدہ، کلام جبرائیل سے ماخوذ
 ہے۔(5)۔

سہیلی کی بات:

سہیلی اس بات پر مصر ہے کہ قرآن مجید میں ہجری تاریخ کا حکم نازل ہوا
 ہے۔ اس کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تاریخ کے لئے ہجرت کو مبدا قرار
 دینے پر صحابہ کا اتفاق اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس چیز کو

(1) الترتیب الاداریۃ ج/1 ص 181 ، المواہب اللدنیہ ج/1 ص 67۔

(2) عنوان المعارف و ذکر الخلفاء ص11۔

(3) الشماریخ فی علم التاريخ للسيوطی ج10 ط 1971۔

(4) نفس الرحمان ص 44 نیز ملاحظہ ہو: الاعلان بالتوبيخ ص 82۔

(5) ملاحظہ ہو بحار الانوار مطبوعہ مؤسسہ الوفاء ج55 ص 351 نیز ملاحظہ ہو : المناقب ابن شہر آشوب ج 2 ص 144 ، بحار الانوار

ج40 ص 218 و علی الخلفاء ص 241۔

قرآن سے اخذ کیا ہے تو یہ اچھا استفادہ ہے اور ان کے متعلق ہمارا گمان خیر

بھی یہی ہے اور اگر ان کی اپنی ذاتی رائے اور اپنا اجتہاد تھا تو پھر بھی اچھی رائے اور اجتہاد ہے اور قرآن کریم نے ان کے ایسا کرنے سے پہلے اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے: آیت مجیدہ ہے:

(و لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ) (توبہ /108) وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے وہ اس کی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس میں (نماز کے لیے) قیام کرو _ اس آیت میں " اول یوم " سے مراد تمام دنوں میں سے پہلا دن قطعاً نہیں اور اس طرح اس آیت میں ظاہراً کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں کہ جس کی طرف یوم مضاف ہو بس لفظ یوم کی اضافت ضمیر کی طرف متعین ہو جائے گی اور یہ معقول نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے پہلے دن انجام دیا مگر یہ کہ سال یا مہینہ یا کسی معلوم تاریخ و دن کی طرف اضافت دے _ (یعنی اسے یہ کہنا ہوگا کہ میں نے فلاں سال کے یا مہینے کے پہلے دن یہ کام انجام دیا ہے_ مترجم)

اور یہاں پر کوئی حالیہ یا لفظی قرینہ بھی نہیں مگر یہ کہ اصل عبارت اس طرح ہو_ "من اول یوم حلول النبی(ص) المدینة " (نبی(ص) کے مدینہ پہنچنے کے پہلے دن سے ہی ...) اور وہی تاریخ ہجری کا پہلا دن ہے _ بعض نحوویوں کا یہ کہنا کہ اصل عبارت "من تاسیس اول یوم" ہے ، کیونکہ "من " زمان پر داخل نہیں ہوتا، یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس تقدیر کی بناء پر بھی زمان کو

مقدر ماننا ضروری ہے پس اس طرح کہا جائے گا " من وقت تاسیس" پس لفظ تاسیس کو مقدر ماننا کوئی فائدہ نہیں دیتا علاوہ ازیں لفظ "من" زمان و غیر زمان دونوں پر داخل ہوتا ہے _ بطور مثال اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے "من قبل و من بعد" (1) یہاں تک سہیلی کی

(1) الروض الاتف ج/2 ص 246 ط1972ء ، ارشادالساری ج/6 ص 234 ، فتح الباری ج/7 ص208 و ص 209 ، وفاء الوفاء ج/1 ص

248_ نیز اس بات کا اشارہ البدایہ والنہایہ ج3 ص 207 میں بھی ہے۔

53

بات کا خلاصہ ختم ہوا_ الکتانی کہتا ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں سہیلی کے کلام کے بعد کہا ہے اور "من اول یوم" سے مراد یہ ذہن میں آتا ہے کہ جس دن نبی اکرم (ص) اور ان کے اصحاب مدینہ میں داخل ہوئے (1) لیکن ابن منیر کی رائے یہ ہے کہ سہیلی کا کلام تو تکلف اور انحراف ہے اور متقدمین کی تقدیر سے خارج ہے چونکہ انہوں نے "من تاسیس اول یوم" کی تقدیر کو ذکر کیا ہے یعنی اس پہلے دن سے ہی جس دن مسجد کی تاسیس ہوئی ہے اور عربیت اسی کا اقتضاء کرتی ہے اور قواعد اس کی شہادت دیتے ہیں۔

الکتانی کہتا ہے کہ سہیلی کا کلام ظاہر ہے اور اگر اس پر انصاف سے غور

کریں تو دیکھیں گے کہ حق بھی یہی ہے۔ اسی لئے شہاب الدین الخفاجی نے اپنی کتب عنایت القاضی اور کفایۃ القاضی میں اسے پسند کرتے ہوئے اسی پر اکتفا کیا ہے (2)۔

اور یاقوت الحموی کہتا ہے کہ "من اول یوم" سے مسجد قبا کی تعمیر والادن مراد ہے چونکہ دارالہجرتہ (مدینہ) میں نبی اکرم (ص) کے داخل ہونے کے پہلے دن ہی اس کی بنیاد رکھی گئی تھی اور وہی دن تاریخ ہجری کا پہلا دن ہے اور چونکہ خداوند متعال علم رکھتا تھا کہ یہی دن تاریخ (ہجری) کا پہلا دن قرار پائے گا اس لئے اس دن کو "اول یوم ارخ فیہ" (یعنی جس میں تاریخ لکھی گئی) کے نام سے موسوم کیا گیا یہ بعض فضلاء کا قول ہے۔ اور بعض قائل ہیں کہ یہاں پر مضاف مقدر ہے اور اصل عبارت یوں ہے "تاسیس اول یوم" لیکن پہلی بات بہتر ہے (3) علاوہ ازیں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابن عباس سے وہی کچھ نقل کیا گیا ہے جو پہلے سہیلی سے نقل کیا جاچکا ہے (4)۔

اگر ان کی بات صحیح ہے تو مناسب یہی لگتا ہے کہ خود نبی اکرم (ص) نے سب سے پہلے آیت کے مقصود پر عمل کرتے ہوئے سبقت فرمائی ہوگی۔ یہ اب تک کی بحث کا نتیجہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جو کچھ سہیلی و غیرہ

(1) فتح الباری ج/7 ص 209

(2) الترتیب الاداریۃ المسمی ، بانظام الحکومتہ النبویۃ ج/1 ص 181 ، 182

(4) تنوير المقباس (حاشیہ در المنثور) ج 2 ص 224 _

54

نے ذکر کیا ہے و ہ بادی النظر میں بعید ہے تو ہم جواب دیں گے کہ کم سے کم آیت شریفہ کے معنی میں دیئے جانے والے احتمالات میں سے ایک احتمال یہ بھی ہے اگر چہ متعین نہ ہو اور ہم نے اسے بطور تائید ذکر کیا ہے نہ بطور استدلال _

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ نبی اکرم (ص) نے سب سے پہلے ہجرت کے ساتھ تاریخ لکھی اسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں _
1_ زہری سے روایت ہے کہ جب ہجرت کر کے نبی اکرم (ص) مدینہ میں تشریف لائے تو تاریخ لکھنے کا حکم دیا پس ربیع الاول میں تاریخ لکھی گئی (1)_

اور زہری سے ایک اور روایت میں ہے کہ تاریخ (ہجری) کی ابتداء نبی اکرم (ص) کے ہجرت کر کے آنے کے دن سے ہے (2)_
قلقشندی کہتا ہے کہ " اس بناء پر تاریخ کی ابتداء عام الهجرة (ہجرت کے سال) سے ہوئی ہے " (3) _ اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات کا کلام پہلے گزر چکا ہے اور کچھ کے کلام کو بعد میں ذکر کرینگے _
لیکن الفتح و غیرہ میں عسقلانی و غیرہ نے اس حدیث کو خبر معضل (پیچیدہ

اور مشکل) قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ قول مشہور اس کے برخلاف ہے (4)۔
 اور جہشیری نے شاید اسی بنا پر اسے خبر شاذ قرار دیا ہے (5)۔

-
- (1) فتح الباری ج/7 ص 208، ارشاد الساری ج/6 ص 233، التنبیہ والاشراف ص 252، تاریخ الطبری مطبوعہ دارالمعارف ج/2 ص 388 ،
 نزہة الجلیس ج/1 ، ص 21 ، مناقب آل ابی طالب ج/2 ص 142 ، البحار ج/40 ص 218 عنہ ، علی والخلفاء ص 241 ، عن البحار، صبح ا
 لاعشی ج/6 ص 240 ، التراتیب الاداریة ج/1 ص 180 ، آخری دونوں نے اس کو نحاس سے صناعت الكتاب میں سے نقل کیا ہے تاریخ
 الخمیس ج/1 ص 338 ، الشماریخ فی علم التاریخ ص 10 ، ط 1971 ، عن ابن عساکر عن یعقوب بن سفیان وفاء الوفاء للسمهودی ج/1 ،
 ص 248 ، المواہب اور زرقانی وغیرہ نے حاکم کی کتاب (الاکلیل سے) مفصلاً نقل کیا ہے، الکامل ابن الاثیر ج/1 ، ص 10 مطبوعہ صادر
 ، المواہب اللدنیہ ج/1 ص 67 میناس کو ذکر کیا ہے لیکن زہری کی طرف نسبت نہیں دی نیز ملاحظہ ہو الاعلان بالتویخ ص 78۔
 (2) الشماریخ فی علم التاریخ ص 10
 (3) صبح الاعشی ج/6 ص 240
 (4) فتح الباری ج/7 ، 208 ، ارشاد الساری ج/6 ص 233 از فتح الباری، وفاء الوفاء ج/1 ص 248
 (5) الوزراء والکتاب ص 20۔

55

اور سخاوی اور الدیار بکری و غیرہ کا کلام بھی تقریباً ان جیسا ہے (1)۔
 مسعودی نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا
 چونکہ خبر واحد ہے اور جو شخص مراسیل پر اعتماد نہیں کرتا وہ اس پر

عمل نہیں کرسکتا چونکہ یہ مرسل ہے او ر یہ جو پہلے بیان ہوا ہے کہ حضرت علی (ع) کے مشورہ سے حضرت عمر (ص) نے ہجرت کے ساتھ تاریخ لکھی یہ متفق علیہ ہے چونکہ اس خبر میں کوئی معین وقت ذکر نہیں کیا گیا کہ جس میں تاریخ لکھی گئی ہوا ور اس کی کیفیت کو بھی نقل نہیں کیا گیا (2)۔

لیکن مسعودی اور ووسرے حضرات کا اعتراض زہری کی روایت پر وارد نہیں چونکہ اس کا ارسال (اگر اسے مرسل مان بھی لیا جائے) اور خبر واحد ہونا اس سے اجتناب کرنے کا جواز نہیں بن سکتے بلکہ اس کو اخذ کرنا ضروری ہے حتی کہ اس شخص کے لئے بھی جو مرا سیل کو قبول نہیں کرتا چونکہ یہاں پر اور ادلہ و روایات بھی پائی جاتیں ہیں جو اس پر دلالت اور اس کی تائید کرتی ہیں ذیل میں ان تمام کو ذکر کرتے ہیں (3)۔

2_ حاکم نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے (اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے) کہ اس نے کہا ہے کہ تاریخ اس سال میں تھی کہ جس میں نبی اکرم (ص) مدینہ میں وارد ہوئے اور اسی سال عبداللہ بن زبیر پیدا ہوا(4)

(1) الاعلان با لتوبیخ ص 78 ، تاریخ الخمیس ج/1 ص 338_

(2) التنبیہ والاشراف ص 252_

(3) زہری سے ایک اور روایت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تاریخ نبی اکرم (ص) کے زمانہ سے تھی، تہذیب تاریخ ابن عساکر

ج/1 ص 21 میں ہے کہ زہری نے کہا ہے " قریش ، فیل اور فجار کے درمیان چالیس سال کی مدت شمار کرتے تھے اور فجار اور

ہشام بن مغیرہ کی وفات کے درمیان چھ سال کی مدت شمار کرتے تھے اور اس کی وفات اور کعبہ کی تعمیر کے درمیان نو سال اور بناء کعبہ اور مدینہ کی طرف رسول کریم (ص) کے خارج ہونے کی درمیانی مدت کو پندرہ برس گنتے تھے کہ جن میں سے پانچ سال آپ (ص) کی طرف وحی نازل ہونے سے پہلے کے تھے پھر عدد تھا یعنی تاریخ کو گننا" اس آخری عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں نے گذشتہ روش سے اعراض کر لیا تھا اور ہجرت کے ساتھ تاریخ معین کرنا شروع کر دی تھی لیکن اس روایت میں ایک یہ اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ فیل اور فجار کے درمیان بیس برس کا فاصلہ تھا نہ چالیس برس کا جیسا کہ طبری ج/2 اور البداية والنهاية ج/2 ص 261 اور تاریخ الخمیس ج/1 ص 196 اور ابن الاثیر اور مسعودی نے اس کی تصریح کی ہے لیکن زہری کا یہ قول کہ نبی اکرم (ص) عام الفیل کے تیس سال بعد میں پیدا ہوئے ہیں (جیسا کہ البداية والنهاية ج/2 ص 264 میں اس سے نقل کیا گیا ہے) دلالت کرتا ہے کہ زہری کا یہ قول منفرد ہے کہ فجار اور فیل کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہے جبکہ یہ بات مشہور قول کے مخالف ہے لیکن یہ تمام اعتراضات اور نقائص ہمارے مدعا پر اس کے کلام کی دلالت میں مضر نہیں ہیں۔

(4) مستدرک الحاکم ج/3 ، ص 13 ، 14 اور اس روایت کو مسلم کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے ، تلخیص المستدرک للذہبی(اس صفحہ کے حاشیہ پر) مجمع الزوائد ج/1 ص 196 ، عن الطبرانی فی الکبیر ، الاعلان بالتوہیح ص 80 ، 81 ، الطبری ج/2 ص 389 ، 390 ، اور ج/3 ص 144 ، التاريخ الكبير للبخارى ج/1 ص 9 ، الشماريخ ص 10 ، عن البخارى فى التاريخ الصغير والخطط للمقرئى ج/1 ص 284۔

56

3_ سخاوی کہتا ہے کہ " کس نے سب سے پہلے تاریخ لکھی اس میں اختلاف ہے ، ابن عسا کرنے تاریخ دمشق میں انس سے روایت کی ہے کہ تاریخ کی ابتداء رسول اللہ (ص) کے مدینہ میں داخل ہونے سے ہوئی تھی" _ اور اسی طرح اسمعی نے کہا ہے کہ انہوں نے ہجرت کے مہینہ ربیع الاول سے تاریخ لکھی (1) پھر اس کے بعد زہری کی سابقہ روایت کو ذکر کیا ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کو وضع کرنے والے جناب عمر نہیں تھے، کیونکہ عمر نے محرم سے تاریخ گذاری کی تھی۔ پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح اور مشہور کے خلاف ہے (چونکہ مشہور یہ ہے) کہ یہ کام عہد عمر میں ہوا تھا اور سال کی ابتداء ربیع الاول سے نہیں بلکہ ماہ محرم سے ہوئی لیکن یہ اعتراض بھی مسعودی کے اعتراض کی طرح وارد نہیں ہے چونکہ صرف اس کا مشہور کے خلاف ہونا اس کے باطل و فاسد ہونے کا موجب نہیں بنتا بلکہ جب قطعی دلیل مشہور کے خلاف قائم ہو جائے تو اس کو اخذ کرنا اور مشہور سے عدول کرنا ضروری ہے۔

اور جلد ہی واضح ہو جائیگا کہ پہلے ذکر شدہ ادلہ کے علاوہ ہمارے پاس اور بھی ادلہ موجود ہیں جو ہر قسم کے شك و شبہہ کو زائل کر دیتے ہیں۔

4_ مورخین کہتے ہیں کہ رسول اکرم (ص) نے ربیع الاول میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ زہری و غیرہ کی رائے یہ ہے کہ آپ (ص) ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو مدینہ میں پہنچے ابن اسحاق اور کلبی کو یقین ہے کہ آپ (ص) ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو مکہ سے خارج ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ (ص) ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو غار سے خارج ہوئے (2)۔

ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو آپ (ص) کے مدینہ میں وارد ہونے والے قول کی تائید حضرت علی (ع) کی اس تحریر "منذ و لج رسول (ص) اللہ المدینة" سے بھی ہوسکتی ہے مگر اس کے مقابلہ میں دوسرے قول کی تائید بھی

موجود ہے وہ یہ کہ آپ (ع) نے مشورہ دیا تھا کہ تاریخ ہجری کی ابتداء رسول
اللہ (ص) کے شرك کی زمین کو چھوڑنے سے

(1) الاعلان با لتوبيخ لمن يذم التاريخ ص 78_

(2) تاريخ الخميس ج/1 ص 324 اور 325 الاستيعاب (حاشية الاصابة پر) ج/1 ص 29 الروض الانف ج / 2 ص 245 ، اسی طرح دلائل

النبوۃ ج/2، ص 226، المواهب ج/1 ص 67_

57

قرار دی جائے یا آپ (ص) کی ہجرت کو قرار دیا جائے_ مگر یہاں یہ دعویٰ
کیا جائے کہ چونکہ وہ کلی طور پر اس سال کو معین کرنے کے درپے تھے
کہ جس سے ابتداء کی جائے ، اس لئے اس فقرہ میں اجمال پایا جاتا ہے (جس
کی تفصیل گذشتہ تحریر میں ہے) تو اس صورت میں پہلا فقرہ ہماری بات
کے مخالف نہیں رہے گا_ یہاں پر اہم بات یہ ہے کہ ہجرت ربیع الاول کی
ابتداء میں تھی اور جب ہم اس پر ان اقوال کا اضافہ کریں جو پہلے مالک اور
اصمعی سے بیان ہوچکے ہیں ساتھ ہی زہری کی روایت اور حضرت علی
(ع) کی تحریر سے ظاہر ہونے والی اس بات کو کہ اسلامی سال کی ابتداء
ربیع الاول تھی ملاکر دیکھیں تو ہمیں یہ اطمینان حاصل ہو جائے گا کہ عہد
عمر سے پہلے ہی تاریخ مقرر کی جاچکی تھی_ حضرت عمر نے صرف

ربیع الاول کی بجائے ماہ محرم کو سال کی ابتداء قرار دیا اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عمر ہجری تاریخ کو وضع کرنے والا پہلا شخص نہیں تھا۔ اور یہ بات بھی اس مدعا کی تائید کرتی ہے کہ بعض صحابہ پانچویں سال کے وسط تک ہجرت والے مہینہ (ربیع الاول) سے مہینوں کو شمار کرتے تھے۔

ابوسعید خدری کہتا ہے کہ "رمضان (کے روزوں) کا فریضہ ماہ شعبان میں قبلہ تبدیل ہونے کے بعد تھا کہ ابھی اٹھارہ (18) مہینے مکمل ہونے سے ایک مہینہ باقی تھا" (1)۔

عبدالله بن انیس سفیان بن خالد کی طرف اپنا فوجی دستہ لے جانے کے متعلق کہتا ہے کہ میں پانچ محرم کو بروز سوموار مدینہ سے خارج ہوا جب کہ ٹھیک چوں (54) ماہ مکمل ہوچکے تھے (2)۔

اسی طرح محمد بن سلمہ جنگ قرطاء کے متعلق کہتا ہے کہ "میں محرم کی دس تاریخ کو خارج ہوا اور انیس دن غائب رہا اور محرم کی باقی ماندہ رات میں واپس آیا کہ پچپن (55) مہینے پورے ہوچکے تھے" (3)۔

اور اسی کے بعد سالوں کا حساب کتاب شروع ہوتا ہے جیسا کہ سلمة بن الاکوع اور خالد بن ولید و غیرہ کے قول سے ظاہر ہوتا ہے (4)۔ یہی صحابہ کا طریقہ تھامورخین نے بھی صحابہ کی پیروی کی ہے پس انہوں نے پانچویں سال کے وسط بلکہ

(1) تاریخ الخمیس ج/1 ص 368 _

(2،3) مغازی الواقدی ج/2 ص 531 ، 534 علی الترتیب _

(4) مغازی الواقدی ج/2 ص 537 ، صفة الصفوة ج/1 ص 652 _

58

آخر تك مہینوں کے ساتھ تاریخ لکھی اور پانچویں سال سے سالوں کا ذکر کرنا شروع کیا (1) اور یہ چیز اگر کسی چیز پر دلالت کرتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہجرت کے ابتدائی برسوں سے یہی تاریخ مقرر کی جا چکی تھی وگرنہ یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی کہ کسی صحابی سے پانچویں سال میں پیش آنے والے واقعہ کے متعلق سوال کیا جائے لیکن وہ سال کا ذکر نہ کرے اور گننے کے عمل میں مصروف ہو جائے جو فکر و تامل کا باعث ہے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جو اب دے مگر اس صورت میں کہ یہ چیز مرسوم اور ذہنوں میں راسخ ہو _ اس سے و اضح ہوجاتا ہے کہ صحابہ کس قدر اس بات کی اہمیت کے قائل تھے کہ ربیع الاول ہی کو تاریخ ہجری کی ابتداء قرار دیا جائے اگر چہ بعد میں بھی غالباً یہی سلسلہ رہا _

5_ سلمان فارسی کے لئے نبی اکرم (ص) کی تحریر ہمارے پاس ہے جس پر ہجرت کے نویں سال کی تاریخ لکھی ہوئی تھی _

ابونعیم کہتا ہے کہ حسن بن ابراہیم بن اسحاق البرجی المستملی نے روایت کی

ہے کہ مجھے محمد بن عبدالرحمن نے بتایا ہے کہ میں نے ابوعلی حسین بن محمد بن عمرو و ثابی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے یہ تحریر شیراز میں جناب سلمان کے بھائی ماہ بنداذ کی اولاد غسان بن زاذان بن شاذویہ کے نو اسے کے ہاتھ میں دیکھی _ یہ وصیت علی (ع) بن ابی طالب کی تحریر تھی اور نبی اکرم (ص) کی مہر اس پر لگی ہوئی تھی ہم یہاں پر اس تحریر کے متن کو درج کرتے ہیں_

بسم الله الرحمن الرحيم : یہ خط محمد رسول الله (ص) (ص) کی طرف سے سلمان کے بھائی ماہ بنداذ اور اس کے اہل و عیال اور نسل کے متعلق وصیت لکھنے کی سلمان کی درخواست پر لکھا جا رہا ہے_ (ابونعیم اس کو لکھنے کے بعد آخر میں کہتا ہے): علی (ع) بن ابی طالب نے بحکم رسول (ص) ہجرت کے نویں سال ماہ رجب میں یہ خط تحریر کیا اور ابوبکر، عمر، عثمان ، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن ، سعد، سعید، سلمان، ابوذر، عمار، عیینہ ، صہیب، بلال، مقداد، اور مؤمنین کی ایک جماعت وہاں پر حاضر تھی _ اسی طرح ابومحمد بن حیان نے بعض مورد اعتماد اشخاص سے ذکر کیا ہے کہ

(1) طبقات ابن سعد ج/ 2 حصہ اول فی غزواتہ (ص) خصوصاً غزوہ بواط میں اس کا صفحہ 56 ، مغازی الواقدی ج 2 ص 363، 11، 9 ،

الوفاء باخبار المصطفی ج/ 2 ص 673، 674، 675، البدایة و النہایة ج/ 4 ص 61 اور تاریخ الخمیس و غیرہ_

شیراز میں سلمان کے بھائی کی نسل سے ایک قبیلہ ہے جن کے رئیس و سردار کو غسان بن زاذان کہتے ہیں اور ان کے پاس یہ خط موجود ہے یہ علی (ع) ابن ابی طالب کی تحریر ہے اور سفید رنگ کے چمڑے پر لکھا گیا ہے نبی اکرم (ص) کی مہر ابوبکر کی مہر اور علی (ع) کی مہر اس پر درج ہے یہ حرف بحر ف ابونعیم کی تحریر ہے لیکن اس نے جماعت میں عیینہ کا ذکر نہیں کیا(1)۔

6_ بلاذری نے اس معاہدہ کے متن کو ذکر کیا ہے کہ جس کو نبی اکرم (ص) نے مقنا کے یہودیوں اور بنی حبیبہ کے لئے لکھا تھا اس میں نبی اکرم (ص) نے ان کے ساتھ مچھلی شکار کرنے کی چھڑیوں، ان کی کاتی ہوئی روئی اور ان کی بھیڑ بکریوں، مویشیوں اور پھلوں کے ایک چوتھائی حصہ پر مصالحت کی تھی۔

بلاذری کہتا ہے کہ مصر کے رہنے والے ایک شخص نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے خود اس تحریر کو ایک سرخ رنگ کے چمڑے میں دیکھا البتہ اس کے خطوط مٹے ہوئے تھے لہذا اس نے مجھے لکھوایا تو میں نے نسخہ برداری کی۔

بسم الله الرحمن الرحيم: من محمد رسول الله (ص) ، الی بنی حبیبہ و اہل مقنا: سلم انتم فانه انزل علي، انکم راجعون الی قریتکم، فاذا جاء کم کتابی هذا، فانکم آمنون و لکم ذمۃ الله و ذمۃ رسوله ... (بلاذری نے پوری تحریر کو درج کیا ہے حتیٰ

کہ آپ (ص) نے آخر میں فرمایا) " کہ تم پر امیر و حکمران صرف تم میں سے ہوگایا رسول اللہ (ص) (ص) کے اہل بیت میں سے۔ علی (ع) بن ابو طالب نے اس تحریر کو 9 ہجری میں لکھا " (2)۔ فتوح البلدان پر حاشیہ لکھنے والے محمد بن احمد بن عساکر نے اس عہد نامہ پر دو اعتراض کئے ہیں۔

(1) ذکر اخبار اصفہان لابی نعیم ج/1 ص52 ، 53، الدرجات الرفیعة ص 206 و 207 ، طبقات المحدثین باصفہان ج1 ص 231 و 234 نیز

نفس الرحمان از تاریخ گزیدہ۔

(2) فتوح البلدان للبلذری ص 67 ، ط 1318 ہجری نبی اکرم (ص) کے ولایت و حکمرانی کو اپنے اہل بیت (ع) کے ساتھ مخصوص

کرنے میں غور فرمائیں یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اس شہر کاخراج (کہ جس کو بغیر لشکرکشی کے صرف مصالحت کے ساتھ حاصل

کیا گیا ہے اور اصطلاحاً فے کہا جاتا ہے اور فے ، اللہ اور اس کے رسول (ص) کے لئے ہے اور نبی اکرم (ص) نے اسے اپنے اہل بیت

(ع) کو عطا کیا ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ آل رسول (ع) جس طرح مسلمانوں کے لئے اولوا الامر ہیں اس طرح اہل ذمہ کے لئے بھی

اولوا الامر ہیں۔

60

اول : کہ علی (ع) وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے علم نحو کو اختراع کیا تا کہ عجمیوں کے کلام کے ساتھ مخلوط نہ ہو ایسے شخص سے اعرابی غلطی کا صادر ہونا ممکن نہیں اور یہاں پر علی (ع) ابن ابوطالب درج ہے یعنی ابو کو

رفع کے ساتھ لکھا گیا ہے (جبکہ نحوی قواعد کی بناء پر ابی لکھا جانا چاہیے)

دوم: اہل مقنا کے ساتھ نبی اکرم (ص) کی صلح غزوه تبوك میں ہوئی (جیسا کہ بلاذری کی کتاب میں مذکور ہے) اور واضح ہے کہ علی (ع) اس غزوه میں شريك نہیں تھے پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس صلح نامہ کو لکھنے والے علی (ع) ہوں (1)۔

اور ہم یہاں پر ان اعتراضات کے جواب میں صرف علامہ محقق الشیخ علی احمدی کے کلام کو (البتہ موقع محل کی مناسبت اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی کے ساتھ) ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ : پہلے اعتراض کا جواب : یہ ہے کہ ملا علی قاری ، قاضی عیاض کی کتاب "شفائ" کی شرح میں ابوزید اصمعی کی نوادر سے نقل کرتے ہیں کہ یحیی بن عمر سے روایت ہے کہ قریش کنیت میں لفظ "اب" میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے تھے بلکہ اسے ہمیشہ مرفوع پڑھتے تھے ، چاہے رفعی حالت میں ہوتا یا نصبی یا جرّی حالت میں۔

نہایة ابن الاثیر میں لفظ "ابی" کے ذیل میں اور قاضی عیاض کی کتاب "شفائ" پر لکھی جانے والی ملا علی قاری کی شرح میں ہے کہ نبی اکرم (ص) نے مہاجر بن امیہ (مہاجر بن ابوامیہ) کو خط میں (المہاجر ابوامیہ) لکھا اس کے بعد دونوں نے کہا ہے کہ چونکہ ابوامیہ کنیت کے ساتھ مشہور تھا اور وہ صرف اسی نام سے ہی معروف تھا اس لئے نبی اکرم (ص) نے بھی اسے ا

یسے ہی رہنے دیا اور ملا علی قاری اس کے لئے مثال ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: "جیسا کہ کہا جاتا ہے علی (ع) بن ابوطالب"۔ ہم یہاں زمخشری کے اس قول کا بھی اضافہ کرتے چلیں کہ "وائل بن حجر نے لکھا ہے: اللہ کے رسول محمد (ص) کی طرف سے مہاجر بن ابوامیہ کے نام _ بے شك وائل ..."

یہاں تك کہ زمخشری کہتا ہے لفظ ابوامیہ کو جر والی حالت میں بھی رفعی حالت کے مطابق لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا تھا اور ضرب المثل کی طرح ناقابل تبدیلی ہو گیا تھا یہ عربوں کے اس قول:

(1) حاشیہ فتوح البلدان بلاذری ص 67_

61

"علی بن ابوطالب اور معاویہ بن ابوسفیان" کی مانند ہے (1) اسی طرح شیخ علی احمدی کا بیان ہے کہ مجموعة الوثائق السياسیہ میں صفدی سے منقول ہے کہ بعض عرب لکھتے تو "علی (ع) بن ابوطالب" واو کے ساتھ ہیں لیکن پڑھتے یاء کے ساتھ (ابی طالب) ہیں _ اور مجموعہ میں التراتیب الاداریہ سے منقول گذشتہ کلام کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اس سے بڑھ کر یہ کہ میں جب ماہ محرم 1358 ھ میں مدینہ میں تھا توسلع کے جنوب میں ایک قدیمی تحریر میں (انا علی (ع) بن ابوطالب) لکھا ہوا دیکھا اور متوقع ہے کہ یہ

تحریر خود علی (ع) کی ہو۔ اسی طرح مجموعة الوثائق میں ہے کہ شیوخ (اپنے اساتذہ) سے پڑھی گئی کتابوں میں چار مقامات پر (علی (ع) بن ابوطالب) واو کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور ہم اضافہ کرتے ہیں کہ عسقلانی کا کہنا ہے کہ حاکم کہتا ہے: "اکثر بزرگان اس بات کے قائل ہیں کہ ان (یعنی ابوطالب) کی کنیت ہی ان کا نام تھا" (2)۔ نیز مغلطی نے کہا ہے "ایک قول (جسے حاکم نے ذکر کیا) ہے کہ اس کی کنیت ہی اس کا اسم ہے لیکن ہمیں اس پر اعتراض ہے" (3) مروج الذهب ج/2 ص 109 طبع بیروت میں مذکور ہے کہ "ابوطالب کے اسم میں اختلاف ہے کچھ لوگ قائل ہیں کہ ان کی کنیت ہی ان کا اسم ہے اور نبی (ص) اکرم کی املاء سے علی (ع) نے خیبر کے یہود کے لئے لکھا تھا (و کتب علی (ع) بن ابی طالب) لفظ ابن سے الف کو گرا دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لفظ دونوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے نہ کہ نام او رکنیت کے درمیان"۔ بلاذری لکھتا ہے کہ یحییٰ بن آدم نے کہا ہے کہ میں نے نجرانیوں کے پاس ایک تحریر دیکھی کہ جس کا نسخہ اس نسخہ کی طرح تھا اور اس کے آخر میں یہ عبارت درج تھی (و- کتب علی (ع) بن ابوطالب) لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے متعلق کیا کہوں (4)۔ اور یہ مشہور روایت بھی ہے کہ ربیعہ اور یمن کے درمیان آپ (ع) اپنی تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں (کتب علی (ع) بن ابوطالب) (5)۔

عمدة الطالب ص 20 ، 21 طبع نجف میں محمد بن ابراہیم نسابہ سے منقول ہے کہ

14_	ص	ج 1	الفائق	(1)
115_	ص	ج 4	الاصابه	(2)
ص 10_		مغلطاني		(3) سيره
72_	ص		البلدان	(4) فتوح
				(5) شرح نهج البلاغه ابن ميثم بحرانی ج 5 ص 231_

اس نے امیر المؤمنین (ع) کی تحریر کے آخر میں یہ عبارت (و کتب علی (ع) بن ابوطالب) لکھی ہوئی دیکھی اور کہتا ہے کہ میرے دادا اور دیگر افراد کے بقول حرم امیر المؤمنین (ع) میں حضرت علی (ع) کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن کریم کا ایک نسخہ موجود تھا جو 755 میں حرم میں آگ لگنے کی وجہ سے جل گیا کہا جاتا ہے کہ اس کے آخر میں یہ عبارت درج تھی (و کتب علی (ع) بن ابوطالب) پھر کہتا ہے کہ واو یاء کے مشابہ ہے چونکہ خط کوفی میں یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اگرچہ صحیح (علی (ع) ابن ابی طالب) ہے علاوہ ازیں دیگر شواہد بھی ہیں جنہیں یہاں پر ذکر کرنے کی گنجائش ہے

پس ہم گذشتہ امور سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ لفظ (ابو) کا ہونا ضرر

رساں نہیں اور روایت پر اعتراض کا موجب نہیں بنتا خصوصاً اگر قریش کے لغت کو مدّ نظر رکھا جائے۔ اس بنا پر ہمیں عمدة الطالب و غیرہ کی تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب: علامہ احمدی میانجی کہتے ہیں کہ بلاذری کے کلام میں ایسی کوئی صراحت و دلالت نہیں پائی جاتی جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تحریر تبوك میں لکھی گئی ہے جیسا کہ خود تحریر میں بھی اس قسم کا کوئی اشارہ تک بھی موجود نہیں بلکہ تحریر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل تبوك میں سے ایک گروہ بطور وفد نبی اکرم (ص) کے پاس آیا اور جلد ہی اپنے شہر واپس جانا چاہتا تھا شاید ان کا آپ (ص) کے پاس مدینہ آنا تجارتی غرض کی وجہ سے تھا یا صلح نامہ لینے کی غرض سے آئے تھے، یا اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے تو نبی اکرم (ص) نے ان کے لئے یہ صلح نامہ تحریر فرمادیا یہاں پر قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ کچھ منابع میں فقط اسی بات پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ آپ نے 9 ھ میں اہل مقتنا کے لئے صلح نامہ لکھا (1)۔

(1) ملاحظہ فرمائیں، مکاتیب الرسول (ص) ج/1 ص 288 ، 289 ، 290 اہل مقتنا کے ساتھ معاہدہ کے سلسلہ میں ایک اور روایت بھی پائی جاتی ہے۔ کہ یہ معاہدہ ہجرت کے پانچویں برس علی (ع) کے ہاتھوں سے لکھا گیا لیکن کچھ تاریخی اعتراضات سے خالی نہیں اگرچہ ان میں بعض یا تمام کاجواب دینا ممکن ہے، ملاحظہ فرمائیں، مکاتیب الرسول (ص) ج/1 ص 293 ، 294 نیز نصرانیوں کے ساتھ ایک اور معاہدہ بھی موجود ہے جو علی (ع) کے خط مبارک سے ہجرت کے دوسرے سال میں لکھا گیا اور نصرانیوں کے ساتھ ایک اور معاہدہ

بھی موجود ہے جس پر بجزرت کے چوتھے سال کی تاریخ ہے جس پر معاویہ کی تحریر ہے۔ لیکن یہ دونوں معاہدے قابل اعتراض ہیں

خاص کر دوسرا معاہدہ کیونکہ معاویہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا (جو بجزرت کے کئی سال بعد آپ (ص) کے آخری دور میں

فتح ہوا تھا) چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: مکاتیب الرسول ج 2 ص 637 و 634 و غیرہ۔

63

ان تمام مذکورہ کلمات کو علامہ احمدی نے ذکر فرمایا ہے البتہ ہم نے بھی کچھ کمی، بیشی اور تلخیص کی ہے اور مذکورہ خط پر کئے گئے اعتراضات کے جواب کے لئے یہی بات ہی کافی ہے پس اس روایت پر اعتراض کرنے اور اس کے صحیح ہونے میں شك کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

7_ اہل دمشق سے خالد بن ولید کا صلح نامہ۔ ابن سلام کہتا ہے کہ " محمد بن کثیر نے ہمارے لئے اوزاعی سے اور اس نے ابن سراقہ سے روایت کی ہے کہ خالد بن ولید نے اہل دمشق کو لکھا " یہ خالد بن ولید کی طرف سے اہل دمشق کے لئے (صلح) نامہ ہے میں نے ان کے خون اور اموال اور عبادت گاہوں کے متعلق انہیں امان دی "۔" ابو عبیدہ کہتا ہے کہ اس میناس نے کوئی ایسی بات ذکر کی تھی جو مجھے یاد نہیں رہی ہے اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے " ابو عبیدہ جراح، شرحبیل بن حسنة اور قضاعی بن عامر گواہ ہیں اور یہ تحریر 13 ھ میں لکھی گئی ..."(1)۔

جبکہ یہ بات واضح ہے کہ مورخین کے بقول حضرت عمر نے 16 ھ یا 17 ھ میں تاریخ وضع کی اور کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس تاریخ

سے پہلے عمر نے تاریخ وضع کی خصوصاً اس حقیقت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ دمشق کی فتح حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں تھی بلکہ حضرت ابوبکر کی وفات اور عمر کی خلافت کی خبر شام میں مسلمانوں کے لشکر تک پہنچنے سے پہلے ہی دمشق فتح ہوچکا تھا۔ صاحبان مغازی (کیفیت غزوات کو حیثہ تحریر میں لانے والے حضرات) کے اس اختلاف کے باوجود کہ فتح دمشق 13 ھ کو ہوئی تھی یا 14 ھ کو، مصالحت کرنے والے ابو عبیدہ جراح تھے یا خالد بن ولید اور ان میں سے کون اس لشکر کا امیر تھا؟ ہم مذکورہ بات کے قائل ہیں کیونکہ ہمارے پاس ایسی تقریباً یقینی

1) الاموال ص 297 اور بلاذری نے اس کو فتوح البلدان ص 128 میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بغیر تاریخ کے ذکر کیا ہے اور اسی طرح فتوح البلدان ص 130 میں واقدی سے منقول ہے کہ خالد نے اس پر تاریخ نہیں لکھی تھی لیکن جب مسلمانوں نے یرموک پر چڑھانی کا ارادہ کیا تو خالد نے نصرانیوں کے لیے صلح نامہ کی تجدید کی اور اس میں ابو عبیدہ ، شرحبیل اور یزید بن سفیان کی گواہی ثبت کی اور اس پر ربیع الثانی 15 ھ کی تاریخ درج کی اور ابن کثیر نے گواہوں مینعمرو بن عاص کا اضافہ کیا ہے۔ البتہ اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ تحریر ایک اور خط ہوجسے اس نے یرموک پر چڑھانی کے وقت نصرانیوں کو ان کے کلیساؤں کے تحفظ کے لئے لکھا ہو۔ جیسا کہ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ج 7 ص 21 کے الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

دستاویزات موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ 13 ھ کو جناب ابوبکر کی وفات کی خبر لشکر تک پہنچنے سے پہلے یا کم از کم ابو عبیدہ جراح کے اس خبر کو ظاہر کرنے سے پہلے دمشق فتح ہو گیا تھا۔ اور اہل دمشق کے ساتھ مصالحت کرنے والے بھی اس وقت کے سردار لشکر خالد بن ولید ہی تھے۔ حتیٰ کہ اگر اس تحریر کی تاریخ 15 ہجری بھی مان لی جائے تب بھی ہماری مدعا کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر کی حکومت کا واقعہ اس کے بعد یعنی 16 ھ یا 17 ھ میں تھا۔ ابو عبیدہ، ابن قتیبہ، واقدی، بلاذری (1) اور دوسرے بہت سے حضرات نے تصریح کی ہے کہ صلح خالد کے ہاتھ پر ہوئی اور اس سے واضح ہے کہ صلح کے وقت لشکر کا امیر وہی تھا۔ بلکہ واقدی کا کہنا ہے کہ ان کے ساتھ خالد کے صلح کرنے کی وجہ سے ابو عبیدہ اور خالد کے درمیان سخت تکرار اور مقابلہ بازی پیش آئی۔ اس سے ہمارے لئے واضح ہوجاتا ہے کہ خالد اپنے موقف میں کس قدر سرسخت تھا اور ابو عبیدہ اس کے مقابلہ میں کس قدر کمزور (2)۔ یہی چیز ہمارے اس نظریئے کے ساتھ بہت زیادہ ہمابنگی رکھتی ہے کہ لشکر کی قیادت اس وقت خالد کے پاس تھی۔ بلکہ بلاذری و غیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ابو عبیدہ مشرقی دروازے پر تھا اور قہر و غلبہ سے شہر میں داخل ہوا تو شہر والے خالد کے پاس آئے اور اس سے صلح کر لی۔ اس نے ان کے لئے تحریر لکھی اور انہوں نے اس کے

لئے دروازہ کھول دیا پھر بلاذری نے ابی مخنف کے قول کو بھی نقل کیا ہے جو مذکورہ واقعہ کے بالکل برعکس ہے۔ پھر اس کے بعد کہتا ہے کہ پہلا قول نہایت مناسب ہے (3)۔

ہم بھی کہتے ہیں : کہ ہاں یہی قول درست ہے کیونکہ اکثر مورخین بھی اسی کے قائل ہیں، اس بحث کی ابتداء میں مذکور صلح نامہ کی عبارت اور دیگر دستاویزات بھی اس بات پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ اہل دمشق سے صلح کرنے والا خالد ہی تھا اور وہی امیر لشکر تھا۔

(1) المعارف لابن قتیبة ص 79 ط 1390 بیروت ، فتوح الشام ج/1 ص 58 ، 59 ، فتوح البلدان از ص 128 تا ص 131 و دیگر کتب۔

(2) فتوح الشام ج 1 ص 58 ، 60۔

(3) فتوح البلدان ص 129 ، البداية والنهاية ج/7 ص 21۔

65

البتہ خالد کی معزولی کا حکم مسلمانوں کو اس وقت پہنچا تھا جب وہ دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو ابو عبیدہ نے تقریباً بیس دن تک اسے مخفی رکھا یہاں تک کہ دمشق کو فتح کر لیا گیا تا کہ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہنے والے مسلمانوں کو خالد کا مسئلہ کمزور نہ کر دے (1) البتہ واقدی کہتا ہے کہ دمشق کی فتح حضرت ابوبکر کی وفات والی رات ہوئی

(2)۔

اور زینی دحلان کہتا ہے : " کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کی خبر دمشق کی فتح کے بعد 13 ھ میں آئی اور حضرت ابوبکر کی وفات اسی رات ہوئی جس رات مسلمان دمشق میں داخل ہوئے اور یہ 22 جمادی الثانی 13 ھ کا واقعہ ہے۔ اور جو قائل ہیں کہ وفات کی خبر دمشق کی فتح کے بعد آئی وہی افراد اس بات کے قائل ہیں کہ یرموک کا واقعہ فتح دمشق کے بعد پیش آیا

(3)۔

اور ابن کثیر کہتا ہے کہ " سیف بن عمر کی عبارت کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ 13 ھ میں دمشق فتح ہوا لیکن خود سیف عمومی نظریئے کے مطابق تصریح کرتے ہیں کہ 15 رجب 14 ھ کو دمشق فتح ہوا " (4)۔ اور عبدالرحمن بن جبیر سے منقول ہے کہ ابو عبیدہ خود حضرت ابوبکر کو فتح دمشق کی خوشخبری دینے کے لئے گیا تھا لیکن حضرت ابوبکر پہلے ہی وفات پاچکے تھا اور حضرت عمر نے اسے لشکر کا امیر بنا دیا پھر جب وہ دمشق واپس آیا تو مسلمانوں نے یہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا : " ایسے شخص کو خوش آمدید جسے ہم نے قاصد بنا کر بھیجا تھا اور وہ ہم پر امیر بن کر واپس آیا ہے " (5)۔

بہر حال یہ صلح نامہ اور تمام گذشتہ دستاویزات گواہ ہیں کہ اکثر مؤرخین کے مطابق خالد نے ہی اہل شام سے صلح کی تھی اور ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اگر فرض کریں کہ یہ تحریر 15 ھ میں بھی لکھی گئی ہو یا یہ دوسری تحریر

ہو تب بھی واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ تاریخ حضرت عمر کی خلافت سے پہلے مقرر کی جاچکی تھی۔

-
- (1) البداية والنهاية ج 7 ص 23 و فتوح البلدان ص 127 و 129_
- (2) فتوح الشام ج 1/ ص 58 ، ص 59_
- (3) الفتوحات الاسلامية ج 1/ ص 47_
- (4) البداية والنهاية ج 7/ ص 22_
- (5) البداية والنهاية ج 1/ ص 24_

66

رہی یہ بات کہ مؤرخین اور راویوں نے اس حقیقت سے روگردانی کیوں کی؟ شاید واقعات و حوادث کا پے درپے واقع ہونا اور ایک دوسرے کے نزدیک ہونا ان کے اشتباہ کا موجب بنا ہو اور ان پر اچھا گمان کرتے ہوئے (کیونکہ ان کے متعلق اچھا گمان ہی کیا جاسکتا ہے) یہی کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عمر کا دور حکومت عظیم فتوحات اور کشور کشائی کا دور تھا اور فتح شام بھی چونکہ نہایت اہم معرکہ تھا اس لئے اسے بھی عمر کے دور حکومت میں ہونا چاہئے ، حضرت ابوبکر کے عہد میں نہیں اور اسی طرح خالد کی شجاعت اور مختلف مواقع میں اس کی قوت و

بہادری ثابت اور ظاہر کرنا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ بلا شرکت غیرے تلوار کا دھنی ہے۔ پس اس کا شام پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ شامیوں سے مصالحت کرنے والا کوئی اور ہو چاہے یہ معاملہ جھوٹ اور مکرو فریب سے ہی حل ہوا ہو۔ لیکن کیا یہ مذکورہ باتیں ہی ان لوگوں کی حقیقت سے روگردانی کا حقیقی سبب ہیں۔ مجھے تو نہیں معلوم لیکن شاید ذہین و فطین قارئین کو اس کا علم ہوگا۔

8_ سیوطی نے ابن القماح کے ہاتھ سے تحریر شدہ مجموعہ سے ایک بات نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ابن الصلاح نے کہا ہے : "ابوطاہر محمد بن محمش الزیادی نے تاریخ الشروط میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ (ص) (ص) نے جب نجران کے نصاریٰ کے لئے تحریر لکھی اس میں ہجرت کی تاریخ قلمبند فرمائی اور علی (ع) کو حکم دیا کہ یہ عبارت لکھیں " انہ کتب لخمس من الهجرة " کہ ہجرت کے پانچویں سال میں لکھی گئی ہے۔" (پھر) کہتا ہے "ہجرت کے ساتھ تاریخ آپ (ص) کی اجازت سے لکھی گئی اور تاریخ لکھنے میں حضرت عمر نے آپ (ص) کی پیروی کی ہے" (1) اسی طرح سیوطی کہتا ہے " کہا جاتا ہے یہ بات صداقت رکھتی ہے کہ آپ (ص) نے ہجرت کے پانچویں برس تاریخ لکھی اور پہلی حدیث (زہری کی گذشتہ روایت) میں تھا کہ "آپ (ص) نے مدینہ پہنچنے کے دن تاریخ لکھی " اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں چونکہ ظرف (

سے متعلق نہیں بلکہ مصدر (التاریخ) سے متعلق ہے تو اصل عبارت اس طرح ہوگی _ امر بان یورخ بذلك الیوم لا ان الامر کان فی ذلك الیوم یعنی آپ (ص) نے حکم دیا کہ اس دن سے تاریخ لکھی جائے نہ یہ کہ یہ فرمان اس دن جاری ہوا" (یعنی ہوسکتا ہے کہ پانچ ہجری کو حکم دیا ہو کہ مدینہ تشریف آوری سے تاریخ شمار کی جائے _ از مترجم) (1) یہ سیوطی کا کلام ہے _ لیکن اس سے واضح تر جواب یہ ہے کہ آپ نے مدینہ پہنچتے ہی تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور ربیع الاول کو مبداء قرار دیا اور خود نبی اکرم (ص) نے جب 5 میں نجران کے نصرانیوں کے لئے تحریر لکھی تو اس وقت اسی تاریخ سے استفادہ کیا _

بہر حال سخاوی کہتا ہے کہ " اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو عمر پیروی کرنے والا ہوگا پہل کرنے والا نہیں" (2) _ اور عباس مکی کہتا ہے کہ " تاریخ ایک گذشتہ سنت اور پسندیدہ طریقہ ہے کہ جس کا حکم رسول اللہ (ص) نے نجران کے نصاری کی طرف نامہ لکھتے

ہوئے دیا تھا_ آپ (ص) نے علی (ع) کو حکم دیا کہ اس میں لکھیں (کتب
 لخمس من الهجرة) (3)_ پھر ابن شہاب کی گذشتہ روایت نقل کی ہے۔
 9_ صحیفہ سجادیہ کی خبر سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم (ص) کی ہجرت
 کو تاریخ کا مبدا قرار دینا اللہ جلّ شانہ کی منشاء کے مطابق تھا کیونکہ حدیث
 میں آیا ہے کہ جبرائیل (ع) نے نبی اکرم (ص) سے کہا کہ " آپ (ص) کی
 ہجرت سے اسلام کی چکی چلے گی اور دس سال تک چلتی رہے گی اور
 ہجرت سے پینتیس (35) برس بعد پھر اسلام کی چکی چلے گی اور پانچ سال
 تک چلتی رہے گی" (4)_

- 1) الشماريخ في علم التاريخ ص 10 ، الترتيب الادارية ج 1 ، ص 181_
- 2) الترتيب الادارية ج 1/ ص 181_
- 3) نرہة الجليس ج 1/ ص 21_
- 4) البحار ج 58 ص 351 (البتہ صفحات کی تصحیح کرنے کے بعد) سفينة البحار ج 2/ ص 641 ، الصحيفۃ السجادية ص 10 ، البتہ یہ
 روایت کئی اور اسناد سے نبی (ص) کریم سے بھی وارد ہوئی ہے جنہیں البداية والنهاية ج 6 ص 206 ، 207 ، ج 7/ ص 219 ، 275 ،
 ص 276 ، میں ذکر کیا گیا ہے نیز ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد مطبوعہ دار الكتاب العربی ج 4 ص 159 ، ص 160_ و دیگر کتب

کے ساٹھ (سال) پورے ہونے پر حسین (ع) بن علی (ع) کو شہید کیا جائے گا" (1)۔

11 _ انس سے ایک روایت منقول ہے کہ اس نے کہا: 'نبی اکرم (ص) کے اصحاب نے ہمارے لئے روایت بیان کی ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا کہ ہجرت کے (100) سال پورے ہونے تک تم میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا" (2)۔

12 _ ڈاکٹر سعاد ماہر محمد نے اپنے رسالے (مشہد الامام علی (ع) فی النجف الاشرف) ص 104، ص 105 میں اہل حیرہ کے لئے خالد بن ولید کی لکھی ہوئی تحریر کا متن درج کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے (اور اگر انہوں نے فعل یا قول کے ساتھ بدعہدی اور خیانت کی تو ہم ان سے بری الذمہ ہوں گے اور (یہ تحریر) 12 ھ ماہ ربیع الاول میں لکھی گئی) _ اور یہ بات واضح ہے حیرہ کی فتح خالد کے ہاتھوں حضرت ابوبکر کے دور میں ہوئی تھی اس کا معنی یہ ہے کہ تاریخ حضرت عمر کی خلافت سے بھی پہلے وضع کی جاچکی تھی اور اس سے پہلے سے ہی استعمال بھی ہو رہی تھی پس کس طرح حضرت عمر نے 16 ھ میں تاریخ معین کی؟ اور سہیلی و ابن عباس و غیرہ کے کلام سے مذکورہ بات کی تائید ممکن ہے۔

13 _ حافظ عبدالرزاق نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "ہلاکت ہے عربوں کے لئے اس بدبختی سے جو ساٹھ سال پورے ہونے پر آئے گی _ جب امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا ... " (3)۔

14_ اسی طرح عبدالرزاق نے ہی ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا : "جب پینتیس برس

(1) مجمع الزوائد ج 9 ص 190 عن الطبری اور اس کی سند میں کوئی اعتراض نہیں مگر سعد بن طریف میں اور وہ بھی خود ان کی تصریح کے مطابق اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہے تاریخ بغداد ج 1 ص 142، الامام ج 5 ص 299، کنز العمال ج 13 ص 113 ط حیدرآباد، میزان الاعتدال ج 1 ص 212 عن الطبرانی وا لخطیب و ابن عساکر، منتخب کنز العمال (حاشیہ مسند احمد) ج 5 ص 111، مقتل الحسين خوارزمی ج 1 ص 161، احقاق الحق ج 11 ص 354 از گذشتہ بعض و از مفتاح النجا ص 136 قلمی نیز از امعجم الكبير طبرانی، زندگینامہ امام حسین (ع) از تاریخ دمشق با تحقیق محمودی ص 185_

(2) مجمع الزوائد ج 1 ص 197، عن ابی یعلیٰ، یہ روایت مختلف الفاظ اور مختلف اسناد سے نقل کی گئی ہے، لیکن ان میں لفظ (من الهجرة) نہیں ہے۔

(3) مصنف عبدالرزاق ج 11 ص 373 و 375_

69

پورے ہوں گے تو ایک امر عظیم حادث ہوگا پس اگر تم ہلاک ہو گئے تو اس کے لائق ہو گے اور اگر نجات پا گئے تو اس کی امید ہے اور جب ستر برس پورے ہوں گے تو تم انوکھی چیزیں دیکھو گے (1)_

ابن مسعود اور ابوہریرہ نے اس کا علم نبی اکرم (ص) سے حاصل کیا ہے کیونکہ یہ غیب گوئی ہے اور یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ خود نبی اکرم (ص)

نے ہجری تاریخ مقرر فرمائی _
 15_ ایک حدیث جس کے راوی موثق ہیں یہ ہے کہ : ہم ساٹھ ہجری سال کے پورے ہونے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ 60 ھ اور بچوں کی فرمانروائی سے (2)_
 ابوہریرہ سے مروی ہے : " خدایا مجھے 60 ھ اور بچوں کی حکومت دیکھنا نصیب نہ کر " (3)_
 16_ مالک نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جب ایک سوستر سال پورے ہو جائیں تو جدّہ میں رہائشے پذیر ہونا بہترین اقامت اختیار کرنے میں سے ہوگا (4)_

خلاصہ بحث:

گذشتہ امور سے واضح ہوجاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان مشہور یہ بات کہ حضرت عمر نے اسلامی ہجری تاریخ کی بنیاد رکھی، ناقابل قبول ، بلا دلیل اور بے بنیاد ہے۔ البتہ حضرت عمر کے دور میں صرف یہ ہوا کہ ربیع الاول کی بجائے محرم کو ہجری سال کا مبدا قرار دیا گیا اور ایسا انہوں نے یا تو خود کیا تھا یا حضرت عثمان کے مشورہ سے۔ جبکہ محرم (جیسا کہ سب کو معلوم ہے) زمانہ جاہلیت میں سال کا مبداء شمار ہوتا تھا (5)_ بعید نہیں کہ ہجری تاریخ جسے نبی اکرم (ص) نے مقرر فرمائی تھی اور کئی بار لکھی بھی تھی، اس زمانہ میں تاریخ کی ضرورت کم ہونے کی وجہ سے لوگوں میں

مشہور نہ ہوسکی ہو اور پھر حضرت عمر نے صحابہ کو اکٹھا کیا ہو تا کہ
تاریخ

-
- (1) مصنف عبدالرزاق ج/11 ص 373 و 375_
- (2) تطہیر الجنان واللسان ص 66 1370 نیز کنز العمال ج11 ص 113_
- (3) الاتحاف بحبّ الاشراف ص 65 از ابن ابی شیبہ و غیرہ _
- (4) لسان المیزان ج/2 ص 79_
- (5) البداية والنهاية ج3 ص 206 و ص 207 نیز السيرة النبوية ابن كثير ج2 ص 288 و 289_

70

پر اتفاق حاصل ہو جائے (1) لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی غرض یہ تھی کہ جس تاریخ کا نبی اکرم (ص) نے حکم دیا تھا اور جس تاریخ کو آپ (ص) نے مقرر فرمایا تھا اس کو طاق نسیان میں رکھ دیا جائے _ اس لئے کہ فلاں آدمی رومی تاریخ کا مشورہ دے رہا تھا، یہودیت سے اسلام لانے والے کچھ مسلمان ایسی تاریخ کا مشورہ دیتے ہیں جو سکندر اور ہر مزان کے دور کی طرف لوٹتی ہے اور ان لوگوں سے حضرت عمر یہ مشورے لے رہے تھے حالانکہ حضرت عمر ایرانیوں سے شدید نفرت کرتے تھے لیکن پھر بھی وہ لوگ اسے ایرانی تاریخ کا مشورہ

دیتے ہیں کہ جب کوئی بادشاہ ہلاک ہو جاتا تو وہ نئے بادشاہ کی تاج پوشی کے دن سے تاریخ کی ابتدا کرتے تھے۔ (یعنی...؟) کوئی مولد النبی (ص) یعنی عام الفیل کو تاریخ کا مبداء قرار دینے کا مشورہ دیتا ہے واضح رہے کہ زمانہ جاہلیت کے آخری سالوں میں عرب عام الفیل سے تاریخ لکھتے تھے۔ اور مسعودی کے الفاظ کے مطابق:

(و کثر منهم القول و طال الخطب فی تواریخ الاعاجم و غیرها)(2)

عجمیوں و غیرہ کی تاریخوں میں ان کے درمیان اقوال زیادہ ہو گئے اور بحث لمبی ہو گئی۔

یعنی جتنے منہ اتنی باتیں ہوئیں تو محافظ دین اور حق کے علمبردار حضرت علی (ع) نے مناسب وقت میں اس ہجری تاریخ کا اعلان کیا جسے خود رسول اکرم (ص) نے مقرر فرمایا تھا اور خود انہوں نے نبی (ص) اکرم کی حیات طیبہ میں متعدد خطوط اور معاہدوں میں لکھا تھا۔

آپ (ع) کی رائے اور نظریہ کو قبول کرنے اور آپ (ع) کے مشورہ کو دل و جان سے مان لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ یہ حق ہے "والحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ"۔ نبی اکرم (ص) کے یوم ولادت و رحلت کی بجائے آپ (ص) کی ہجرت کو تاریخ کا مبداء قرار دینے کی وجہ ارض شریک سے (جہاں ذلت، گمراہی اور پستی تھی) ارض

(1) علامہ محقق سید مہدی روحانی نے اپنے مقالہ میں یہ احتمال دیا ہے اور یہ مقالہ ما بنامہ "الہادی" سال اول شمارہ نمبر 4 ص

71

اسلام کی طرف (جہاں عزت ، شرافت اور سربلندی تھی) ہجرت کی اہمیت تھی اور انسانیت اور تاریخ کی تشکیل کے اعتبار سے یہ چیز نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح آپ (ع) نے اس عمل سے ہرذلت آمیز رائے اور ظالم و جابر اور طاغوتی حکمرانوں سے وابستہ واقعات کو تاریخ کا مبداء قرار دینے سے اجتناب کیا۔ اور بہتی گنگا کی لہروں کا دھارا بننے سے بھی پرہیز کیا جبکہ عام لوگوں میں یہ چیز عام ہوتی ہے اور ان کی رگ و پے میں خون اور زندگی کی طرح گردش کر رہی ہوتی ہے۔

پھر عیسوی تاریخ ... کیوں؟

اس کے بعد ... ہم یہاں نہایت افسوس اور گہرے ملال سے یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ اہل مغرب اور غیر مسلم تو اپنی تاریخ، تمدن اور واقعات کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور خواہ وہ کتنے ہی حقیر اور بے اہمیت ہوں کسی طرح بھی ان سے دستبردار نہیں ہوتے بلکہ انہیں پھیلانے اور دوسری قوموں میں انہیں ترویج دینے اور راسخ کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسلامی واقعات اور تاریخ کو لکھنا چاہتے ہیں تو ہجری تاریخ کو عیسوی تاریخ سے بدل کر

لکھنے پر اصرار کرتے ہیں خواہ ایسا کرنے سے کتنے ہی حقائق مسخ ہو جائیں اور ان میں اشتباہ و غلطی ہو جائے۔ لیکن دوسری طرف ہم ترقی، ترقی یافتہ اور تہذیب و ثقافت و غیرہ جیسے بے وزن اور خوشنما الفاظ اور نعروں کا فریب کھا کے اپنی بہت سی بنیادی اور اساسی چیزوں سے باآسانی دستبردار ہو جاتے ہیں حالانکہ ان نعروں کے پس پردہ ہزاروں خطرات اور بربادیاں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اسلامی ممالک نے تو عربی رسم الخط کو چھوڑ کر لاطینی اور انگریزی رسم الخط کو اپنا لیا ہے۔ بلکہ اپنے رنگ ڈھنگ اور لباس جیسے حیاتی اور ضروری امور کو چھوڑ کر غیروں کے اقدار اپنائے ہیں۔ بالکل یہی صورتحال ہجری تاریخ کے متعلق بھی ہے۔ ہم نے کس سہولت سے ہجری تاریخ کو چھوڑ دیا ہے جب کہ یہ ہماری عزت و سربلندی کا سرچشمہ تھی

72

اس سے ہماری تاریخ اور ثقافت قائم تھی ہم نے اس کی جگہ عیسوی تاریخ کو اپنا لیا جو تقریباً چوتھی صدی ہجری مینیعی اسلامی ہجری تاریخ کے وضع ہونے کے بہت عرصہ بعد ظاہر ہوئی عیسائی حضرت عیسیٰ (ع) کی ولادت کے دن سے نہیں بلکہ ان کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے دن سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں۔ (1) بلکہ ایک اور دستاویز کے مطابق جناب سکندر

ذوالقرنین کے دور سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں (2) حتیٰ کہ ابن العبری نے بھی (جو عیسائیوں کے بہت بڑے پادری شمار ہوتے تھے اور کارڈینال کے درجہ کے برابر ان کا رتبہ تھا اور 685 ہجری کو فوت ہوئے انہوں نے بھی) اپنی کتاب میں عیسوی تاریخ کبھی نہیں لکھی بلکہ کئی مقامات پر تاریخ سکندری سے کتاب کو مزین کیا _ پس اگر اس وقت عیسوی تاریخ عام اور معروف ہوتی تو وہ اس سے ہرگز روگردانی نہ کرتے۔ اسی طرح 902 ہجری کو وفات پانے والے سخاوی کے کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے اوائل تک بھی میلاد مسیح کی تاریخ رائج نہیں تھی۔ لیکن بہت سی ایسی حکومتیں ہمارے سامنے ہیں جو اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نام سے یاد کرتی ہیں اور بہت سی قومیں جو خود کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں انہوں نے صرف عیسوی تاریخ کو اپنا رکھا ہے فارسی اور رومی تاریخ کو بھی نہیں اپنایا ہاں ... انہوں نے صرف تمدن و ترقی کے نام پر اور اس قسم کے دلکش اور پرفریب نعروں کی وجہ سے عیسوی تاریخ کو محور نظام بنایا جبکہ اپنی عظمت و سربلندی کی اساس، تاریخ اور ثقافت کو چھوڑ دیا ہے اس طرح بہت سے عظیم اور اہم امور سے دستبردار ہوچکے ہیں جب کہ ان سے پیچھے ہٹنا نہایت دشوار اور خطرناک ہے۔

نکتہ:

ایک روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق (ع) سے پوچھا گیا کہ

عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (ع) کی ولادت کانون (رومی مہینہ) کی چوبیس تاریخ کو ہے (آپ(ع) کیا فرماتے ہیں؟) جس پر آپ(ع) نے فرمایا: "

وہ

1)الاعلان بالتوبیخ لمن یذم التاريخ ص 83 _

2)نزبة الجلیس ج1 ص 22 نیز ملاحظہ ہو کنز العمال ج 10 ص 195 از مستدرک و از کتاب الادب صحیح بخاری _

73

جھوٹ کہتے ہیں بلکہ آپ(ص) کی ولادت حزیران (رومی مہینہ) کے نصف میں ہوئی جو گردش ایام کے حساب سے آذر (فارسی مہینہ) کا بھی نصف بنتا ہے " (1) (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی اور رومی مہینے، عیسوی مہینوں سے پہلے اور معروف تھے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ (ع) کی پیدائشے کو ان تاریخوں سے مطابقت دے رہے ہیں _ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح مطابقت نہیں دے پائے _ از مترجم)

مخلصانہ اپیل

ہم امت مسلمہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے امور اور تقویم (کیلنڈروں) میں ہجری تاریخ کو اپنائیں چونکہ اس طرح ان کا ماضی ان کے حال سے متصل ہو جائے گا اور یہی چیز انہیں ان کی عزت و سربلندی کا راز یاد دلائے

گی اور یہی وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اور تمام انسانیت کے لئے اختیار فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اگر فرض کریں کہ تاریخ کا مبداء بڑے اور عظیم واقعات ہونے چاہئیں تو پھر کونسا واقعہ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے ظہور سے عظیم تر ہے اور کونسا بڑا واقعہ اس عظیم واقعہ کی برابری کر سکتا ہے۔

علامہ مجلسی (رہ) کا کہنا ہے : (ہجری تاریخ کو اپنانے کی) اصلی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ (ہجرت) اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا ابتدائی، دینی احکام کے ظہور کا افتتاحیہ، مشرکوں کی قید سے مسلمانوں کی رہائی کی شروعات اور ہجرت کے بعد دین مبین کے قواعد کی تاسیس جیسے دوسرے اہم کاموں کا ابتدائیہ تھی" (2)۔

میں امت اسلامی خصوصاً عربوں سے گزارش کرتا ہوں اگر ہم دینی لحاظ سے بھی اس سے صرف نظر کر لیں تب بھی عرب ہونے کے ناطے اس کو اہمیت دینی چاہئے اور اس مقام پر انہیں سید الشہداء امام حسین (ع)

(1) بحار الانوار ج 75 ص 36 ، تحف العقول ، مختصر التاريخ ابن کازرونی ص 67 اور مروج الذہب ج 2 ص 179 و ص 180۔

(2) بحار الانوار ج 85 ص 351۔

کا بہترین قول یاد دلاتا ہوں کہ آپ (ع) نے فرمایا:
 (ان لم یکن لکم دین و کنتم لا تخافون المعاد فکونوا احراراً فی دنیاکم ہذہ و
 ارجعوا الی احسابکم ان کنتم عرباً کما تزعمون) (1)
 اگر تم کسی دین کے قائل نہیں اور قیامت کا خوف نہیں رکھتے تو کم از کم
 اپنی اس دنیا کے معاملے میں تو آزاد رہو اور اپنے آباء و اجداد کے محاسن
 ومفاخر کو مدّ نظر رکھو اگر تم اپنے آپ کو عرب سمجھتے ہو۔
 بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ وہ انہیں ان کا بہترین منشور عطا فرمائے او
 ر اپنی عقول و ضمائر سے راہنمائی حاصل کرنے والوں میں قرار دے۔
 اگر وہ ہر چیز میں دوسروں کی تقلید کرنا چاہتے ہیں تو اس معاملے میں بھی
 ان کی تقلید کریں یعنی دوسروں کی تقلید اس طرح کریں کہ ہم اپنے عظیم
 تمدن اور اعلیٰ روایات سے دستبردار نہ ہونے پائیں تا کہ دوسروں کے دست
 نگر نہ ہوں اور ایسی چیزیں اخذ نہ کریں جن کا نقصان ان کے فائدے سے
 زیادہ ہو۔

"قل هذا سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرة انامن اتبعنی"

2_ مدینہ میں مسجد کی تعمیر :

مسجد والی جگہ یا تو رسول اکرم (ص) نے خریدی تھی یا آپ (ص) کو ہدیہ
 کی گئی تھی ، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس جگہ قبیلہ خزرج کے دو یتیم
 بچوں کے اونٹوں کا باڑہ تھا اور وہ بچے اسعد بن زرارہ یا کسی اور شخص

کے زیر کفالت تھے، ایک قول کے مطابق آپ (ص) نے یہ جگہ دس دینار میں
خریدی

وہاں آنحضرت (ص) نے مسجد کی بنیاد رکھی، آپ (ص) بہ نفس نفیس اپنے
اصحاب کے ساتھ مل کر (مدینہ کے

1) اللہوف ص 50 نیز مقتل الحسین مقرر ص 335 از لہوف۔

75

مضافات میں) سیاہ پتھروں پر مشتمل "حرّہ" نامی زمین سے پتھر اٹھا کر لاتے
تھے، اس کام میں آپ (ص) کی شرکت کی وجہ سے اصحاب اور زیادہ
کوشش اور تگ و دو سے کام کرتے تھے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے یہ
شعر

لئن قعدنا و العمل النبى يعمل
لذاک منا العمل المضلل

(اگر ہم آرام سے بیٹھ جائیں اور رسول اکرم (ص) کام میں مشغول رہیں) تو
یہ درست نہیں) لہذا ہم اسی وجہ سے سخت طاقت فرسا کام میں مصروف

ہیں)۔

مسجد کی تعمیر کے وقت مسلمین یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

لا عیش الا عیش والآخرة
اللهم ارحم الانصار والمهاجرة

(زندگی تو صرف آخرت اور جنت کی ہی زندگی ہے، خدایا انصار و مہاجرین پر رحم فرما)

اور اس طرح کے دیگر اشعار (1) آنحضرت (ص) نے مسجد کا طول و عرض تقریباً سوسو ذراع (ہاتھ) قرار دیا (2) ایک اور قول کے مطابق طول ستر ذراع (ہاتھ) (3) اور عرض ساٹھ ذراع قرار دیا (4) ، احتمال ہے کہ یہ دونوں قول صحیح ہوں اور وہ اس طرح کہ پہلی دفعہ تعمیر کرتے وقت آپ نے لمبائی میں ستر اور چوڑائی میں ساٹھ ذراع پر بنیادیں رکھی ہوں جبکہ تعمیر نو کے وقت اس میں توسیع کردی ہو (5)۔

رسول اکرم (ص) نے مسجد کے اطراف میں اپنے اور اپنے اصحاب کے گھر بنائے شروع میں ہر گھر کا دروازہ مسجد کے صحن کی طرف کھلتا تھا لیکن بعد میں امیر المؤمنین علی (ع) کے گھر کے علاوہ باقی تمام دروازے بند کر دیئے گئے ، انشاء اللہ بعد میں ہم اس بات کی زیادہ وضاحت کریں گے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم یہاں مؤرخین کے بعض اقوال کا جائزہ لیں۔

- (1) السيرة الحلبية ج2ص 65 ص 64 و 67 و 71_
- (2) یعنی تقریباً 91 میٹر سے کچھ زیادہ طول اور اتنا ہی عرض (مترجم)
- (3) یعنی تقریباً 67 میٹر کے لگ بھگ (مترجم)
- (4) یعنی تقریباً 49 میٹر سے کچھ کم (مترجم)
- (5) وفاء الوفاء ج1 ص 340 اور اس کے بعد_ نیز ملاحظہ ہو: تاریخ الخميس ج1 ص 365 و 366 اور الترتیب الاداریہ ج2 ص 77_

76

الف: حضرت ابوبکر اور دس دینار:

اہل سنت مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسجد کی جگہ کو خریدنے کیلئے حضرت ابوبکر نے دس دینار ادا کئے (1)۔ لیکن ہماری نظر میں یہ بات مشکوک ہے اس لئے کہ : اولاً: حضرت ابوبکر کی مالی حالت اس قدر مستحکم نہ تھی کہ وہ یہ رقم ادا کرسکتے، اگر فرض کریں کہ ان کی مالی حالت بہتر تھی تب بھی ہمیں شك ہے کہ انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہو اور اس کی دلیل ہم واقعہ غار میں ذکر کرچکے ہیں۔

ثانیاً: اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو بھی اس کے برعکس کچھ اور روایات بھی موجود ہیں۔ جن میں سے ایک روایت کے مطابق اسعد بن زرارہ نے اس

زمین کے بدلے مینبنی بیاضہ میں اپنا کھجور کا ایک درخت ان یتیمونکو دیا تھا، جبکہ دوسری روایت میں آیاہے کہ ابوایوب نے کسی طرح انہیں راضی کیا تھا اور تیسری روایت کے بقول معاذ بن عفرء نے یہ کام انجام دیا تھا (2)۔

بعض مؤرخین نے احتمال دیا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابوبکر نے زمین کی قیمت ادا کی ہو جبکہ بعض دیگر صحابہ نے محض اجر و ثواب اور نیکی کے طور پر زمین کی اصل قیمت کے علاوہ ان یتیموں کو یہ سب کچھ دیا ہو (3)۔ لیکن یہ احتمال بھی دیا جاسکتا ہے کہ دیگر صحابہ نے زمین کی اصل قیمت ادا کی ہو اور حضرت ابوبکر نے صلہ و نیکی کے طور پر کچھ رقم ادا کی ہو، اس طرح پہلے احتمال کو اس دوسرے احتمال پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ، علاوہ ازیں یہ احتمال روایت میں موجود کلمہ "عوضہما" کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اس لئے کہ اس کلمے سے واضح ہوتا ہے کہ ایک تو یہ چیز زمین کی قیمت تھی اور دوسرا وہ رقم اس زمین کے بدلے میں تھی نیکی اور صدقہ کے طور پر نہیں تھی۔

ثالثاً : صحیح بخاری و غیرہ میں لکھا ہے کہ رسول اکرم (ص) نے ایک شخص کو بنی نجار کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا

(1) سیرہ حبیبہ ج 2 ص 324 ، وفاء الوفاء ج 1 ص 323 و ص 324 ، (روایت ابن حجر) ، السیرة الحلبية ج 2 ص 65۔

(2) البداية و النہایة ج 3 ص 315 ، وفاء الوفاء ج 1 ص 323 و ص 324 ، (روایت ابن حجر) ، السیرة الحلبية ج 2 ص 65۔

کہ وہ آپ (ص) کے ساتھ اس زمین کے محدودے کی قیمت طے کریں۔ تو انہوں نے جواب دیا: "قسم بخدا ہم خدا کے علاوہ کسی اور سے اس زمین کی قیمت وصول نہیں کریں گے" (1)۔

ب: پتھر اور خلافت

حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ مسجد کیلئے سب سے پہلا پتھر خود رسول اکرم (ص) اٹھا کر لائے تھے پھر دوسرا پتھر حضرت ابوبکر (تیسرا حضرت عمر (2) اور چوتھا حضرت عثمان اٹھا کر لائے ، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے رسول اکرم (ص) سے عرض کی : "کیا آپ (ص) ان کی طرف نہیں دیکھتے کہ یہ کس طرح آپ (ص) کی مدد کر رہے ہیں ؟" تو آپ (ص) نے فرمایا : "اے عائشہ ، میرے بعد یہ میرے خلیفہ ہوں گے ... "یہ حدیث شیخین کے معیار کے مطابق صحیح ہے لیکن خود انہوں نے اسے ذکر نہیں کیا (3)۔ اس روایت کے الفاظ میں موجود تضاد و تناقض کے علاوہ درج ذیل امور کی بنا پر اس حدیث کا صحیح ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ اولاً : ذہبی اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں : اگر یہ

حدیث صحیح ہوتی تو یہ تینوں خلفاء کی خلافت پر نصّ ہوتی جبکہ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ، اس لئے کہ حضرت عائشہ اس وقت ایک کم سن پردہ نشین بچی تھیں اور ابھی رسول اکرم (ص) کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہی نہیں ہوئی تھیں ، پس ان سے اس حدیث کو منسوب کرنا، اس حدیث کے جھوٹے ہونے پر دلالت کرتا ہے (4)۔ البتہ ہم ان کے کم سن ہونے والی بات پر اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔

ابن کثیر کہتے ہیں : "اس سیاق و سباق کے ساتھ یہ حدیث بالکل عجیب و غریب ہے" (5)۔

(1) صحیح البخاری ج1 ص57 ، تاریخ الطبری ج2 ص116 ، الكامل لابن اثیر ج2 ص110 وفاء الوفاء ج1 ص323 _ نیز الترتیب

الاداریہ ج2 ص77 _

(2) حضرت عمر کا ذکر صرف تلخیص المستدرک کی روایت میں ہوا ہے۔

(3) مستدرک الحاکم ج3 ص96 ، 97 ، وفاء الوفا ج1 ص332 ، 333 ، 351 ، البداية والنهاية ج3 ص218 ، اور ج6 ص204 (انہوں نے

وضاحت کی ہے کہ یہ واقعہ مسجد مدینہ کی تعمیر کے وقت پیش آیا) السیرة الحلبیة ج2 ص56 ، 66 ، تاریخ الخمیس ج1 ص344 ،

343 نیز دلائل النبوة بیہقی ج2 ص272 _

(4) تلخیص المستدرک ذہبی ج3 ص97 (مستدرک الحاکم ج3 ص97 کے حاشیے پر مطبوع) _

(5) البداية والنهاية ج3 ص218 _

ثانیاً: حدیث سفینہ پر اشکال و اعتراض کرتے ہوئے بخاری نے " خلافت اور پتھر" کی حدیث (1) کے بارے اپنی تاریخ میں لکھا ہے :-
ابن حبان نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا کیونکہ حضرت عمر ، حضرت عثمان اور حضرت علی (ع) (البتہ یہ انہی لوگوں کے الفاظ ہیں) کہا کرتے تھے : " نبی اکرم (ص) نے کسی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا " (2)۔
یہاں بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس لحاظ سے یہ حدیث خود اہل سنت کے اس عقیدے سے بھی تضاد رکھتی ہے کہ جس کے مطابق رسول اکرم (ص) نے نہ تو کسی شخص کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا تھا اور نہ ہی خلافت کے بارے میں کوئی وضاحت فرمائی تھی ، اور اسی بنا پر اہل سنت حضرت ابوبکر کے ہاتھ آنے والی خلافت کو درست قرار دیتے ہیں۔ بلکہ حضرت عائشہ سے یہ روایت بھی منقول ہے : " اگر رسول اکرم (ص) کسی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے تو (میرے خیال میں) ضرور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو ہی خلیفہ مقرر فرماتے " اس حدیث کو ذہبی اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے (3)۔

علامہ امینی علیہ الرحمہ نے اپنی گراں قدر تصنیف " الغدير " (ج/5 ص 357 تا 375) میں علمائے اہل سنت کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خلافت ایک انتخابی امر ہے (یعنی معاملہ لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ دیا گیا ہے) پس یہ حدیث ان کے مذہب کے مطابق بھی

جھوٹی ہے اور حقیقت میں بھی جھوٹی ہے اس لئے کہ رسول اکرم (ص) نے حضرت علی (ع) کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کا واضح اعلان فرمایا اور اس بارے میں بے شمار روایات منقول ہیں انہی روایات کے ذریعے امیر المؤمنین (ع) ، آپ (ع) کے اصحاب ، اہل بیت ، آپکی اولاد اور آپ (ع) کے شیعہ ، اس وقت سے آج تک آپ (ع) کی خلافت پر استدلال کرتے چلے آ رہے ہیں، شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو کہ جس میں ان بے شمار متواتر روایات یا خبر واحد میں سے کوئی روایت نقل نہ کی گئی ہو (4)۔

(1)	مستدرک	الحاکم	ج3	ص	13_
(2)	السیرة	الحلیبہ	ج	ص2	66_
(3)	مستدرک	الحاکم	ج3	ص	78_

(4) بطور مثال ملاحظہ ہو: الغدیر ج1 ص 195 ا ص 213_

79

ثالثاً: اس روایت کے مطابق مسجد کی تعمیر میں سب سے پہلے پتھر رکھنے والوں میں حضرت عثمان بھی شامل تھے لیکن خود اہل سنت کے مؤرخین کے بقول حضرت عثمان اس وقت حبشہ میں تھے اور مدینہ میں موجود نہ تھے جیسا کہ سمہودی نے اس طرف اشارہ کیا ہے اسی وجہ سے سہیلی نے اس

روایت کو نقل کرتے ہوئے حضرت عثمان کو حذف کرتے ہوئے اس کے نام کو ذکر نہیں کیا (1)۔ اور جب حاکم کی کتاب طبع ہوئی تو اس روایت میں سے حضرت عثمان کا نام حذف کر دیا گیا اس کے پیچھے بھی شاید یہی راز پوشیدہ تھا ، حالانکہ ذہبی نے اپنی تلخیص میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اور اسے تحریف کہا جاتا ہے جو دین، امت اور کسی فرقے کے حقائق کے ساتھ خیانت میں شمار ہوتی ہے۔

کیونکہ بطور خلاصہ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عثمان اگر چہ اہل مکہ کے اسلام لانے کی خبر سن کر مکہ پلٹ آئے تھے لیکن حقیقت حال کا پتہ چلنے پر دوبارہ واپس حبشہ چلے گئے تھے ، جیسا کہ خود اہل سنت مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی (2) عسقلانی کہتے ہیں : " جب حبشہ میں موجود مسلمانوں کو آنحضرت (ص) کی ہجرت کا علم ہوا تو ان میں سے تیس آدمی واپس مکہ لوٹ آئے ، ان میں ابن مسعود بھی تھے ، جو اس وقت مکہ پہنچے جب نبی اکرم (ص) جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے (3) (تو پھر عثمان کہاں سے شریک ہوسکتے ہیں؟)۔

ج: حضرت عثمان اور حضرت عمار:

مؤرخین لکھتے ہیں : حضرت عثمان بہت صفائی پسند اور صاف ستھرے رہنے والے آدمی تھے، جب مسجد کی تعمیر کیلئے اینٹیں اٹھاتے تو انہیں

اپنے کپڑوں سے دور رکھتے تھے اور جب اینٹوں کو مسجد کے پاس رکھتے تو

(1) وفاء وفاء ج 1 ص 252

(2) طبقات ابن سعد ج 1 حصہ اول ص 138 ، الكامل لابن اثیر ج 3 ص 185 ، البدء والتاریخ ج 1 ص 22 ، اس کتاب کی روایت کے مطابق حبشہ

کی طرف پہلی ہجرت کے وقت کشتی میں حضرت عثمان کی زوجہ حضرت رقیہ کا حمل گر گیا تھا ۔

(3) فتح الباری ج 7 ص 145۔

80

اپنی آستینوں کو جھاڑتے اور اپنے کپڑوں کو دیکھتے کہ کہیں ان پر مٹی تو نہیں لگی ، اگر مٹی لگی دیکھتے تو اسے جھاڑ دیتے تھے ، حضرت علی (ع) ابن ابیطالب نے انہیں دیکھ کر یہ اشعار پڑھے۔

لا یستوی من یعمر المساجدا

یدأب فیہا قائماً و قاعداً

و من یری عن التراب حائداً

(وہ شخص جو مساجد کی تعمیر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نہایت کوشش و

مشقت سے کام کرتا ہے اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو مٹی سے دور

رہنے کی کوشش کرتا ہے)۔

جب حضرت عمار یاسر نے یہ اشعار سنے تو انہوں نے ان اشعار کو دہرانا شروع کر دیا ، اگرچہ انہیں معلوم نہ تھا کہ ان اشعار سے مراد کون ہے؟ اسی اثناء میں جب وہ حضرت عثمان کے پاس سے گزرے تو حضرت عثمان (جن کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھڑی تھی) نے ان سے کہا : "اے سمیہ کے بیٹے یہ کس کی عیب جوئی کر رہے ہو؟" پھر کہا : "چپ ہو جاؤ ورنہ (یہی چھڑی) تیرے چہرے پر مارونگا"۔ یہ بات نبی اکرم (ص) نے سن لی ، اس وقت آپ (ص) حجرہ ام سلمہ کے سائے میں تشریف فرماتھے ، یا ایک اور روایت کے مطابق اپنے حجرہ کے سائے میں آرام کر رہے تھے ، یہ سن کر آنحضرت (ص) سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا : "بے شک عمار بن یاسر میری ناک اور آنکھوں کے درمیان موجود جلد (پیشانی) کی مانند ہیں"۔ آپ (ص) نے اپنی دو آنکھوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا : "جب کوئی شخص اس مقام تک پہنچ جائے تو یہ قربت کی انتہا ہے"۔ یوں آپ (ص) نے لوگوں کو انہیں آزار و اذیت پہنچانے سے باز رکھا، پھر لوگوں نے حضرت عمار سے کہا : "رسول اکرم (ص) آپ کی وجہ سے ہمارے ساتھ ناراض اور غضبناک ہوئے ہیں، ہمیں ڈر ہے کہیں ہمارے بارے میں کوئی قرآنی آیت نازل نہ ہو جائے" حضرت عمار نے کہا : "جس طرح آنحضرت (ص) ناراض و غضبناک ہوئے ہیں میں ابھی اسی طرح آپ (ص) کو راضی کرتا ہوں"۔

پھر حضرت عمار نے آنحضرت(ص) کی خدمت میں عرض کی : "یا رسول اللہ (ص) آپ (ص) کے اصحاب کو مجھ سے کیا 81 دشمنی ہے؟" آپ (ص) نے فرمایا : "ان کی طرف سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟" عرض کی : "وہ میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں ، خود تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں جبکہ میرے اوپر دو دو تین تین اینٹیں لاد دیتے ہیں"۔ آنحضرت(ص) نے حضرت عمار کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کے اندر چکر لگایا آپ (ص) نے ان کے بالوں سے خاک جھاڑتے ہوئے فرمایا : "اے ابن سمیہ تمہیں میرے اصحاب قتل نہیں کریں گے بلکہ تم ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہو گے (1)..."۔

کیا حضرت عثمان حبشہ میں نہ تھے؟

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ حضرت عثمان مسجد کی تعمیر کے وقت وہاں موجود نہ تھے اور اس وقت وہ حبشہ میں تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عسقلانی اور حلبی نے حضرت عثمان بن عفان کی جگہ اس روایت میں عثمان بن مظعون کا نام ذکر کیا ہے (2)۔ ہم اس سوال اور اعتراض کا جواب دینے سے پہلے گذشتہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے چلیں کہ اس کی یہ توجیہ کرنا بھی نامناسب ہے کہ "رسول اکرم (ص) ایک سال یا سات ماہ تک ابوایوب کے ہاں قیام پذیر رہے اور اسی دوران آپ اپنے گھر اور مسجد کی تعمیر میں مصروف رہے، ممکن ہے کہ

اس وقت یہ خبر حبشہ میں مہاجرین تک پہنچی ہو اور اس دوران وہ مدینہ آتے رہے ہوں اور شاید حضرت عثمان بھی ان میں سے ایک ہوں وہاں انہوں نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور مذکورہ واقعہ پیش آیا ہو، اگرچہ مسجد کی بنیاد رکھتے وقت اور خلافت کے پتھر رکھنے میں وہ شریک نہ ہوسکے ہوں۔

بہر حال ہمارے نزدیک یہ بعید ہے کہ مسلمان اتنے طویل عرصہ تک مسجد کی تعمیر میں مصروف رہے ہوں

- (1) سیرة ابن ہشام ج2 ص142، تاریخ الخمیس ج1 ص345 ، اعلق النفیسة ، وفاء الوفاء ج1 ص329 ، السیرة الحلبیة ج2 ص72 ، علامہ امینی نے " الغدیر" کی نویں جلد میں (ص 21 سے 27 تک) اس واقعہ کے بہت زیادہ مصادر و منابع ذکر کئے ہیں، ہم نے صرف چند ایک ذکر کئے ہیں ، مزید تحقیق کیلئے " الغدیر" ج9 کی طرف رجوع فرمائیں۔
- (2) السیرة الحلبیة ج2 ص71 ، حاشیہ سیرت النبی (ص) ابن ہشام ج2 ص142_ از مواہب اللدنیہ۔

82

اس لئے کہ وہ دسیوں کی تعداد میں تھے اور اہل مدینہ میں سے اسی (80) سے زیادہ افراد تو مقام عقبہ پر آنحضرت (ص) سے بیعت کرچکے تھے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ظاہراً حضرت عمار اور حضرت عثمان کا مذکورہ

واقعہ مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت پیش آیا اور یہ جنگ خیبر کے بعد کی بات ہے یعنی ہجرت کے ساتویں سال (1) اور درج ذیل امور اسی بات کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں:

اولاً: بیہقی نے اپنی کتاب "الدلائل" میں روایت کی ہے کہ جب حضرت عمار قتل کر دیئے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اپنے والد (عمرو بن العاص) سے کہا: "اس شخص (حضرت عمار) کو ہم نے قتل کیا ہے جبکہ رسول اکرم (ص) نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا وہ بھی پتا ہے۔" اس کے والد نے پوچھا: "تم کس شخص کی بات کر رہے ہو؟" تو اس نے جواب دیا: "عمار یاسر کی" پھر کہا: "کیا تمہیں یاد نہیں جب رسول اکرم (ص) مسجد تعمیر کر رہے تھے تو اس وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لارہے تھے جبکہ عمار یاسر دو دو اینٹیں اٹھالاتا تھا چنانچہ اسی دوران جب وہ آنحضرت (ص) کے پاس سے گزرا تو آپ (ص) نے فرمایا کہ تم دو دو اینٹیں اٹھا کر لارہے ہو حالانکہ تمہارے لئے یہ ضروری نہیں ہے جان لو کہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور تم اہل جنت میں سے ہو۔" پھر عمرو معاویہ کے پاس گیا ... الخ (2)

سمہودی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: "اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری بار مسجد کی تعمیر کے وقت رسول اکرم (ص) نے حضرت عمار کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا، اس لئے کہ عمرو نے ہجرت کے پانچویں برس اسلام قبول کیا تھا" (3)

عبدالرزاق و غیرہ سے مروی ہے کہ عمرو بن عاص معاویہ کے پاس گیا اور
اس نے معاویہ سے کہا کہ ہم

(1) وفاء الوفاء ج 1 ص 338_

(2) تذکرۃ الخواص ص 93 از طبقات ابن سعد، الفتوح ابن اعثم ج 3 ص 119 و 130 ، الثقات ابن حبان ج 2 ص 291 ، انساب الاشراف ؛ با

تحقیق محمودی ج 2 ص 313 و 317 ، طبقات ابن سعد ج 3 حصہ اول ص 180 و 181 المصنف ابن ابی شیبہ ، مسند احمد بن حنبل

ج 2 ص 164 ، حاشیہ انساب الاشراف ج 2 ص 313 ؛ تحقیق محمودی، المناقب خوارزمی ص 160 ، وفاء الوفاء ج 1 ص 331 و 332_

(3) وفاء الوفاء ج 1 ص 331 و 332_

83

نے سنا کہ رسول اکرم (ص) عمار کے بارے ہیں فرما رہے تھے: "اسے
(عمار کو) ایک باغی گروہ قتل کرے گا" (1)_
اور معاویہ کے پاس دو آدمی آئے جو حضرت عمار کے سر کے بارے میں
آپس میں جھگڑ رہے تھے ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے انہیں دیکھ کر کہا
:" عمار کے سر کی بابت تمہیں اپنے ساتھی کے لئے راضی ہو جانا چاہئے ،
کیونکہ میں نے عمار کے بارے میں رسول اکرم (ص) کو یہ فرماتے ہوئے سنا
:" عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا " اس پر معاویہ نے عمرو سے کہا:
"تو اپنے اس پاگل کو ہم سے دور کیوں نہیں کر لیتا " (2)_

اور یہ واضح ہے کہ حضرت عمار کا واقعہ ایک ہی دفعہ اور ایک ہی مناسبت سے پیش آیا ہے۔

ثانیاً: خود روایت میں قرینہ موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد کی دوبارہ تعمیر کے دوران پیش آیا تھا، کیونکہ روایت میں ہے کہ رسول اکرم (ص) اس وقت حضرت ام سلمہ کے حجرے کے سائے میں تشریف فرماتھے اور یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت (ص) نے سب سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی تھی اور اس کے بعد اپنے حجرے تعمیر کئے تھے (3) نیز آپ (ص) نے یہ گھر اکٹھے تعمیر نہیں کئے تھے بلکہ ضرورت کے ساتھ انہیں تدریجی طور پر تعمیر کیا تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کا حجرہ تعمیر کیا گیا (4) اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہونے کے کافی دیر بعد آنحضرت (ص) نے حضرت ام سلمہ کیلئے حجرہ تعمیر کیا تھا۔

(1) المصنف ج11 ص240 ، مجمع الزوائد ج9 ص297 ، ج7 ص242 ، (امام احمد کی مسند اور طبرانی سے روایت نقل ہونی ہے)۔

(2) انساب الاشراف ج2 ص313 ، مسند احمد ، مسند عبداللہ بن عمرو ، مصنف ابن ابی شیبہ اور فتح الباری کے علاوہ دیگر بہت سے

مصادر و منابع میں یہ روایت نقل ہونی ہے۔

(3) زاد المعاد ج1 ص25 ، السیرة الحلیة ج2 ص87 ۔

(4) تاریخ الخمیس ج1 ص346 ، وفاء الوفا ج2 ص458 وفاء الوفاء کے صفحہ 462 پر ذہبی سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرت (ص) نے سب

سے پہلے حضرت سودہ کا گھر تعمیر کیا ، پھر جب حضرت عائشہ کیلئے گھر کی ضرورت پڑی تو ان کے لئے گھر تعمیر کر دیا، اسی

آنحضرت (ص) کی طرف سے عمار کی نصرت و تائید کا راز:

اس قصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمان شعور و ادراک کے اس درجہ پر فائز تھے کہ وہ اپنے اس عمل کو اپنی دنیا کیلئے نہیں بلکہ ذخیرہ آخرت سمجھتے ہوئے انجام دیتے تھے اور ان کے اعمال اور افکار و نظریات میں آخرت ہی کو اولین و آخرین مقام حاصل ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور اس کے علاوہ اصلاً زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، اور وہاں کی ناکامی ہی حقیقی ناکامی اور خسارہ ہے ..."

اللّٰهُمَّ لا عيش الا عيش الآخرة
فارحم الانصار و المهاجرة

(حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اے اللہ مہاجرین و انصار پر اپنی رحمتیں نازل فرما)۔

آنحضرت (ص) کی ایک حدیث (1) کے مطابق حضرت عمار کا پورا وجود نور ایمان سے منور تھا، راہ خدا میں انہوں نے بہت سی مشکلات اور تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے دین و عقیدے کی خاطر خلوص دل

سے مصروف عمل رہے ، چنانچہ جب بعض افراد کی طرف سے حضرت عمار کو دھمکیاں دی گئیں تو ایسے میں آنحضرت(ص) کی طرف سے ان کی حمایت و نصرت ، ان کے اعمال و افکار کی تائید تھی اور دھمکیاں دینے والے نیز تعمیر مسجد کے وقت اپنے آپ کو مٹی اور گرد و غبار سے بچانے والے کا عمل بتا رہا تھا کہ وہ ایمان کے لحاظ سے مطلوبہ سطح فکر کا حامل نہیں تھا اور دنیا ہی اس کیلئے سب کچھ تھی جیسا کہ اس شخصیت کے بعد کے اعمال و کردار نے اس بات کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔ ان حالات میں رسول اکرم(ص) کی طرف سے حضرت عمار کی نصرت و حمایت اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ حضرت عمار اپنے دین اور عقیدے کی راہ میں خلوص دل سے جہاد و کوشش میں مصروف تھے۔ یہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ حضرت عثمان نے حضرت عمار کی تحقیر و توہین کے ارادے سے انہیں ان کی ماں کی نسبت سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا : " اے سمیہ کے بیٹے یہ کس کی عیب جوئی کر رہے ہو" حالانکہ حضرت عمار کی والدہ محترمہ وہ پہلی مسلمان خاتون ہیں جو شہادت کے عظیم

(1) البدایہ والنہایہ ج 7 ص 312 ، سنن نسائی ج 8 ص 111 ، الاصابہ ج 2 ص 512 ، تہذیب التہذیب ج 7 ص 409 ، حلیۃ الاولیاء ج 1 ص

139 ، سنن ابن ماجہ ج 1 ص 52 والاستیعاب (بر حاشیہ الاصابہ) ج 2 ص 478۔

منصب پر فائز ہوئیں اور جنہیں ان کے دین و عقیدے کی بنا پر ظلم و تشدد کے ذریعہ شہید کر دیا گیا _ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمار کے حامی و ناصر حضرت رسول اکرم (ص) جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو آپ (ص) بھی ان کی صابرہ اور مجاہدہ ماں کی عظیم شان و منزلت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں والدہ سے نسبت دیتے ہوئے فرماتے ہیں : "يا بن سمية لا يقتلك اصحابي ... الخ" _

پہلے مسجد کی تعمیر کیوں؟

غور طلب بات یہ ہے کہ رسول اکرم (ص) نے مدینہ میں سب سے پہلے جس کام کو شروع کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی اور اس کام کی بڑی اہمیت اور خاص وجہ تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ : اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ تھے ، مہاجرین اور انصار_ یہ دو گروہ فکری ، روحانی، اقتصادی، اور عادات و اطوار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے، خود مہاجرین بھی مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو آپس میں فکری، معاشرتی ، مادی اور روحانی لحاظ سے الگ الگ صفات و خصوصیات کے حامل تھے، نیز انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر وہاں سے

ہجرت کر لی تھی اور اب وہ بے وطن اور بے گھر ہو چکے تھے۔ اسی طرح انصار بھی ایک دوسرے پر غلبہ و تسلط کے متمنی دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ماضی قریب میں کئی دفعہ ان کے درمیان تباہ کن جنگیں بھی ہو چکی تھیں۔

اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ منزل و مقصود کے حصول میں اہداف، رسومات اور محسوسات و غیرہ کا اثر بہت ہی بنیادی ہے لہذا ان امور میں نظم و انسجام بہت ضروری ہے۔ اور اسلام تمام لوگوں کے عقائد و نظریات کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے تا کہ وہ سب ایک ہی جسم کی مانند ہوجائیں اور ہر قسم کی مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔ نیز ان کی کوششیں، اہداف، اغراض و مقاصد، موقف اور حرکات و سکنات سب یک سو ہوجائیں۔ اور یہ چیز ایک دوسرے کے ساتھ رہن سہن کو ممکن بنانے کے لئے ان لوگوں کی نفسیاتی، اخلاقی اور فکری تربیت کی ضرورت کو مزید واضح کر دیتی

86

ہے۔ تا کہ وہ لوگ ایک پروردگار، ایک ہدف اور ایک مقصد رکھنے والی امت کے بنیادی عنصر یعنی معاشرے کو خود کفیل اور ہم نوا بنانے کے لئے اپنا بھر پور کردار ادا کرسکیں۔ اور یہ معاشرہ مدینہ کے یہودیوں، عربوں اور مشرکوں بلکہ پوری دنیا سے درپیش خطرات کے مقابلے میں رسول(ص)

اور رسالت کی حمایت ، حفاظت اور دفاع کر سکے۔ اس لئے اس معاشرے کے فکری اور مادی وسائل اور طاقتوں کو ایک ہی ہدف یعنی رسالت کی خدمت کے لئے ڈھالنا ضروری تھا۔ اور مسجد ہی وہ جگہ ہے جہاں یہ سب اہداف حاصل ہوسکتے ہیں کیونکہ مسجد صرف عبادت ہی کی جگہ نہیں ہے ، بلکہ وہ فکری اور ذہنی تربیت اور تہذیب کا ایک بہترین اور اعلیٰ مقام ہے۔ بلکہ ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ وہ آج بھی ثقافتی ، فکری اور نظریاتی اتحاد اور انسجام کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب فرض یہ ہے کہ یہ تعلیمات ایک ہی سرچشمہ سے بیان ہوئی ہیں اور زندگی کے تمام مراحل میں ان کا صرف ایک ہی مقصد ہے ساتھ ہی ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کا تقدس اور اس سے رابطہ کا تصور ہو، تو اس سے مسلم معاشرہ اس فکری تصادم سے بچ سکتا ہے جو ہر کسی کی اپنی ثقافت کی وجہ سے پیش آنے والی ثقافتی عدم ہم آہنگی سے پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے پھر مفہیم، افکار اور ذہنی اور دیگر سطح کی جنگ چھڑ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ خلا اور دوریاں بڑھتی رہتی ہیں پھر تو واضح طور پر ان اہداف اور ان علامات و غیرہ میں عدم ہم آہنگی نظر آتی ہے جن کا ہدف تک پہنچنے میں بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ پس مسجد انسانوں کی ذہنی ، فکری اور نظریاتی تربیت اور معاشرے کے ثقافتی ، نظریاتی اور فکری اتحاد و انسجام کا بہترین مقام ہے۔ لیکن اس زمانے میں معروف اسکول فقط بے جان مفہیم اور انسانی حقیقت

سے دور افکار عنایت کر تے ہیں جنکا انسان کی بنیادی ضرورتوں اور روحانی و فکری تربیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، علاوہ برائیں ان افکار میں اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اسکی ذات کے سامنے خشوع و خضوع کا شعور تو بالکل بھی شامل نہیں ہے۔ اسی طرح ان اسکولوں میں عقیدہ و فکر کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں، صرف تکبر و ہوائے نفس ہی رہ جاتا ہے

87

جسے ہماری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، ہمیں دنیا کے ان تاجروں کے ہاتھوں میں پہنچا دیتے ہیں جو قوموں کو جدید میڈیا کی قوت سے نابود کر رہے ہیں جبکہ آمادگی یا انسانی تربیت کے لئے جن و سائل کا استعمال کر رہے ہیں ان کے ذریعے انسان کو بھوک اور افلاس کی طرف دھکیلا جا رہا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ذاتی معاش ہی کی فکر میں رہتا ہے اور اس میں دوسروں کی ضرورتوں کا احساس ختم ہو کے رہ جاتا ہے، ان کے اندر باہمی رابطہ اور محبت و مودت نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے اور تنگ نظری پیدا ہو جاتی ہے۔

پس اس صورت حال میں ان تمام گروہوں کی فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کا اہتمام بہت ضروری تھا تا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو اور ایک دوسرے کی نسبت

اسی احساس ذمہ داری کے ساتھ ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دیں جو ایک جسم واحد کی مانند ہو کہ جب اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو درد و الم میں مبتلا ہو تو جسم کے باقی اعضاء بیدار رہ کر اس مصیبت میں اس کے ساتھ شریک ہوں۔

اور اس طرح یہ معاشرہ رسالت کے دفاع اور اس کی حمایت جیسی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآہونے کے قابل ہو جائے تا کہ جب مدینہ کے یہودی، دوسرے عرب مشرکین بلکہ پوری دنیا ان کی مخالفت پر اتر آئے تو وہ اس کا مقابلہ کرسکیں اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل پائے کہ جس کی تمام فکری، مادی اور دیگر قوتیں ایک مشترکہ ہدف یعنی رسالت و نبوت کی راہ میں صرف ہوں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شجر خلاصہ یہ کہ سوشل معاشرتی اور اجتماعی کام بھی عبادت ہیں ، جہاد بھی عبادت ہے ، سیاسی کام بھی عبادت ہے یہانتک کہ مندوبین کا استقبال بھی عبادت ہے ، مسلمانوں کے امور کی تدبیر بھی عبادت ہے (البتہ اس صورت میں یہ تمام امور عبادت میں شمار ہوں گے جب یہ اسلام کے اعلیٰ مقاصد کی ترجمانی، تبلیغ اور اجراء کے لئے کئے جائیں) اسی طرح مؤمنوں کا باہمی رابطہ، آپس کی میل ملاقات اور رسول (ص) کریم کی محفل میں

ان کی حاضری اور احکام دین سیکھنا یہ سب بھی عبادت ہی ہیں۔ اور مسجد ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں ان افکار و اہداف کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے ، اس لئے کہ مسجد صرف عبادت کی جگہ نہیں بلکہ فکری تہذیب و تربیت کا بہترین مقام اور وسیلہ ہے ، اگر ہم یہ کہیں کہ مسجد ایک مشترکہ تمدن اور وحدت آراء کی تشکیل کا ایسا بہترین مقام ہے جہاں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے ایک ایسا ہدف میسر آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدوسیت اور ارتباط کا شعور شامل ہوتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ مسجد معاشرے کو ایسے فکری جھگڑوں سے دور رکھتی ہے جو تہذیب و ثقافت کے اختلاف سے جنم لیتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ عقائد ، اخلاق اور روحانی تربیت اور بلند مرتبہ تہذیب و ثقافت کے لیے مسجد ایک بہترین وسیلہ ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان محبت و مودت اور دوستی کو عام کرنے کا ذریعہ بھی ہے ، کیونکہ جب ہر روز چند مرتبہ مسلمان ایک دوسرے سے ملیں، ایک ہی صف میں خدا کے حضور کھڑے ہوں، عملاً عدل و مساوات شعور پر حاکم ہو، جاہ و مال کی تفریق اور فاصلے اڑے نہ آئیں، انسان کی ذات سے غرور و تکبر اور انانیت کے بت پاش پاش ہوچکے ہوں تو ایسی فضاؤں میں حتمی طور پر محبت و الفت اور برادری کے عہد و پیمان مضبوط ہوجاتے ہیں ایسے میں ہر شخص اپنے آپ کو ایسے معاشرے میں پاتا ہے کہ جو محبت و غمخواری رکھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کے دوسرے

مسلمان بھائی اس کو اہمیت دیتے ہیں، اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کی مشکلات و مصائب میں برابر کے شریک ہیں، یہ بات اسے اپنے دین، ذات، معاشرے، اور امت پر اور زیادہ اعتماد کرنے کا شعور بخشتی ہے اس طرح ایک سچا، معتمد مؤمن وجود میں آتا ہے اور ایسے مومنین سے مل کر اسلامی معاشرہ اور بہترین امت وجود میں آتی ہے جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے "کنتم خیر امة اخرجت للناس" تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔

مسجد معاشرے کے افراد کے درمیان روابط کو عمومیت اور تقویت دیتی ہے اور ایسے رسمی میل جول اور تکلفات کی مشکلات کو کم کرتی ہے جو اختلافات اور طبقہ بندی کی غماز ہوتی ہیں، اسلام کا مسجد کو اس حد تک اہمیت دینا کہ پیامبر اکرم (ص) نے قبا اور مدینہ میں سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

89

اسلام چاہتا ہے کہ دنیا اور اس کے اسباب کو دینی شعور اور تصور کے زیر سایہ استفادہ کیا جائے اور دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم (ص) نے مسجد اس لئے بنائی کہ یہ قیادت و امارت کا مرکز بھی ہو مسجد میں پیامبر اکرم (ص) مختلف وفود سے ملاقاتیں کرتے تھے، صلح و جنگ کے احکامات مسجد سے صادر ہوتے

تھے، جھگڑوں کے فیصلے مسجد میں ہوتے، انسانی معاملات و روابط پر غور و خوض کیا جاتا، ان تمام امور پر بحث ہوتی جنکا اسلامی حکومت اور اسکے مختلف شعبوں سے کوئی تعلق ہے۔ یہ مسجد ہی ہے جہاں خدا سے بھی رابطہ ہوتا ہے اور خدا کے بندوں سے بھی رابطہ رہتا ہے، مسجد میں ہی کمزور کو اپنی قوت اور غمزدہ کو صبر و تسلی ملتی ہے اور جو قبیلہ و خاندان نہ رکھتا ہو وہ اس چیز کو بھول کر مسجد میں اپنا خاندان اور قبیلہ پالیتا ہے، محبت و غمخواری سے محروم شخص مسجد میں اپنی مراد پاتا ہے۔ اسی طرح مسجد عبادت اور تعلیم فقہ کی بھی جگہ ہے جہاں سے دین و دنیا کے امور میں رہنمائی ملتی ہے۔ مسجد اخلاقی و روحانی تربیت گاہ اور اجتماعی و فردی مشکلات کو حل کرنے کی جگہ بھی ہے۔

مسجد کو بنانے میں نبی اکرم (ص) کی شرکت:

یقیناً خود مسلمان مسجد بنانے اور اس کے تعمیراتی کام کرنے کی قدرت رکھتے تھے اور اکرم (ص) کا بنفس نفیس اس کام میں شرکت فرمانا ضروری نہیں تھا۔ لیکن آپ (ص) نے ان تعمیراتی کاموں میں شرکت فرمائی، اس چیز نے مسلمانوں کے دلوں میں ولولہ اور جوش پیدا کیا اور وہ پوری کوشش اور توانائی کے ساتھ کام میں مصروف رہے اور کہتے تھے۔

لئن	قعدنا	والنبي	يعمل
لذاک	منا	العمل	المضلل

رسول اکرم(ص) کا مسجد کے تعمیری کام میں شرکت کرنا جہاں مسجد کی تعمیر کی اہمیت کو اجاگر کرتا وہاں ایک اسلامی قائد اور حکمران کی شخصیت کو بھی اجاگر کرتا ہے اور یہ عمل رسول (ص) بتاتا ہے کہ کام کی اہمیت کے پیش نظر

90

اس (قائد و حکمران کی) ذمہ داری ، حکم صادر کرنے کی حدود سے آگے خود عملی تک ہے ، خصوصاً جب کام ایسا ہو جس میں مسلمانوں کی مصلحت ، ہدف اصلی اور اسلام کی سربلندی پوشیدہ ہو۔

مسجد کی تعمیر میں خواتین کا کردار:

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ عورتوں نے بھی مسجد کی تعمیر میں بھر پور حصہ لیا۔ عورتیں مسجد کی تعمیر کے لئے رات کے وقت پتھروں کو اٹھا کر لاتیں اور مرد دن کے وقت یہ کام کرتے (1) اس بارے میں ہم صرف دو نکات بیان کرتے ہیں:

ایک: جب ہم یہ تصور کر لیں کہ اس دور میں عورتوں کا زندگی کے کسی بھی شعبے میں کوئی مقام بھی نہیں تھا اور عرب اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کے ساتھ نہایت ہی ظالمانہ اور گھٹیا سلوک روا رکھتے تھے جن کا نمونہ اس کتاب کی دوسری جلد میں ذکر ہو چکا ہے۔ تو اس سہ سے

ایسے کاموں میں عورتوں کا حصہ لینا سیاسی معاشرتی اور عبادتی لحاظ سے بہت ضروری اور نہایت ہی اہم کام شمار کیا جاتا تھا۔ دو: عورتوں کے معاملہ میں خاص فضا کے حاکم ہونے کے پیش نظر عورتوں کی اس شرکت میں بھی حفاظتی تدابیر اختیار کی گئیں تاکہ وہ دن کے وقت مردوں کی موجودگی میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ گھانے ملنے اور محفوظ نہ رہنے کی صورت میں معاشرے پر منفی اثرات مرتب کرنے والی فضا سے بھی دور اور محفوظ رہیں۔

صرف عورتوں کیلئے نماز جماعت:

کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے علیحدہ نماز جماعت قائم کی جاتی تھی مرد مسجد کے اندر نماز پڑھتے تھے اور خواتین سلیمان بن ابی حثمة کی امامت میں مسجد کے صحن میں نماز ادا کرتی تھیں ، جب حضرت عثمان خلیفہ بنے

(1) ملاحظہ ہو کشف الاستار عن زوائد البزار ج 1 ص 206 و ص 222 و 249 و مجمع الزوائد۔

تو انہوں نے مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھنے کا حکم دیا (1)۔ ظاہراً جماعت میں عورتوں اور مردوں کی جدا ئی نبی(ص) کریم کے بعد عمل میں آئی اور دراصل یہ جدائی جناب عمر بن خطاب کے دور میں اس

کی ایجاد کردہ بدعت نماز تراویح کی جماعت میں ہوئی (2) پھر عثمان نے
 آکر مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جماعت میں کھڑا کیا _
 اور جب حضرت علی (ع) خلیفہ بنے تو حسب سابق مردوں اور عورتوں کی
 نماز جماعت جدا ہونے لگی اور خواتین " عرفجہ " نامی شخص کی امامت میں
 نماز پڑھنے لگیں (3) _

لیکن ان روایات میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ روایات کہتی ہیں کہ
 حضرت علی (ع) نے ماہ رمضان کی نماز میں ایسا کیا تھا یعنی نماز تراویح
 میں _

اور واضح ہے کہ علی (ع) اس کو بدعت سمجھتے تھے اور اس سے منع
 فرماتے تھے (4) پس کسی طرح خود اس کو انجام دیتے تھے، پس صحیح یہ
 ہے کہ یہ چیز یومیہ نمازوں میں واقع ہوئی ہے نہ نماز تراویح میں _
 یہ وہ بعض امور تھے کہ جن کو ہم نے مسجد کی تعمیر کے حوالے سے بیان
 کیا ہے اور اس سلسلہ میں مزید گفتگو کسی اور موقع پر کریں گے _
 انشاء اللہ تعالیٰ

-
- (1) حیاة الصحابہ ج/2 ص 171 از طبقات ابن سعد ج/5 ص 26 _
 (2) ملاحظہ ہو: الترتیب الاداریہ ج/1 ص 73 از طبقات _
 (3) حیاة الصحابہ ج/3 ص 171 ، از کنز العمال ج/4 ص 282 _

3_ مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ:

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مدینہ میں ورود کے کم و بیش پانچ یا آٹھ ماہ (1) کے بعد آپ (ص) نے اپنے اصحاب یعنی مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت برقرار کیا۔ ابن سعد نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ (ص) نے اسی وقت خود مہاجرین کے درمیان بھی مؤاخات برقرار کی (2)۔ آپ (ص) نے حقوق اور مساوات پر ان کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی۔ (ایک قول کے مطابق وراثت پر مؤاخات قائم کی) لیکن مؤاخات رکھنے والوں میں سے کسی کے مرنے سے پہلے ہی سورۃ انفال نازل ہوئی جس نے وراثت کو رشتہ داروں کے لئے مخصوص کر دیا (3) کیونکہ کہتے ہیں کہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے وفات پانے والے شخص عثمان بن مظعون ہیں اور وہ جنگ بدر کے بعد فوت ہوئے (4)۔ البتہ ہمیں وراثت کے لئے مؤاخات قائم کرنے میں شك ہے کیونکہ :

1_ اگر اس حکم کو نسخ ہونا ہی تھا تو عمل کا وقت آنے سے پہلے نسخ معنی نہیں رکھتا کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ مؤاخات کرنے والے اشخاص کے درمیان وراثت کا قانون عبث و بے فائدہ ہو ... مگر یہ کہا جائے کہ اس مشکل

دور میں اتنے عرصہ کے لئے بذات خود اس حکم کا جاری ہونا، مسلمانوں کا بھائی چارے کی فضا میں رہنا اور اتنی گہری رشتہ داری نہایت ضروری تھی۔ لیکن ہم اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ (یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا بلکہ) خود مسلمانوں یا کچھ مسلمانوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہ بھائی چارہ ایک دوسرے سے وراثت لینے کی حد تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

2_ خود نبی اکرم (ص) نے مہاجرین اور انصار میں سے جنگ بدر میں شہید ہونے والوں کو ایک دوسرے کا وارث کیوں نہیں ہونے دیا جبکہ یہ واقعہ آیت "اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض" کے نزول سے پہلے رونما ہوا۔

- 1) البحار ج/19 ص 122 ، اور ص 130 کے حواشی از مناقب ابن شہر آشوب ج 1 ص 152، المواہب اللدنیة ج/2 ص 71 ، تاریخ الخمیس ج/1 ص 35 از اسد الغابہ، وفاء الوفاء ج/1 ص 267 ، فتح الباری ج/7 ص 210 ، السیرة الحلبية ج/2 ص 92 _
- 2) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج/1 جز 2 ص 1 _
- 3) بحار الانوار ج 19 حاشیہ ص 130 نیز سیرہ حلبیہ ج 2 ص 92 و ص 93 _
- 4) الاصابہ ج 2 ص 464 ، الکامل ابن اثیر مطبوعہ صادر ج 2 ص 141 _

جبکہ ان کا یہ کہنا کہ "واقعہ بدر کے بعد وفات پانے والے عثمان بن مظعون سے پہلے کوئی مؤمن فوت نہیں ہوا" بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خود جنگ

بدر میں کئی مسلمانوں نے شہادت پائی _ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ عثمان بن مظعون طبعی طور پر وفات پانے والے پہلے شخص ہوں یا مہاجرین میں سے وفات پانے والے پہلے مسلمان ہوں_

3_ یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ عثمان بن مظعون کی وفات سابقہ حکم کو نسخ کرنے والی آیت کے نزول کے بعد ہوئی ہو_ کیونکہ یہ بات صرف مؤرخین اور مؤلفین کا اپنا اجتہاد اور ان کی ذاتی رائے ہے_

مؤاخذات کرنے والوں کی تعداد:

کہتے ہیں کہ مؤاخذات کے وقت مسلمانوں کی تعداد نوے افراد تھی_ بینتالیس آدمی انصار میں سے اور اتنے ہی مہاجرین میں سے تھے_ ابن الجوزی کا دعویٰ ہے کہ اس نے انہیں شمار کیا ہے وہ کل چھیاسی آدمی تھے_ ایک قول کے مطابق سو آدمی تھے (1) _ البتہ ہوسکتا ہے کہ یہ مؤاخذات کل مسلمانوں کی تعداد کے برابر نہیں بلکہ اس واقعہ میں موجود مہاجرین کی تعداد کے برابر افراد کے درمیان ہوئی ہو کیونکہ یہ ایک نادر اتفاق ہی ہوسکتا ہے کہ مسلمان مہاجرین کی تعداد بغیر کسی کمی بیشی کے اتنی ہی ہوجتتی انصار مسلمانوں کی تھی _ بہر حال پھر نبی اکرم (ص) نے یہ کام جاری رکھا یعنی جو بھی اسلام قبول کرتا یا کوئی مسلمان مدینہ میں آتا تو حضرت (ص) کسی کے ساتھ اس کی مؤاخذات قائم فرماتے (2) _ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ آپ (ص) نے ابوذر اور منذر بن عمرو کے

درمیان مؤاخات قائم فرمایا حالانکہ ابوذر جنگ احد کے بعد مدینہ میں آئے اور اسی طرح آپ (ص) نے زبیر اور ابن مسعود کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا جبکہ آپ (ص) جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے (3)۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی

- (1) طبقات ابن سعد ج1/جزئ2 ص1، المواہب اللدنیة ج1 ص71، فتح الباری ج7 ص210، سیرة الحلبية ج2 ص90، البحار ج19، ص130، از، المنتقى و المقریزی۔
- (2) فتح الباری ج7 ص211۔
- (3) فتح الباری ج7 ص145۔

94

کیونکہ عقبہ ثانیہ میں اہل مدینہ میں سے اسی (80) سے زیادہ افراد نے آپ (ص) کی بیعت کی تھی۔ اسی طرح مدینہ میں تشریف فرمائی کے صرف دس یا تیرہ مہینے بعد آپ (ص) نے جو سپاہ جنگ بدر کے لیے تشکیل دی اس کی تعداد تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ :
 اولاً: بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ آپ (ص) نے مہاجرین کے ڈیڑھ سو افراد کی انصار کے ڈیڑھ سو افراد کے ساتھ مؤاخات برقرار کی تھی (1)۔

ثانیاً: اگر ہم قائل بھی ہوں کہ یہ قول درست نہیں کیونکہ جنگ بدر کے لئے جانے والے مہاجرین کی تعداد ساٹھ یا اسی کے درمیان تھی (بناء پر اختلاف اقوال) ، تو ہم یہ جواب دیں گے کہ روایت میں مؤاخات کرنے والوں کی تعداد ان مہاجرین کی ہے جنہوں نے اپنے انصار بھائیوں کے ساتھ بھائی چارہ کیا تھا۔ کیونکہ انصار مہاجرین سے بہت زیادہ تھے جبکہ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی پس مؤاخات ان کے اور اسی تعداد میں انصار کے درمیان تھی پھر جوں جوں مہاجرین کی تعداد بڑھتی گئی مؤاخات کا یہ عمل بھی جاری رہا یہاں تک کہ ان کی تعداد ایک سو پچاس تک پہنچ گئی جیسا کہ گذشتہ روایت میں وارد ہوا ہے۔ پس مذکورہ تعداد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باقی انصار بھائی چارہ کئے بغیر رہ گئے تھے۔

ہر ایک کا اس جیسے کے ساتھ بھائی چارہ

نبی اکرم (ص) ہر شخص اور اس جیسے کے درمیان مؤاخات برقرار فرماتے جیسا کہ ہجرت سے پہلے اور بعد والی مؤاخات سے ظاہر ہے کیونکہ بظاہر آ پ (ص) نے ہجرت سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر، طلحہ اور زبیر ، عثمان اور عبدالرحمان بن عوف اور اپنے (ص) اور علی (ع) کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی (2) لیکن ابن حبان

کہتا ہے کہ یہ مدینہ میں دوسری مؤاخات تھی اور اس نے سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر کا اضافہ کیا ہے (1) اور یہ سب کے سب مہاجرین میں سے تھے۔

اور مدینہ میں ابوبکر اور خارجہ بن زہیر نیز عمر اور عتبان بن مالک کے درمیان رشتہ اخوت برقرار فرمایا _ پھر علی (ع) کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ "میرا بھائی ہے" _ اسی طرح حمزہ اور زید بن حارثہ کے درمیان نیز جعفر بن ابی طالب اور معاذ بن جبل کے درمیان بھی مؤاخات برقرار فرمائی اور اسی آخری مؤاخات پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جعفر تو اس وقت حبشہ میں تھے (2) اور اس کا جواب وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی اکرم (ص) نے مسلمانوں کے درمیان مؤاخات قائم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا یعنی جب بھی کوئی مدینہ میں آتا تو اسے کسی کا بھائی بنا دیتے بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ آپ (ص) نے جعفر (ع) کی آمد پر معاذ کو جعفر کے ساتھ مؤاخات کے لئے تیار کر رکھا تھا (3)۔

البتہ یہاں پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ جعفر کو اس امر کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ تھی؟ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید جعفر کی شان اور

اہمیت کا اظہار اور اس کی بیان فضیلت مقصود تھی۔

علی (ع) کے ساتھ نبی اکرم (ص) کی مؤاخات :

احمد بن حنبل و غیرہ نے روایت کی ہے کہ: آپ (ص) نے لوگوں کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی اور علی (ع) کو آخر تک چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ان کے لئے کوئی بھائی نہ بچا تو علی (ع) نے عرض کیا: "یا رسول (ص) اللہ آپ (ص) نے اپنے اصحاب کے درمیان تورشتہ اخوت قائم کر دیا لیکن مجھے چھوڑ دیا؟" تو نبی اکرم (ص) نے فرمایا: "میں نے تجھے صرف اپنے لئے رکھا ہے۔ تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں۔ پس اگر کوئی تجھ سے پوچھے تو کہنا "انا عبد اللہ و اخو رسول اللہ" میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول (ص) کا بھائی ہوں۔ تیرے بعد

(1) الثقات ج/1 ص 138 ، 142_

(2) سیرة ابن ہشام ج/2 ص 151 نیز السیرة الحلیة و غیرہ۔

(3) البداية النہایة ج/3 ص 227 ، السیرة الحلیة ج/2 ص 91_

صرف بہت بڑا جھوٹا شخص ہی اس چیز کا دعویٰ کرے گا مجھے حق کے ساتھ مبعوث کرنے والی ذات کی قسم میں نے تجھے مؤخر نہیں کیا مگر اپنے

لئے اور میرے ساتھ تیری وہی نسبت ہے جو ہارون (ع) کی موسیٰ (ع) سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے" (1)۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی جملہ "انا عبد اللہ و اخو رسولہ" (میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول (ص) کا بھائی ہوں) حضرت علی (ع) نے نبی اکرم (ص) کی وفات کے بعد اس وقت فرمایا جب حادثات زمانہ کے سبب پیامبر اسلام (ص) کے حقیقی جانشین سے خلافت غصب کر لی گئی۔ لیکن صحابہ نے آپ کو جھٹلایا اور جواب میں کہنے لگے: "خدا کے بندے ہونے والی بات تو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن رسول (ص) کا بھائی ہونے والی بات نہیں" (2)۔ نبی اکرم (ص) کے فرمان "تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے" سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ (ص) کی مراد یہ تھی "کہ علی (ع) نبی اکرم (ص) کے علم کے وارث ہیں نہ کوئی اور" تو پھر آپ (ص) کے مقام و منصب کا علی (ع) کے علاوہ اور کون حقدار ہو سکتا ہے؟ اور اگر آپ (ص) کی مراد یہ تھی کہ علی (ع) ہر لحاظ سے آپ (ص) کے وارث ہیں حتیٰ کہ مال و جائیداد کے بھی) تو یقیناً مال و جائیداد حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہی حق تھا (3) جبکہ نبی اکرم (ص) کے بعد خلافت کے غاصب، حضرت فاطمہ (ع) کے اموال پر بھی مسلط ہو گئے اور فدک و غیرہ بھی انہی اموال میں سے تھا جس کا ذکر انشاء اللہ اسی کتاب میں غزوہ بنی نضیر پر گفتگو کے دوران ہوگا۔ بہر حال بات جو بھی ہو، بھائی چارے والے واقعہ میں غور کرنے سے معلوم

ہوگا کہ اس کا م میں لوگوں کی سنخیت ، مشابہت اور دلی رجحان کو بھی مدنظر رکھا گیا تھا اور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مرحوم ازری نے حضرت علی (ع) کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا :

(1) نبج الحق (دلائل الصدق کے متن کے ضمن میں) ج/2 ص 267 ، ینابیع المودة ص 56 تذكرة الخواص ص 23 ، احمد سے (اس کی کتاب الفضائل سے) اور اس نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن جوزی نے بھی نیزکنز العمال ج/6 ص 390 ، الرياض النضرة ج/ 2 ص 209 ، تاریخ ابن عساکر ج/6 ص 21 ، كفاية الشنقيطی ص 35 ، 44، الثقات ج 1 ص 141 تا ص 142 _

(2) الامامة والسياسة ج 1 ص 13 ، اعلام النساء ج 4 ص 115 نیز تفسیر البربان ج 2 ص 93 _

(3) ملاحظہ ہو: الکافی ج 1 ص 458 با تحقیق غفاری ، بحار طبع تختی ج 8 ص 231 نیز طبع جدید ج 100 ص 197 ، كشف الغمہ ج 2 ص 132 امالی شیخ طوسی ج 1 ص 108 ، العوالم ج 11 ص 518 ، امالی شیخ مفید ص 283 مطبوعہ جامعہ مدرسین نیز ملاحظہ ہو: مرآة العقول ج 5 ص 331 و غیرہ _

97

لك ذات كذاته حيث لو لا
انها مثلها لما آخايا
(يا علی (ع) ؟) آپ (ع) کی ذات اور شخصیت بھی آنحضور (ص) کی
شخصیت کی مانند تھی _ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت (ص) کبھی بھی
آپ (ع) کو اپنا بھائی نہ بناتے _

حدیث مؤاخذات کا تواتر:

بہر حال ... حدیث مؤاخذات متواتر ہے اور اس کا انکار ممکن نہیں بلکہ اس میں شك و شبہہ کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خصوصاً نبی اکرم (ص) اور علی (ع) کے درمیان مؤاخذات چاہے مکہ میں ہونے والی پہلی مؤاخذات ہو یا مدینہ میں ہونے والی دوسری مؤاخذات اور یہ حدیث دسیوں صحابہ اور تابعین سے مروی ہے جیسا کہ حاشیہ میں درج منابع (1) سے معلوم ہوتا ہے۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا: " جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے درمیان سے مجھے یہ کہا جائے گا کہ بہترین باپ آپ (ص) کے بابا ابراہیم (ع) اور بہترین بھائی آپ (ص) کے بھائی علی (ع) بن ابی طالب ہیں " (2)

(1) تاریخ الخمیس ج/1 ص353، وفاء الوفاء ج/1 ص267، و ص268، ینابیع المودۃ ص56، 57 (مسند احمد سے) تذکرۃ الخواص ص22، 24 میں ترمذی سے نقل ہوا ہے کہ اس نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، السیرہ الحلیبۃ ج/2 ص20 و ص90، مستدرک الحاکم ج/3 ص14، الثقات لابن حبان ج/1 ص138، فراند السمطین ج/1، باب20، الفصول المہمۃ ابن الصباغ ص22، 29، البدایۃ والنہایۃ ج/3 ص226، اور ج/7 ص35، تاریخ الخلفاء ص170، دلائل الصدق ج/2 ص268، 270، صاحب دلائل الصدق نے یہ حدیث کنز العمال، سنن بیہقی اور ضیاء کی کتاب المختارۃ سے، عبداللہ بن احمد بن حنبل کے زیادات المسند سے آٹھ احادیث اور اس کے والد کی المسند اور الفضائل سے ابویعلیٰ، الطبرانی، ابن عدی اور الجمع بین الصحاح الستۃ سے نقل کیا ہے، خوارزمی نے بارہ احادیث اور ابن مغازلی نے آٹھ حدیثیں درج کی ہیں سیرۃ ابن ہشام ج/2 ص150، الغدیر ج/3 ص112 تا ص125 میں بعض مذکورہ کتب اور مندرجہ ذیل کتب سے نقل ہے: جامع الترمذی ج/2 ص13، مصابیح البغوی ج/2 ص199، الاستیعاب ج/2 ص460، زندگانی امیر

المؤمنين ، اس نے حدیث مواخات کو مسلم احادیث میں سے شمار کیا ہے تیسیر الوصول ج/3 ص 271، مشکاة المصابیح (حاشیہ مرقاة)
 ج/5 ص 569 ، المرقاة ص 73 تا ص 75 ، الاصابة ج/2 ص 507 ، الموافق ج/3 ص 276 ، شرح المواہب ج/1 ص 373 ، طبقات
 الشعرانی ج/2 ص 55 ، تاریخ القرمانی (حاشیہ الكامل) ج/1 ص 216 ، سیرة دحلان (حاشیہ حلبیہ پر) ج/1 ص 325 ، کفایة الشنقیطی
 ص 34، الامام علی (تالیف محمدرضا) ص 21 ، الامام علی (تالیف عبدالفتاح عبدالقصد) ص 73، الفتاویٰ الحدیثیہ ص 42 ، شرح النهج
 ج / 2 ، 62 ، اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے روایات مستفیضہ میں سے شمار کیا ہے ، کنز العمال ج/6 ص 294 ص 299
 ، ، 390،399 ، 400 ، 54

(2) ربیع الاہرار ج 1 ص 807 و ص 808 _

98

اس بناء پر یہ دعویٰ قابل سماعت ہی نہیں کہ نبی اکرم (ص) نے علی (ع) اور
 عثمان کے درمیان مواخات برقرار فرمائی (1) یا نبی اکرم (ص) اور عثمان
 کے درمیان مواخات ہوئی ، کیونکہ یہ بات بلاشک و شبہہ درست نہیں ہے (2)۔
 اس لئے کہ اس بات سے ان کا مقصد عثمان کی شان کو بڑھانا اور علی (ع)
 کی فضیلت کو جھٹلانا ہے بلکہ عثمان اور علی (ع) کو ایک ہی مقام پر لاکھڑا
 کرنا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ اور کب ایسا ہوا ہے ؟

حضرت علی (ع) کو ابوتراب کی کنیت ملنا :

یہاں پر کچھ حضرات نے ذکر کیا ہے کہ جب علی (ع) نے دیکھا کہ نبی اکرم
 (ص) نے ان کے اور کسی اور شخص کے درمیان مواخات برقرار نہیں

فرمائی تو غمگین اور دل برداشتہ ہو کر مسجد کی طرف گئے اور مٹی پر سو گئے پھر نبی اکرم (ص) آپ (ع) کے پاس آئے اور آپ (ع) کی پشت سے مٹی جھاڑنا شروع کی اور فرمانے لگے (قم یا اباتراب) یعنی اے ابوتراب کھڑے ہو جاؤ اور پھر ان (ع) کے اور اپنے (ص) درمیان مواخات برقرار فرمائی (3)۔

اور ہم انشاء اللہ عنقریب سرایا کی بحث میں اس پر گفتگو کریں گے۔

علی (ع) کے ساتھ نبی اکرم (ص) کی مواخات کے منکرین:

اتنے گذشتہ منابع کے باوجود (جن کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن ہم نے ان میں سے بہت کم کا ذکر کیا ہے) ابن حزم اور ابن کثیر حدیث مواخات کی سند کے صحیح ہونے کا انکار کرتے ہیں (4) اور اسی طرح ابن تیمیہ نے بھی اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث کو اس دلیل کے ساتھ باطل اور جعلی قرار دیا ہے

کہ

مہاجرین

1) تاریخ ابن خلدون ج/2 ص 397 اور الغدیر ج/9 ص 94 ، 95 اور 318 میں الرياض النضرة ج/1 ص 17، طبری ج/6 ص 154 ، کامل

ابن اثیر ج/3 ص 70 اور معتزلی ج/1 ص 165 سے نقل کی ہے لیکن خود اس نے ج/2 ص 506 میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور

مواخات میں اس کا ذکر نہیں کیا

2) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج/3 ص 47 ، الغدیر ج/9 ص 16 طبقات سے

3) الفصول المهمة لابن الصباغ ص 22، مجمع الزوائد ج/9 ص 111 طبرانی کی الکبیر اور الاوسط سے، مناقب الخوارزمی ص 7، کفاية

99

اور انصار کے درمیان مؤاخات برقرار کرنے کی غرض یہ تھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا سلوک کریں ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے الفت و محبت پیدا ہو پس نبی اکرم (ص) کا اپنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اور مہاجرین کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ مؤاخات قائم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا(1)۔

ہم کہتے ہیں کہ :

علی (ع) کے ساتھ نبی اکرم (ص) کی مؤاخات والی حدیث کی سند کا انکار بے معنی ہے جب کہ محققین اور بزرگان میں سے بہت سی شخصیات نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دسیوں صحابہ ، تابعین اور علماء و غیرہ سے مسلمانوں کی کتابوں میں اور تواتر کے ساتھ یہ حدیث نقل کی گئی ہے خصوصاً جب یہ انکار ان تین اشخاص (ابن حزم ، ابن کثیر اور ابن تیمیہ) سے ہو جو علی (ع) اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے فضائل کے سلسلہ میں متعصب اور ان سے دشمنی میں معروف ہیں۔ جس چیز کو ابن تیمیہ نے اپنے انکار کرنے کی علت کے طور پر ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے :

1_ بہت سے حضرات نے بھی یہ جواب دیا ہے کہ یہ قیاس کے ذریعہ نص کی تردید اور اس مسئلہ میں حقیقی حکمت سے غفلت ہے۔ کیونکہ کچھ مہاجرین دوسروں کی نسبت مال اور قبیلہ کے لحاظ سے مضبوط حیثیت کے مالک تھے۔ اس وجہ سے ایک دوسرے کی مدد بھی ممکن تھی پس آپ (ص) نے ان مہاجرین کے درمیان مؤاخات قائم کی تا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔ پھر انہوں نے اسی احتمال کو علی (ع) اور نبی اکرم (ص) پر بھی منطبق کیا ہے کیونکہ بعثت سے پہلے نبی اکرم (ص) علی (ع) کی کفالت کیا کرتے تھے (2) یعنی مہاجرین کے درمیان بھی باہمی محبت اور الفت مطلوب تھی کیونکہ یہ لوگ مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے تھے اور مختلف عقیدوں، ذہنیت اور معاشروں کے مالک تھے۔

(1) ملاحظہ ہو: منہاج السنۃ ج/2 ص119، البدایۃ والنہایۃ ج/3 ص227، فتح الباری ج/7 ص211، السیرۃ النبویۃ لدحلان ج/1 ص155 ،

السیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص20، دلائل الصدق ج/2 ص272

(2) وفا الوفاء ج/1 ص268، فتح الباری ج/7 ص211، والسیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص20، السیرۃ النبویۃ لدحلان ج/1 ص155، الغدیر ج/3 ص

174 تا 175 ، عن الفتح عن الزرقانی فی شرح المواہب ج/1 ص373۔

بلکہ مؤاخات کی نص میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ یہ مؤاخات حق اور

ایک دوسرے کی حمایت پر مبنی تھی اور مہاجرین کو ایک دوسرے کی حمایت کی ضرورت تھی کیونکہ خود ان کے بقول اگر کسی ایک قبیلہ سے ایک آدمی نے ہجرت کی تھی تو دوسرے قبیلہ سے دس آدمیوں نے ہجرت کی تھی پس اس ایک کو ان دس افراد کی جانی اور مالی امداد کی ضرورت ہوتی تھی۔ اسی طرح بعض حضرات نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ کچھ مہاجرین اپنا مال اپنے ہمراہ لائے تھے پس اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہو تو ان کے لئے ایک دوسرے کی مالی امداد ممکن تھی۔ لیکن حضرت علی (ع) اور نبی اکرم (ص) کی بہ نسبت ہمیں ان کے اس قول سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ حضرت علی (ع) تو اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ کام کر کے اپنی کفالت خود کرسکیں اور زراعت یا تجارت بلکہ غنائم سے اپنی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ نبی اکرم (ص) کا آپ سے مواخات برقرار کر نے کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ (ع) کی شان اور منزلت کی پہچان کروائی جائے اور دوسرے لوگوں پر آپ کی فضیلت کا اظہار کیا جائے کیونکہ نبی اکرم (ص) نے ایک جیسے اشخاص کے درمیان رشتہ اخوت برقرار فرمایا تھا۔ جیسا کہ مؤرخین نے اس بات کی تصریح کی ہے اور خود مواخات کے عمل پر غور کرنے سے بھی یہ واضح ہوجاتا ہے، کیونکہ یہی چیز باہمی تعاون میں زیادہ ممد و معاون اور باہمی محبت و الفت کے لئے زیادہ ضروری ہے۔ (1)

2_ حاکم اور ابن عبدالبر نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی

اکرم (ص) نے زبیر اور ابن مسعود کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا حالانکہ وہ دونوں مہاجرین میں سے تھے اور ضیاء نے اس روایت کو اپنی کتاب (المختارة من المعجم الكبير للطبراني) میں درج کیا ہے اور خود ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ المختارة کی احادیث المستدرک سے زیادہ صحیح اور باوثوق ہیں۔ (2)

لیکن ضروری ہے کہ یہ مواخات ابن مسعود کے مدینہ میں آنے کے بعد واقع ہوئی ہو کیونکہ ابن مسعود حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے تھے اور عمومی مواخات کے واقعہ کے بعد اس وقت مدینہ میں آئے جب نبی اکرم (ص) بدر کے لئے جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ (3)

(1) دلایل الصدق ج/2 ص 272 / 273_

(2) فتح الباری و فاء الوفاء ج / 1 ، ص 268 _ الغدير ج/3 ص 174 ، 175 ازالفتح و از شرح المواهب للزرقانی ج/1 ص 373 _

(2) فتح الباری ج/7 ص 145_

اسی طرح ہجرت کے بعد (بعض کے بقول) آپ (ص) نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ، حضرت عثمان اور عبدالرحمان بن عوف ، طلحہ اور زبیر ، سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر اور اپنے اور حضرت علی (ع) کے

درمیان مؤاخات قائم کی _ (1)

اور اسی طرح زید بن حارثہ کی حضرت حمزہ کے ساتھ مؤاخات بھی ثابت ہے جب کہ وہ دونوں مہاجر تھے۔ اس لئے تو کہا جاتا ہے کہ حمزہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلہ میں زید ، علی (ع) اور جعفر کے درمیان کشمکش ہوئی تو زید کی دلیل یہ تھی کہ وہ اس کے بھائی کی بیٹی ہے۔ (2) البتہ حمزہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلہ میں واقع ہونے والے اختلاف کے متعلق ہمیں شك ہے کیونکہ حضرت حمزہ کی شہادت کے وقت جناب جعفر موجود ہی نہیں تھے جبکہ اس صورت میں برسوں تک جناب حمزہ کی بیٹی کا کسی سرپرست کے بغیر رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اتنے عرصے میں وہ جناب علی (ع) کے پاس رہی تو اتنے عرصے تک زید نے کیوں خاموشی اختیار کئے رکھی اور حضرت علی (ع) سے تنازعہ کیوں نہیں کیا۔ اور اسی طرح بر عکس ، اگر وہ حضرت علی (ع) کے پاس نہیں بلکہ زید کے پاس تھی تو حضرت علی (ع) نے اتنے عرصے تک اس سے بحث کیوں نہیں کیا؟۔ بہر حال جناب حمزہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلے میں مذکورہ تنازعہ مزید تحقیق کا محتاج ہے۔ بارگاہ رب العزة میں دعا ہے کہ ہمیں کسی مناسب فرصت میں اس کی تحقیق کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ ...

1) الثقات لابن حبان ج/1 ص 138 تا 142، اور ملاحظہ فرمائیں الغدير ج/10 ص 103 تا 107، مستدرک الحاکم ج/3 ص 14 وفاء الوفاء

ج/1 ص 268 السيرة الحلبية ج/2 ص 20، السيرة النبوية لدحلان ج/1 ص 155، فتح الباری ج/7 ص 211، نیز الاستيعاب میں حضرت عثمان

کا ذکر ہے جب کہ وہ حبشہ میں تھے اور اسی طرح عبدالرحمن بن عوف کا ذکر کرنا اس بات کی تائید ہے کہ یہ مدینہ کی طرف ہجرت

کے بعد دوسری مواخات تھی۔

2) صحیح البخاری ج/3 ص 37 ط الميمنية، مستدرک الحاکم ج/2 ص 120 تلخیص المستدرک لذہبی صفحہ مذکور کے حاشیہ پر و دیگر

منابع _

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

کچھ مواخات کے متعلق :

الف : بہترین متبادل

واضح سی بات ہے کہ یہ نو مسلم اپنے قوم ، قبیلے اور برادری سے در حقیقت بالکل کٹ کر رہ گئے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے عزیز ترین افراد بھی دھمکیوں اور ایذاء رسانوں کے ساتھ ان کے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ اپنے رشتہ داروں نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا اور وہ بے کس اور لا وارثوں کی طرح ہوگئے تھے۔ اور بعض افراد کو یہ احساس بھی تھا کہ اب وہ بالکل اکیلے اور بے یار و مددگار ہوگئے ہیں۔ یہاں پر اسلامی برادری اور اخوت ان کے اس خلاء کو پر کرنے، اکیلے پن کے

احساس کو ختم کرنے اور ان کے اندر مستقبل کی امید اور اس پر یقین جگانے کے لئے آئی۔ اور اس مواخات نے ان کے اندر اتنا گہرا اثر چھوڑا کہ وہ اتنا تک سمجھنے لگے کہ یہ بھائی چارہ تمام امور میں ہے حتیٰ کہ وراثت میں بھی برابری اور ساجھا ہے۔ جس کی طرف ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

ب: انسانی روابط کا ارتقائ

عمل مواخات سے غرض یہ تھی کہ اس سے انسانی روابط کو مصلحت اندیشی کے دائرہ سے بلند تر کر دیا جائے اور انہیں اتنے حد تک خالص الہی روابط میں تبدیل کر دیا جائے کہ وہ حقیقی اخوت و برادری تک پہنچ جائیں اور مسلمانوں کے باہمی لین دین میں یہ تعلق داری ہماہنگی و ہمنوائی کی صورت میں ظاہر ہو اور ایسی ذاتی رنجشوں سے بہت دور ہو جو بسا اوقات آپس میں تعاون کرنے والے دو بھائیوں کے درمیان چاہے نجی اور ذاتی طور پر ہی سہی، کسی نہ کسی معاملے میں قطع تعلق کا باعث بنتی ہیں۔ اگرچہ اسلام نے نظریاتی طور پر مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور یہ تاکید کی ہے کہ ہر مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے چاہے وہ اسے اچھا لگے یا بُرا۔ اور ہر مؤمن کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ

اس اخوت اور برادری کے تقاضوں کو پورا کرے _ لیکن اس کے باوجود اس محبت ، صداقت اور عشق کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے اس برادری کا عملی مظاہرہ بھی ضروری تھا_ کیونکہ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے بے مثال نمونہ کا ہونا ضروری ہے۔

ج: نئے معاشرے کی تشکیل میں مؤاخات کا کردار:

حضرت رسول کریم(ص) ایک ایسے جدید معاشرے کی تشکیل کے درپے تھے جو فلاح و بہبود کی بہترین مثال ہو اور ہر قسم کے حالات و شرائط میں دعوت الی اللہ اور دین خدا کی نصرت کی راہ میں پیش آنے والی ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مسجد نبوی کی تعمیر کی بحث میں گزر چکا ہے کہ خود مہاجرین ، خود انصار اور ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ معاشرتی ، قبائلی ، خاندانی ، ذاتی ، جذباتی حتیٰ کہ گہرے عقائدی اور نظریاتی اختلافات پائے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے اقتصادی اور نفسیاتی حالات بھی تھے جو خاص کر مہاجرین کے لئے پریشان کن تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مزید کچھ خطرات بھی اس نو خیز معاشرے کو درپیش تھے یہ خطرات چاہے داخلی ہوں جیسے اوس اور خزرج کے باہمی اختلافات کے خطرات تھے جن میں سے اکثر ابھی تک بھی مشرک تھے، پھر ان میں سے بعض منافق بھی تھے ، ساتھ ہی مدینہ کی یہودیوں سے بھی خطرات درپیش تھے۔ اور چاہے وہ خارجی ہوں جیسے

جزیرة العرب کے یہودیوں اور مشرکوں کے خطرات بلکہ پوری دنیا سے
 خطرات در پیش تھے۔
 اس نئے دین کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے اور اسکے دفاع کیلئے عملی
 طور پر ایک عظیم ذمہ داری اس معاشرے کے کندھوں پر تھی، ان حالات
 میں قبیلوں، گروہوں اور افراد میں بٹے اور بکھرے اس معاشرے میں مضبوط
 روابط کو وجود میں لانا ضروری تھا تا کہ معاشرے کے افراد ایک دوسرے
 کے ساتھ ایک محکم رشتہ میں منسلک ہوجائیں۔ اور مضبوط احساسات اور
 جذبات کی ایسی عمارت کھڑی کرنے کی ضرورت تھی جو عقیدے کی بنیاد
 پر استوار ہو۔ اس طرح اس نئے معاشرے میں کسی بھی فرد پر ظلم و زیادتی
 نہ ہو اور معاشرے

104

کے تمام افراد عدل و انصاف اور نظم و انتظام سے بہرہ مند ہوں۔ لوگ محبت
 و اخوت کا اعلیٰ اور مکمل نمونہ دیکھیں، اسی طرح کا معاشرہ ان نفسیاتی
 کشمکش اور تاریخی اختلافات سے پاک ہوگا (بلکہ انہیں آہستہ آہستہ جڑ سے
 اکھاڑے گا) جنہیں معاشرے کے افراد نے باہمی تعلقات میں اپنا شیوہ بنالیا
 تھا۔ اور جس کے کئی وجوہات کی بنا پر ظاہر ہونے کا خطرہ وسیع، سخت
 اور زیادہ تباہ کن ہو سکتا تھا۔ پس ایسے مضبوط باہمی روابط برقرار کرنے
 کی ضرورت تھی جسے آنحضرت (ص) نے "مواخات" کے عمل سے انجام

دیا ، مؤاخات کے اس عمل میناخری ممکنہ حد تک دقت نظری اور صدیوں کی ایسی منصوبہ بندی شامل تھی جس میں باہمی روابط اور امداد کے فروغ اور استحکام کے لئے انتہائی حد تک کامل ضمانت فراہم کی گئی تھی خصوصاً جب آپ(ص) نے دو ایک جیسے افراد کے درمیان مؤاخات قائم کر دی تھی۔

یہ مؤاخات دو بنیادوں پر قائم تھی:۔

اول : حق :۔

حق ، انسانی تعلقات میں ایک بنیادی عنصر ہے۔ اسی بنیاد پر انسانوں کے روابط و تعلقات قائم ہیناور زندگی کے مختلف شعبوں میں معاملات اور باہمی لین دین پر یہی چیز حکمفرما ہے۔ ہاں ... حق ہی اساس و بنیاد ہے ، ذاتی اور انفرادی شعور و ادراک اور ذاتی ، قبائلی اور گروہی مصالح اور مفادات نہیں۔ واضح ہے کہ اخوت ، باہمی ہمدردی اور احساسات کے ذریعہ سے جب حق بیان ہو اور یہ امور حق سے آراستہ ہوں تو یہ چیز حق کی بقاء ، دوام اور ان لوگوں کی حق کے ساتھ وابستگی اور حق سے دفاع کی ضمانت فراہم کرتی ہے لیکن اگر حق کو بزور بازو مسلط کیا جائے تو جوں ہی یہ قوت غائب ہوگی تو حق کے بھی غائب ہونے کا خطرہ لا حق ہو جائے گا کیونکہ اس کی بقاء کی ضمانت چلی گئی ہے پس اب اس کی بقاء اور وجود کے لئے کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ بسا اوقات اس طرح سے حق کی بقاء بھی کینہ اور نفرتوں کو جنم دیتی ہے جس سے بسا اوقات ظلم و طغیان اپنی انتہائی ، بدترین او

دوم : باہمی تعاون:۔

پس یہ برادری صرف جذبات کو بھڑکانے اور ذاتی شعور کو بیدار کرنے کیلئے نہ تھی بلکہ نتیجہ خیز احساس ذمہ داری تھی جس پر اسی وقت ہی فوری عملی اثرات مرتب ہوئے اور انسان اسی وقت سے ہی اس کی گہرائی اور تاثیر کو واضح طور پر محسوس کرسکتا ہے بالکل اسی بھائی چارے کی طرح جس طرح قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے " انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم" (1) کیونکہ اس آیت مجیدہ میں خداوند نے مؤمنین کے درمیان صلح کی ذمہ داری کو ایمانی بھائی چارے کا حصہ بیان فرمایا ہے۔ جب بھائی چارہ ثمر آور اور اور نیک نیتی پر مشتمل ہو تو فطری بات ہے کہ یہ برداری اور اسی طرح اس کی حفاظت اور پابندی بھی ممکن ترین حد تک دائمی ہوگی۔ اس مؤاخات کے عظیم اور گراں قدر نتائج جہاد کی تاریخ میں بھی ظاہر ہوئے۔ خداوند کریم نے اپنے نبی(ص) پر جنگ بدر میں احسان جتلاتے ہوئے فرمایا ہے : وان يريدوا ان يخذعوك، فان حسبك الله، هو الذي ايدك بنصره و بالمومنين و الف بين قلوبهم، لو انفتحت ما في الارض جميعاً ما الفت بين قلوبهم ، و لكن الله الف بينهم ، ان الله عزيز حكيم (2)۔ اور اگر وہ تمہیں دھو کہ دینا

بھی چاہیں تو آپ(ص) کو اطمینان ہے کہ آپ کی حمایت کے لئے خدا ہی کافی ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعہ سے پہلے سے ہی آپ(ص) کی تائید اور حمایت کر رکھی ہے اور اسی نے ہی مومنوں کے دلوں کو آپس میں (محبت کے ذریعہ) جوڑ دیا ہے وگرنہ آپ(ص) چاہے تمام دنیا و مافیہا کو بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں محبت نہیں ڈال سکتے تھے ، لیکن خدا نے یہ محبت ڈال دی ہے اور خدا تو ہے ہی عزت والا اور دانا۔

حضرت ابوبکر کے خلیل:

مؤرخین یہاں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم(ص) نے فرمایا: "اگر مجھے کسی کو دوست بنانا ہو تو میں ضرور ابوبکر کو دوست بناتا" (3) لیکن یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ خود ہی آنحضرت (ص) سے روایت کرتے ہیں:

-
- | | | |
|-----|---------|-----|
| (1) | الحجرات | _10 |
| (2) | الانفال | _62 |

(3) مصنف عبدالرزاق ج / 10 از ابن الزبیر اور اس کے حاشیہ میں سعید بن منصور سے روایت نقل کی گئی ہے الغدير ج/9 ص 347

، از صحیح البخاری ج/5 ص 243 باب المناقب اور باب الهجرة ج/6 ص 44_ نیز الطب النبوی ابن قیم ص 207_

بے شک میری امت میں سے میرا دوست ابوبکر ہے (1)۔
 بر نبی (ص) کا دوست ہوتا ہے اور میرا دوست سعد بن معاذ (2) یا عثمان بن
 عفان ہے (3)۔
 حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ : حضرت عثمان کی دوستی والی حدیث کو اسحاق بن
 نجیح ملطی نے گھڑا ہے (4) اور حضرت ابوبکر کی دوستی والی حدیث ()
 جیسا کہ معتزلی نے بھی اس کی تصریح کی ہے (5) نبی اکرم (ص) اور علی
 (ع) کے درمیان مواخات والی حدیث کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔

سلمان کی دوستی ، کس کے ساتھ؟

پھر وہ کہتے ہیں کہ نبی (ص) کریم نے جناب سلمان اور ابو دردا کے درمیان
 اخوت قائم کی (6)
 ایک اور روایت میں ہے کہ آپ (ص) نے جناب سلمان او ر حذیفہ کے درمیان
 مواخات برقرار فرمائی (7) جبکہ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ (ص) نے ان
 کے اور مقداد کے درمیان رشتہ اخوت برقرار کیا (8)

حدیث مواخات کا انکار اور اس کا جواب :

لیکن ابن سعد کہتا ہے کہ ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی ہے کہ مجھے موسیٰ
 بن محمد بن ابراہیم بن حارث نے اپنے باپ سے ایک قول نقل کر کے بتایا ہے
 نیز مجھے محمد بن عمر نے کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ نے مجھے زہری
 سے

(1) ارشاد الساری ج/6 ص 83، 84، کنز العمال ج/6 ص 138 ، اور ص 140 ، الرياض النضرة ج/1 ص 83_ نیز الغدير مذکورہ کتب سے۔

(2) الغدير ج/9 ص 347 ، از کنز العمال ج/6 ص 83، منتخب کنز العمال (مسند کے حاشیہ پر) ج/5 ص 231_

(3) تاریخ بغداد خطیب ج/6 ص 321 و الغدير ج/9 ص 346 و 347_

(4) ملاحظہ ہو: الغدير ج 9 ص 743_

(5) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 11 ص 49_

(6) الاصابہ ج/2 ص 62 ، اس کے حاشیہ میں الاستیعاب ج/2 ص 60 و ج/4 ص 59 ، الغدير ج/10 ص 103 تا 104 و ج/3 ص 174 اس

میں اس روایت پر مناقشہ کیا گیا ہے ، السیرة النبویہ ابن بشام ج/2 ص 152 ، اسد الغابہ ج/2 ص 330_ 331 ، طبقات ابن سعد مطبوعہ

لیڈن ج/4 حصہ اول ص 60 تہذیب تاریخ دمشق ج/6 ص 203 ، شرح نہج البلاغہ معتزلی ج/18 ص 37 ، تہذیب الاسماء ج/1 ص 227،

قاموس الرجال ج/7 ص 256 ، نفس الرحمان ص 91 و 85 از ابن عمرو المناقب خوارزمی فصل 14 نیز تہذیب التہذیب ج/4 ص 138_

(7) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج/4 حصہ اول ص 60_

(8) نفس الرحمان ص 85 از حسین بن حمدان_

107

ایک روایت بیان کی ہے۔ یہ دونوں (حارث کا باپ اور زہری) واقعہ بدر کے بعد ہر قسم کی مواخات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بدر نے (بھائی چارے کی بنیاد پر) میراث کا معاملہ ہی ختم کر دیا تھا جبکہ سلمان اس وقت غلامی

کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ اس کے بعد آزاد ہوئے تھے اور انہوں نے سب سے پہلے پانچویں ہجری میں واقع ہونے والی جنگ خندق میں شرکت کی تھی (1)۔

اس لئے بلاذری نے یہ کہا ہے کہ " ... اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ آپ (ص) نے ابودرداء اور سلمان کے درمیان مواخات برقرار فرمائی۔ حالانکہ سلمان واقعہ احد اور خندق کے درمیانی عرصہ میں مسلمان ہوئے۔ اور واقدی کہتا ہے کہ علمائے بدر کے بعد کسی بھی قسم کی مواخات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بدر نے ہر قسم کی (مواخاتی) وراثت کو منقطع کر دیا ہے" (2)۔

" ... اور ابن ابی الحدید کا کہنا ہے کہ ابو عمر کے بقول رسول (ص) خدا نے جب مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو سلمان کو بھی ابودرداء کا بھائی بنایا تھا۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ قول ضعیف اور عجیب و غریب ہے" (3) جبکہ ہمیں مذکورہ بیانات پر کئی اعتراضات ہیں جنہیں ہم مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کرتے ہیں :

- 1 _ ان کا یہ کہنا کہ جنگ بدر کے بعد مواخات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ گذشتہ باتوں کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ پس ان لوگوں کے اس بات کو عجیب و غریب سمجھ کر انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔
- 2 _ ان کا یہ کہنا بھی کہ " بدر کے بعد مواخات کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے سلمان کا کسی بھی آدمی کے ساتھ اخوت کا مسئلہ صحیح نہیں ہو سکتا" درست نہیں کیونکہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ (ص) نے بدر سے

پہلے سلمان کی (چاہے وہ غلام ہی ہو) کسی اور آزاد آدمی سے مواخات کیوں نہیں کی؟ اس پر مزید یہ کہ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ جناب سلمان ہجرت کے پہلے برس میں ہی مسلمان اور آزاد ہو گئے تھے۔

(1) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج 4 حصہ اول ص 60_

(2) انساب الاشراف (حصہ حیات طیہ رسول (ص) کریم) ج 1 ص 271_

(3) نفس الرحمان ص 85 از انساب الاشراف_

108

3_ پس بلاذری کا یہ دعویٰ کہ "سلمان ، احد اور خندق کے درمیانی عرصے میں مسلمان ہوئے تھے" صحیح نہیں ہے کیونکہ جس طرح ہم نے کہا ہے وہ ہجرت کے پہلے سال ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ ہاں البتہ مورخین یہ کہتے ہیں کہ وہ جنگ خندق سے کچھ عرصہ قبل آزاد ہوئے تھے۔ پس جب وہ مواخات کے عمل کے موقع پر مسلمان تھے تو کسی بھی مسلمان کے ساتھ ان کی مواخات ہوسکتی تھی، چاہے وہ دوسرا آدمی آزاد ہو، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں ایمان اور انسانیت و غیرہ کے لحاظ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تو اس صورت میں ہے جب انہیں اس وقت تک غلام مان لیا جائے۔

4_ بدر کے بعد جس چیز کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا وہ ایسے مؤاخاتی بھائیوں کے درمیان توارث کا حکم ہے، خود مؤاخات نہیں۔ یہ بھی ان لوگوں کے بقول ہے وگرنہ ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ توارث کا مسئلہ تو اس سے پہلے بھی نہیں تھا شاید بعض مسلمانوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ بھائی بننے والوں کے درمیان توارث کا سلسلہ بھی موجود ہے تو آیت اس گمان کی نفی اور اس شك کے ازالہ کے لئے نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کا زمانہ اور جنگ بدر کا زمانہ ایک ساتھ ہو گئے جس سے دو اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور وہ یہ کہ:

الف: توارث کا سلسلہ پہلے یقینی تھا۔

ب: توارث کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی اخوت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔

جبکہ یہ دونوں گمان، باطل اور نادرست ہیں۔

5_ ان کے اس قول "سلمان اور ابودردا کے درمیان بھائی چارہ ہوا تھا" کے مقابلے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

الف: ہمارے امام زین العابدین علیہ السلام کا فرمان ہے: "اگر ابوذر کو معلوم ہو جاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ اسے قتل کر ڈالتا، حالانکہ رسول (ص) خدا نے دونوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ تو پھر

دوسرے لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" (1)۔

ب: حضرت امام جعفر صادق (ع) کا فرمان ہے: "نبی (ص) کریم نے سلمان

اور ابوذر کے درمیان مواخات برقرار کیا تھا اور ابوذر پر یہ شرط عائد کردی تھی کہ وہ سلمان (کاہر کہنا مانے گا اور اس) کی نافرمانی نہیں کرے گا(2)۔

ج: ہمارا بھی یہی نظریہ ہے کہ سلمان کی مواخات ، ابوذر کے ساتھ ہی صحیح اور مؤرخین و محدثین کے اس بات کے زیادہ موافق ہے کہ نبی (ص) کریم نے ہر شخص کو اسی کی طرح کے فرد کا بھائی بنایا۔ اور ابوذر کی نسبت ابوذر ہی گفتار و کردار کے لحاظ سے سلمان سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے کیونکہ قرآن اور حکومت کے ٹکراؤ کی صورت میں جناب سلمان قرآن مجید کا دامن تھامنے اور اس کا ساتھ دیتے ہوئے اس پر ڈٹ جانے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب کوئی حکومت کسی بڑے انحرافی رستے پر چل نکلتی تو جناب ابوذر حکومت کے خلاف سخت موقف اختیار کرتے تھے۔ پس وہ حق کی طرفداری کرتے تھے اور اپنے موقف پر ڈٹ جانے کا پر زور اعلان کرتے تھے۔ اسی طرح جناب ابوذر اور جناب سلمان کا واقعہ سقیفہ اور اس کے نتائج پر ایک ہی موقف تھا ... (3)۔ لیکن ابوذر دا ئ ... وہ حکومت کا ترجمان اور جابر حکمرانوں کا مددگار بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ ہم معاویہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس اچھائی کے بدلے میں اس کی تعریف توصیف اور تمجید میں رطب اللسان رہتا تھا(4) اسی ابوذر نے (جیسا کہ بیان ہوچکا ہے) سلمان کو ایک خط میں مقدس سرزمین کی طرف دعوت دی تھی۔ اور اس کے گمان میں سرزمین مقدس،

شام ہے مکہ اور مدینہ نہیں پس پڑھتے جائیں اور تعجب کرتے جائیں کیونکہ
زمانے کا دستور نرالا ہوتا ہے۔

- (1) بصائر الدرجات ص 25 ، کافی ج 1 ص 331 الغدير ج 7 ص 35 از مذکورہ دونوں، اختیار معرفة الرجال ص 17 ، بحار الانوار ج 22 ص 343 ، مصابيح الانوار ج 1 ص 348 ، قاموس الرجال ج 4 ص 418، 419 بظاہر یہ روایت معتبر بھی ہے۔
- (2) کافی ج 8 ص 162 ، بحار الانوار ج 22 ص 345 از کافی نیز نفس الرحمان ص 91۔
- (3) ملاحظہ ہو مؤلف کی کتاب " سلمان الفارسی فی مواجهة التحدي "۔
- (4) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج 2 حصہ 2 ص 115

110

اس کے متعلق یہ تذکرہ ہی کافی ہوگا کہ یزید بن معاویہ نے بھی ابودرداء کی مدح اور تعریف کی (1) جبکہ معاویہ نے اسے دمشق کا گورنر بنایا تھا (2) اس پر مزید یہ کہ رسول (ص) خدا نے ابودرداء کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ اس نے پوچھا کہ کفر والی جاہلیت یا اسلام والی؟ تو آپ (ص) نے فرمایا کہ کفر والی جاہلیت (3)۔ جب جناب سلمان ہجرت کے پہلے سال مسلمان ہوئے تھے (جیسا کہ ایک علیحدہ فصل میں اس کے متعلق گفتگو ہوگی) اور ابودرداء جنگ احد کے بعد بہت دیر سے مسلمان ہوا تھا (4) تو نبی (ص) کریم نے سلمان کو کسی کا

بھائی بنائے بغیر اتنا لمبا عرصہ کیوں چھوڑے رکھا ؟
 ھ : اگر ہم واقدی کے اس قول کو مان لیں کہ " علماء ، بدر کے بعد کسی بھی
 قسم کی مواخات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعہ بدر نے (اخوت کی بنیاد
 پر) ہر قسم کی میراث کو منقطع کر دیا ہے " (5) تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ
 علماء ، سلمان اور ابودرداء کے درمیان مواخات کے منکر ہیں _ کیونکہ
 ابودرداء جنگ بدر کے بہت عرصہ بعد مسلمان ہوا تھا _
 و: اور آخر کار بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت(ص) نے ابودرداء اور
 عوف بن مالك اشجعی کے درمیان رشتہ اخوت برقرار فرمایا تھا (6) اور شاید
 یہ روایت ہی زیادہ صحیح اور قبول کرنے کے زیادہ قابل ہو ...

ابودر ، سلمان کی مخالفت نہ کرے

کلینی نے حضرت امام صادق (ع) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ(ص) نے
 سلمان اور ابودر کے درمیان

(1) تنكرة الحفاظ ج1 ص 25

(2) الاستيعاب بر حاشية الاصابه ج3 ص 17 و ج4 ص 60 ، الاصابه ج3 ص 46 نیز الترتيب الاداريه ج2 ص 426 ، 427

(3) الكشاف ج3 ص 537 ، قاموس الرجال ج 10 ص 69_

(4) الاستيعاب بر حاشية الاصابه ج3 ص 16، نیز ملاحظه ہو ج4 ص 60_

(5) قاموس الرجال ج7 ص 256 و ج10 ص 69 ، انساب الاشراف (حصہ حیات طیبہ نبی (ص) کریم) ج1 ص 271 نیز ملاحظه ہو:

مؤاخذات برقرار فرمائی اور ابوذر پر یہ شرط عائد کی کہ وہ سلمان کی نافرمانی نہ کرے (1) اور واضح سی بات ہے کہ ابوذر کے سلمان کی اطاعت کرنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ اطاعت حق تک پہنچانے والی اور اخوت اور حق کے دوام اور ان سے وابستگی اور اس سے دفاع تک لے جانے والی تھی اور اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ سلمان خدائے بزرگ و برتر تک رسائی اور اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے کے لئے ذہنی، نظریاتی اور علمی بلکہ ہر قسم کی حرکات و سکنات کے لحاظ سے اعلیٰ سطح پر اس عظیم دینی شعور اور اعلیٰ ظرفی کا عملی نمونہ تھے جو ثمر بخش پختہ ایمان اور راسخ عقیدہ کا، حمایت یافتہ تھا، تا کہ زندگی اس ایمان کے سائے میں بسر کریں۔ بہر حال جناب سلمان میں صحیح معنوں میں تمام کمالات بدرجہ اتم موجود تھے۔ کیونکہ ایمان کے کل دس درجے ہیں اور سلمان دسویں درجے پر فائز تھے، ابوذر نویں درجے پر اور مقداد آٹھویں درجے پر تھے (2)۔

آنحضرت (ص) کے ابوذر کو سلمان کی اطاعت کرنے کے حکم سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ : اطاعت کا معیار اور میزان صرف یہی مذکورہ چیز ہے۔

قرآن کریم نے بھی اسی چیز کو یقین اور تقویٰ تک پہنچنے کا وسیلہ قرار

دیا ہے۔ فرمان الہی ہے: (ہل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون) (3) اور (انما یخشى الله من عباده العلمائ) (4) اور (ان اکرمکم عندالله اتقاکم) (5) پس اس صورت میں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنے اور امتیازی حیثیت پیدا کرنے میں رنگ و خون اور جاہ و مال و غیرہ کا کسی قسم کا اور کسی بھی شخص کے حق میں کوئی کردار نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام امور میں معیار اور میزان صرف اور صرف وہ تقویٰ ہے جو پختہ ایمان، روشن فکر اور عظیم دینی شعور کے زیر سایہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ابوذر پر ضروری تھا کہ وہ سلمان کی نافرمانی نہ کرے۔ وہ سلمان جو علم و معرفت کے اس درجہ پر فائز تھے کہ اگر ابوذر کو معلوم ہو جاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے اسے قتل کر دیتا (6)۔ فضل سے منقول ہے کہ اسلام کے

162_	ص	الکافی	روضۃ	(1)
—	ازخصال	423	الرجال ج/4	(2)
9_		الزمر		(3)
28_		فاطر		(4)
13_		الحجرات		(5)

(6) قاموس الرجال ج/4 ص 418_

زیر سایہ پرورش پانے والے تمام لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو سلمان فارسی سے زیادہ فقیہ ہو (1)۔ اور بالکل اسی طرح سے دوسرے زیر دستی حاکم بننے والے جاہلوں ، طاغوتوں اور جابر لوگوں کی اطاعت کی بجائے ائمہ ہدی (ع) کی اطاعت ضروری ہے جو علم و معرفت اور در نتیجہ تقویٰ کی انتہائی بلندترین چوٹی پر فائز ہیں اور زمین پر خلافت الہی کا حقیقی نمونہ ہیں۔

4_ جدید معاشرے میں تعلقات کی بنیاد:

نبی اکرم (ص) نے مدینہ تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد اور بعض کے بقول پانچ مہینوں (2) کے بعد اپنے اور یہودیوں کے درمیان ایک تحریر یا سند لکھی جس میں آپ (ص) نے انہیں اپنے دین اور اموال کا مالک رہنے دیا لیکن ان پر یہ شرط عائد کی کہ وہ آپ (ص) کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور جنگ اور اضطراری صورت حال میں ان پر آپ (ص) کی مدد کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ اس کے بدلہ میں مسلمانوں پر بھی یہ چیز لازم ہے لیکن یہودیوں نے بہت جلدی اس عہد و پیمان کو توڑ دیا اور مکر و فریب سے کام لینے لگے۔ لیکن جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے ، اسی کے لئے کھائی تیار ملتی ہے۔ قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ اس سند میں صرف اغیار کے ساتھ مسلمانوں کے

روابط کی نوعیت و کیفیت کے بیان پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ خود مسلمانوں کے درمیان روابط کے ایسے ضروری اصولوں اور قواعد پر مشتمل ہے جو احتمالی غلطیوں کے واقع ہونے سے پہلے ہی ان کی روک تھام کرسکے اور یہ سند ایک ایسے دستور العمل کی مانند ہے کہ جس مینٹی حکومت کے داخلی و خارجی روابط کا بنیادی ڈھانچہ پیش کیا گیا ہو۔ حق بات تو یہ ہے کہ یہ سند ان اہم ترین قانونی اسناد میں سے ایک ایسی سند ہے جس کا مطالعہ ماہرین قانون اور قانون گذاروں کو پوری دقت اور توجہ کے ساتھ کرنا چاہیے تا کہ اس سے دلائل اور احکام استخراج کرسکیں اور اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور قوانین کی عظمت و بلندی کو درک کرسکیں۔

نیز اس سند کا دیگر

1) قاموس الرجال ج 4 ص 418 و غیرہ

(2) تاریخ الخمیس ج/1 ص 353۔

113

انسانوں کے بنائے ہوئے ان قوانین کے ساتھ موازنہ کرنا چاہئے جن پر اس امت کے فکری طور پر مستضعف افراد بھی مرے جا رہے ہیں حالانکہ یہ قوانین انسان کی فطری و غیر فطری ضروریات کا تسلی بخش جواب دینے

سے قاصر ہیں۔ یہاں پر ہم سند کے متن کو درج کرتے ہیں۔

سند کا متن

ابن اسحاق کے بقول :

رسول (ص) خدا نے مہاجرین اور انصار کے لیے ایک قرار داد تحریر فرمائی جس میں یہود یوں کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا اور انہیں اپنے دین اور مال کا مالک رہنے دیا اور طرفین کے لئے کچھ شرائط بھی طے پائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (ص) کی جانب سے یہ معاہدہ یثرب اور قریش کے مسلمانوں، مومنوں، ان کے پیروکاروں، ان سے ملحق ہونے والوں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں کے درمیان ہے۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں یہ سب کے سب ایک امت ہیں۔ قریشی مہاجرین اپنے رسوم و رواج کے مطابق آپس میں خون بہا کے معاملات طے کریں گے جبکہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر برابر مسلمانوں سے لے کر ادا کریں گے۔ (البتہ یہ شقیں ذو معنی الفاظ رکھتی ہیں لیکن ان کا یہی معنی مناسب لگتا ہے۔ مترجم)

بنی عوف بھی اپنے رسوم و رواج کے مطابق خون بہا کے گذشتہ معاملات طے کریں گے جبکہ ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر

برابر مؤمنین سے لے کرادا کرے گا _
 اسی طرح بنی ساعده ، بنی الحارث ، بنی جشم، بنی نجار، بنی عمرو بن عوف
 ، بنی النبیث اور بنی اوس بھی اپنے رسوم و رواج کے مطابق خون بہا کے
 گذشتہ معاملات طے کرلیں گے جبکہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے
 اور برابر برابر مؤمنین سے لے کراداکریں گے _

114

اور مومنین اپنے درمیان کسی کثیر العیال مقروض کو اپنے حال پر نہیں
 چھوڑیں گے اور مناسب طریقے سے اسے فدیہ اور خون بہا کا حصہ عطا
 کریں گے _

اور پرہیزگار مؤمنین سب مل کر باہمی طور پر بغاوت کرنے والے یا ظلم ،
 گناہ، دشمنی یا مومنین کے درمیان فساد پھیلانے جیسے کبیرہ کا ارتکاب
 کرنے والے کے خلاف اقدام کریں گے چاہے وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی
 کیوں نہ ہو _

اور کسی مومن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو کسی کافر کی
 خاطر قتل کرے اور مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے _
 اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے اسی لئے مسلمانوں میں سے ادنیٰ ترین شخص بھی
 کسی کو پناہ دے سکتا ہے _
 اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تمام مؤمنین ایک دوسرے کے دوست اور

ساتھی

ہیں۔

اور جو یہودی بھی ہماری پیروی کرے گا تو اس کی مدد اور برابری کے حقوق ضروری ہیں۔ اور اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی جائے گی۔

اور تمام مومنین کی صلح و سلامتی ایک ہے اور کوئی مومن بھی دوسرے مومن کی موافقت کے بغیر جہاد فی سبیل اللہ میں کسی سے صلح نہیں کر سکتا مگر سب اکٹھے ہوں اور عدالت کی رعایت کی جائے۔ اور جو قبیلہ بھی ہمارے ساتھ مل کر جنگ کرے گا اس کے سب افراد ایک دوسرے کی مدد کرینگے۔

اور مومنین کا جو خون راہ خدا میں بہے گا وہ اس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور (راضی بہ رضا رہنے والے) متقی مومنین بہترین اور محکم ترین ہدایت پر ہیں۔

کسی مشرک شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قریش کے کسی شخص یا اس کے مال کو پناہ دے اور مومن کے اس پر مسلط ہونے سے مانع ہو۔ اور جو شخص بھی ناحق کسی مومن کو قتل کرے گا اور قتل ثابت ہو جائے تو اسے اس کے بدلے قتل کیا جائے گا مگر یہ کہ مقتول کے وارثین (دیت لینے پر) راضی ہو جائیں اور تمام مؤمنین کو اس قاتل کے خلاف قیام کرنا

پڑے گا اور ان پر قاتل کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ضروری اور واجب ہوگا۔ اور جو مومن اس معاہدے میں درج امور کا اقرار کرتا ہے اور خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی بدعت گزار کی مدد کرے یا اس کو پناہ دے اور جو شخص بھی اس کو پناہ دے گا یا اس کی مدد کرے گا تو قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب قرار پائے گا اور اس سے اس چیز کا معاوضہ یا بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جب بھی کسی چیز کے متعلق تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو (اس اختلاف کو حل کرنے کا) مرجع و مرکز خدا اور (اس کے رسول) محمد (ص) ہیں۔

اور جنگ کے دوران یہودی بھی مومنین کے ساتھ ساتھ جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے اور بنی عوف کے یہودیوں کا شمار بھی مومنین کے ساتھ ایک گروہ میں ہوگا (اس فرق کے ساتھ کہ) یہودیوں اور مسلمانوں کا اپنا اپنا دین ، دوستیاں اور ذاتیات ہوں گے مگر جو شخص ظلم یا گناہ کا ارتکاب کرے گا تو (اس صورت میں) وہ صرف اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کو ہی ہلاکت میں ڈال دے گا۔ بنی نجار کے یہودیوں کا معاملہ بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرح ہے۔ اسی طرح بنی حارث ، بنی ساعدہ ، بنی اوس اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کا معاملہ بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرح ہے مگر جو شخص ظلم یا گناہ کا ارتکاب کرے گا تو (اس صورت میں) وہ صرف اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کو ہی ہلاکت میں ڈالے گا۔ ثعلبہ کے خاندان ، جفہ کا

معاملہ بھی ثعلبہ کی طرح ہے۔ اسی طرح بنی شطیبہ کا معاملہ بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرف ہے۔ اور نیکی اور برائی کا علیحدہ علیحدہ حساب کتاب ہے۔ ثعلبہ کے ساتھیوں کا معاملہ بھی انہی کی طرح ہے۔ نیز یہودیوں کے قریبی افراد کا معاملہ بھی انہی کی طرح ہے۔ اور (حضرت) محمد(ص) کی اجازت کے بغیر کوئی بھی یہودی مدینہ شہر سے خارج نہیں ہوگا نیز کسی بھی قبیلہ کو اس معاہدے سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ اور زخمیوں کا بدلہ لینے میں بھی کوئی زیادہ روی نہیں کی جائے گی اور جو ناحق خونریزی کرے گا اس کا اور اس کا گھر والوں کا خون بہایا جائے گا۔ لیکن مظلوم ہونے کی

116

صورت میں اسے اس بات کی اجازت ہے اور خدا بھی اسی بات پر راضی ہے۔

یہودی اور مسلمان ہر ایک اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے اور اس معاہدے کو قبول کرنے والوں میں سے کسی فریق کے خلاف جنگ کی گئی تو یہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور یہ لوگ پند و نصیحت اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، گناہ کے کاموں میں نہیں۔ کوئی شخص بھی اپنے حلیف سے بدی نہیں کرے گا اور (اس صورت میں) مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

اور یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگی اخراجات برداشت کریں گے جب تک وہ جنگ میں مصروف ہیں۔ اس معاہدے کو قبول کرنے والوں کے لئے یثرب (مدینہ) شہر جائے امن و احترام ہے۔ اور (ہر شخص کا) ہمسایہ اور پناہ گیر خود اسی کی طرح ہے اور اسے ضرر اور تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔ کسی شخص کو نا حق پناہ نہیں دی جائے گی مگر اس کے خاندان کی اجازت سے۔ اور اگر اس معاہدے کو قبول کرنے والے اشخاص کے درمیان ایسا جھگڑا اور نزاع واقع ہو جس سے فساد کا خوف ہو تو اسے حل کرنے کا مرجع و مرکز خدا اور (اس کا رسول) محمد (ص) ہے اور خداوند متعال یقیناً اس عہد و پیمان کے مندرجات پر راضی خوشنود ہے۔ مشرکین قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی یثرب پر حملہ کرنے والوں کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اگر (مؤمنین) انہیں صلح کی دعوت دیں (1) اور وہ قبول کر لیں تو تمام مؤمنین بھی اس کے مطابق عمل کریں گے اور اگر وہ مؤمنین کو صلح کی دعوت دیں گرچہ ان کامؤمنین کی طرح یہ حق ہے مگر جو شخص دین کے بارے میں جنگ کرے تو اس کی پیشکش کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر شخص کو اپنے ذمہ لئے جانے والا حصہ (2) ادا کرنا چاہئے۔ اوس کے یہودی خود اور ان کے ساتھیوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو اس معاہدے کو قبول کرنے والوں کے لئے ثابت ہیں۔ ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جائے۔ اچھائی اور

1) کتاب الاموال ابو عبید کی روایت ہے کہ اگر (مومنوں میں سے) یہودیوں کا کوئی حلیف انہیں صلح کی دعوت دے گا تو سب کو ان کے ساتھ صلح کرنی پڑے گی اور اگر وہ یہ کام کریں تو مومنوں کی طرح ان کا بھی یہ حق بنتا ہے مگر جو دین کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

2) الاموال کے مطابق ، ہر کسی کو اپنے ذمہ لئے جانے والے خرچہ کا حصہ ادا کرنا چاہئے۔

117

برائی کا علیحدہ حساب کتاب ہے اور جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ خداوند اس معاہدے کے مندرجات پر خوشنود و راضی ہے اور اس قرار داد کی خلاف ورزی صرف ظالم اور گناہگار افراد ہی کریں گے۔ (اور اس قرارداد کو قبول کرنے والے اشخاص میں سے) جو شخص بھی مدینہ سے خارج ہو یا مدینہ میں رہے امان میں ہے مگر یہ کہ ظلم کرے اور گناہ کا مرتکب ہو۔ یقیناً خدا اور اس کا رسول محمد (ص) نیک اور پرہیزگار لوگوں کی پناہ گاہ ہیں (1)۔ یہ ایک اہم اور بلند پایہ سند ہے لیکن مؤرخین نے (1) اسے زیادہ اہمیت نہیں دی اور محققین و مؤلفین نے اس میں تحقیق کرنے میں کوتاہی کی ہے ، ہم روشن فکر اشخاص کو اس سند میں غور و خوض اور گہرے سوچ بچار کی دعوت دیتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس کی عظمت کے مطابق اسے اہمیت دی جائے گی واللہ هو الموفق والمسدد۔ البتہ ہم بھی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے

متعلق چند نکات بیان کریں گے۔

معاهدہ یا معاہدے؟

مؤرخین ، اس معاہدے کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایسا دستور العمل ہے جو ایک طرف سے تو مہاجرین اور انصار کے درمیان اور دوسری طرف سے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت معین کرتا ہے بعض مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک معاہدہ نہیں ہے بلکہ یہ کئی علیحدہ علیحدہ سلسلہ وار معاہدوں کا مجموعہ ہے جنہیں مندرجہ ذیل دو مرحلوں میں آپس میں ترکیب کیا گیا ہے :

پہلا مرحلہ : اس مرحلہ میں مختلف عرب قبائل کو رسول (ص) خدا کی قیادت میں مدینہ میں یکجا کیا گیا ۔

دوسرا مرحلہ : اس مرحلہ میں کسی بھی بیرونی دباؤ کے مقابلے کی خاطر مدینہ کے یہودیوں کے تعاون کے حصول کے لئے مذکورہ قبائل کے اجتماع اور تعاون کی قوت سے مدد لی گئی۔

(1) سیرة ابن ہشام ج/2 ص 147 تا 150 ، البداية والنهاية ج/3 ص 224 تا 226 ، الاموال ص 202 تا ص 207،مجموعۃ الوثائق

السیاسیہ نیز مسند احمد ج 1 ص 271 و مسند ابویعلیٰ ج 4 ص 366_367 میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ یہ معاہدے ایک ہی وقت میں طے پائے ہوں۔ بلکہ ان دو مرحلوں میں بھی کئی ایسے چھوٹے چھوٹے مراحل ہیں جو (اس معاہدے کی شقوں پر نظر ثانی کا باعث بننے والے) ہر نئے پیش آنے والے حالات و واقعات کے مطابق دقتاً فوقتاً مذکورہ معاہدے کی شقوں اور جملوں میں اضافہ کا باعث بنے۔ جن کی رو سے مدنی معاشرے کے مختلف ارکان کے درمیان مذکورہ تبدیلی کے اثرات کی حامل شقوں اور جملوں کا اضافہ ہوا۔ لیکن مذکورہ بیانات پر ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اس معاہدے میں بعض جملوں کا تکرار ہوا ہے۔ خاص کر جب یہ ملاحظہ کیا جائے کہ یہ جملے ایک ہی شق اور شرط کو بیان کر رہے ہیں بطور مثال مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں جو یہ بیان کر رہی ہیں کہ "جنگ کے دوران یہودی بھی مومنوں کے ساتھ ساتھ جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے" اور "اس معاہدے کے حلیفوں کے درمیان جب بھی کسی چیز کے متعلق اختلاف واقع ہو تو اسے رسول (ص) خدا کے حضور پیش کریں" اسی طرح "اچھائی اور برائی کا حساب جدا جدا ہے" اور "ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر برابر تمام مومنین کے درمیان تقسیم کریں گے" جبکہ یہ جملے اوس اور خزرج کے مختلف قبیلوں کی بہ نسبت کئی بار تکرار ہوئے ہیں (1)۔ جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ واضح سی بات ہے کہ یہ دلیل ان کے اس گمان کے اثبات کے لئے ناکافی ہے۔ کیونکہ یہ تکرار یقیناً ہر قبیلے کی بہ نسبت اس معاہدے کی جداگانہ تاکید کے لئے آیا ہے جو تحریری معاہدوں میں دقت اور

صراحت کے حصول کے لئے ایک پسندیدہ امر ہے تا کہ کسی بہانہ جو اور حیلہ گر کے لئے عذر اور بہانہ کا کوئی بھی موقع نہ رہے۔ اور یہ وضاحت اور تصریح ہر گروہ ، خاندان اور قبیلہ کے لئے بیان ہوئی ہے کیونکہ مقصود یہ تھا کہ اس گروہ یا قبیلہ کو وضاحت سے ہر وہ بات معلوم ہو جائے جو اس کے لئے اور اس سے مطلوب ہے پس یہ معاہدہ ان تمام قرار دادوں کا مجموعہ ہے جسے ہر قبیلہ نے دوسرے قبیلوں ، گروہوں یا خود قبیلہ کے افراد کے ساتھ طے کئے تھے۔ پس ان تمام قرار دادوں کا بیان ضروری تھا۔ اسی بنا پر اس ایک معاہدے میں کئی مختلف معاہدوں کی خصوصیات پیدا ہو گئیں۔ البتہ اس معاہدے میں مذکور یہودیوں سے مراد بنی اسرائیل

(1) مذکورہ بیانات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب " نشا الدولة الاسلامیہ ص 25 ، 27 "

119

کے یہودی نہیں ہیں اور ان کے قبیلے قینقاع، نضیر اور قریظہ ہیں۔ بلکہ یہاں پر یہودیوں سے مراد قبائل انصار کے یہودی ہیں۔ کیونکہ انصار کے قبیلوں کے چند گروہ یہودیت اختیار کر چکے تھے اور معاہدے میں بھی ان کا ذکر ان کے قبیلہ کے ذکر کے ساتھ ہوا ہے۔ ابن واضح کا کہنا ہے : " اوس اور خزرج کا ایک گروہ یمن سے خارج ہونے کے بعد خیبر ، قریظہ اور

نضیر کے یہودیوں کے ساتھ ہمسائیگی کی وجہ سے یہودی ہو گیا۔ نیز بنی حارث بن کعب، غسان اور جذام کے افراد بھی یہودی ہو گئے " (1)۔ اسی طرح بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ انصار کی ایک نسل اس سبب سے یہودی ہو گئی تھی کہ جب بھی کسی عورت کا بچہ زندہ نہ بچتا تھا تو وہ اپنے آپ سے یہ عہد کرتی تھی اور یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ بچا تو وہ اسے یہودی بنائے گی۔ پھر جب قبیلہ بنی نضیر کو جلا وطن کیا جانے لگا تو انہی کے بزرگوں نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے جس پر خدا نے (لا اکراه فی الدین) (دین اختیار کرنے پر کوئی جبر نہیں) والی آیت نازل کی۔ مورخین و محدثین کہتے ہیں کہ یہ حکم ان مذکور افراد کے لئے خاص ہے جو اسلام کے آنے سے پہلے یہودی ہو گئے تھے (2)۔

معاهدے پر سرسری نگاہ :

بہر حال معاملہ جو بھی ہو۔ لیکن یہ معاہدہ یا معاہدے اس نئے معاشرے میں تعلقات استوار کرنے کے سلسلے میں کئی نہایت اہم اور بنیادی نکات کے حامل ہیں اس بات پر بطور مثال ہم مندرجہ ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1۔ اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ تمام تر قبائلی، نسبتی، فکری نیز کمی اور کیفی لحاظ سے نظریاتی، معاشی، معاشرتی اور دیگر اختلافات کے باوجود مسلمان ایک امت اور گروہ ہوں گے۔

(2) ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج 2 ص 267 ، الجامع لاحکام القرآن ج 3 ص 280
از ابوداؤد ، لباب التاویل ج 1 ص 185 فتح القدیر ج 5 ص 275، از ابوداؤد،
نسائی ، ابن جریر ، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان ، ابن مردویہ ، بیہقی در
سنن و ضیاء در المختارہ ، درمنثور ج 1 ص 328
120

اس عہد کے کئی سیاسی پہلو ہیں _ نیز اس کے حقوقی اور دیگر اثرات بھی
ہیں_ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشرتی ڈھانچے اور نجی ، جذباتی ،
فکری ، معاشی حتی کہ بنیادی حالات و تعلقات پر بھی اس کے عمومی سطح
پر گہرے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں_ لیکن ہم اس کی تفصیل اور
جزئیات میں جانے کے درپے نہیں ہیں_

2_ اس معاہدے میں قریش مہاجرین کو دیت اور خون بہا کے معاملے میں
اپنی عادت اور رسم پر باقی رکھنا بھی شامل ہے_ گرچہ مؤرخین کہتے ہیں
کہ یہ شق بعد میں منسوخ ہوگئی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شقیں بعد میں
بھی برقرار رہیں_ جبکہ یہ ان رسومات میں سے ہے جنہیں جناب عبدالمطلب
نے رواج دیا تھا _ یا دین حنیفیت سے ان تک پہنچی تھی _ اس وجہ سے

استثنائی طور پر صرف اس رسم کو اسلام میں باقی رکھا گیا اور بطور مثال قریشیوں کی تجارتی یا دوسرے نجی رسومات کو باقی نہیں رکھا گیا۔ حتیٰ کہ اگر بعض مقامات پر یہ صورتحال نہ بھی ہو تو عین ممکن ہے کہ شرعی احکام کی تشریح اور انہینلاگو کرنے کے باب میں اس دور کے معاشی اور اقتصادی صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریج کا سہارا لیا گیا ہو۔

3_ مہاجرین اور دوسرے قبائل کا اپنے قیدیوں کا فدیہ عدل و انصاف سے سب قبائل میں تقسیم کرنے کا فریضہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تمام قبائل کو ایک دوسرے کی کفالت اور معاشرتی اور اجتماعی احساس ذمہ داری کی حالت میں گذر بسر کرنا ہوگی۔ مزید یہ کہ یہ چیز ان لوگوں کے درمیان ایک قسم کے تعلق، ایک دوسرے کے دفاع اور خطرے اور مشکلات کے لمحات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی ضامن ہے۔ اس کے علاوہ اپنے جنگی حلیف کو یہ احساس دلانا ہے کہ یہاں اس کے خیرخواہ موجود ہیں اور اس کے قیدی ہونے کی صورت میں اسے آزاد کرانے کے لئے اپنا مال خرچ کرنے پر بھی تیار ہیں اور یہ بات اس کی امنگوں، خود اعتمادی اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے ارادوں میں اضافہ کا باعث بنے گا۔ اس پر مزید یہ کہ اگر اقتصادی اور معاشی بوجھ کو بہت سے افراد مل کر برداشت کریں تو وہ بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ اور مشکلات سے دوچار (غریب) افراد پر بھی زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔

یہاں پر قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ اس شق میں قسط (عدل و انصاف) اور

معروف (نیکی اور بھلائی) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں _ کیونکہ قسط کا لفظ قبیلہ کے افراد میں حصہ رسد کی برابر تقسیم میں کسی بھی قسم کی کمی یا بیشی کے انکار اور ممانعت پر دلالت کرتا ہے _ لیکن معروف کا لفظ اس سے بھی وسیع مطلب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس شق یا کسی بھی ایسے شرعی حکم کا عملی نفاذ بہتر اور احسن انداز میں ہونا ضروری ہے جس کا تعلق عام لوگوں سے ہوتا ہے اور وہ حکم ان کی مالی یا غیر مالی حالات کی معاونت کے متعلق ہو _ پس صادرہ احکام یا عمومی قانون کے بہانے مذکورہ طریقے اور راستے سے ادھر ادھر ہونا صحیح نہیں ہے _

4_ اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ اگر کسی مقروض کا کوئی ایسا خاندان نہ ہو جو اس کے قیدی کی رہائی کے بدلے، فدیہ دینے میں اس کی مدد کرسکے تو اس قیدی کی رہائی کے لئے تمام مسلمانوں پر اس کی مدد لازمی ہے _ اور یہ شق، قبائل پر فدیہ کی ادائیگی ضروری قرار دینے والے مذکورہ حکم سے پیدا ہونے والے شگاف کو پر کرنے کے لئے منظور کی گئی ہے _

اور اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ مذکورہ دونوں شقیں اس وقت کی مالی مشکلات کو حل کرنے کے لئے وضع ہوئیں جب مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی بیت المال (خزانہ داری) نہیں تھا جو ان مشکل اور کٹھن حالات میں مسلمانوں کی کفایت کرتا _ کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان دوسروں کی ضروریات تو اپنی جگہ، اپنی ذاتی ضروریات تک پوری کرنے سے قاصر تھے _ اور کوئی ایسا متبادل ذریعہ بھی نہیں تھا جس سے وہ اس بارے

میں استفادہ کرتے۔

5_ اس معاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ ظالموں کو دور بھگانے کا فریضہ صرف مظلوموں پر ہی نہیں بلکہ سب پر عائد ہوتا ہے۔ شاید یہ اس معاہدے کی اہم ترین شقوں میں سے ایک ہے۔ چاہے اس جیسے عہد کو معاشرے کی جڑوں پر اثرات کے لحاظ سے دیکھا جائے، پھر ان اثرات کے تعلق کو معاہدے اور سیاسی موقف، ظلم کے مسئلہ کے ساتھ حکمرانوں کے برتاؤ کے تناظر میں دیکھا جائے اور پھر اس معاہدے کے مثبت یا منفی رد عمل کے ساتھ دیکھا جائے جو ظلم سے مقابلے کو ایک معاشرتی اور اجتماعی فریضہ قرار دیتا ہے اور اسے صرف حکمران کے ساتھ ہی مخصوص نہیں کرتا، (گرچہ اکثر اوقات اس کے لئے اقتدار اور مقام کی ضرورت

122

رہتی ہے)۔ یا چاہے عوام اور امت پر روحانی، نفسیاتی اور دیگر اثرات کے لحاظ سے اس جیسے عہد کو دیکھا جائے تو یہ پہلو بھی نہایت خطیر اور باہمیت ہے۔ البتہ اس کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے اسلامی شریعت کی طبیعت اور فطرت کے گہرے اور دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔

6_ اس معاہدے میں ایک یہ شق بھی ہے کہ کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کا خون نہیں بہا یا جائے گا۔ اور اس شق میں یہ تاکید پائی جاتی ہے

کہ انسان کی بزرگی اور قدر و قیمت صرف اسلام کے ساتھ ہی بڑھتی ہے۔ اور یہ بات اس مقولہ سے ماخوذ ہے کہ کسی فرد یا اجتماع کے افکار و عقائد ہی اس کی قدر و قیمت کا معیار ہیں۔ یہی چیزیں ہیں جو اس کی قدر بڑھاتی ہیں یا پھر گھٹاتی ہیں۔ پس اسلام ، ایک مسلمان کی روح کو بلندی تک پہنچانے والے ایسے اقدار کا مجموعہ ہے جن کے ذریعہ وہ مسلمان اپنی ذات میں انسانیت کے بلند و بالا معانی سمونے ہوئے ہو اور پھر ان پر حقیقی اور عملی زندگی میں عمل پیرا بھی ہو۔ ان اقدار کے حامل مسلمان سے ایسے افراد کا قیاس ممکن ہی نہیں ہے جو یا تو اپنی انسانیت پر کاربند نہیں رہتے یا بہت قلیل مقدار میں ان اقدار کے حامل ہوتے ہیں یا سرے سے ان کے اندر انسانیت ہی نہیں پائی جاتی۔ یہ صورتحال تو اس صورت کے علاوہ ہے جس میں کوئی شخص وقت پڑنے پر انسانیت کے دفاع اور اس کی راہ میں عزیز اور قیمتی چیزوں کی قربانی تو دریغ ، بلکہ وہ تو انسانیت کے لئے کسی وقعت بلکہ خود انسانیت کا بھی قائل نہ ہو اور ہر حال میں اسے اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔

7۔ اس معاہدے میں یہ مذکور ہوا ہے کہ مسلمانوں کا کمتر شخص بھی دشمنوں کو امان دے سکتا ہے لیکن کسی مسلمان کے مقابلے میں کسی کافر کو پناہ اور امان نہیں دی جائے گی۔ یہ شق بھی گذشتہ نکتہ میں مذکور مطلب پر تاکید کرتی ہے۔ کیونکہ اسلام شرف اور بزرگی کو مال ، قبیلہ اور کسی دوسری چیز میں نہیں بلکہ صرف انسانیت میں دیکھتا ہے اور انسانیت ہی ہے جو اس کی قدر بڑھاتی ہے۔ یہاں پر ہم یہ اضافہ بھی کرتے چلیں کہ اس

جیسا پیمان مسلمانوں کے درمیان مساوات کے احساس کو مزید پختہ کرتا ہے۔ پس جب تک تمام مسلمانوں میں انسانیت کا یہ اعلیٰ نمونہ موجود ہے تب تک امیر کو غریب پر اور طاقتور کو کمزور پر کوئی برتری نہیں ہے۔ اس

123

صورت حال میں انہیں صرف ان اعلیٰ اقدار سے احسن انداز میں استفادہ کرنا چاہئے تا کہ ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں بہتری ، بھلائی ، علم و فضل اور رتقوی غالب ہو۔

8_ اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ مسلمان کسی بھی بدعتی کی حمایت اور مدد نہیں کریں گے بلکہ نہایت صلابت، مضبوطی ، پائیداری اور مستعدی سے اس کا اور اس کی بدعت کا مقابلہ کریں گے۔ معاہدے کی اس شق میں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ، ذہنی اور فکری سلامتی کے لئے بہت زیادہ اہمیت کا قائل ہے۔ اور ثقافتی ، عقائدی اور فکری میدان میں حفاظت اور صیانت کی بہت زیادہ تاکید کرتا ہے۔ پھر اس صیانت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ عوام یا دوسرے لفظوں میں امت کو اصلی کردار فراہم کرتا ہے۔ اور اس سے قبل کہ اس بدعت کا طوفان اس امت کو اپنے ساتھ اڑالے جائے اور اس سمندر کی موجزن لہریں انہیں بہالے جائیں، اسلام ان انحرافات سے نمٹنے کے لئے عوام کو گروہی اور انفرادی کردار ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ کیونکہ یہ بدعت ابتداء میں امت کے افراد کو نشانہ بناتا ہے تا کہ ان کی اجتماعی طاقت

کو مذاق بنا کر اسے حقیر و ذلیل کرے اور پھرا نہیں تسخیر کر کے ان کی طاقت کو اپنی بنیادیں مضبوط کرنے اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے کام لائے۔ جس کے بعد عوام کی یہ طاقت ایک ایسے پنجے اور کدال کی صورت اختیار کر لے گی جو ہر فضیلت پر کاری ضرب لگا کر اسے تباہ کرنے اور ہر پستی اور برائی کو پھیلانے کے کام آئے گی۔

9_ اس معاہدے میں غلبہ اسلام کی بھی بنیاد رکھ دی گئی ہے کیونکہ اس معاہدے میں اسلام کے سخت ترین دشمنوں یعنی یہودیوں (مراد انصار قبیلوں سے دین یہودیت اختیار کرنے والے افراد) کی طرف سے بھی اسلام کے غلبہ کا تحریری اعتراف بھی موجود ہے۔ حالانکہ یہودی صرف اور صرف اپنے آپ کو ہی تمام امتیازات اور خصوصیات کا مالک جانتے تھے اور ضروری تھا کہ ہر فیصلے کا مبداء، منتہاء اور محور یہی ہوں۔ خلاصہ یہ کہ یہ اپنے آپ کو حکمران اور پوری دنیا کو اپنا ایسا غلام اور حلقہ بگوش سمجھتے تھے جو پیدا ہی ان کی غلامی کرنے کے لئے ہوئے ہیں۔ بہر حال اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ کوئی بھی یہودی رسول (ص) خدا کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر قدم بھی نہیں رکھے گا۔ اور حاکمیت اور فرمانروائی کسی اور کے ساتھ نہیں بلکہ

ہوسکتا ہے کہ یہ عہد اور فیصلہ اس لئے بھی کیا گیا ہو کہ داخلی طور پر یہودیوں کو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق برا سوچنے والے بیرونی دشمنوں کے مفاد میں فتنہ انگیزیوں اور جاسوسیوں کا کوئی موقع میسر نہ آسکے۔ اور اس لئے بھی یہ عہد لیا گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ اور اس پاس رہنے والے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ یہاں پر بھی ایک ایسی طاقت موجود ہے جسے بہر صورت تسلیم کرنا ہی پڑے گا اور اس کے ساتھ حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے برابری اور سچائی کے ساتھ تعلقات قائم کرنے ہوں گے۔

10_ اس معاہدے میں (جس میں مذکورہ عہد کی گہری تاکید کی گئی ہے اور جسے یہودیوں نے تسلیم بھی کیا اور تحریری طور پر اس کا ثبوت بھی دیا) یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے تمام تنازعوں اور مشکلات کے حل کا مرجع اور مرکز صرف رسول (ص) خدا کی ذات والا صفات ہی ہے۔ البتہ ہم یہاں اس شق کے سیاسی مدلول اور یہودیوں نیز مدینہ کے رہائشی دیگر افراد اسی طرح پورے علاقے کے باسیوں پر ذاتی، انفرادی اور اجتماعی اثرات پر بحث کرنے کے درپے نہیں۔ البتہ یہ ضرور بتاتے چلیں کہ اس شق کی وجہ سے عقائد کی حفاظت کا سامان بھی فراہم کیا گیا اور اگر تھوڑی سی دقت کی جائے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس میں فقہی پہلوؤں کی مراعات بھی کی گئی ہے۔ اس بارے میں کسی اور مقام پر تفصیلی بحث کریں گے۔

11_ ان تمام شقوں کے علاوہ اس معاہدے نے فتنہ انگیزی نہ کرنے کی شرط

پر انصاری یہودیوں کے " امن " اور " آزادی " جیسے عمومی حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دی ہے۔ اور یہ دونوں خاص کر آزادی کا حق عطا کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جب تک کوئی چیز حقیقت اور سچائی کی بنیادوں پر برقرار رہتی ہے اور حقیقت کے راستے پر گامزن ہوتی ہے تب تک اسلام کو بھی کسی چیز سے خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ اسلام صرف اور صرف فتنہ انگیزی اور فساد سے ڈرتا ہے۔ یہ چیز اس بات کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ اسلام علم اور معرفت کے حصول کی تاکید کرتا ہے کیونکہ اسلام ہی ہے جو (تخریبی رستوں سے ہٹ کر صرف) تعمیری راستوں میں علم اور معرفت سے سب سے زیادہ استفادہ کر سکتا ہے۔

125

12_ پھر اس معاہدے میں منافقوں اور مشرکوں بلکہ یہودیوں کی طرف سے بھی یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ مسلمان ہی سب سے بہتر اور معتدل تر ہدایت پر ہیں۔ حالانکہ انہی لوگوں نے پہلے یہ پھیلا رکھا تھا کہ یہ نبی ہمارے اتفاق اور اجتماع میں رخنہ ڈالنے اور ہماری امیدوں اور لائحہ عمل پر پانی پھیرنے آیا ہے اور اسی طرح کے دیگر الزامات بھی تھے جو بطور مثال عمرو بن عاص نے حبشہ (ایتھوپیا) کے بادشاہ نجاشی سے ذکر کئے تھے۔

13_ اس معاہدے میں قبیلہ پرستی کو بھی ناجائز قرار دے دیا گیا کیونکہ قبیلہ پرستی ، افراد قبیلہ کی ہر قسم کی اور ہر صورت میں مدد کا باعث بنتی تھی

چاہے وہ دوسروں پر ظلم اور زیادتی کے بھی مرتکب ہوتے۔ اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ قاتل جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو تمام مؤمنوں پر اس کا تعاقب اور پیچھا ضروری ہے۔ نیز اس شق میں ریاست، سرداری اور مجرم کے قبیلہ کی قسم جیسے دیگر امتیازی قوانین اور سلوک کو بھی باطل قرار دیا گیا۔ جس طرح بنی قریظہ اور بنی نضیر کی حالت تھی۔ کیونکہ اس معاملے میں بنی قریظہ پر بنی نضیر کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

14۔ پھر اس قرار داد نے مسلمانوں کو (تمام مشرکوں کو چھوڑ کر) صرف قریشیوں کے اموال ضبط کرنے کا حق بھی دیا۔ کیونکہ قریشیوں نے بھی ان سے تمام اموال چھین کر انہیں اپنے گھروں سے نکال باہر کر دیا تھا۔ اور یہ ضبطی اس ادلے کا بدلہ ہوگا۔ حتیٰ کہ مشرکوں نے بھی مسلمانوں کے اس حق کا اعتراف کیا حالانکہ وہ بھی اس معاہدے کے فریق تھے۔ اس شق کے متعلق مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس معاملے میں وہ قریش کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور اس معاملے کو دوسرے رنگ میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔ اسی شق نے انسانی ضمیر میں انسانیت کی قدر بڑھائی اور اسے فعال کردار عطا کیا جسے یا تو وہ لوگ بھلا چکے تھے یا بھلانے لگے تھے۔

15۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس معاہدے میں "مسلمانوں" کی بجائے "مومنوں" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ روابط اور تعلقات کے میدان میں اس لفظ کے بہت اثرات ہیں۔ اسی طرح مخلصین کے لئے بھی اس میں اشارے پائے جاتے ہیں

تا کہ ان کے خلوص اور اخلاص میں اضافہ ہو نیز ان منافقوں کے لئے بھی

126

اشارے پائے جاتے ہیں جو خدا اور مؤمنوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف گروہوں کی شناخت میں اس کے سیاسی اثرات بھی ہیں تا کہ یہ پہچان اور امتیاز مذہبی اور دینی تعصب کی روسے نہ ہو۔

16۔ اس معاہدے میں ایمان کی عظمت کا اظہار بھی ہے جس کی روسے ترجیحات اور امتیازات عطا ہوتے ہیں۔ نیز کفر کو پست ترین رتبہ دیا گیا ہے کیونکہ اس معاہدے میں یہ کہا گیا ہے کہ کافر کے مقابلے میں کوئی بھی مؤمن کسی مؤمن کو قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی مؤمن کے خلاف کسی کافر کی مدد اور حمایت کرے گا۔

17۔ یہ شق کفر اور ایمان کے لشکر کے درمیان امتیازات کی واضح جنگ اور اس حالت جنگ کی بنیاد ڈالنے کی جانب ایک قدم ہے۔

18۔ ملاحظہ ہو کہ یہ قرار داد یہ بیان کر رہی ہے کہ جو اس معاہدے کے مندرجات کا اقرار کرتا ہے اسے کسی بدعتی کی مدد، حمایت اور پناہ کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور یہ شق امن عامہ کو پھیلانے، لوگوں کو ایک طرح سے مطمئن اور آسودہ خاطر رکھنے نیز اوس اور خزر ج پر منڈلاتے ہوئے خوف کے بادلوں کو کم کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اسی طرح اس شق میں

مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی علاقے میں بسنے والے یہودیوں اور مشرکوں کو
 ڈھکی چھپی دھمکی بھی پائی جاتی ہے۔
 19_ اسی طرح دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ " وہ ایک
 دوسرے کی مدد کرنے والی ایک متحد اور منسجم طاقت ہیں"۔ اور دوسروں
 کے دلوں میں اپنی ہیبت اور رعب و دبدبہ بٹھانے کے لئے نیز قبائلی یا دیگر
 قسم کے جذبات سے کھیل کر ان کے ذریعے مسلمانوں کی صفوں میں نفوذ
 کرنے والوں کی سوچ اور طمع کو دور کرنے اور مٹانے کے لئے اس دعوے
 کا بہت زیادہ اثر اور کردار ہے۔
 20_ آخر میں یہ نکتہ بھی ملاحظہ ہو کہ یہ معاہدہ مشرکوں کے لئے کسی
 اضافی حق کا قائل نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس ان پر کئی پابندیاں عائد
 کر دیں۔ پس اس معاہدے کی روسے کسی مشرک کو قریش کے کسی شخص یا
 مال کو پناہ اور امان دینے بلکہ ان کی خاطر مومنوں اور قریشیوں کے درمیان
 حائل ہونے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔

127

یہی وہ چند نکات تھے جنہیں ہم عجلت میں سرسری طور پر ذکر کرنا چاہتے
 تھے۔ امید ہے کہ کسی فرصت میں بہت سے دیگر نکات کا بھی مطالعہ
 کریں گے۔

5_ یہودیوں سے صلح :

بنی قریظہ ، نضیر اور قینقاع کے یہودی (نبی اکرم (ص) کی خدمت میں) آئے اور انہوں نے رسول اللہ (ص) سے صلح کی خواہش کی تو آنحضرت (ص) نے ان کے لئے تحریر لکھ دی کہ (یہ صلح) اس شرط پر ہوگی کہ وہ آپ (ص) کے خلاف کسی شخص کی مدد نہیں کریں گے _ نیز زبان ، ہاتھ، اسلحہ یا سواری کے ساتھ یعنی کسی بھی ذریعے سے اور خفیہ یا علانیہ اور رات یا دن میں یعنی کسی بھی طریقے سے اور کسی بھی وقت آپ (ص) کے کسی بھی صحابی کے لئے کسی بھی قسم کی کوئی مزاحمت ایجاد نہیں کریں گے _ اور اگر انہوں نے ان میں سے کوئی کام انجام دیا تو ان کا خون بہانے، ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنانے اور ان کے اموال ضبط کرنے کا اختیار رسول(ص) اللہ کو ہوگا _ اور ہر قبیلہ کے لئے جدا گانہ تحریر لکھ دی (1)_ لیکن یہودی ، اس معاہدے کو توڑ کر دوبارہ اپنی مکر و فریب والی عادت پر پلٹ گئے۔

(1) اعلام الوری ص69، البحار ج19 ص110/111 عنہ، السیرة النبویة لدحلان ج1 ص175 _

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

اذان کی تشریح :

یہاں پر مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ : ہجرت کے پہلے سال اذان تشریح کی گئی
_ ایک قول یہ ہے کہ دوسرے سال میں تشریح ہوئی لیکن اس چیز کی تحقیق
ہمارے لئے زیادہ اہم نہیں۔
البتہ تشریح اذان کی کیفیت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ : آنحضرت (ص)
اس فکر میں تھے کہ لوگوں کو نماز کے لئے کس طرح اکٹھا کیا جائے تو آپ
(ص) کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ (ص) ایک پرچم نصب کریں جب
لوگ دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو اطلاع دے دیں گے تو آپ (ص) نے اسے
پسند نہ فرمایا۔ صحابیوں نے (یہود یونکے بگل کی طرح) بگل بجانے کا
مشورہ دیا۔ آپ (ص) نے اسے بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ یہود یونکی
رسم ہے۔ انہوں نے ناقوس (بجانے کا) مشورہ دیا تو آپ (ص) نے (اسے
بھی ناپسند کرتے ہوئے) فرمایا کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے غالباً آپ (ص)
نے پہلے اسے ناپسند فرمایا پھر اس کا حکم دے دیا اور اسے لکڑی سے بنایا
گیا۔

عبداللہ بن زید گھر واپس آئے جبکہ نبی اکرم (ص) کے فکر مند ہونے کی وجہ سے غمگین تھے۔ اس رات انہوں نے خواب میں اذان دیکھی۔ خود عبداللہ بن زید بیان کرتے ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ (ص) (ص) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ (ص) کو اذان کے متعلق بتایا پھر عرض کی کہ یا رسول (ص) اللہ میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اذان کی کیفیت دکھائی۔" وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب اس واقعہ سے پہلے اذان کو دیکھ چکے تھے اور انہوں نے بیس دن تک اسے چھپائے رکھا۔ پھر جب نبی اکرم (ص) کو بتایا تو آپ (ص) نے فرمایا کہ پھر مجھے بتانے سے کون سی چیز

132

تھی؟ جواب دیا کہ عبداللہ بن زید نے مجھ پر سبقت لے لی لیکن میں جھجکتا رہا (اس پر) رسول اللہ (ص) (ص) نے فرمایا کہ بلال اٹھو اور دیکھو کہ عبداللہ بن زید تجھے کس چیز کا حکم دیتا ہے تم اسے بجا لاؤ۔ یونہی حضرت بلال نے اذان کہی (الحدیث)۔ تشریح اذان کی کیفیت کے سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات میں سے ایک نص یہ تھی۔ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مزید اطلاع کے لئے حاشیہ میں مندرج کتب کی طرف

رجوع کریں (1)۔

اذان کی روایات پر بحث:

ہم معتقد ہیں کہ یہ بات درست نہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

ایک : ان روایات کے مطالعہ اور ایک دوسرے کے ساتھ تقابل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان روایات میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ چیز کسی روایت کے ضعیف ہونے کا باعث بنتی ہے اور اس پر کئی طرح کے سوالات اٹھتے ہیں۔ مثلاً گذشتہ روایت کہتی ہے کہ ابن زید نے نیند اور بیداری کی حالت میں اذان دیکھی۔

دوسری روایت میں اس کے برعکس یہ ہے کہ انہوں نے یہ اذان حالت خواب میں دیکھی جبکہ تیسری روایت میں آیا ہے کہ خود ابن زید نے کہا " لوگ اگر باتیں بنا کر میرے درپے نہ ہوتے تو میں یقیناً یہی کہتا کہ میں تو سو ہی نہیں رہا تھا بلکہ حالت بیداری میں تھا "۔ ایک اور روایت یوں کہتی ہے " یقیناً ابن زید نے اذان ہوتے ہوئے دیکھی اور پھر نبی اکرم (ص) کو اس کی اطلاع دی " مزید ایک روایت میں ہے کہ یقیناً جبرائیل نے دنیا کے آسمان پر اذان دی حضرت عمر اور حضرت بلال دونوں نے سنا ، لیکن حضرت عمر نے حضرت بلال

1) سنن ابی داؤد ج/1 ص 335،338 ، المصنف عبد الرزاق ج /1 ص455تا465، السيرة الحلبية ج/2 ص 93 تا 97 ، تاريخ الخميس ج/1 ص 359، الموطا ج 1 نیز شرح موطا للزرقانی ج/1 ص120 تا 125، الجامع الصحيح للترمذی ج/1 ص358 تا361، مسند احمد ج/4 ص 42 ، سنن ابن ماجه ج/1 ص 124 ، سنن البيهقي ج/1 ص390 و391، سيرة ابن هشام ج/2 ص125،155،154، نصب الراية ج/1 ص 259 تا261، فتح الباری ج/2 ص 63 تا66، طبقات ابن سعد ج/1 جزء 1 ص 8، البداية والنهاية ج/3 ص232 و 233، المواهب اللدنية ج/1 ص71، منتخب كنز العمال (حاشیه مسند احمد پر) ج/3 ص273، اور 275 ، تبیین الحقائق للزبلی ج /1 ص 90، الروض الانف ج/2 ص 285،286، حياة الصحابة ج/3 ص 131، از كنز العمال ج/4 ص 246،263، اور اسی طرح ابی شیخ ابن حبان اور ابن خزیمہ سے بھی نقل کیا گیا ہے ، سنن الدار قطنی 066 ج/1، 241 ، 242 ، اور 245 ، علاوہ ازین دیگر کثیر کتب _

133

پر سبقت لیتے ہو پہلے جاکر پیامبر اسلام (ص) کو اس کی اطلاع دی _ جب حضرت بلال آنحضرت (ص) کی خدمت آئے تو آپ (ص) نے فرمایا: " تم سے پہلے عمر نے مجھے اس کی اطلاع دے دی ہے " _ لیکن ایک روایت میں ملتا ہے کہ فقط ابن زید نے اس اذان کو دیکھا _ اس کے برعکس ایک روایت یوں کہتی ہے کہ انصار کے سات افراد نے اذان دیکھی جبکہ ایک قول میں یہ تعداد چودہ بیان ہوئی ہے ، ایک روایت میں عبد اللہ بن ابی بکر کا بھی اضافہ کیا گیا ہے ... علاوہ بر این ایک روایت میں ہے کہ یقیناً یہ بلال ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے "اشهد ان لا اله الا الله حى على الصلاة"

کہا۔ اس پر حضرت عمر نے "اشہد ان محمد رسول اللہ" کا اضافہ کیا پس نبی اکرم (ص) نے یہ سنتے ہی حضرت بلال سے فرمایا: "جیسے عمر نے کہا ہے تم بھی ویسے ہی کہو"۔

بعض روایات میں اذان کی فصلیں ایک مرتبہ اور بعض میں دو مرتبہ ذکر ہوئی ہیں۔ ان روایات میں طرح طرح کے دیگر اختلافات بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان سب کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں آپ اصل منابع کی طرف رجوع کر کے روایات میں تقابل کر سکتے ہیں۔

دو: یہ بات کہ حضرت عمر اور حضرت بلال نے خود حضرت جبرائیل (ع) کی آواز سنی یا ابن زید نے یہ اذان حالت بیداری میں ہوتے ہوئے دیکھی، قابل قبول نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ بھی نبی ہیں کیونکہ انہوں نے جبرائیل (ع) کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جبرائیل (ع) سے ایک شرعی، توقیفی حکم سنا جبکہ یہ امر تو انبیاء (ع) و رسل (ع) سے مخصوص ہے۔

حالت خواب میں دیکھی گئی اذان کے متعلق عسقلانی لکھتے ہیں:

"عبداللہ ابن زید کے خواب کی بنیاد پر اذان کے حکم شرعی کے ثبوت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ غیر نبی (ع) کا خواب حکم شرعی نہیں ہوتا۔ البتہ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ وحی بھی اس کے مطابق نازل ہوئی ہو؟"

(1)۔

لیکن یہ جواب قانع کنندہ نہیں کیونکہ صرف احتمال سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان کے ہاں معتبر اور قابل اعتماد مذکورہ روایات میں ایسے کسی احتمال کی طرف اشارہ بھی نہیں پایا جاتا بلکہ یہ روایات فقط رسول اکرم (ص) کے اس حکم پر اکتفاء کرتی ہیں کہ آپ (ص) نے حضرت بلال سے فرمایا کہ ابن زید سے اذان کی تعلیم حاصل کرو۔ اس کے علاوہ اس معاملے میں شروع ہی سے آپ (ص) پر وحی نازل کیوں نہ ہوئی۔ حالانکہ آپ (ص) سرگردان، فکر مند اور رنجیدہ خاطر تھے اور آپ (ص) کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ یہاں تک کہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اذان، اس کیفیت سے کیوں شروع ہوئی جبکہ باقی سب احکام ایسے نہیں ہیں؟

"سہیلی" نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اذان دراصل خدا کی شان اور ذکر کو بلند کرنا ہے پس غیر نبی کی زبان پر اس کی شان نہایت بلند اور عظیم المرتبت ہونی چاہئے اس لئے اسے پہلے صحابیوں کو سکھا یا گیا (1)۔

اگرچہ عقلائی و غیرہ نے اس جواب کو سراہا ہے لیکن یہ جواب بھی بے

معنی اور کم وزن ہے۔ اگر یہ جواب صحیح ہو تو شریعت میں نماز، زیارتیں، دعائیں، اسی طرح خدا کی توحید کا اقرار اور پیامبر اسلام (ص) کی رسالت کی گواہی اور دیگر احکام اسلام سب کے سب غیر نبی کی زبان سے جاری ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اس کا مطلب اللہ کا ذکر بلند کرنا اور اس کے حکم کو عظمت سے بجا لانا ہے۔ یہی حال خصوصاً ان قرآنی آیات کا بھی ہے جن میں حضور سرور کائنات (ص) کی تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خَلْقٍ عَظِيْمٍ)

اور اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں۔ گذشتہ مطالب کے علاوہ ہم یہ کہیں گے کہ پیامبر اسلام (ص) کا زید کے خواب کے مطابق عمل کرنے کا حکم دینا تو وحی کے بغیر بلکہ اپنی ذاتی خواہش کے تابع ہوگا جبکہ یہ بات خداوند متعال کے اس فرمان (و ما ينطق عن الهوى) سے منافات رکھتی ہے۔

(1) الروض الانف ج/ 2 ص 285۔

محال ہے کیونکہ آنحضرت(ص) "وحی" کے ہوتے ہوئے اس امر سے مستغنی تھے۔ البتہ دنیاوی امور میں آپ (ص) اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ (ص) کئی وجوہات کی بنا پر چاہتے تھے کہ دنیاوی امور کو مشورت سے انجام دیں۔ انشاء اللہ جنگ بدر و احد کے واقعات میں ہم ان وجوہات کا ذکر کریں گے۔

تین: یہ کیسے ممکن ہے کہ پیامبر گرامی اسلام (ص) نے پہلے تو یہود و نصاریٰ کے فعل سے موافقت کو ناپسند فرمایا ہو اور پھر اسی پر ہی رضایت دے دی ہو؟ ایک قبیح امر کیسے اچھا ہو گیا؟ ایک برائی اچھائی میں تبدیل ہو گئی یا حضرت (ص) ان لوگوں سے موافقت پر مجبور تھے اور آپ (ص) کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہ تھا؟ آپ (ص) نے ایک منادی کیوں نہ مقرر فرما دیا جو لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا؟ جیسا کہ نماز یا دیگر مواقع پر آپ (ص) ایسا ہی کیا کرتے تھے اور وہ "الصلاة جامعة" پکار پکار کر لوگوں کو اکٹھا کرتے تھے۔

اس مشکل کے حل کے لئے صرف نبی اکرم(ص) اور عبد اللہ ابن زید (یا حضرت عمر) ہی کیوں فکر مند تھے؟ اور یہ مشکل آپ(ص) کی رضامندی سے صرف ناقوس بنانے پر ہی حل ہو گئی؟ اور کوئی حل باقی نہیں رہا تھا؟ یا کوئی اور آدمی موجود نہیں تھا؟

بہر حال اس سے اہم بات یہ ہے کہ وہ یہ روایت کرتے ہیں (گرچہ ہم اس کی تصدیق و تائید نہیں کرتے بلکہ اس کے جھوٹ ہونے پر ہمیں یقین ہے) کہ جن

امور میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی ان تمام امور میں رسول (ص) کریم اہل کتاب کی پیروی کرنا چاہتے تھے (1) تو پھر مذکورہ معاملے میں یہ کیونکر ہوا کہ آپ (ص) نے کراہت و ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اسی کے لئے فکر مند اور پریشان ہوئے۔ یہ تو بہت عجیب و غریب تناقض گوئی ہے جسے آنحضور (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

چہار: الصباح المزنی ، سدير الصيرفي، محمد بن النعمان الا حول اور عمر بن اذینہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم امام صادق (ع) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ (ص) نے فرمایا: " اے عمر بن اذینہ یہ ناصبی اپنی اذان و نماز کے

(1) روز عاشور کے روزے کے متعلق گفتگو میں اس کی طرف اشارہ کریں گے (انشاء اللہ)

136

متعلق کیا کہتے ہیں؟" میں نے عرض کیا: "میری جان آپ (ص) پر قربان ہو وہ کہتے ہیں کہ اسے ابی بن کعب انصاری نے خواب میں دیکھا تھا"۔

حضرت (ص) نے فرمایا: "خدا کی قسم جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ خداوند قدوس کے دین کی شان خواب میں دکھائے جانے سے بالاتر ہے"۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت (ع) نے فرمایا: "اللہ نے تمہارے نبی

(ص) پر اس کے متعلق وحی نازل فرمائی لیکن یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت (ص) نے اسے عبداللہ بن زید سے سیکھا ہے" (1)۔

2_ ابی علاء سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ سے کہا: "ہم تو یہ بیان کرتے ہیں کہ اذان کی ابتداء ایک ایسے خواب سے ہوئی جسے ایک انصاری نے خواب میں دیکھا تھا" اس پر محمد حنفیہ سخت غصہ ہو گئے اور گرج کر کہا: "شریعت مقدسہ اسلام اور دینی معارف کی بنیادوں کو تم نے نشانہ بنا لیا ہے تمہارا گمان ہے کہ اسے ایک انصاری نے خواب میں دیکھا ہے جس میں جھوٹ اور سچ دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات تو یہ خواب ویسے ہی بے تعبیر اور لاجواب ہوتے ہیں؟" میں نے کہا: "یہ حدیث تو لوگوں میں پھیل چکی ہے؟" انہوں نے کہا: "خدا کی قسم یہ غلط ہے۔" پھر کہا: "مجھے میرے والد گرامی نے بتایا تھا کہ حضرت جبرائیل (ع) نے شب معراج بیت المقدس میں اذان و اقامت کہی اور پھر جب رسول (ص) خدا نے آسمان کی طرف معراج فرمائی تو انہیں پھر دہرایا" (2)۔

3_ اس طرح امام حسن مجتبیٰ (ع) نے بھی اس بات کا انکار فرمایا ہے۔ جب آپ (ع) کے سامنے اذان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور عبداللہ ابن زید کے خواب کا تذکرہ کیا گیا تو آپ (ع) نے فرمایا: "اذان کی عظمت اس افسانے سے کہیں بالاتر ہے۔"

حضرت جبرائیل (ع) نے آسمان میں دو دو مرتبہ اذان کہی اور پھر اسی طرح

اقامت کہی اور آنحضرت(ص) کو اس

1) بحار الانوار ج/18 ص354 ، علل الشرائع ص 112 / 113 ، النص والاجتهاد ص 205 عن الشهيد في الذكرى نیز وسائل الشيعه ج4

ص 612 و 613_

2) السيرة الحلبيه ج/2 ص96 ، النص والاجتهاد ص 205 و كتاب العلوم (امالي احمد بن عيسى بن زيد) ج1 ص90_

137

کی تعلیم دي" (1)_

4_ جب حضرت امام حسين (ع) سے اذان اور لوگوں کی باتوں کے متعلق

پوچھا گیا تو آپ(ع) نے فرمایا:

" تمہارے نبی (ص) پر وحی نازل ہوتی ہے اور تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ

آپ (ص) نے عبدالله بن زید سے اذان سیکھی ہے ؟ جبکہ میں نے اپنے والد

حضرت علی ابن ابی طالب (عليهما السلام) سے سنا ہے کہ جب حضرت

رسول (ص) خدا کو معراج پر لے جایا جائے لگا تو ایک فرشتے نے اتر کر

اذان اور اقامت کی فصلوں کو دو دو مرتبہ دہرا کرا ڈان و اقامت کہی پھر

جبرائیل (ع) نے آپ (ع) سے کہا : " یا محمد (ص) نماز کی اذان بھی اسی

طرح ہے " (2)_

البتہ اقامت کی فصلوں کا ایک ایک مرتبہ ہونا اہل بیت (ع) کی قطعی تعلیمات کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ اہل بیت (ع) کی روایات اور نظریات میں اس کی دودو فصلیں بیان ہوئی ہیں اور اصحاب تابعین اور فقہائے اسلام کی اکثریت کی بھی یہی رائے ہے۔ ایک ایک مرتبہ والی بات امراء کے ہاتھوں کی صفائی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بقول مورخین اس ذریعہ سے انہوں نے اقامت کی تحقیر، بے قدری اور توہین کرنے کی کوشش کی (3) ورنہ اقامت کی فصلیں بھی دو دو مرتبہ ہیں۔

پانچ: خود عبداللہ ابن زید سے روایت ہے: " میں نے رسول اللہ (ص) سے اذان سنی ہے ، آپ (ص) نے دو دو مرتبہ اذان و اقامت کہی (4)۔"

پس اگر ابن زید نے ہی خواب میں اذان دیکھی ہوتی تو وہ دوسروں کی نسبت اس امر سے سب سے زیادہ آگاہ ہوتا ، پھر اس کی رسول (ص) خدا سے یہ حدیث کیسی؟

چھ: داؤدی کی ابن اسحاق سے حکایت ہے کہ عبداللہ بن زید اور حضرت عمر کے خواب میں دیکھنے سے آٹھ روز قبل حضرت جبرائیل (ع) اذان لے کر آنحضور (ص) کی خدمت میں آئے " _ اس بات کی تائید اس

(1) النص و الاجتهاد ص 205 از مشکل الآثار ، ابن مردویہ اور کنز العمال ج/6 ص 277 نیز مستدرک حاکم ج 3 ص 171۔

(2) گذشتہ و آئندہ منابع ملاحظہ فرمائیں۔

روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر ناقوس (گھنٹی) خریدنے جارہے تھے کہ اطلاع ملی ابن زید نے خواب میں اذان دیکھی ہے وہ رسول اللہ (ص) کی خدمت میں بتانے کے لئے واپس آئے تو آپ (ص) نے فرمایا: " تمہارے بتانے سے پہلے وحی نازل ہوچکی ہے " (1) _

سات: ہم اذان کے شرعی حکم کے ہجرت سے قبل مکہ میں نزول کو ترجیح دیتے ہیں ، کیونکہ یہ بات محمد حنفیہ والی گذشتہ روایت میں بیان ہوچکی ہے اور مندرجہ ذیل روایات میں بھی مذکور ہے۔

1_ جناب زید بن علی نے اپنے اجداد طاہرین (ع) سے روایت کی ہے: "رسول اللہ (ص) کو شب معراج اذان کی تعلیم دی گئی اور نماز فرض ہوئی" _ یہ بات امیر المومنین (ع) ، امام باقر ، ابن عمر اور حضرت عائشہ سے بھی روایت کی گئی ہے (2) _ امام باقر (ع) سے بھی صحیح سند کے ساتھ تقریباً یہی مطلب نقل ہوا ہے (3) _

2 _ انس روایت کرتے ہیں کہ جب نماز فرض ہوئی تو اس وقت جبرائیل (ع) نے آنحضرت (ص) کو اذان کا بھی حکم دیا (4) _

امام باقر (ع) کی اس مذکورہ روایت کو سہیلی نے بھی صحیح قرار دیا ہے

جس میں آیا ہے کہ اذان کا شرعی حکم شب معراج لاگو ہوا۔ لیکن اس روایت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک تو اس کی سند میں زیاد بن منذر ہے جو شیعہ تھا (5) اور دوسرا یہ کہ نبی اکرم (ص) نے ہجرت کے موقع پر اذان کا حکم نہیندیا تھا (6)۔

-
-
- (1) المصنف عبدالرزاق ج/1 ص 456، تاریخ الخمیس ج/1 ص 360، البدایة والنہایة ج/3 ص 233 ، السیرة الحلبيہ ج/2 ص 96 ، 97۔
- (2) منتخب کنز العمال (مسند احمد کے حاشیہ پر) ج/3 ص 273 از طبرانی سے اوسط السیرة الحلبيہ ج/1 ص 373 ، ج/2 ص 93 ، 95 ، مجمع الزوائد ج/1 ص 329 و 328 ، نصب الراية ج/1 ص 262 و 260 ، المواهب اللدنیہ ج/1 ص 71 ، 72 فتح الباری ج/2 ص 63 ، الدر المنثور ج/4 ص 154 از بزار ، ابن مردويه ، طبرانی و ابو نعیم در دلائل النبوه ، الروض الانف ج/2 ص 285 و 286 ، البدایة والنہایة ج/3 ص 233 ، تبیین الحقائق از البزار، النص والاجتهاد ص 205 از مشكل الآثار و شهيد در ذکری ، کنز العمال ج/14 ص 4 ، از ابن مردويه، قصار الجمل ج/1 ص 13 ، الوسائل ج/4 ص 660 و کافی ج/3 ص 302۔
- (3) الکافی ج/3 ص 302
- (4) المواهب اللدنیہ ج/1 ص 72 و فتح الباری ج/2 ص 63۔
- (5) نصب الراية ج/1 ص 261۔
- (6) البدایة و النہایة ج/3 ص 233 ، مستدرک الحاکم ج/3 ص 171 ، نصب الراية ج/1 ص 261 ، حاکم نے اس بارے میں سکوت کیا ہے۔

جبکہ ذہبی نے نوح بن دراج پر جرح کی ہے شاید انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اس کے شیعہ ہونے کی بنا پر ایسا کیا ہے۔

جبکہ ان کے پہلے اعتراض کے متعلق تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ہے ہی ہے بنیاد لیکن دوسرے اعتراض کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہی تو اختلاف کا مقام ہے _ اسی مناسبت سے یہاں ذکر کرتے چلیں کہ: روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت آدم (ع) جنت سے نکالے گئے تو جبرائیل (ع) نے اس وقت اذان کہی (1) گذشتہ بیانات سے ابن عباس سے مروی یہ روایت بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ سورہ جمعہ کی اس آیت "یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة" کے نزول کے ساتھ ہی اذان فرض ہوئی تھی (2) اس روایت کے رو سے تو اذان کے شرعی حکم کا نزول ، ہجرت کے ساتویں سال سورہ جمعہ کے نزول کے ساتھ اور جنگ احد میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد قتل ہونے والے عبداللہ بن زیاد کی وفات کے بعد جا بنے گا _

اسی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے حاکم نے کہا ہے "بخاری و مسلم نے عبداللہ بن زید کی خواب میں اذان والی اس روایت کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے کیونکہ عبداللہ اس سے پہلے ہی رحلت کر گئے تھے کیونکہ کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن زید جنگ احد میں اور بقولے اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شہید ہو گئے تھے" (3) _

لیکن درمنثور کی عبارت یوں ہے "نماز کے فرض ہونے کے ساتھ اذان رسول اللہ (ص) پر نازل ہوئی _ (یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلاة ...) اب اس

عبارت سے ان کا مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ اذان مکہ میں اس وقت شروع ہوئی جب نماز فرض کی گئی لیکن مذکورہ آیت کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی اذان کے بارے میں اشارہ کیا ہے ... اگر یہ صحیح ہو تو اس روایت کا ماسبق سے کوئی تعارض اور اختلاف نہیں۔
 اٹھ: حضرت عائشہ ، عکرمہ ، قیس بن ابی حازم و غیرہ سے روایت ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کے اس قول " و

(1)فتح الباری ج/ 2 ص 64 ، السیرة الحلیبہ ج/2 ص 93_

(2)فتح الباری ج 2 ص 62، الدر المنثور ج 6 ص 218 از ابو شیخ_

(3) مستدرک الحاکم ج/4 ص 348_

من احسن قولاً ممن دعا الی اللہ و عمل صالحاً" (1) سے مراد اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت نماز کی ادائیگی ہے (2)۔
 یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ آیت سورہ مبارکہ فصلت کی ہے جو مکی سورت ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان و اقامت کا حکم مکہ میں دیا گیا تھا اور یہ آیت اذان اور اقامت کے احکام اور مسائل بیان کرنے کے لئے

نازل

ہوئی

ہے۔

البتہ اس دعویٰ کہ " یہ آیت بھی ان آیتوں میں سے ہے جن کا حکم ان کے نزول کے کچھ عرصہ بعد لاگو ہوا " اس کی سوائے ابن زید کی گذشتہ روایت کے کوئی اور دلیل نہیں ہے اور یہ ہم جان چکے ہیں کہ اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے جھوٹے ہونے پر بھی دلیل قائم کی گئی ہے۔ نو: مفسرین نے اس آیت (و رفعنا لك ذكرك) کے متعلق کہا ہے کہ یہ آیت اذان کے بارے میں نازل ہوئی ہے (3) اور کئی مفسروں نے اسے ابن عباس اور مجاہد سے نقل کیا ہے (4) اور یہ آیت سورہ انشراح میں ہے اور یہ بھی مکی ہے۔

آخری بات

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت (ع) نے فرمایا " جب جبرائیل (ع) اذان لے کر رسول اللہ (ص) کے پاس تشریف لائے تو جبرائیل (ع) نے خود اذان و اقامت کہی۔ اسی موقع پر آنحضور (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا کہ حضرت بلال کو بلالائیں۔ آپ (ع) نے حضرت بلال کو بلایا تو آنحضرت (ص) نے حضرت

1) اس سے بہتر بات کس کی ہوگی جو لوگوں کو اللہ اور عمل صالح کی طرف دعوت دے۔

(2) السيرة الحلبية ج/2 ص93، درمنثور ج / 5 ص 364 ، از عبد بن حميد ، سعيد بن منصور، ابن ابى حاتم ، ابن مردويه ، ابن ابى شيبه

، ابن منذر خطيب در تاريخ _

(3) الكشاف مطبوعه دار الفكر ج4 ص 266 ، جوامع الجامع ص 545 ، البحر المحيط ج8 ص 488 ، مجمع البيان ج10 ص 508 ،

التفسير الكبير ج32 ص5 و مدارك التنزيل (مطبوعه بر حاشيه الخازن) ج4 ص 389_

(4) ملاحظه ہو: تفسير القرآن العظيم ج4 ص 525، الجامع لاحكام القرآن ج20 ص 106 و لباب التاويل ج4 ص 389_

141

بلال کو اذان کی تعلیم دی اور اذان دینے کا امر فرمایا" (1)_ اور اس روایت میں گذشتہ روایتوں کے ساتھ کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ جبرائیل (ع) مکہ میں اذان لے کر نازل ہوئے ہوں۔ اسی طرح وقت معراج تشریح ہونے والی اذان فرداً فرداً کہی جانے والی اذان ہو جبکہ جس اذان کو جبرائیل (ع) (مدینہ میں) لے کر نازل ہوئے اور رسول (ص) خدا نے بلال کو اس کی تعلیم دی اور اسے بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا وہ اذان اعلان (نماز جماعت کے قیام کا اعلان کرنے والی اذان) ہو۔ مدینہ میں رونما ہونے والے واقعہ کے متعلق شاید زیادہ مناسب وہ روایت ہو جو یہ کہتی ہے: "مسلمان جب مدینہ پہنچے تو وہ اکٹھے ہو کر وقت نماز کا انتظار کیا کرتے تھے جبکہ کوئی منادی بھی نہیں تھا۔ ایک دن انہوں نے اس بارے میں آپس میں گفتگو کی۔ بعض نے کہا کہ ناقوس (گھنٹی) بجائی جائے جیسے عیسائی بجاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح بگل بجایا

جائے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسے کچھ افراد مقرر کئے جائیں جو لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں جس پر رسول اسلام (ص) نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اٹھو اذان دو" (2)

اس روایت کے مطابق اختلاف خود مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو گیا اور وہ ہی تھے جو ایک دوسرے سے بعض ذرائع اور اسباب کی فرمائشے کرنے لگے تھے۔ جبکہ اس جھگڑے کو آنحضرت (ص) نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دے کر نمٹایا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اذان کا شرعی حکم اس سے قبل (مثلاً شب معراج) آچکا تھا۔

لیکن یہ افراد یا تو نو مسلم ہونے کی وجہ سے اس امر سے بے خبر تھے یا وہ سب یا بعض افراد اس بات سے باخبر تو تھے لیکن یہ اذان والی بات ان کے دل کو نہیں لگی تھی اس لئے وہ اس میں تبدیلی کے خواہش مند تھے۔ بہر حال اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لئے امام عبدالحسین شرف الدین کی بہترین کتاب "النص والاجتہاد" کی طرف مراجعہ فرمائیں (3)۔

(1) الوسائل ج/1 ، ص 326، الکافی ج/3 ص 302 ، النص والاجتہاد ص 205 ، اس روایت کو جناب شیخ صدوق اور شیخ مفید رحمہما ا

اللہ تعالیٰ نے بھی نقل کیا ہے۔
 سنن دار فطنی ج/1 ص 237

اذان میں حی علی خیر العمل:

وہ امور جو مسلمانوں میں اختلاف کا باعث بنے ، ان میں سے ایک اذان میں " حی علی الفلاح " کے بعد دو مرتبہ "حی علی خیر العمل" کہنے کا مسئلہ بھی ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اپنے پیشواؤں کی اطاعت میں اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ انہیں اہل سنت و الجماعت کہتے ہیں۔ البتہ بعض اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اسکی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ جملہ آنحضور (ص) سے ثابت نہیں ہے جبکہ اذان میں اضافہ مکروہ ہے (1)۔

عما د الدین یحییٰ بن محمد بن حسن بن حمید مقری کی توضیح المسائل سے نقل کرتے ہوئے قاسم بن محمد بن علی کہتا ہے: " رویانی نے کہا ہے کہ مشہور قول کے مطابق شافعی اس کے جواز کا قائل ہے نیز مالکی مذہب کے علاوہ حنفی اور شافعی مذہب کے اکثر علماء کا بھی کہنا ہے کہ " حی علی خیر العمل" کا جملہ اذان کا ہی حصہ تھا۔ اسی طرح زرکشی نے اپنی بحر المحيط نامی کتاب میں کہا ہے: " بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کے متعلق دوسرے شہروں کے علاوہ خود مدینہ کے اندر ہی اختلاف پایا جاتا تھا۔ خود

مدینہ والوں کے پیشوا جناب عبداللہ ابن عمر اذان کی فصلوں کو ایک ایک کر کے پڑھتے تھے اور اس میں "حی علی خیر العمل" بھی کہتے تھے ... _ یہانتک کہ مقری کہتا ہے کہ رویانی کی یہ بات درست ہے کہ شافعی کا مشہور قول "حی علی خیر العمل" کے اثبات کے متعلق ہے (2)_ لیکن اہل بیت (ع) اور ان کے شیعہ "حی علی خیر العمل" کو اذان و اقامت کا جزء سمجھتے ہیں بلکہ اسکے بغیر اذان و اقامت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اس حکم پر سب کا اجماع ہے (3)_

(1) سنن بیہقی ج/1 ص 425 ، البحر الرائق ج/1 ص 275 شرح المہذب سے _

(2) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 307

(3) الانتصار للسید المرتضیٰ ص 39_

143

اس نظریئے و شوکانی نے عترت سے منسوب کیا ہے (1) اور کہا ہے کہ البحر میں مہدی نے اس قول کو شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قرار دیا ہے (2) شوکانی کہتا ہے کہ یہ قول شافعی مذہب کی موجودہ کتابوں میں موجود قول کے برخلاف ہے (3)_

لیکن اس بات میں شیعیان اہل بیت (ع) کے ہاں قطعاً کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس پر ان کی دلیل اجماع اور اہل بیت (ع) کی بہت ساری روایات ہیں۔
 مثلاً مندرجہ ذیل روایات ہیں۔
 ابو ربیع ، زرارہ، فضیل بن یسار، محمد بن مہران کی امام صادق (ع) سے روایات، فقہ الرضا میں امام ہشتم (ع) کی روایت ،ابن سنان، معلی بن خنیس ، ابو بکر حضرمی اور کلیب اسدی کی امام صادق (ع) سے روایات، ابو بصیر کی امام باقر (ع) یا امام صادق (ع) سے روایت ، محمد بن ابی عمیر کی امام ابوالحسن الکاظم (ع) سے روایت، امیر المؤمنین علی (ع) اور حضرت محمد حنفیہ کی پیامبر اسلام (ص) سے روایت اور عکرمہ کی ابن عباس سے روایت ہے (4)۔

اس اختلاف کے ہوتے ہوئے ہمارے لئے اہل بیت علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کا نظریہ اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہم فقط اجماع پر یا پھر صرف اہل بیت (ع) سے مروی روایات پر بھروسہ نہیں کر رہے حالانکہ یہ ہستیاں ثقلین کا ایک حصہ ہیں اور خدا نے ان سے ہر قسم کی پلیدی کو دور رکھا ہے اور انہیں ہر قسم کی آلائشوں سے بالکل پاک اور پاکیزہ رکھا ہے بلکہ اسکے علاوہ بھی ایسے بہت سے شواہد اور دلائل ہیں جو دوسروں کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں۔ بطور مثال وہ بعض روایات جو صحیح اسناد کے ساتھ مندرجہ ذیل شخصیات سے منقول ہیں۔

1_ عبدالله بن عمر 2_ حضرت امام زين العابدين (ع)
3_ سهل بن حنيف 4_ بلال

1) نیل الاوطار ج2 ص 19 ، البحر الزخار ج2 ص 191 نیز الاعتصام بحبل الله المتين ج1 ص 307 ، مؤخر الذكر دونوں

2) نیل الاوطار ج2 ص 18 ، 19 ، البحر الزخار ج2 ص 191 نیز الاعتصام بحبل الله المتين ج1 ص 307 ، مؤخر الذكر دونوں
کتابوں میں شافعی کے ایک قول کی بجائے شافعی کا آخری (حتمی) نظریہ ذکر ہوا ہے۔

3) نیل الاوطار ج2 ص 19

4) الوسائل، جامع احادیث الشیخ، البحار، مستدرک الوسائل ابواب اذان۔

144

5_ حضرت امام علی (ع) 6_ ابو محذورة

7_ ابن ابی محذورة 8_ زيد بن ارقم

9_ حضرت امام باقر (ع) 10_ حضرت امام صادق (ع)

11_ حضرت امام حسن (ع) 12_ حضرت امام حسین (ع)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شخصیات ہیں۔

عبدالله بن عمر سے روایات:

1_ مالك بن انس، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جناب عبدالله بن عمر بسا

اوقات "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (1)۔
 2_ لیث بن سعد ، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جناب ابن عمر سفر میں کبھی
 بھی اذان نہیں کہتے تھے بلکہ وہ صرف "حی علی الفلاح" کہتے تھے اور
 بسا اوقات "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (2)۔
 3_ لیث بن سعد، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ بن عمر اذان میں
 بعض اوقات "حی علی خیر العمل" کا اضافہ کرتے تھے، یہی روایت انس بن
 مالک نے نافع کے ذریعے عبداللہ بن عمر سے نقل کی ہے (3) نیز عطاء نے
 بھی عبداللہ بن عمر سے یہی روایت نقل کی ہے (4)۔
 4_ محمد بن سیرین نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ وہ ہمیشہ اذان
 میں "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (5)۔

-
-
- (1) سنن بیہقی ج/ 1 ص 424 الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 297 و ص 308 و 312۔
 (2) سنن بیہقی ج/ 1 ص 424 نیز ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج 2 ص 19۔
 (3) سنن بیہقی ج/ 1 ص 424 ، دلائل الصدق ج/ 3 جزء دوم ص 100 از مبادئ الفقه الاسلامی للعرفی ص 38 شرح تجرید ، جواہر الاخبار
 اور صعدي کی الآثار المستخرجه من لجة البحر الزخار ج 2 ص 192 کے مطابق ، ابن ابی شیبہ نے اسے "الشفائ" میں نقل کیا ہے، نیز
 الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 308۔
 (4) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 299 نیز ملاحظہ ہو ص 310۔

5_ نسیرین ذعلوق ، ابن عمر کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سفر میں " حی علی خیر العمل" کہتے تھے (1)۔

6_ عبدالرزاق، ابن جریح سے اور وہ نافع سے روایت کرتے کہ عبداللہ بن عمر سفر میں جب بھی نماز پڑھتے تو نماز کے لئے اقامت کہتے اور اس میں دو یا تین مرتبہ یوں کہتے تھے "حی علی الصلاة حی علی الصلاة، حی علی خیر العمل (2)

7_ عبدالرزاق ، معمر سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر اور وہ کسی ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اذان میں ہمیشہ "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل" کہتے تھے اور پھر "اللہ اکبر، اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ" کہتے (3) اسی روایت کو ابن ابی شیبہ نے ابن عجلان اور عبیداللہ ، نافع اور عبداللہ ابن عمر کی سند سے روایت کی ہے (4)

8_ زید بن محمد نے نافع سے روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بھی اذان کہتا تھا " حی علی خیر العمل" کہتا تھا (5) صاحب اعتصام نے ابن عون ، ابن جریح ، عثمان بن مقسم ، عبداللہ بن عمر اور جویریہ بن اسماء کی نافع سے روایتیں بیان کی ہیں (6) اس لئے وہاں انہیں ملاحظہ فرمائیں _ اسی طرح کی ایک روایت حلبی و غیرہ نے بھی عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے

(7)

امام زین العابدین (ع) سے روایات

9_ حاتم بن اسماعیل نے حضرت امام صادق (ع) سے انہوں نے اپنے والد
گرامی سے اور انہوں نے حضرت

-
-
- (1) مذکورہ منابع_
- (2) مصنف عبدالرزاق ج/ 1 ص 464_
- (3) سنن بیہقی ج 1 ص 460 نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 299_
- (4) مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 145 حاشیہ مصنف عبدالرزاق ج 1 ص 460 از مذکورہ کتاب نیز ملاحظہ ہو الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 296_
- (5) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 295_
- (6) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 296 تا 299_
- (7) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 98 ، الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 311 ، 312 ، از ابن حزم در کتاب " الاجماع " _

146

امام علی بن الحسین (ع) سے روایت کی ہے کہ آپ (ع) ہمیشہ اذان میں " حی
علی الفلاح " کہنے کے بعد " حی علی خیر العمل " کہتے تھے اور فرماتے تھے

کہ یہی پہلی اذان ہے (1)۔
 اور ان کے "یہی پہلی اذان ہے" فرمانے کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ
 رسول اللہ (ص) کے زمانے میں اذان یہی تھی (2)۔
 10_ حلبی اور ابن حزم وغیرہ نے حضرت امام علی ابن الحسین (ع) سے
 بالکل ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔ اسکا ذکر آئندہ آئے گا۔

سہل بن حنیف سے روایات:

11_ بیہقی کا بیان ہے کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کے ذکر کو سہل بن
 حنیف نے ابو امامہ سے روایت کی ہے (3)۔
 12_ ابن وزیر نے محب طبری الشافعی کی کتاب احکام الاحکام سے یوں نقل
 کیا ہے کہ "سہل بن حنیف نے اذان میں حی علی خیر العمل کے ذکر کو صدقہ
 بن یسار کے ذریعے سے ابی امامہ سے روایت کیا ہے۔ وہ جب بھی اذان
 دیتے تو "حی علی خیر العمل" ضرور کہتے تھے۔ سعید بن منصور نے بھی
 اس روایت کو ذکر کیا ہے (4)۔

حضرت بلال سے روایات:

13_ عبداللہ بن محمد بن عمار نے عمار اور عمر فرزندان حفص بن عمر
 سے اور انہوں نے اپنے آباء و اجداد سے

(1) سنن بیہقی ج/ 1 ص 425، دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 100 از مبادئ الفقه الاسلامی ص 38 از مصنف ابن ابی شیبہ ، جواہر الاخبار والآثار ج/2 ص 192، الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 299 ، 308 ، 310 ، نیل الاوطار ج 2 ص 19 نیز کتاب العلوم ج 1 ص

_92

(2) دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 100 از مبادئ الفقه الاسلامی ص 38 _

(3)سنن بیہقی ج/1 ص 425 _

(4)دلائل الصدق ج / 3 جزء دوم ص 100 از مبادئ الفقه الاسلامی ص 38 نیز ملاحظہ ہو الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 309 و 311 _

147

اور انہوں نے حضرت بلال سے نقل کیا ہے کہ حضرت بلال صبح کی اذان میں "حی علی خیر العمل" کہتے تھے تو آنحضور(ص) نے فرمایا: "حی علی خیر العمل" کو چھوڑ کر اس کی جگہ "الصلاة خیر من النوم" کہو۔ تو اس نے حی علی خیر العمل کہنا ترک کر دیا(1)۔ لگتا یہی ہے کہ اس روایت کا آخری حصہ راویوں کی ستم ظریفی کے باعث اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ "الصلاة خیر من النوم" کو پیامبر خدا (ص) کے بعد خود جناب عمر بن خطاب کی جانب سے اضافہ کیا گیا اور بہت ساری روایات میں اس بات کی صراحت و وضاحت بھی موجود ہے (2) شاید کسی اور فرصت میںہم اس پر بحث کرسکینگے۔

14 _ حضرت بلال جب بھی صبح کی اذان دیتے تو "حی علی خیر العمل" ضرور کہتے تھے (3)_

15_ قوشجی و غیرہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا : "لوگو تین چیزیں رسول اللہ (ص) کے زمانے میں تھیں _ میں ان سے منع کرتا ہوں اور انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے ارتکاب پر سزا بھی دونگا _ وہ تین چیزیں یہ ہیں :

1_ متعة النساء

2_ متعة الحج

3_ حی علی خیر العمل " (4)_

مذہب اشاعرہ کے متکلم اور مناظر قوشجی نے جناب عمر کے مذکورہ حکم کے متعلق یہ عذر پیش کیا ہے کہ

1) مجمع الزوائد ج/ 1 ص 330 از الطبرانی در الكبير، مصنف عبدالرزاق ج/ 1 ص 460 ، سنن بیہقی ج / 1 ص 425 ، کنز العمال ج / 4 حدیث نمبر 5504 ، منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند ج / 3 ص 276 ، از ابو الشیخ در کتاب الاذان ، دلائل الصدق ج / 3 جزء دوم ص

_99

2) مؤطا امام مالک ج/ 1 ص 93، سنن دار قطنی، مصنف عبدالرزاق ج/ 1 احادیث نمبر 1827 ، 1829 ، 1832 ص 474 ، 475 ، کنز العمال ج/ 4 احادیث نمبر 5567 ، 5568 ، منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند ج/ 3 ص 278 اس میں " الصلاة خیر من النوم" کو بدعت قرار دیا

گیا ہے نیز ملاحظہ ہو_ الترمذی ، ابوداؤد اور دیگر کتب_

3) منتخب كنز العمال بر حاشيه مسند ج / 3 ص 276 ، دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 99 ، از كنز العمال ج/3 ص 266 _

4) شرح تجريد قوشجى مبحث الامامة ص 484 ، كنز العرفان ج/2 ص 158 از الطبرى در المستنير، صاحب الغدير ج / 6 ص 213

مينكتهتے بين كه طبرى نے المستبين ميں حضرت عمر سے اسكى نسبت دى جبكه شيخ على البياضى نے اپنى كتاب الصراط المستقيم ميں

طبرى سے اس روايت كى حكايت كى ہے: و جواهر الاخبار والاثار ج/2 ص 192 از تفتازانى در حاشيه شرح العضد _

148

"اجتهادى مسائل ميں كسى مجتهد كى دوسرے مجتهد سے مخالفت بدعت اور

كوئى نئى بات نہيں ہے" (1) _

قوشجى كا يہ عذر ناقابل قبول اور بے ہودہ ہے كيونكه ہم ثابت كرچكے ہيں

نبى اكرم صلى الله عليه و آله و سلم كبهى بھى خواہشات نفسانى سے گفتگو نہيں

فرماتے _ اس سلسلے ميں قرآن حكيم كى يہ آيت "ما ينطق عن الهوى _ ان هو

الا وحى يوحى " اور اسى طرح كى ديگر آيات بھى دليل ہيں ليكن حضرت عمر

كے پيروكاروں نے اس كى بات كو صحيح قرار دينے كے لئے نبى (ص) كے

رتبے كو نيچے لے آنے كى كوشش كى ہے _

اس اجتهاد كى صحيح توجيہ وہى ہے جسے حضرت عمر نے خود بيان كى

ہے _ ان كا خيال تھاكه لوگ جب يہ سنين گے كه " نماز بہترين عمل ہے " تو

لوگ آہستہ آہستہ نماز پر ہى اکتفا اور بھروسہ كرلين گے اور جہاد كو ترك

كرديں گے _ خود حضرت عمر نے ہى اس مطلب كى وضاحت كى ہے _ اس

كاذكر بعد ميں آئے گا _

اس مذکورہ توجیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی نہی وقتی مصلحت کے پیش نظر تھی، شرعی طور پر حرمت کا حکم لاگو کرنے والی نہیں تھی۔ کیونکہ یہ بات تو اسے بھی معلوم تھی کہ اسے شریعت میں دخل اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

16_ حلبی کہتے ہیں: " ابن عمر اور علی (ع) ابن الحسین (ع) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ دونوں شخصیات جب اذان دیتینتوحی علی الفلاح کے بعدحی علی خیر العمل کہتی تھیں" (2)

17_ علاء الدین حنفی اپنی کتاب التلویح فی شرح الجامع الصحیح میں کہتے ہیں: " بہر حال "حی علی خیر العمل" کے متعلق تو ابن حزم نے ذکر کیاہے کہ عبداللہ بن عمر اور سہل بن حنیف کے بیٹے ابوامامہ (3) سے صحیح احادیث کی روسے نقل ہوا ہے کہ دونوںاذان میں "حی علی خیر العمل" کہا کرتے تھے (4) اورصاحب " التلویح " اس کے متعلق مزید کہتے ہیں کہ حضرت علی ابن الحسین(ع) کی بھی سیرت یہی تھی (5) _

(1) شرح تجرید للقوقشجی ص 484_

(2) السیرة الحلبیہ مطبوعہ 1382ھ ، باب الاذان ج/2 ص98 _

(3) اصل عبارت میں اسی طرح مذکور ہے وگرنہ صحیح یہ ہے کہ ابوامامہ اور سہل بن حنیف کہا جائے _ مولف

(4) دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 100 از مبادی الفقہ الاسلامی للعرفی ص38 ، المحلی ج/3 ص 160 و الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1

(5) دلائل الصدق ج 3 جزء دوم ص 100 از مبادئ الفقه الاسلامی للعرفی ص 38 و الاعتصام بحبل الله المتين ج 1 ص 311_

149

18_ سید مرتضیٰ کہتے ہیں " ... اہل سنت یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (حی علی خیر العمل) پیامبر (ص) اسلام ہی کے زمانے کے بعض امور میں سے ہے لیکن اس کے بارے میں یہ بھی کہا اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ امور نسخ ہو گئے اور ان کے احکام اٹھ گئے تھے تاہم جس نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے اسے اپنے دعویٰ کے لئے دلیل لانے کی ضرورت ہے لیکن اس کے پاس اسکے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے ..."(1)_

19_ عبدالرزاق نے معمر سے ، انہوں نے ابن حماد سے ، انہوں نے اپنے والد سے ، انہوں نے اپنے جد سے اور انہوں نے نبی اکرم (ص) سے روایت کی ہے کہ آپ (ص) نے حدیث معراج میں فرمایا: "پھر جبرائیل (ع) کھڑے ہوئے ، اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کان میں رکھی پھر اذان دی اور اسکے جملوں کو دو مرتبہ ادا کیا اور اس کے آخر میں علی خیر العمل کو بھی دو مرتبہ ادا کیا" (2)_

20_ ابن النباح اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا کرتے تھے (3)_ قاسم بن محمد کا کہنا ہے کہ کتاب السنن مینیہ عبارت درج ہے: " صحیح بات تو یہ ہے کہ اذان کی تشریح حی علی خیر العمل کے ساتھ ہی ہوئی ہے _

کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ انہی جملوں کے ساتھ اذان دینے پر اتفاق رائے جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا اور دوسری یہ کہ اس سے نماز کے لئے پکارا جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا فرمان ہے کہ تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے۔ اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عبداللہ بن عمر، حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، بلال اور بزرگ صحابہ کی ایک جماعت بھی حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دیتے تھے۔ یہ بات موطا امام مالک کی شرح اور ان کی دیگر کتب میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ صوفی مذہب کے بزرگ، صاحب فتوح مکہ (شاید فتوحات مکہ) کا کہنا ہے کہ تمام مذاہب نے تعصب کی بنا پر اذان سے حی علی خیر العمل کے ترک کرنے پر اجماع اور ایک کر لیا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ علامہ بزرگوار عزالدین ابو ابراہیم، محمد بن ابراہیم کے یہ الفاظ ہیں: "میں نے حی علی خیر العمل سے متعلق

دو روایتوں کی اسناد کے متعلق تحقیق کی تو ابن عمر اور حضرت امام زین العابدین (ع) تک ان کے سارے سلسلے کو صحیح پایا" (1)۔ اور امام سروجی نے شرح الہدایۃ للحنفیہ میں حی علی خیر العمل کی احادیث کو کثیر منابع اور اسناد سے نقل کیا ہے (2)۔

21 _ حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا : "میں نے رسول اللہ (ص) کو یہ فرماتے سنا کہ جان لو یقیناً تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے۔ پھر آپ (ص) نے بلال کو حکم فرمایا کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کہے۔" اس حدیث کو "الشفائی" میں روایت کیا گیا ہے (3)۔

22 _ محمد بن منصور نے اپنی کتاب "الجامع" میں بعض پسندیدہ شخصیات کی سند کے ساتھ اور انہوں نے رسول (ص) خدا کے ایک موذن ابو محذورہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے خود آنحضرت (ص) نے امر فرمایا تھا کہ میں اذان میں "حی علی خیر العمل" کہوں (4)۔

23 _ محمد بن منصور سے روایت ہے کہ ابو القاسم (ع) نے انہیں حکم دیا کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کا ذکر کرو اور فرمایا کہ رسول اللہ (ص) نے بھی ایسے ہی حکم فرمایا تھا۔ "الشفائی" میں بھی اسی طرح مذکور ہے (5)۔

24 _ ابوبکر احمد بن محمد السری کی روایت ہے کہ اس نے موسیٰ بن ہارون سے، انہوں نے الحمانی سے، انہوں نے ابوبکر بن عیاش سے، انہوں نے عبدالعزیز بن رفیع سے اور انہوں نے ابو محذورہ سے روایت کی ہے۔

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ میں اسوقت نوجوان تھا جب مجھے نبی اکرم (ص) نے فرمایا کہ اذان کے آخر میں " حی

1) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 310 نیز ص 312_

2) ایضاً ص 311_

3) جواهر الاخبار و الآثار المستخرجه من لجة البحر الزخار ج/2 ص 191 ، الامام الصادق (ع) والمذابب الاربعة ج/ 5 ص 284_ نیز

الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 309_

4) البحر الزخار ج/2 ص 192 ، نیز اسی صفحے کے حاشیہ پر جواهر الاخبار والآثار نیز کتاب العلوم ج 1 ص 92_

5) جواهر الاخبار والآثار ج/ 2 ص 191_

151

علی خیر العمل" کہا کرو (1)_

25_ الشفاء میں ہذیل بن بلال مدائنی کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں

نے ابن ابی محذورہ کو "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل"

کہتے ہوئے سنا (2)_

26_ زید بن ارقم نے اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا (3)_

27_ شوکانی نے کتاب الاحکام سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک

پوری طرح سے ثابت ہے کہ رسول اکرم(ص) کے زمانے میں اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا جاتا تھا اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانے میں ترک کر دیا گیا (4)۔

28_ حسن بن یحییٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور اس کا یہ قول کتاب "جامع آل محمد (ص)" سے مروی ہے (5)۔

اسی کے متعلق محمد کہتا ہے کہ میں نے احمد بن عیسیٰ سے پوچھا کہ کیا تم اذان دیتے وقت دو مرتبہ حی علی خیر العمل بھی کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ بالکل کہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اذان اور اقامت دونوں میں کہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں البتہ میں دھیمی آواز سے پڑھتا ہوں۔ اسی کے متعلق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن جمیل نے نصر بن مزاحم سے، انہوں نے ابوجارود اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت امام باقر (ع) اپنی اذان اور اقامت میں حی علی خیر العمل کہا کرتے تھے (6)۔

29_ حضرت امام علی ابن الحسین (ع) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ص) کی سیرت تھی کہ موذن کے ساتھ اذان کے الفاظ دہراتے تھے اور جب کوئی موذن یہ کہتا: "حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، حی علی خیر العمل" آنحضرت (ص) فرماتے "لا حول و لا قوة الا باللہ..." (7)۔

(2) سابقہ حوالہ ص 192، جواہر الاخبار والبحر الزخار_

(3) الامام الصادق (ع) والمذاهب الاربعة ج/ 5 ص 283_ نیز ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج 2 ص 19 از محب طبری در الاحکام_

(4) نیل الاوطار ج/2 ص 19_

(5) نیل الاوطار ج/2 ص 19_

(6) کتاب العلوم معروف بہ امالی احمد بن عیسیٰ ج 1 ص 92_

(7) دعائم الاسلام ج/ 1 ص 145 ، البحار ج/84 ص 179_

152

30_ حضرت امام محمد باقر (ع) اپنے والد گرامی امام علی ابن الحسین (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (ع) جب بھی حی علی الفلاح کہتے تو اس کے بعد "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (1)_

31_ زرکشی بحر المحيط میں تحریر کرتے ہیں : "بعض مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق دوسرے شہروں کے علاوہ خود مدینہ کے اندر ہی اختلاف پایا جاتا تھا خود مدینہ والوں کے پیشوا جناب ابن عمر اذان کی فصلوں کو ایک ایک کر کے پڑھتے تھے اور اس میں " حی علی خیر العمل " بھی کہتے تھے" (2)_

32_ کتاب "السنام" کے الفاظ یہ ہیں : "صحیح یہی ہے کہ اذان کا حکم "حی علی خیر العمل" کے ساتھ ہی آیا " (3)_

33_ حضرت امام علی (ع) سے مروی ہے کہ آپ (ع) اذان میں " حی علی

خیر العمل " کہا کرتے تھے اور اسی عادت کو شیعوں نے اپنا لیا ہے (4)۔
 34_ الروض النضیر میں ہے کہ مالکی علماء کی ایک کثیر تعداد اسی طرح
 حنفی اور شافعی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ "حی علی خیر العمل" کا جملہ
 اذان کا حصہ ہے (5)۔

بے جا اعتراضات :

1_ یہ دعویٰ کہ کتب صحیحین (بخاری و مسلم) میں اس قسم کی کسی حدیث
 کا ذکر نہ ہونا اس بات پر دلاتا ہے کہ اذان میں یہ جملہ معتبر اور
 صحیح نہیں ہے۔ اور اگر یہ جملہ پہلی اذان میں شامل تھا بھی تو مذکورہ
 کتب میں ان کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ جملہ بعد میں منسوخ ہو گیا (6)
 یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ :
 ایک : کتب صحیحین میں احکام پر مشتمل تمام احادیث ذکر نہیں کی گئیں۔

1(جواہر	الاخبار	والآثار	للصعدی	ج/2	ص192_						
2(الروض	النضیر	ج/1	ص542_ و	الاعتصام	بحبل	الله	المتین	ج	1	ص	307_
3	(ایضاً_
4(الاعتصام	بحبل	الله	المتین	ج/1	ص	308_				
5(الروض	النضیر	ج/1	ص	542_						

دو : اگر یہ جملہ منسوخ ہو گیا ہوتا تو اس کا علم عبداللہ بن عمر ، حضرت امام زین العابدین (ع) اور زید بن ارقم و غیرہ جیسی شخصیات کو ضرور ہوتا _ تو (اگر ایسا تھا تو) ان شخصیات نے کس بنا پر اس اذان کو حتی کہ رسول (ص) خدا کی رحلت کے بعد بھی جاری رکھا ؟

تین : اس بحث میں مذکور بعض روایتوں میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اذان سے مذکورہ جملے کو حذف کرنے والا پہلا شخص خلیفہ ثانی عمر بن خطاب تھا _ اور اس کی وجہ بھی اس کے خیال میں ایک وقتی مصلحت تھی _

اگر اس کی یہ بات صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو پھر بھی اس وقتی مصلحت کے ٹل جانے کی صورت میں رسول (ص) خدا کے حکم کے متروک رکھنے کی کیا ضرورت رہتی ہے ؟ اور شاید کئی صحابیوں ، تابعیوں اور دوسرے لوگوں کے علاوہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کا اذان میں اس جملے کی ادائیگی پر کاربند رہنے کا مطلب یہ ہو کہ ان بزرگواروں نے خلیفہ ثانی کے اجتہادی فتوے کو قبول نہیں کیا تھا اور وہ اس کے موافق نہیں تھے _

2_ ان تمام تصریحات کے بعد معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض افراد کا یہ دعویٰ کہ " اذان میں مذکورہ جملہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جملہ نبی (ص) کریم سے

ثابت نہیں ہے " (1) بھی صحیح نہیں ہے _ اس لئے کہ مذکورہ شخصیات کے ذریعہ سے نبی (ص) کریم کی صحیح احادیث بیان ہو چکی ہیں _ یہ تمام بزرگ شخصیات بھی "حی علی خیر العمل" کہنے کی قائل اور پابند تھیں اور یہ نبی (ص) کے اہل بیت ، رسالت کی کان اور ثقلین کے ایک جزء کا نظریہ بھی تھا _ اور "حی علی خیر العمل" کا جملہ کئی عرصے تک اہل بیت (ع) ، علویوں اور ان کے پیروکاروں کا شعار ، نعرہ اور پہچان رہا _ حتی کہ تحریک فخر کے بانی جناب حسین بن علی کی انقلابی تحریک کی ابتداء بھی اسی نعرے کی بنیاد پر ہوئی تھی _ اس بارے میں مندرجہ ذیل بیانات ملاحظہ فرمائیں :

"حی علی خیر العمل" ، نعرہ بھی اور موقف بھی

الف : مسجد نبوی (ص) میں حضور (ص) کریم کے سرہانے مقام جناز کے ساتھ بنے گلدستہ اذان پر عبداللہ بن حسن

(1) البحر الرائق ج 1 ص 275 از شرح المہذب نیز سنن بیہقی ج 1 ص 425 _

افطس نے چڑھ کر مؤذن کو تلوار دکھاتے ہوئے کہا کہ "حی علی خیر العمل"

" کے ساتھ اذان دو_ مؤذن نے اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر خوف کے مارے مذکورہ جملے کے ساتھ اذان دے دی _ العمری (منصور کی طرف سے مدینہ کے گورنر) نے جب یہ اذان سنی اور اسے گڑبڑ کا احساس ہوا تو دہشت زدہ ہو کر چیخ پڑا : " جلدی سے دروازے بند کر دو اور مجھے پانی پلاؤ" (1)_

ب: تنوخی نے کہا ہے کہ اسے ابوالفرج نے بتایا ہے کہ میں نے خود اپنے کانوں سے قطعی طور پر سنا ہے کہ منصور کے زمانے میں علوی حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دیتے تھے (2) _

ج: ابن کثیر نے 448ھ کے واقعات میں رافضیوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے (3) _

د: حلبی کہتا ہے : " بعض مؤرخین کے بقول (ع) آل بویہ کے دور حکومت میں رافضی "حی علی الصلوٰۃ" اور " حی علی الفلاح " کے بعد " حی علی خیر العمل " کہا کرتے تھے _ پھر جب سلجوقیوں کا دور حکومت آیا تو انہوں نے مؤذنین کو مذکورہ جملے کہنے سے منع کر دیا اور اس کے بدلے میں انہیں صبح کی اذان میں " الصلوٰۃ خیر من النوم " کہنے کا حکم دیا _ اور یہ 448 ہجری کی بات ہے " (4)_

ہ: ابن فرحون کہتا ہے کہ حضور بنی (ص) کریم کے حجرہ سے ملحق ایک ہال سا بنایا گیا تھا تا کہ ٹوبتے سورج کی تمازت سے بچا جاسکے _ وہ کہتا ہے : " یہ ہال نماکمرہ ایک بدعت اور گمراہی تھی جس میں شیعہ نماز پڑھا

کرتے تھے " _ پھر کہتا ہے : " میں خود بعض افراد سے سنا کرتا تھا کہ وہ اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے حی علی خیر العمل کہتے تھے _ وہ کمرہ ان کی درس گاہ اور ان کے علماء کا خلوت کدہ تھا _ یہاں تک کہ خدا نے اسے ان کے اوپر گرا دیا اور ایک شب اس کے دروازے تک بھی اکھڑ گئے ... (5) _

-
-
- (1) مقابل الطالبین ص 446 _
- (2) نشوار المحاضرات ج 2 ص 133 _
- (3) ملاحظہ ہو : البداية و النہایہ ج 2 ص 63 _
- (4) سیرہ حلبیہ مطبوعہ 1382ھ باب الاذان ج 2 ص 105، البداية والنہایہ ج 12 ص 68 واقعات 448 ہ _
- (5) وفاء الوفاء ج 2 ص 612 _

155

ابن قاسم نویری اسکندرانی کہتا ہے : " معز جب مصر پہنچا تو اس نے عمرو بن عاص اور ابن طولون کی جامع مسجدوں میں حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دینے کا حکم دیا _ اور یہ سلسلہ 7 56 ہجری میں عبیدیوں کی حکومت کے خاتمے تک جاری رہا اور ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی حی

علی خیر العمل کا ذکر بھی ختم ہو گیا _ ان کی حکومت کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف بن نجم الدین ایوب (صلاح الدین ایوبی) نے کیا تھا " (1) _
و: 350 ہجری میں دمشق میں سلطان معز کے نائب جعفر بن فلاح کے حکم سے مؤذنوں نے "حی علی خیر العمل" کے ساتھ اذان دی (2) _ اسی سال میں بساسیری نے بغداد پہنچ کر اذان میں " حی علی خیر العمل " کا اضافہ کیا(3)_

ز: نویری کہتا ہے : " اپنے آپ کو فاطمی سمجھنے والے عبیدی شیعہ تھے _ وہ اپنی اذانوں میں " حی علی الصلاة" اور " حی علی الفلاح " کے بعد " حی علی خیر العمل " بھی کہتے تھے _ جس طرح مکہ اور مدینہ میں زیدی ایام حج کے علاوہ عام دنوں میں بھی اپنی اذانوں میں دو مرتبہ " حی علی خیر العمل " کہتے تھے ، وہ بھی اسی طرح کرتے تھے _ اسی طرح یمن کے صعده اور دیگر علاقوں میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا " (4)_
ح : صلاح الدین ایوبی کے خلاف حلب کے گورنر کی حمایت کے لئے شیعوں کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے ابن کثیر کہتا ہے : " رافضیوں نے حلب کے گورنر کی حمایت کے لئے اس پر یہ شرطیں عائد کیں کہ ایک تو اذان میں دوبارہ حی علی خیر العمل کو ذکر کیا جائے ، نیز یہ اذان تمام جامع مسجدوں اور گلیوں اور بازاروں میں دی جائے _ ہمارے لئے ایک جامع مسجد مخصوص کی جائے ، بارہ اماموں کا نام سر عام لینے کی اجازت

(1) الامام با لا علام فيما جرت به الاحكام ج 4 ص 24 نیز ملاحظه ہو : تاریخ الاسلام ذہبی واقعات 381 ھ ص 32 و تاریخ الخلفاء ص

402

(2) تاریخ الاسلام واقعات 350 ھ ص 48 ، البدایة و النہایہ ج 11 ص 270 نیز ملاحظه ہو : تاریخ ابن الوردی ج 1 ص 408 و مآثر

الانافہ ج 1 ص 307_

(3) تاریخ الخلفاء ص 418_

(4) الامام ج 4 ص 32 نیز ملاحظه ہو ص 40 و ص 41_

156

دی جائے ، نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھی جائیں اور ہمارے نکاح اور جنازے (جیسے دینی امور) کو حلب کے شیعہ رہنما شریف طاہر ابو المکارم حمزہ بن زہرہ حسینی کے سپرد کیا جائے اور حلب کے گورنر نے یہ تمام شرائط منظور کر لیں " (1)_

اس عبارت کے حذف ہونے کا سبب :

یہ عبارت اذان سے کیوں حذف ہوئی ؟ حضرت عمر نے خود اس راز سے پردہ اٹھایا ہے جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔

35_ ابن شاذان نے اہل سنت و الجماعت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: " تم

لوگوں نے ہی قاضی ابویوسف سے ایسی روایت ذکر کی ہے جسے محمد بن

الحسن اور انکے اصحاب نے بیان کیا ہے نیز امام ابوحنیفہ سے بھی روایت کی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ص) اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور تک اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب تک "حی علی خیر العمل" کہا جاتا رہے گا لوگ صرف نماز پر اعتماد اور اکتفا کرتے رہیں گے اور جہاد کو ترک کر دیں گے، پس اس نے اذان سے "حی علی خیر العمل" حذف کرنے کا حکم دیا" (2)۔

36، 37، 38۔ اسی طرح کی روایات حضرت امام صادق (ع) ، حضرت امام باقر (ع) اور ابن عباس سے بھی منقول ہیں (3)۔

(1) الكنى و الالقباب ص 189 و البدايه و النهايه ج 12 ص 289 _

(2) الايضاح لابن شاذان ص 201 و 202_ نیز ملاحظہ ہو : الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 296، 299، 304، 305، 306، 307 و

كتاب العلوم ج 1 ص 92 _

(3) دعائم الاسلام ج 1 ص 142، البحار ج 84 ص 156 و 130، علل الشرائع ج 2 ص 56، البحر الزخار، جواهر الاخبار والآثار ان دو

کتابوں کے حاشیہ پر ج 2 ص 192، دلائل الصدق ج 3 جزء دوم ص 100 عن مبادئ الفقه الاسلامی لمحمد سعید العرفی ص 38 عن

سعد الدين تفتازانى شرح العضد کے حاشیہ پر جو ابن حاجب کی مختصر الاصول پر ہے، سيرت المصطفى (ص) للسيد هاشم معروف

الحسنی ص 274 الروض النضير ج 2 ص 42 سے نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 310۔

اس رائے پہ تبصرہ:

ہمیں اس بات پر باور رہے کہ خلیفہ ثانی کی نسبت رسول اسلام (ص) کے زمانے میں جہاد یقیناً زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ آپ (ص) کے زمانے میں لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی لیکن اس کے باوجود آپ (ص) نے اذان سے اس جملے کو نہیں نکالا۔ جس سے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر قوت اور لیاقت کے لحاظ سے قابل قبول حد تک بھی اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ اس مسئلے کے تمام تر پہلوؤں اور نتائج و عواقب کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے (جیسا کہ نبی اکرم (ص) کر سکتے تھے)۔

البتہ اس زمانے کے حالات کے مطابق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی یہ توجیہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی نظر میں وقتی اسباب تھے جن کا اس کے خیال میں یہ تقاضا تھا کہ اس جملے کو نکال دیا جائے، تاہم انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا ہوگا کہ تا ابد اس جملے کو اذان سے نکال دیا جائے گا۔ بہر حال یہ تو معلوم ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تو صرف ایک محدود زمانے کے لئے تھا۔

جو ہوا سو ہوا لیکن اب ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس جملے کو اذان

سے آج تک کیوں حذف رکھا گیا ہے حالانکہ اب تو وہ حالات بھی نہیں رہے جن کی وجہ سے "حی علی خیر العمل" کو اذان سے نکال دیا گیا تھا؟_ ہم سب مل کر رسول اعظم(ص) اور ان کے اہل بیت (ع) کی سنت و سیرت کی طرف دوبارہ لوٹ کیوں نہیں جاتے؟

نماز میں اضافہ:

بعض معتبر اور صحیح روایات میں ذکر ہوا ہے (1) کہ شروع شروع میں نماز دو، دو رکعت تھی جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے ابتدائی طور پر اپنے بندوں پر فرض فرمایا تھا_ لیکن اللہ رب العزت نے اپنے حبیب (ص) کو یہ اختیار بھی دیا کہ آپ (ص) کسی جدید وحی کی ضرورت محسوس کئے بغیر مناسب اوقات کے لئے ان کی رکعتوں میں

(1)الوسائل ج / 3 ،ابواب اعداد الفرائض و نوافلها ، باب عدد الفرائض الیومیہ و جملة من احکامها_

اضافہ فرمادیں_ آپ (ص) نے مغرب کی نماز میں ایک رکعت نیز ظہر عصر اور عشاء کی نمازوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ فرمایا_ ان اضافی رکعتوں کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ان کا اضافہ ہجرت کے

پہلے سال ہوا _ جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق حسنین شریفین علیہما السلام کی ولادت کے بعد ایسا ہوا _ غالباً پہلی رائے صحیح ہے کیونکہ اس بات کا ذکر قبلہ کی تبدیلی والی حدیث میں ہوا ہے جو آپ حضرات (ع) کی ولادت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بہر حال نماز میں یہ اضافہ غیر معقول نہ تھا کیونکہ شرعی احکام تدریجی طور پر نازل ہوئے، خاص طور پر وہ احکام جن کی پابندی عربوں کے لئے مشکل ہو سکتی تھی کیونکہ جن امور کے وہ عادی ہوچکے تھے اور ان کا تعلق انکی بود و باش اور رہن سہن سے تھا ان کی مخالفت انکے لئے مشکل تھی۔

نماز کے فرض ہونے میں ایک اور نظریہ:

گذشتہ بحث کے علاوہ یہاں بعض ایسی روایات ملتی ہیں جن میں آیا ہے کہ نماز شروع میں ہی کامل فرض ہوئی تھی یا پھر یہ کہ کم از کم مکہ میں نماز کامل تھی۔ ان میں سے بعض روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

1_ سب سے پہلی نماز جسے رسول اسلام (ص) نے ادا فرمایا وہ نماز ظہر تھی۔ جبرائیل (ع) تشریف لائے اور فرمایا "انا لنحن الصافون" "و انا لنحن المسبحون" (1) بے شک ہم بارگاہ ایزدی میں صف بستہ ہیں، اور بے شک ہم ہی اسکی تسبیح بجالانے والے ہیں۔ اسکے بعد جبرائیل (ع) آنحضور (ص) کے سامنے کھڑے ہو گئے، اس کے پیچھے آنحضرت (ص) کھڑے ہوئے اور آپ

(ص) کے پیچھے سب مرد اور پھر ان کے پیچھے خواتین کھڑی ہو گئیں پس سب نے چار رکعت نماز ظہر ادا کی پھر جب نماز عصر کا وقت آیا تو جبرائیل (ع) کھڑے ہوئے اور پہلے کی طرح یہ عمل انجام دیا۔ اسکے بعد روایت نماز مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی چار رکعت کا ذکر کرتی ہے (2)

_165/

صافات

(1)

(2) المصنف حافظ عبدالرزاق ج / 1 ص 453 ، سنن بیہقی ج/1 ص 262 ، از ابی داؤد فی مراسیلہ ، درمنثور ج/ 5 ص 293 _

159

البتہ یہ بات واضح ہے کہ سورة الصافات مکی ہے پس روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز مکہ میں ہی کامل طور پر فرض ہوئی تھی۔
 2 _ نافع بن جبیر و غیرہ سے روایت ہے کہ شب معراج ، صبح تک جبرائیل (ع) آنحضرت (ص) کے پاس رہے حتی کہ زوال کا وقت بھی ہو گیا ... پھر روایت ذکر کرتی ہے کہ جبرائیل (ع) نے آپ (ص) اور دیگر افراد کے ہمراہ نماز ظہر چار رکعت ادا کی اور پھر اسی طرح نماز عصر بھی ادا کی ...
 (1)_

3_ حسن بصری روایت کرتے ہیں نماز حضر (غیر سفر کی نماز) شروع سے ہی چار رکعت فرض ہوئی (2)۔ لیکن شیعوں اور سنیوں کے ہاں ایسی بہت ساری صحیح اور قطعی روایات کی موجودگی میں (جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ غیر سفر کی نماز شروع میں دو رکعت فرض ہوئیں اور بعد میں ان میں اضافہ ہوا) ہم ان مذکورہ روایات کو قبول نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان روایات کا مطلب یہ ہو کہ نماز تو شروع میں ہی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس کامل آئی لیکن مصلحتاً پہلے دو رکعت فرض کی گئی پھر ساری فرض کی گئی اور مذکورہ امر آنحضور (ص) کے سپرد کر دیا گیا کہ مناسب وقت پر اس کی تبلیغ فرمادیں۔ اسی لئے پہلی دو رکعتوں کو فریضہ کہا جاتا ہے یعنی یہ فریضہ اللہ کی جانب سے بندے پر براہ راست تھا اور باقی رکعتوں کو سنت کہا جاتا ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ذمے تھا کہ موزوں موقع پر اس حکم کو پہنچادیں۔ اور اسے ہی مصلحت اقتضائی کہتے ہیں۔

زکوٰۃ کا فریضہ:

کہتے ہیں کہ اموال کی زکوٰۃ جنگ بدر کے بعد دوسری ہجری میں فرض ہوئی اور یہ حکم زکوٰۃ فطرہ کے

1) مصنف الحافظ عبدالرزاق ج/ 1 ص 455 اور اس کے ذیل میں ابی داؤد کا حاشیہ _

2) البداية والنهاية ج/ 3 ص 331 ، تفسیر طبری سورة النساء آیت 101_

160

وجوب کے بعد آیا _ ایک اور رائے کے مطابق زکوٰۃ تیسری ہجری میں فرض ہوئی اور ایک قول چوتھی ہجری کا بھی ہے (1)_

لیکن یہ درست نہیں _ صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی _ بعض اسی کے قائل بھی ہیں (2) اسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں _

1_ قرآن حکیم کی کئی مکی آیات میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم آیا ہے جن میں سے بعض آیات مندرجہ ذیل ہیں _

(فساکتبہا للذین یتقون و یؤتون الزکاة)

(اعراف 156)

پس میں عنقریب جنت ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو صاحبان تقویٰ اور

زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں _ (یہ سورہ مکی ہے)

(والذین ہم للزکاة فاعلون) (المؤمنون 4)

اور (کامیاب مومن وہی ہیں) جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں _ (یہ سورہ مکی

ہے)

(الذین یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکاۃ)

(النحل 3، لقمان 4)

وہ لوگ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (یہ دونوں سورتیں مکی میں)

(الذین لا یؤتون الزکاۃ و ہم بالآخرۃ ہم کافرون)

(فصلت 7)

وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ (یہ سورہ مکی

ہے)

(1) تاریخ الخمیس ج/ 1 ص 407، سیرہ حلبیہ ج 1 ص 339 و دیگر کتب۔

(2) وفاء الوفاء ج/ 1 ص 277۔

161

اسی طرح سورہ الروم _ 39 بھی ملاحظہ فرمائیں جو مکی ہے۔

خداوند عالم جناب اسحاق (ع) ، یعقوب (ع) ، لوط (ع) اور حضرت ابراہیم

علیہم السلام کے متعلق فرماتا ہے:

(و اوحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلاة و ایتاء الزکاۃ

(انبیاء 73)

اور ہم نے ان پر وحی نازل کی کہ اچھے کام کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

اسی طرح خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے:

(' و اوصانی بالصلاة و الزكاة مادمت حياً) (مریم 31)

اور مجھے مرتے دم تک نماز اور زکات کی ادائیگی کا حکم ملا ہے۔

نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

(' و كان يامر ابله بالصلاة و الزكاة) (مریم 55)

وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکات کی ادائیگی کا حکم دیا کرتے تھے۔

یہ تمام مذکورہ آیات مکی سورتوں کی ہیں۔ اور ان آخری آیتوں میں تو سابقہ

امتوں میں زکات کے فرض ہونے کی بات ہوئی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں

کہ زکات کا حکم منسوخ نہیں ہوا (جس کا مطلب یہ ہے کہ زکات نہ صرف

مدینہ کی بجائے مکہ میں فرض ہوئی بلکہ پہلے سے ہی فرض تھی)۔

2_ حضرت ابوطالب (ع) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے متعلق

فرمایا: " اسے اللہ نے صلہ رحمی، نماز قائم کرنے اور ادائیگی زکوٰۃ کے

حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے" (1)۔

3_ جریر بن عبداللہ بجلي روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم (ص) مبعوث

ہوئے۔ میں آپ (ص) کی خدمت میں قبول اسلام اور بیعت کرنے کے لئے

پہنچا تو آپ (ص) نے استفسار فرمایا: " جریر تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"۔

میں نے عرض کیا:

"میں آپ(ص) کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرنے آیا ہوں" _پس آپ(ص) نے مجھے حکم دیا کہ لا الہ الا اللہ اور میری رسالت کی گواہی دو، واجب نماز قائم کرو، اسی طرح فرض زکوٰۃ بھی ادا کرو (1)_

4_ جناب ثقة الاسلام کلینی نے علی بن ابراہیم سے، انہوں اپنے والد سے، انہوں حماد سے، انہوں حریر سے، انہوں محمد بن مسلم اور ابوبصیر، برید اور فضیل سے، ان سب نے حضرت امام باقر اور حضرت امام صادق علیہما السلام سے روایت کی ہے _ امام (ع) نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ بھی نماز کے ساتھ فرض کی ہے" (2) اور جیسا کہ ملاحظہ فرما رہے ہیں اس روایت کی سند بھی بہت عمدہ ہے _

5_ اس نظریئے ی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے سامنے زکوٰۃ کا ذکر بھی ان چیزوں میں فرمایا جن کے متعلق انہیں اللہ نے حکم دیا ہے (3)_

ماسبق سے متعارض روایت

گذشتہ مطالب سے بظاہر اختلاف اور تضاد رکھنے والی ایک صحیح السند روایت بھی ہے جو یہ کہتی ہے کہ جب سورہ توبہ میں مذکور زکاة کی آیت نازل ہوئی (جبکہ یہ سورت مدنی اور نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے) تو اس کے نزول کے بعد آنحضرت(ص) نے اپنے ایک منادی کو فرمایا تو اس نے لوگوں میں یہ اعلان کیا "اللہ نے تم پر زکاة فرض فرمائی ہے"۔ اس کے ایک سال بعد دوبارہ ڈھنڈھو رچی سے فرمایا تو اس نے مسلمانوں میں اعلان کیا "اے مسلمانو اپنے اموال کی زکاة دو تا کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں" راوی کہتا ہے کہ اس اعلان کے بعد آپ(ص) نے مختلف علاقوں میں زکات اور صدقہ اکٹھا کرنے والے عامل (ایجنٹ) بھیجے (4)۔

1) تدریب الراوی ج/2 ص 212 از الطبرانی در الاوسط، الاصابہ ج/1 ص 232 میں حدیث کے پہلے حصے کا ذکر کیا گیا ہے۔

2) الوسائل ج/4 ص 5 ، فروع الکافی ج/3 ص 498۔

3) الثقات لابن حبان ج/1 ص 65 ، حلیۃ الاولیاء ج/1 ص 114 ، 116 ، 117 ، 118 ، 119 ، 120 ، 121 ، 122 ، 123 ، 124 ، 125 ، 126 ، 127 ، 128 ، 129 ، 130 ، 131 ، 132 ، 133 ، 134 ، 135 ، 136 ، 137 ، 138 ، 139 ، 140 ، 141 ، 142 ، 143 ، 144 ، 145 ، 146 ، 147 ، 148 ، 149 ، 150 ، 151 ، 152 ، 153 ، 154 ، 155 ، 156 ، 157 ، 158 ، 159 ، 160 ، 161 ، 162 ، 163 ، 164 ، 165 ، 166 ، 167 ، 168 ، 169 ، 170 ، 171 ، 172 ، 173 ، 174 ، 175 ، 176 ، 177 ، 178 ، 179 ، 180 ، 181 ، 182 ، 183 ، 184 ، 185 ، 186 ، 187 ، 188 ، 189 ، 190 ، 191 ، 192 ، 193 ، 194 ، 195 ، 196 ، 197 ، 198 ، 199 ، 200 ، 201 ، 202 ، 203 ، 204 ، 205 ، 206 ، 207 ، 208 ، 209 ، 210 ، 211 ، 212 ، 213 ، 214 ، 215 ، 216 ، 217 ، 218 ، 219 ، 220 ، 221 ، 222 ، 223 ، 224 ، 225 ، 226 ، 227 ، 228 ، 229 ، 230 ، 231 ، 232 ، 233 ، 234 ، 235 ، 236 ، 237 ، 238 ، 239 ، 240 ، 241 ، 242 ، 243 ، 244 ، 245 ، 246 ، 247 ، 248 ، 249 ، 250 ، 251 ، 252 ، 253 ، 254 ، 255 ، 256 ، 257 ، 258 ، 259 ، 260 ، 261 ، 262 ، 263 ، 264 ، 265 ، 266 ، 267 ، 268 ، 269 ، 270 ، 271 ، 272 ، 273 ، 274 ، 275 ، 276 ، 277 ، 278 ، 279 ، 280 ، 281 ، 282 ، 283 ، 284 ، 285 ، 286 ، 287 ، 288 ، 289 ، 290 ، 291 ، 292 ، 293 ، 294 ، 295 ، 296 ، 297 ، 298 ، 299 ، 300 ، 301 ، 302 ، 303 ، 304 ، 305 ، 306 ، 307 ، 308 ، 309 ، 310 ، 311 ، 312 ، 313 ، 314 ، 315 ، 316 ، 317 ، 318 ، 319 ، 320 ، 321 ، 322 ، 323 ، 324 ، 325 ، 326 ، 327 ، 328 ، 329 ، 330 ، 331 ، 332 ، 333 ، 334 ، 335 ، 336 ، 337 ، 338 ، 339 ، 340 ، 341 ، 342 ، 343 ، 344 ، 345 ، 346 ، 347 ، 348 ، 349 ، 350 ، 351 ، 352 ، 353 ، 354 ، 355 ، 356 ، 357 ، 358 ، 359 ، 360 ، 361 ، 362 ، 363 ، 364 ، 365 ، 366 ، 367 ، 368 ، 369 ، 370 ، 371 ، 372 ، 373 ، 374 ، 375 ، 376 ، 377 ، 378 ، 379 ، 380 ، 381 ، 382 ، 383 ، 384 ، 385 ، 386 ، 387 ، 388 ، 389 ، 390 ، 391 ، 392 ، 393 ، 394 ، 395 ، 396 ، 397 ، 398 ، 399 ، 400 ، 401 ، 402 ، 403 ، 404 ، 405 ، 406 ، 407 ، 408 ، 409 ، 410 ، 411 ، 412 ، 413 ، 414 ، 415 ، 416 ، 417 ، 418 ، 419 ، 420 ، 421 ، 422 ، 423 ، 424 ، 425 ، 426 ، 427 ، 428 ، 429 ، 430 ، 431 ، 432 ، 433 ، 434 ، 435 ، 436 ، 437 ، 438 ، 439 ، 440 ، 441 ، 442 ، 443 ، 444 ، 445 ، 446 ، 447 ، 448 ، 449 ، 450 ، 451 ، 452 ، 453 ، 454 ، 455 ، 456 ، 457 ، 458 ، 459 ، 460 ، 461 ، 462 ، 463 ، 464 ، 465 ، 466 ، 467 ، 468 ، 469 ، 470 ، 471 ، 472 ، 473 ، 474 ، 475 ، 476 ، 477 ، 478 ، 479 ، 480 ، 481 ، 482 ، 483 ، 484 ، 485 ، 486 ، 487 ، 488 ، 489 ، 490 ، 491 ، 492 ، 493 ، 494 ، 495 ، 496 ، 497 ، 498 ، 499 ، 500 ، 501 ، 502 ، 503 ، 504 ، 505 ، 506 ، 507 ، 508 ، 509 ، 510 ، 511 ، 512 ، 513 ، 514 ، 515 ، 516 ، 517 ، 518 ، 519 ، 520 ، 521 ، 522 ، 523 ، 524 ، 525 ، 526 ، 527 ، 528 ، 529 ، 530 ، 531 ، 532 ، 533 ، 534 ، 535 ، 536 ، 537 ، 538 ، 539 ، 540 ، 541 ، 542 ، 543 ، 544 ، 545 ، 546 ، 547 ، 548 ، 549 ، 550 ، 551 ، 552 ، 553 ، 554 ، 555 ، 556 ، 557 ، 558 ، 559 ، 560 ، 561 ، 562 ، 563 ، 564 ، 565 ، 566 ، 567 ، 568 ، 569 ، 570 ، 571 ، 572 ، 573 ، 574 ، 575 ، 576 ، 577 ، 578 ، 579 ، 580 ، 581 ، 582 ، 583 ، 584 ، 585 ، 586 ، 587 ، 588 ، 589 ، 590 ، 591 ، 592 ، 593 ، 594 ، 595 ، 596 ، 597 ، 598 ، 599 ، 600 ، 601 ، 602 ، 603 ، 604 ، 605 ، 606 ، 607 ، 608 ، 609 ، 610 ، 611 ، 612 ، 613 ، 614 ، 615 ، 616 ، 617 ، 618 ، 619 ، 620 ، 621 ، 622 ، 623 ، 624 ، 625 ، 626 ، 627 ، 628 ، 629 ، 630 ، 631 ، 632 ، 633 ، 634 ، 635 ، 636 ، 637 ، 638 ، 639 ، 640 ، 641 ، 642 ، 643 ، 644 ، 645 ، 646 ، 647 ، 648 ، 649 ، 650 ، 651 ، 652 ، 653 ، 654 ، 655 ، 656 ، 657 ، 658 ، 659 ، 660 ، 661 ، 662 ، 663 ، 664 ، 665 ، 666 ، 667 ، 668 ، 669 ، 670 ، 671 ، 672 ، 673 ، 674 ، 675 ، 676 ، 677 ، 678 ، 679 ، 680 ، 681 ، 682 ، 683 ، 684 ، 685 ، 686 ، 687 ، 688 ، 689 ، 690 ، 691 ، 692 ، 693 ، 694 ، 695 ، 696 ، 697 ، 698 ، 699 ، 700 ، 701 ، 702 ، 703 ، 704 ، 705 ، 706 ، 707 ، 708 ، 709 ، 710 ، 711 ، 712 ، 713 ، 714 ، 715 ، 716 ، 717 ، 718 ، 719 ، 720 ، 721 ، 722 ، 723 ، 724 ، 725 ، 726 ، 727 ، 728 ، 729 ، 730 ، 731 ، 732 ، 733 ، 734 ، 735 ، 736 ، 737 ، 738 ، 739 ، 740 ، 741 ، 742 ، 743 ، 744 ، 745 ، 746 ، 747 ، 748 ، 749 ، 750 ، 751 ، 752 ، 753 ، 754 ، 755 ، 756 ، 757 ، 758 ، 759 ، 760 ، 761 ، 762 ، 763 ، 764 ، 765 ، 766 ، 767 ، 768 ، 769 ، 770 ، 771 ، 772 ، 773 ، 774 ، 775 ، 776 ، 777 ، 778 ، 779 ، 780 ، 781 ، 782 ، 783 ، 784 ، 785 ، 786 ، 787 ، 788 ، 789 ، 790 ، 791 ، 792 ، 793 ، 794 ، 795 ، 796 ، 797 ، 798 ، 799 ، 800 ، 801 ، 802 ، 803 ، 804 ، 805 ، 806 ، 807 ، 808 ، 809 ، 810 ، 811 ، 812 ، 813 ، 814 ، 815 ، 816 ، 817 ، 818 ، 819 ، 820 ، 821 ، 822 ، 823 ، 824 ، 825 ، 826 ، 827 ، 828 ، 829 ، 830 ، 831 ، 832 ، 833 ، 834 ، 835 ، 836 ، 837 ، 838 ، 839 ، 840 ، 841 ، 842 ، 843 ، 844 ، 845 ، 846 ، 847 ، 848 ، 849 ، 850 ، 851 ، 852 ، 853 ، 854 ، 855 ، 856 ، 857 ، 858 ، 859 ، 860 ، 861 ، 862 ، 863 ، 864 ، 865 ، 866 ، 867 ، 868 ، 869 ، 870 ، 871 ، 872 ، 873 ، 874 ، 875 ، 876 ، 877 ، 878 ، 879 ، 880 ، 881 ، 882 ، 883 ، 884 ، 885 ، 886 ، 887 ، 888 ، 889 ، 890 ، 891 ، 892 ، 893 ، 894 ، 895 ، 896 ، 897 ، 898 ، 899 ، 900 ، 901 ، 902 ، 903 ، 904 ، 905 ، 906 ، 907 ، 908 ، 909 ، 910 ، 911 ، 912 ، 913 ، 914 ، 915 ، 916 ، 917 ، 918 ، 919 ، 920 ، 921 ، 922 ، 923 ، 924 ، 925 ، 926 ، 927 ، 928 ، 929 ، 930 ، 931 ، 932 ، 933 ، 934 ، 935 ، 936 ، 937 ، 938 ، 939 ، 940 ، 941 ، 942 ، 943 ، 944 ، 945 ، 946 ، 947 ، 948 ، 949 ، 950 ، 951 ، 952 ، 953 ، 954 ، 955 ، 956 ، 957 ، 958 ، 959 ، 960 ، 961 ، 962 ، 963 ، 964 ، 965 ، 966 ، 967 ، 968 ، 969 ، 970 ، 971 ، 972 ، 973 ، 974 ، 975 ، 976 ، 977 ، 978 ، 979 ، 980 ، 981 ، 982 ، 983 ، 984 ، 985 ، 986 ، 987 ، 988 ، 989 ، 990 ، 991 ، 992 ، 993 ، 994 ، 995 ، 996 ، 997 ، 998 ، 999 ، 1000

الخمس ج/1 ص 290 ، سنن بیہقی ج/9 ص 144 ، سیرۃ ابن ہشام ج/1 ص 360 ، مجمع الزوائد ج/6 ص 27 و 24 از طبرانی اور

احمد اس کی سند کے تمام افراد صحیح بخاری کے افراد ہیں حیاة الصحابة ج/1 ص 354 و 357 از گذشتہ بعض منابع و فتح الباری

ج/7 ص 30 اور اس نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے ۔

4) الکافی ج/3 ص 497 ، تفسیر البرہان ج/2 ص 156۔

لیکن یہ روایت ان دسیوں آیات سے متضاد ہے جو زکاة کے فرض ہونے کے بارے میں سورہ توبہ سے قبل نازل ہوئیں ان کی تعداد تقریباً تیس تک جا پہنچتی ہے اور وہ سب کی سب زکات کے فرض ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سب سے استحباب کا معنی لینا یا زکوٰۃ فطرہ مراد لینا واقعاً بعید ہے۔ بنا براین اس روایت کو اس مفہوم پر محمول کریں گے کہ اگرچہ زکوٰۃ اس آیت کے نزول سے پہلے فرض ہوئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اس آیت کے نزول کے بعد اس کی ادائیگی اور حصول کے متعلق سخت گیری کی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زکات کے وجوب کا حکم تو مکہ میں آیا لیکن اس کے حصول کے فریضہ اور ادائیگی کے لزوم کا حکم مدینہ میں اس آیت کے نزول سے آیا۔

زکات فطرہ کا فرض ہونا

چونکہ زکات فطرہ ، زکوٰۃ اموال سے پہلے فرض ہوئی پس یہ بھی مکہ میں فرض ہوئی۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1 _ گزشتہ روایت

2_ " سفر السعادة" کی روایت، جس میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) ایک منادی

کو مکہ کے گلی، کوچے، محلے اور بازاروں میں اس اعلان کے لئے بھیجا

کرتے تھے کہ صدقہ فطرہ (زکوٰۃ فطرہ) ہر مسلمان مرد و خاتون پر واجب ہے (1) البتہ ہم اس وقت کے حالات اور مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان بہت زیادہ کشیدگی کے سبب اس عمل کو بعید سمجھتے ہیں۔

روزے کا فرض ہونا:

کہتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان کے روزے مدینہ میں دوسری ہجری میناس وقت فرض ہوئے (2) جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔

_136

ص

ج/2

الحلیہ

(1) السیرة

(2) البداية والنهاية ج/3 ص 254_

164

(کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ... شهر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس و بینات من الہدی و الفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمہ) (بقرة 183 تا 185)

جناب قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے بھی لوگ کچھ ایام روزے رکھتے تھے (1) حلبی کہتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے آنحضرت (ص) اور

آپ(ص) کے صحابہ ہر مہینے میں ایام البیض (13، 14، 15 تاریخ) کے تینوں دن کے روزے رکھا کرتے تھے (2)۔ روزوں کے مکہ میں فرض ہونے کی دلیل حضرت جعفر بن ابی طالب کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ کی۔ اس میں انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزوں کا حکم دیا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض افراد نے اس حدیث پر ایک نوٹ لکھا ہے کہ میرے گمان میں حضرت جعفر بن ابی طالب(ع) اور بادشاہ حبشہ کا قصہ گھڑا گیا ہے کیونکہ اس میں روزوں کا ذکر ہے جو ہجرت حبشہ کے بعد فرض ہوئے(3)۔ لیکن ان کی یہ بات قابل قبول نہیں کیونکہ حضرت جعفر بن ابی طالب کا کلام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ روزے مکہ میں فرض ہوئے۔ یہاں ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ خود جناب جعفر کا کلام اس بات کی دلیل کیوں نہیں بن سکتا کہ روزے مکہ میں واجب ہوئے؟ جبکہ جناب قمی اور حلبی کا قول بھی ذکر ہوچکا ہے۔ البتہ ہوسکتا ہے یہاں کی مراد ماہ مبارک رمضان کے روزے ہونے اس صورت میں قمی اور حلبی کے مذکورہ قول سے ان کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

1) تفسیر القمی ج/ 1 ص 65_

2) فجر الاسلام ص 76_

3) السیرة الحلبیہ ج/ 2 ص 132 و 136 تفسیر ابن کثیر ج/ 1 ص 213 و 214_

165

لیکن مکہ میں ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے کی ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ جب عمرو بن مرة الجہنی نے اسلام قبول کیا تو حضور (ص) نے اسے تبلیغ کے لئے اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: " میں اللہ کے رسول (ص) کی جانب سے تمہاری طرف نمائندہ بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تمہیں جنت کی طرف دعوت دیتا ہوں، جہنم کی آگ سے تمہیں ڈراتا ہوں، تمہیں خون کی حفاظت، صلہ رحمی، اللہ کی عبادت، بتوں کو چھوڑنے، بیت اللہ کے حج اور ماہ رمضان المبارک جو بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ ہے، اس کے روزوں کا حکم دیتا ہوں پس جو اسے قبول کرے گا اس کے لئے جنت ہے"۔ اور یہ واقعہ بعثت کے ابتدائی ایام کا ہے (1)۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی روزے فرض تھے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے۔ (کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ... ایاماً معدودات ...)

یہاں ایاماً معدودات سے مراد ماہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ آیت خود ہی

بیان فرما رہی ہے۔

روز عاشور کا روزہ :

یہاں مؤرخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اسلام (ص) جب مدینے مینتشریف لائے تو ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے آپ (ص) نے مشاہدہ کیا کہ مدینے کے یہودی روز عاشور کا روزہ رکھتے ہیں یعنی ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے (2)۔ آپ (ص) نے ان سے اس کی بابت پوچھا تو انہوں نے (صحیحین اور دیگر کتابوں کے مطابق) جواب دیا: " یہ

1) البدایة والنہایة ج/2 ص252 از ابو نعیم، مجمع الزوائد ج/8 ص244 از طبرانی ، حیاة الصحابہ ج/1 ص191، کنز العمال ج/7 ص64 از

رویاتی اور ابن عساکر

2) اسد الغابہ ج/5 ص507 _

166

دن بڑا عظیم دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (ع) اور ان کی قوم کو نجات بخشی نیز فرعون اور اسکی قوم کو غرق کیا " تو آپ (ص) نے فرمایا: " میں موسیٰ (ع) سے بہتر ہوں تم سے زیادہ روزے کا حقدار ہوں "

پس آپ (ص) نے بھی اس دن روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا (1)۔

نیز صحیحین اور دیگر کتابوں میں حضرت عائشہ اور دیگر افراد سے روایت ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشور کے دن روزہ رکھتے تھے اور آنحضرت (ص) بھی اس روز روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ (ص) نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس دن خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا۔ جب ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ (ص) نے فرمایا: "جو چاہے اس (عاشور کے) دن روزہ رکھے اور جو چاہے ترک کر دے اسے اختیار ہے" (2)۔

مسلم و غیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اپنی رحلت کے صرف ایک سال پہلے روز عاشور کو روزہ رکھا تھا (3)۔

ان روایات کا جھوٹ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ سب خیال بافیاں ہے۔ کیونکہ:

1۔ ان روایات کی اسناد مشکوک اور قابل اعتراض ہیں۔ خصوصاً ان روایات کے اکثر راوی مشکوک، قابل اعتراض اور متہم ہیں۔ ان میں ابو موسیٰ اشعری جیسے کئی ایسے بھی ہیں جو ہجرت کے کئی سال بعد مدینہ آئے نیز ابن زبیر جیسے کئی ایسے بھی ہیں جو ہجرت کے موقع پر بچے تھے۔ پس وہ اس سے پہلے کے حالات کی گواہی

1)المصنف ج/4 ص 289 و 290 ، البخاری مطبوعہ المیمیة ج/ 1 ص 244 ، صحیح مسلم مطبوعہ صبیح در مصر ج/3 ص150،السیرة الحلبیہ ج/2ص 132 ، 133، تاریخ الخمیس ج/1 ص 360،البداية والنہایة ج/1ص274 و ج/ 3 ص 355 ، تفسیر ابن کثیر ج/1 سورة بقرہ میں ماہ رمضان کے روزوں والی آیات، مشکل الآثار ج/3 ص 85 ،90 و زاد المعاد ج 1 ص 164 و 165_

2)گذشتہ حوالہ جات ،نیز الموطا ج /1 ص279 ، البخاری طبع مشکول ج/5 ص 51 ، مشکل الآثار ج/3 ص 86 و 87 و زاد المعاد ج 1 ص 164 و 165_

3) صحیح مسلم ج/ 3 ص 151_

167

کیسے دے سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ ان روایات میں معاویہ جیسے کئی ایسے بھی ہیں جو ہجرت کے چند سال بعد فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔

2_ ان روایات میں تناقض پایا جاتا ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مثلاً:

ایک روایت یہ کہتی ہے کہ آپ (ص) مدینہ میں یہودیوں کی پیروی میں عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے اور خود آپ(ص) کو اس بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ آپ(ص) اور اسی طرح مشرکین بھی زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے۔ تیسری روایت یہ کہتی ہے کہ جب ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ(ص) نے روز عاشورا کا

روزہ ترک فرمایا _ ایک اور روایت یہ کہتی ہے کہ جب آپ (ص) نے روزہ رکھا تو آپ (ص) سے کہا گیا کہ یہودیوں کے نزدیک یہ دن بڑا باعظمت ہے اسکے بعد آپ (ص) نے عہد کیا کہ آئندہ سال 9 محرم کو روزہ رکھیں گے لیکن اس سے پہلے آپ (ص) کی رحلت ہوگئی (1) اور فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے معاویہ کی روایت کہتی ہے کہ آپ (ص) نے اپنے اصحاب کو اس دن کے روزے کا حکم نہیں دیا تھا _ بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ خدانے اس دن کے روزے کو تم پر فرض نہیں کیا لیکن میں روزہ دار ہوں اس لئے تم میں سے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے کھائے پئے۔ روایات میں ان اختلافات کے علاوہ اور بھی اختلافات اور مسائل ہیں جو دقت و تحقیق سے ظاہر ہوسکتے ہیں ان میں سے بعض کو ابن قیم نے بھی ذکر کیا ہے (2) _ مذکورہ بالا اختلافات سے اگر ہم چشم پوشی کرلیں تو بھی مندرجہ ذیل پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔

الف: سب سے پہلی روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم (ص) اپنے برادر حضرت موسیٰ (ع) کی سنت و سیرت سے آگاہ نہ تھے جبکہ یہ امر آپ (ص) نے یہودیوں سے سیکھا اور پھر انہی ہی کی پیروی کی _ ان کے نزدیک تو شاید اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس میں کوئی مضائقہ ہے کیونکہ () نعوذباللہ و نستغفر اللہ من

168

ذلك) یہی لوگ روایت کرتے ہیں کہ جن امور میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی ان میں آپ(ص) اہل کتاب کی موافقت اور پیروی کرنا پسند فرماتے تھے (1) _ لیکن پھر بعض مقامات پر آپ(ص) کے متعلق ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں جو آپ(ص) کے اس عمل کے بالکل برخلاف ہیں _ ان روایات کے نتیجے میں تو ان لوگوں کے نزدیک خود آنحضرت (ص) کی ذات گرامی میں ہمیشہ تناقض عمل پایا جاتا رہا یہاں تک کہ اس مقام میں بھی _ وہ اس طرح کہ یہاں تو یہودیوں کی پیروی فرماتے ہیں لیکن اذان کے مسئلے میں یہودیوں کی طرح بگل بجانے اور عیسائیوں کی طرح ناقوس بجانے کی مخالفت فرماتے ہیں نیز حائضہ عورت کے مسئلے میں بھی ان کی مخالفت فرماتے ہیں _

حالانکہ آپ (ص) دوسروں کو یہود و نصاریٰ کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے سے منع اور اسلام میں انکی اتباع کی مخالفت فرماتے ہیں(2) _ بلکہ آپ (ص) کی یہ مخالفت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ یہودی کہنے لگے تھے : " یہ شخص چاہتا کیا ہے ؟ یہ تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے " (3) ابن الحاج

کہتا ہے: " آپ (ص) تمام امور میں اہل کتاب کی مخالفت فرماتے تھے اور ان کی موافقت ناپسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ یہودی پکار اٹھے کہ محمد(ص) تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے" (4)۔
 ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ " جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے شمار ہوتا ہے" (5)۔
 ب: محرم کے دسویں دن پر عاشورا کا اطلاق حضرت امام حسین (ع) ، آپ (ع) کے اہل بیت (ع) اور اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شہادت کے بعد ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور آپ (ع) کے شیعوں کی جانب سے آپ (ع) کی مجالس عزا کے پیا کرنے پر ہوا۔

1) صحیح البخاری مطبوعہ المیمیة ج / 4 ص 67 باب فرق الشعر فی اللباس، السیرة الحلبيہ ج / 2 ص 132 و زاد المعاد ج 1 ص 165۔

2) اس سلسلے میں اہل سنت کی بنیادی اہم کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ نیز مفتاح کنوز السنہ از البخاری کتاب 60 و 77 باب

50 و 67 ، صحیح مسلم کتاب 3، حدیث 16 و کتاب 37 باب 8 ، الترمذی کتاب 44 حدیث 24، کتاب 22 باب 10 و کتاب 40 باب 7، النسائي

کتاب 3، 48 و 83 اسی طرح دیگر معروف و غیر معروف کتابوں کی ایک کثیر تعداد ہے نیز ملاحظہ ہو : مسند ابو یعلیٰ ج 10 ص 398،

399 و 366 نیز اس کے حاشیہ میں متعدد منابع۔

3) السیرة الحلبيہ ج / 2 ص 115 سنن ابو داؤد ج 2 ص 250 و مسند ابی عوانہ ج 1 ص 312۔

4) المدخل ابن الحاج ج 2 ص 48۔

لفظ عاشورا اس سے قبل بالکل غیر معروف تھا۔ اس بات کی اہل لغت نے بھی وضاحت کی ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں " یہ ایک اسلامی نام ہے " (1) ابن درید کا کہنا ہے " یہ ایسا اسلامی لفظ ہے جو زمانہ جاہلیت میں معروف نہ تھا " (2)۔ ج: یہودیوں کی شریعت میں کبھی بھی یوم عاشورا کا روزہ نہ تھا اور نہ ہی آج وہ یہ روزہ رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے ہاں اس دن کوئی عید یا کوئی اور مناسبت بھی نہیں ہے (3)۔ گذشتہ مطالب اور ان جعلی احادیث کا کذب ثابت ہونے کی روشنی میں اس بات کی گنجائش بالکل نہیں رہتی کہ آنحضور (ص) نے روز عاشورا کا روزہ اس لئے ترک کیا ہو کہ یہودی مسلمانوں کے بارے میں کینہ رکھتے تھے، جیسا کہ بعض کا گمان ہے (4)۔

روز عاشورا کے دیگر فضائل:

روز عاشورا کی فضیلت کے بارے میں بڑی ہی عجیب و غریب روایات ملتی ہیں۔ بلکہ اس کے فضائل محرم کی پہلی تاریخ سے ہی شروع ہوجاتے ہیں۔ اس بارے میں اتنے فضائل ملتے ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے والا آپے سے باہر ہوجائے گا اور پھولے نہینسمائے گا۔ مثلاً یہ کہ قطعی طور پر اس دن

سے افضل ترین کوئی دن نہیں یہاں تک کہ لیلة القدر بھی اس کی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتی _ اس دن ایسے اہم ترین واقعات رونما ہوئے جنہیں تاریخ بشریت کبھی فراموش یا اس سے جاہل نہیں کر سکتی _ یہاں تک کہ پیامبر اسلام (ص) کی ولادت و ہجرت بھی اس دن میں ذکر کئے گئے ہیں حالانکہ یہ بات متفقہ ہے کہ یہ دونوں واقعات ربیع الاول میں ہوئے (5) اس دن خدا نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر کے حضرت موسیٰ (ع) اور

-
-
- (1) نہایہ ابن اثیر ج 3 ص 240_
- (2) الجمہورۃ فی لغة العرب ج/4 ص 212_
- (3) مقالہ حسن السقاف _ مجلہ الہادی سال ہفتم شمارہ 2 ص 36_
- (4) الیہود فی القرآن ص 20 و 26_

(5) بعض فضائل کے بارے میں آپ رجوع کریں تاریخ الخمیس ج/1 ص 360 و 361 ، السیرة الحلبيّة ج / 2 ص 133 و 134 ، الآلی

المصنوعة ج/1 ص 108 ، 116 اور دیگر کتب_

170

اس کی قوم کو نجات دلائی تھی _ حضرت نوح (ع) کی کشتی پہاڑ کی چوٹی پر رکی اور حضرت آدم (ع) کی توبہ قبول ہوئی و غیرہ (1)_

یوم عزاء یا عیدکا دن ؟

ابوریحان البیرونی الآثار الباقیہ میں ، امام حسین (ع) کے متعلق روز عاشور کے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: " اس دن بنو امیہ نے نئے نئے لباس پہنے، زینت اور آرائشے کی، آنکھوں میں سرمے لگائے ، عید منائی ، ولیمے اور خوشیاں کیں، دعوتیں کیں، ایک دوسرے کو مٹھائیاں کھلائیں اور اچھی اچھی اشیاء ایک دوسرے کو کھلائیں اور خوشبو لگایا۔ یہ رسم ان کی حکومت کے زمانے سے عام سنی مسلمانوں میں جاری ہوئی جو ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد تک بھی جاری رہی۔ لیکن شیعہ سیدالشہداء حضرت امام حسین (علیہ الصلوٰۃ و السلام) کی شہادت کے غم میں نوحہ خوانی اور گریہ کرتے رہے ... " (2)۔

مقریزی کہتے ہیں: "مصر کے علویوں نے عاشور کے دن کو " یوم الحزن" قرار دیا اور اس دن بازار بند ہوتے تھے۔" اس کے بعد لکھتے ہیں " جب علویوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور بنی ایوب کی حکومت آئی تو انہوں نے روز عاشور کو خوشی اور سرور کا دن قرار دیا۔ اس دن وہ اپنے اہل و عیال پر کھلے دل سے خرچ کرتے، وسیع دستر خوان بچھاتے اور ہنسی مذاق کی محفلیں ہوتیں، نئے برتن استعمال کرتے، سرمے لگاتے، اہل شام کی طرح حمام جاتے اور ایک دوسرے پر پانی پھینکتے۔ یہ رسم عبدالملک بن مروان کی حکومت کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے شروع کی تھی تاکہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے شیعوں کو ذلیل کیا جائے کیونکہ یہ لوگ

حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام کی شہادت کی وجہ سے عاشور کو غم، عزا اور حزن کے دن کے طور پر مناتے تھے "۔ اس کے بعد مقریزی لکھتے ہیں کہ ہمیں بنی ایوب کے ایسے آثار بھی ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عاشورا کے دن کو خوشی، سرور اور عید کا دن قرار دیا تھا (3)۔

(1) ان کے بعض منابع تقریباً تین صفحات قبل ذکر ہو چکے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: عجائب المخلوقات بر حاشیہ حیاة الحیوان ج 1 ص

_114

(2) الکنی واللقاب ج/1 ص 431 نیز ملاحظہ ہو: الحضارة الاسلامیة فی القرن الرابع الهجرى ج 1 ص 137 از الاثار الباقیہ مطبوعہ یورپ ص 329، عجائب المخلوقات مطبوع بر حاشیہ حیاة الحیوان ج 1 ص 115 و نظم درر السمطین ص 230۔

(3) الخطط للمقریزی ج/1 ص 490۔ نیز ملاحظہ ہو: الحضارة الاسلامیة فی القرن الرابع الهجرى ج 1 ص 138۔

171

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی زیارت عاشورا میں آیا ہے: " پروردگارا یہ دن ایسا ہے جسے بنی امیہ اور ہندہ جگر خور کی اولاد نے با برکت (اور عید کا) دن جانا ہے " (1)۔ لیکن ان لوگوں نے جناب ابن عباس کی زبانی "معدکم یوم الزینة" کی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بھی گھڑی ہے

کہ زینت (عید) کے دن سے مراد عاشورا کا دن ہے (2)۔

جعلی احادیث:

حضرت امیر المؤمنین (ع) ، ان کی اولاد (ع) اور انکے ماننے والوں کے دشمنوں نے اپنی دنیا کے بدلے آخرت کو بیچنے والے کچھ ایسے افراد ڈھونڈ لئے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے نسبت دے کر روز عاشور کی فضیلت کے بارے میں بہت ساری احادیث گھڑیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دن زیب و زینت انجام دینا، خضاب لگانا، خوشی منانا، اپنے اہل و عیال پہ زیادہ خرچ کرنا، نئے کپڑے پہننا، روزہ رکھنا، مرغوب غذائیں پکانا، اچھے کھانے تیار کرنا، غسل کرنا، خوشبو لگانا اور سرمہ لگانا وغیرہ مستحب ہیں۔ لیکن یہ ساری باتیں اہل بیت (ع) سے بغض اور دشمنی کا مظہر ہیں (3)۔

تاہم وہ بات جو ان جھوٹی احادیث کو بے وقعت اور کم وزن کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام علماء اور ناقدین حتیٰ کہ ابن تیمیہ جیسے مذہب اہل بیت سے منحرفین اور منکرین نے بھی چند ایک احادیث کے سوا سب کو جھوٹی اور جعلی قرار دیا ہے (4)۔

لیکن ابھی تک رسنے و الا زخم اور نہ مٹنے والی ذلت تو یہ ہے کہ ایک طرف سے وافر مقدار میں دلائل،

- (1) مصابیح (مفاتیح) الجنان ص 291 _
(2) تاریخ واسط ص 78 _
(3) اللئالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ج/1 ص 108 _ 116 ، السیرة الحلبیة ج/2 ص 134، نوادر الاصول للحکیم الترمذی ص 246_ عجایب المخلوقات (مطبوعه بر حاشیه حیاة الحیوان) ج 1 ص 14 و 115 ، نظم درر السمطین ص 230، اقتضاء الصراط المستقیم ص 300 ، تذکرة الموضوعات ص 118 ، در منثور ج 4 ص 303 ، الحضارة الاسلامیة فی القرن الرابع الهجرى ج 1 ص 138 ، الصواعق المحرقة ص 182 و المدخل ابن الحاج ج 1 ص 289 _
(4) تذکرة الموضوعات للفتنی ص 118، اللئالی المصنوعة ج/1 ص 108_116، السیرة الحلبیة ج/2 ص 134 ، اقتضاء الصراط المستقیم ص 301 ، الصواعق المحرقة ص 181، ص 182 ، نظم درر السمطین ص 228_230 و المدخل ابن الحاج ج 1 ص 290 و ص 291 _

172

قرائن اور شواہد کے ہوتے ہوئے وہ یزید پر لعنت کی حرمت اور اس کی تکفیر کے عدم جواز کے فتوے دیتے ہیں (1) اور دوسری طرف سے وہ حضرت امام حسین (ع) کی مقتل کی روایتوں کے بیان (2) نیز عاشورا کے دن عزاداری اور سوگواری کی حرمت کے فتوے لگاتے ہیں (3) (و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون) (شعراء 227) اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کہاں پلٹائے جائیں گے۔ وہ ظالم جنہوں نے محمد و آل محمد علیہم السلام کے حقوق پر ظلم کیا اور ان

کے ایام غم میں خوشیاں منائیں وہ عنقریب اپنی ان زیادتیوں کا مزہ چکھ لیں گے۔

عاشوراکہ یاد مٹانے کے مختلف طریقے:

عاشورادشمنان اہل بیت (ع) کی نظروں میں نوك دار کانٹے کی صورت چبھتا رہا۔ لہذا انہوں نے اس انقلاب اور اس کی مقاومت کو روکنے کے لئے ہر حیلہ اور حربہ استعمال کیا۔ صرف یہی نہیں کہ انہوں نے عاشور کو عید کے طور پر منایا بلکہ دیگر امور بھی انجام دیئے ذشتہ بیانات کے علاوہ ہم مندرجہ ذیل نکات میں انکی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

1_ ابن عماد کہتے ہیں: " شیعہ لوگ صدیوں سے آج تک عاشورا میں رونے پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے نیز غدیر کے دن زیب و زینت کے ساتھ عید منانے کی گمراہی میں پڑے رہے جس کے مقابلہ میں متعصب سنیوں نے بھی اپنی بدعتیں ایجاد کر لیں " ... اسکے بعد ابن عماد کہتے ہیں: "عاشورا کے مقابلے میں عاشورا کے آٹھ دن بعد سنیوں نے یوم مصعب بن الزبیر منانا شروع کیا۔ اس دن "مسکن" میناسکی قبر کی زیارت اور گریہ کرتے ہیناور اسے امام حسین (ع) کی مثل قرار دیتے کیونکہ اس نے بھی صبر کیا اور جنگ کی یہاں تک کہ

1) ملاحظہ ہو : الصواعق المحرقة ص 221 ، احیاء علوم الدین ج 3 ص 125 ، العوالم من القواصم مع حاشیے و الاتحاف بحب الاشراف

ص 62 و 68 بلکہ بعض بے وقوف تو اسے اپنا رابنما ، امام اور رببر مانتے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسے معصوم ثابت کرنے

کی ناکام کوشش کرتے ہیں _

(2) الصواعق المحرقة ص 221 _

(3) اقتضاء الصراط المستقیم ص 299 _ 300 و نظم درالسمطین ص 228 _

173

قتل ہو گیا اور اس لئے بھی کہ اسکا والد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا

پھوپھی زاد تھا "... (1) _

افسوس صد افسوس کہ مصعب جیسے دنیاپرست ، جاہ طلب اور دشمن اہل

بیت (ع) کو سید الشهداء (ع) جیسی عظیم ہستی کی مثل بنا دیا گیا جو گلستان

پیامبر (ص) کا حسین اور خوشبو دار پھول ہے ، جنت کے جوانوں کا سردار

ہے ، امت کا امام ، طالب حق اور دین کا مددگار ہے _ وہ تو کبھی بھی ان کے

ہم پلہ نہیں ہو سکتا _

البتہ یہ سب کچھ معدن رسالت ، مراد آیت مودت یعنی اہل بیت (ع) نبوت کے

خلاف قدیم اور پوشیدہ کینے اور دشمنی کا نتیجہ تھا _ حالانکہ انہی شخصیات

کے متعلق خداوند عالم نے محبت و مودت کا حکم فرمایا ہے:

(قل لا اسالکم علیہ اجرأ الا المودة فی القربی ...)

2_ ابن کثیر نے 363 ھ کے واقعات لکھتے ہوئے کہا ہے: " لوگوں نے اس سال روز عاشور رافضیوں کی پیروی میں ایک بہت ہی بری بدعت شروع کی تو بغداد میں اہل سنت اور رافضیوں کے درمیان ایک بہت بڑا فتنہ بپا ہوا۔ دونوں فریق کم عقل یا بے عقل اور صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے تھے۔ ہوا یہ کہ اہل سنت میں سے کچھ افراد نے ایک خاتون کو اونٹ پر سوار کر کے اسے بی بی عائشہ کا نام دیانیز دو اور افراد سوار ہوئے جنہیں طلحہ اور زبیر کہا گیا۔ انہوں نے کہا ہم اصحاب علی (ع) سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ بس پھر کیا تھا فریقین کی ایک کثیر تعداد اسی ڈرامے میں قتل ہو گئی" (2) لیکن اس صاحب نے شیعوں کو اہل بیت (ع) اور ان کے پیرو کاروں کے دشمن یعنی ناصبیوں کے برابر قرار دے کر ان پر ظلم اور زیادتی کی ہے۔ کیونکہ شیعوں کا یہ فعل عین دین اور عین عقل ہے لیکن ان کے دشمنوں کا کام بے عقلی، بے دینی اور حماقت پر مبنی تھا۔

3_ قوت اور طاقت کا استعمال کیا گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ ہر سال لوگ محرم کا چاند کیسے دیکھتے تھے۔ ان سالناموں میں " اس روز (روز عاشور) رافضیوں اور اہل سنت کی ایک کثیر تعداد آپس میں

(1) شذرات الذهب ج/3 ص 130 از العبر، الامام الصادق (ع) والمذاهب الاربعہ ج/1 ص 95 ، بحوث مع اهل السنہ و السلفیہ ص 145 ،

(2) البدايه و النهايه ، ج 11 ص 275 ، الامام الصادق(ع) و المذابب الاربعه ، ج 1 ص 94، بحوث مع اهل السنة و السلفيه ص 144 و ص

_134

174

لڑتی تھی " اس سلسلے میں المنتظم ابن الجوزی اور دیگر کتب کی طرف

رجوع کریں (1)_

ان میں سب سے زیادہ دردناک اور شدیدترین واقعہ شاید "کرخ بغداد" کا ہے۔

جس میں شیعین اہل بیت (ع) کو گھیر کر ان کے گھروں کو آگ لگائی گئی اور

انکے ہزاروں مردوناور بچوں کو قتل کر دیا گیا (2)_

اس بارے میں چند دستاویزات کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "صراع الحرية في

عصر المفيد" (شيخ مفيد کے دور میں آزادی کی جنگ) میں کیا ہے۔

خواہشمند افراد وہاں مراجعہ فرمائیں۔

البتہ یہاں یہ ذکر کرتے چلیں کہ 437 ہجری میں بغداد میں روز عاشورا

شیعوں اور سنیوں کے درمیان ایک سخت جھگڑا ہوا لیکن آخر کار فریقین نے

اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہاں موجود یہودیوں کے گھروں کو لوٹ لیا جائے

اور ان کے گرجاؤں کو نذر آتش کر دیا جائے (3)

اور 442 ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں : " بغداد کے شیعوں اور سنیوں

نے آپس میں صلح کر لی اور سب کے سب حضرت امام علی (ع) اور حضرت

امام حسین (ع) کے روضہ ہائے اقدس کی زیارت کو گئے اور پھر کرخ میں سب نے صحابہ کے حق میں دعائے رحمت اور مغفرت کی " (4)۔ یہاں ہم انہی مطالب پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ یہاں اس سے زیادہ تحقیق و جستجو کی ضرورت اور گنجائش نہیں ہے۔

1) بحوث مع اہل السنۃ و السفلیہ ص 145_ شاید یہ سلسلہ امام زمانہ (عج) کے ظہور تک کبھی بھی رکنے میں نہ آئے ، روز عاشور عزا داروں کا قتل عام اب صرف جزیرہ نمائے عرب یا عراق تک محدود، نہیں ہے بلکہ پاکستان، ہندوستان ، ایران اور دیگر ممالک تک اس کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے۔ اور ذرائع بھی جدید ہو گئے ہیں۔ اس سے ایک بات کا علم ضرور ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے تمام تر مظالم کے باوجود شیعہ مذہب دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اس لئے مظالم کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اگر یہ مذہب مطابق عقل ہے تو اس پر خون خرابا کیسا؟ اور اگر بدعت ہے تو کیا اپنے مذہب کی بدعتیں ختم ہو گئی ہیں جو شیعوں کے در پے ہونے ہیں؟ اور اگر یزید اور اس کے اگلوں پچھلوں پر لعنت برداشت نہیں تو یہ کیسے مسلمان ہیں کہ شاتم رسول (ص) یہودیوں اور عیسائیوں کے تو جگری دوست ہیں لیکن قاتلان رسول(ص) و آل رسول(ص) پر لعنت کرنے والوں کے جانی دشمن؟ کیا یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شر مانیں یہود؟

2) البدایہ و النہایہ ، ج 11 ص 275

3) البدایہ و النہایہ ، ج 12 ص 54

4) البدایہ و النہایہ ، ج 21 ص 16_ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی یہودیوں یا ان کی ریشہ دوانیوں کا وجود رہا مسلمان

آپس میں لڑتے رہے اور ایک دوسرے کو کاٹتے رہے۔ اور جو نہی کسی خطے سے ان کا وجود ختم ہوا اور ان کے وجود سے وہ خطہ

پاک ہوا تو وہ خطہ امن و آشتی کا گہوارہ بن گیا۔ عراق کی تازہ ترین صورتحال اس کی گواہ ہے نیز ان لوگوں کا ایک مقولہ " لڑاؤ اور

الصحيح من سيرة النبي الاعظم (ص)

175

پانچویں فصل: اسلام میں جہاد کی اہمیت

177

اسلام ... اور تلوار

اسلام دشمن عیسائی مشنری اس بات کو بڑی اہمیت اور اہتمام کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ اسلام تلوار اور طاقت کا دین ہے۔ یہاں تک کہ بعض کتابوں میں انہوں نے ایسے کارٹون بنائے ہیں جن میں آنحضرت (ص) کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار ہے آپ (ص) لوگوں کے سروں پر کھڑے ہیں اور یہ عبارت تحریر ہے "قرآن پر ایمان لے آؤ ... ورنہ تلوار سے تمہاری گردنیں اڑا دوں گا" پس دشمن گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو اسلام " ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة" (1) کا دعویدار ہے وہ اپنے اس دعوے میں سچا نہیں ہے بلکہ وہ عملی طور پر تلوار سے اپنی تبلیغ کا دعویدار ہے۔ اس نظریئے ی تقویت میں خود مسلمانوں کی اس مقولے میں طبعی شك و

تردید نے بھی مدد کی ہے کہ "اسلام حضرت خدیجہ (ع) کے مال اور حضرت علی (ع) کی تلوار سے پھیلا" (2)۔ مسلمانوں نے اس جملے کے الفاظ پر تو توجہ کی لیکن اس کے مفہوم پر گہری دقت نہیں کی۔... بلکہ ایسا ہوا کہ بعض قدیم مورخین اور قصہ نویس حضرات نے بھی اس مفہوم کو اسلام سے خارج کرنے میں مدد کی۔ کتاب "فتوح الشام للواقدي" سے یہ مطلب بڑی حد تک واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جو اس طرح کے محیر العقول اور خارق العادہ کارناموں اور تباہ کن واقعات سے خالی ہو۔ یہ سب کچھ بعض پس پردہ اہداف کی خاطر تھا تا کہ عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے ساتھ ساتھ امویوں کی قدرت اور عظمت بیان کی جائے اموی حکومت کے منظور نظر افراد کے لئے خیالی بہادریاں ثابت کی جائیں اور اس ذریعہ سے

(1) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے دعوت دو۔ (النحل 125)

(2) مفکر اسلام شہید مطہری کا مقالہ مجلہ "جمہوری اسلامی" میں (10 جمادی الثانی 1410 ھ شمارہ 261۔)

حضرت علی (ع) کے موقف اور کارناموں کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی مقاصد تھے جن کے متعلق گفتگو کی

گنجائشے یہاں نہیں ہے _ ان بڑے بڑے سفید جھوٹوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ایک تباہ کن طوفانی موج (سونامی کی لہروں) اور قتل و غارت کا دین دکھائی دینے گا _ یہاں تک کہ خود اکثر مسلمانوں کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہو گیا جس کا جواب دینے کے لئے انہوں نے دائیں بائیں جانا شروع کر دیا _ ان مسلمانوں نے جواباً جو مناسب سمجھا اور جس راستے کو اپنی خواہشات کے مطابق دیکھا اختیار کر لیا _ اگرچہ یہ بات تاریخ سے مربوط ہے اور یہاں اس گفتگو کو طول دینے سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہم اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لئے سر راہے چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں _

1: اسلام اور دیگر ادیان میں جنگ کے خد و خال

جنگ بدر سے پہلے کے سرایا اور غزوات کی فصل میں اپنی افواج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نصیحتوں کا مختصر ذکر ہوگا _ انہیں دقت سے پڑھنے اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے _ مزید مطالعہ کے خواہش مند حضرات بحار الانوار اور کافی کے علاوہ حدیث اور تاریخ کی دیگر کتابوں کا بھی مطالعہ فرمائیں _ ساتھ ہی کتب حدیث اور تاریخ کا دقت سے مطالعہ کرتے وقت جنگی قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مثالی سلوک سے آگاہی بھی ضروری ہے _ ہم بھی جنگ بدر کی بحث میں انشاء اللہ اس موضوع پر روشنی ڈالیں گے _ اسی

طرح علامہ احمدی نے بھی اپنی کتاب "الاسیر فی الاسلام" میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں مندرجہ ذیل مطالب ملاحظہ فرمائیں۔

الف: انجیل میں لکھا ہے "یہ گمان بھی نہیں کرو کہ میں زمین پر امن پھیلانے آیا ہوں، میں زمین پر سلامتی پھیلانے نہیں بلکہ تلوار کے ساتھ جنگ کے لئے آیا ہوں" (1)

باء: تورات میں یوں تحریر کیا گیا ہے "جب تم جنگ کے لئے شہر کے قریب جاؤ گے تو وہاں کے لوگوں

(1) انجیل متی اصحاح (سورت) 20 سطر 34۔

179

سے صلح کی استدعا کرو۔ اگر انہوں نے مثبت جواب دیا تو وہ تیرے لئے فتح ہو جائے گا۔ پس وہاں موجود تمام افراد تیرے غلام ہوں گے۔ لیکن اگر انہوں نے صلح نہ کی اور جنگ ہی کی تو شہر کا محاصرہ کر لو اور جب تیرا رب، تیرا معبود تجھے فتح دے دے تو تمام مردوں کی گردنیں تلوار سے اڑا دے۔ لیکن خواتین، بچے اور حیوانات اور جو کچھ شہر میں ہے یہ سب کچھ مال غنیمت ہے جو صرف تیرے لئے ہے۔ دشمنوں کا مال غنیمت جو

تیرے رب اور معبود نے تجھے عطا کیا ہے کھالے ، استعمال کر۔ وہ تمام علاقے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور یہ علاقے ان اقوام کے نہیں ہیں ، ان میں بھی یہی اعمال انجام دے۔ لیکن وہ علاقے جو یہاں کی اقوام کے ہیں اور تیرے رب اور تیرے معبود نے تجھے عنایت کیے ہیں وہاں کا کوئی ذی روح بھی زندہ نہیں رہنا چاہئے" (1)۔

جیم: تورات ہی میں لکھا ہے "شہر والوں کو تلوار سے اڑاکے رکھ دو۔ شہر کو اس میں موجود تمام چیزوں سمیت جلا دو۔ اسکے ساتھ حیوانات و غیرہ جو کچھ بھی ہے سب کو تلوار سے نابود کر دو۔ تمام اشیاء کو اکٹھا کرو اور شہر کے چوک میں جمع کر کے انہیں شہر سمیت آگ لگا دو۔ اس سے وہ شہر ابد تک راکھ کا ٹیلہ بن جائے گا" (2)۔

یہاں مزید دستاویزات بھی ہیں جن کی تحقیق کا موقع و محل نہیں (3)۔

ایک اشارہ

امیوناور عباسیوں و غیرہ کے کرتوتوں نیز جنگوں اور ذاتی دشمنیوں میں ان کے مظالم اور قتل و غارتگری کی وجہ سے ہونے والی اسلام کی بربادی اسلام کی پہچان نہیں بلکہ اسلام پر ہونے والا ظلم ، زیادتی اور خیانت ہے۔ کیونکہ اسلام اپنے سے منحرفین کی بدکرداری کا ضامن نہیں ہے اس لئے کہ اسلام اور چیز ہے اور منحرفین کا کردار اور چیز ہے۔

(1) سفر تثنیہ "اصحاح" 20 سطر/10 17 _

(2) سفر تثنیہ "اصحاح" 13 سطر/15 _

(3) سفر تثنیہ الاصحاح 7; سطر 1 ، 2 سفر سمونیل اول الاصحاح 15 ، عبرانیوں کو پولس کا خط الاصحاح 11 سطر 32 اور اسکے بعد ،

انیس الاعلام ج/5 ص 302 و 316 اور دیگر کتب _

180

2 : جب جنگ ناگزیر ہو

اگر ہم رسول (ص) کریم کی مشرکوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں کا مطالعہ کرنا چاہیں تو انہیں مندرجہ ذیل نکات میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

الف : وراثت و غیرہ جیسے عوامل سے قطع نظر انسان کی شخصیت; اسکی خصوصیات، عادات، صفات اور مختلف نفسیاتی، روحانی ، فکری ، جذباتی اور دیگر پہلو عام طور پر اس ماحول کے زیر اثر ہوتے ہیں جہاں انسان رہتا ہے۔ وہ والدین ، استاد اور دوست و غیرہ سے افکار اور دینی مفہیم و اقدار حاصل کرتا ہے۔

پس وہ شخص ذلیل و بزدل ہوگا جس کی تربیت کرنے والوں نے خوف اور دہشت کا رویہ اختیار کیا ہو اور وہ شخص شجاع اور جنگجو ہوگا جسکی تربیت کرنے والوں نے خوف کے برخلاف حوصلہ افزائی کی روش اختیار کی ہو (1)۔ اسی طرح وہ بچہ جسے بچپن میں بہت زیادہ توجہ اور شفقت ملی

ہو اس کی پرورش بالکل مختلف ہوگی اور جو ظلم و قساوت کو دیکھے گا تو اس کا رد عمل بہت مختلف ہوگا۔ چاہے ان دو بچوں نے ایک ہی گھر میں پرورش پائی ہو اور وہ دونوں حقیقی جڑوانبھائی ہوں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ذہنی تصورات جنہیں انسان کو اس کے ذریعے حاصل کرتا ہے اور انہیں اپنے علم و ادراک کا اہم منبع قرار دیتا ہے وہ بھی دوسروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ اگر ہم دو ایسے جڑواں بچوں کو فرض کر لیں جو اکٹھے رہتے ہوں ان کے حالات بھی ایک جیسے ہوں اور یہ بھی فرض کر لیں کہ تعلیم و تربیت، وسائل اور حالات زندگی و غیرہ تک بھی یکساں ہوں تو اسکے باوجود بھی ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں کے افکار، نفسیات اور احساسات و غیرہ ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں۔ اسکی وجہ وہ ذہنی تصورات ہیں جو دونوں نے اخذ کیے ہیں اور جن سے ان کے تفکر کی تشکیل ہوئی اور ان دونوں کا ان خیالات پر رد عمل مختلف تھا۔ جی ہاں چاہے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں بیٹھے ہوں، ایک ہی راستے پر چل رہے ہوں اور ایک ہی سکول اور مدرسے میں پڑھ رہے ہوں پھر بھی دونوں کا ذہن ایک ہی خیال کے متعلق مختلف رد عمل ظاہر کرے گا

(1) یعنی خوف، دھمکیوں اور دہشت کے سانے میں پلنے والا بچہ خود اعتمادی کے فقدان سے بزدل اور ذلت پسند ہوگا۔ لیکن محبت

اور شفقت کے سانے میں پلنے والا بچہ خود اعتمادی کے وجود سے بہادر اور سوشل ہوگا۔ البتہ لاڈ اور ناز کے سانے میں پلنے والا

چاہے وہ اختلاف جزوی ہی ہو۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر ایک کانقطہ نظر مختلف ہے۔ یہی صورت حال آوازوں، اور خوشبوؤں و غیرہ کے بارے میں ہے۔ یہ صورت اسکے ہاں اپنا ایک خاص مقام اور ایک خاص اثر رکھتی ہے، اس کے فکری خطوط کو بھی بدل دیتی ہے۔ کبھی تو ان خطوط کو آگے بڑھاتی ہے اور کبھی اس کے آگے بند با ندھ دیتی ہے۔ تصورات کا اختلاف ان کے ذہنوں میں مختلف نتائج کو جنم دیتا ہے۔ اسی طرح یہ تصورات روح، آداب اور احساسات پر مختلف اثرات مرتب کرتے ہیں۔

ان باتوں سے ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ لوگ آداب، افکار اور اخلاقیات و غیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر کتنے اثر انداز ہوتے ہیں۔ آپ خود اگر کسی بدمزاج، غصیلے اور ترش رو دوکاندار کے پاس کھڑے ہوں اور پھر کسی ایسے مہذب دوکاندار کے پاس کھڑے ہوں جو مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملے اور بہت اچھے اور میٹھے لہجے کے ساتھ آپ سے گفتگو کرے تو آپ یقیناً اپنے رگ و پے میں ان دونوں کا فرق محسوس کریں گے۔ اس سارے عمل کا اثر بچوں اور دوستوں و غیرہ کے ساتھ آپ کے تعلقات پر یقیناً مرتب ہوگا۔

پس جب ایک فکر اتنی اہمیت کی حامل اور حساس ہے کہ اس سے انسانی عقیدہ تشکیل پاتا ہے اور انسان اس سے متاثر ہوتا ہے تو یقیناً کسی معاشرے میں پیدا ہونے والا انحراف چاہے وہ محدود پیمانے پر ہی ہو وہ صرف انحراف کے مرتکب ہونے والے تک محدود نہیں رہے گا بلکہ چاہے تھوڑی مقدار اور محدود پیمانے پر ہی سہی وہ اس کے ساتھ رہنے والوں اور اس کے دور یا نزدیک کے تعلق داروں پر بھی اثر انداز ہوگا پھر ان سے دوسروں میں سرایت کر جائے گا اور اسی طرح وہ انحراف آگے پھیلتا جائے گا۔ (اور انحراف کے مرتکب فرد کا حلقہ شناسائی اور دائرہ اثر جتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوگا انحراف بھی اتنے وسیع پیمانے پر اور تیزی سے پھیلے گا مترجم)۔

یہی سبب ہے کہ اسلام برائی سے پوری طاقت کے ساتھ اور علانیہ نبرد آزما ہوتا ہے۔ اسلام نے تو چھپ چھپ کر گناہ والے کی غیبت سے بھی منع کیا ہے تا کہ لوگ کسی بھی برائی یا انحراف کی خبر سننے کی عادت

182

نہ اپنا لیں کیونکہ اس سے ان کے ذہن برائی سے مانوس ہو جائیں گے پھر ان کے لئے برائی کا ارتکاب آسان ہو جائے گا اور وہ اس کی عادت بنالیں گے۔ اسلام تو اتنا بھی نہیں چاہتا کہ ان کے ذہنوں میں برائی کے تصور کا بھی گزر ہو چہ جائیکہ وہ شخص خود اس برائی کی عادت اپنالے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ برائیوں سے دور رہیں لیکن اس کے اثر سے لوگ برائیوں کے

مرتکب ہوں گے _ آپ ذرا برائیوں اور نقصان دہ امور پر لفظ " المنکر " کے اطلاق پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ ان باتوں سے دور اور لاعلم رہیں _ اسی طرح جہاں اسلام چھپ چھپ کر گناہ کرنے والے کی غیبت سے منع کرتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ گناہگار انسان کو ایک فرصت مہیا کی جائے تا کہ وہ اپنے گناہوں سے چھٹکارا حاصل کر سکے نیز اس کی شخصیت کی تعمیر و ترقی کے لئے اسے ایک مناسب معاشرتی فضا مہیا کرے نیز اس کی عزت و شرافت و غیرہ کی حفاظت کرے اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں جن کے بیان کا مقام یہاں نہیں ہے _ پس اگر انحراف اور کجی کا نقصان اسکے ارتکاب کرنے والے تک محدود نہ رہے اور وہ دوسروں تک سرایت کر جائے تو پھر دوسروں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود کو اس نقصان سے محفوظ کریں _ اگر شریعت کی بات نہ بھی ہو تو بھی عقل و فطرت کا یہی حکم ہے _ البتہ شریعت ، ذات کے اس حق دفاع کے اعتراف پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کے ذریعہ اس دفاع کو ہر فرد پر واجب اور فرض قرار دیتی ہے تا کہ ایک تو یہ لوگ اپنی حفاظت کریں اور دوسرا اس انحراف اور برائی سے دوسروں کو بچائیں (1) _

گذشتہ تمام گفتگو کی روشنی میں رسول (ص) کریم کے اس فرمان کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں

1) برائی کے انجام دینے والے کو دو عذاب (ایک برائی کے انجام دینے پر اور دوسرا عذاب دوسروں کو مبتلا کرنے پر) نہیں ہوں گے بلکہ اس شخص کے لئے صرف ایک ہی عذاب ہے ، وہ اس لئے کہ اس نے (برائی نہ کرنے پر) دوسروں کے اختیار کو سلب نہیں کیا اور نہ ہی اسکا یہ ارادہ تھا۔ البتہ اسکے فعل نے دوسروں کے لئے برائی انجام دینے کی راہ ہموار کی اور یہ امر دوسروں کی برائی کا مسبب نہیں۔ ارتکاب گناہ میں ارادہ اور نیت نیز عذاب کے استحقاق یا عدم استحقاق کے عنصر کو مد نظر رکھتے ہوئے ہماری بات اور مندرجہ ذیل معروف حدیث کے درمیان فرق واضح ہوجائے گا۔ معروف حدیث یہ ہے: "جس کسی نے ایک نیک عمل کی بنیاد رکھی اس کو اسکا اجر اور قیامت تک ہر اس شخص کے عمل کا اجر ملے گا جو اس پر عمل کرتا رہے گا اور جس کسی نے ایک برے عمل کی بنیاد رکھی تو اس کو اپنے عمل کا گناہ اور قیامت تک ہر اس شخص کے عمل کا گناہ بھی ملے گا جو یہ برائی انجام دے گا"۔

183

سب مؤمن ایک جسم کی مانند ہیں کہ جب بھی جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ پس اس بنا پر برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے والے کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تجھے کیا؟ تجھے اس سے کوئی مطلب؟ یا میں آزاد ہوں... یا اسطرح کے جملے۔ کیونکہ یہ امر بالمعروف ہی ہے جو درحقیقت آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ہر کسی کی آزادی اتنی ہے کہ وہ دوسروں پر کسی قسم کی بھی زیادتی نہ کرے اور نہ ہی اس کی آزادی کو کوئی نقصان ہو۔ او رانحراف تو زیادتی کی خطرناک ترین اور ناپسندیدہ ترین صورت ہے۔ یہ بڑی واضح سی بات ہے کہ انحراف کے خطرے کو دور کرنے اور برائی

کے خاتمے کی خاطر مختلف مدارج اور مراحل کا خیال رکھا جانا چاہئے۔
 جیسے آپکا بیٹا اگر کسی برائی یا غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو پہلے مرحلے
 میں آپ اسے منع کریں گے ، پھر اسے سمجھائیں گے ، پھر ڈرائیڈھمکائیں
 گے، پھر ماریں پیٹیں گے اور پھر خود سے دور کریں گے۔ اسی طرح شدت
 اختیار کرتے جائیں گے۔ یہ سب مراحل و مدارج شرعی ، عقلی اور فطری
 ہیں۔ انسان کا کوئی ایک عضو اگر بیماری میں مبتلا ہو جائے تو پہلا مرحلہ
 دوائیوں سے علاج ہے۔ اگر پھر بھی ٹھیک نہ ہو تو جراحی "operation" کا
 مرحلہ آتا ہے۔ اور اگر اس کے باوجود مرض اتنی خطرناک صورت اختیار
 کر جائے اور زخم ناسور بن جائے کہ وہ عضو نہ صرف پورے جسم پر بے
 فائدہ بوجھ بن جائے بلکہ اس کا درد اور اس کی بیماری دوسرے اعضاء میں
 سرایت کرنے لگے اور انہیں صحیح طریقے سے کام نہ کرنے دے تو اس
 صورت میں اگر طبیب اس حصے کو علیحدہ نہیں کرے گا تو خود انسان کے
 تلف ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس مرحلے میں بدن کے اس حصے کو
 کاٹنے کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ نہ کاٹنے کی صورت میں وہ طبیب اس
 بیمار سے خیانت کا مرتکب ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ اسلام ، عقل اور فطرت
 نے مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح قرار دیا ہے۔ جب ایک عضو میں درد ہو
 تو سارا بدن درد و اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بات صرف مسلمانوں ہی
 سے مخصوص نہیں بلکہ تمام بنی آدم کے ساتھ ایسا ہی ہے۔ پس جو شخص
 عقیدہ و اخلاق اور آداب و کردار کے لحاظ سے منحرف ہو جائے تو ضروری

ہے کہ سب سے پہلے حکمت ، پیار اور موعظہ حسنہ سے

184

اسکی اصلاح کی جائے پھر ڈرایا دھمکایا جائے اسکے بعد سختی اور شدت کا استعمال کیا جائے۔ اگر یہ سارے ذرائع اور وسائل کامیاب نہ ہوں تو پھر اس کا آخری علاج اسے قرنطینہ کرنا ہے اور اگر بیماری انتہائی خطرناک اور ناسور ہو جائے تو پھر (نہ صرف اس شخص کو قرنطینہ کرنا چاہئے بلکہ) ضروری ہو جاتا ہے کہ اس بیماری کو ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس صورت میں عضو فاسد کو نہ کاٹنا پوری امت بلکہ نسلوں اور انسانیت کے ساتھ خیانت ہوگی۔ بلکہ دینی اور عقیدتی انحراف کا خطرہ تو جسمی اور بدنی امراض سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ جسمانی امراض کا دائرہ نسبتاً محدود ہے لیکن دینی، عقیدتی، فکری اور اخلاقی انحراف سے جسم، مال و اموال، مقام، انسان، اخلاقی اقدار، انسانیت بلکہ سارا معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے جس کے اثرات آنے والی نسلوں پر بھی پڑتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس منحرف شخص کو جرم اور گناہ انجام دینے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور وہ بڑے سے بڑا جرم و گناہ انجام دیتا چلا جاتا ہے۔ جب اس انسان کی کسوٹی اور معیار، فقط اور فقط اسکے ذاتی مفادات ہوں، تب وہ شخص کسی اور چیز کو اہمیت نہیں دیتا، اللہ کی خوشنودی کو اہم نہیں سمجھتا، امت کی اجتماعی مصلحتوں کو مدنظر نہیں رکھتا، شریعت اور دین کے احکام کو غیر اہم

سمجھتا ہے اور عقل و منطق کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔
 اسی لئے جہاد در حقیقت اس انحراف کو روکنے کا ایک ذریعہ ہونے کی وجہ
 سے دین اور شریعت سے بڑھ کر عقل اور فطرت کے احکام میں سے ایک حکم
 ہے۔

گزشتہ بحث کی روشنی میں ہم نہایت جرات کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر
 اسلام، جہاد کے لئے تلوار استعمال نہ کرتا تو وہ حق اور عدل نیز فطرت اور
 عقل کا دین ہی نہ ہوتا۔ اس طرح نہ صرف معاشرے بلکہ ابد تک کے لئے تمام
 انسانیت کا خائن ہوتا۔ ہم جانتے ہیں کہ فکر، عقل اور قوت مدافعت پر مبنی
 سیاست ہی عدل قائم کرنے والے اور ظلم کو مٹانے والے دین، اسلام کا اصل
 اصول ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
 (و لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب و

185

المیزان ليقوم الناس بالقسط و انزلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس و ليعلم
 الله من ينصره و رسله بالغيب ان الله قوي عزيز) (حديد / 25)
 بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے
 ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں اور
 ہم نے لوہے کو بھی نازل کیا ہے جس میں شدید سختی اور لوگوں کے لئے

بہت سے دوسرے فوائد بھی ہیں سب اس لئے ہے کہ خدا یہ دیکھے کہ کون بغیر دیکھے اسکی اور اسکے رسول کی مدد کرتا ہے اور یقیناً اللہ بڑا صاحب قوت اور صاحب عزت ہے۔

اگر دین خیانت کو اپنی عادت اور اصول قرار دیتا، انسانی نسلوں کی مصلحتوں سے تجاہل برتتا اور اس کے احکام میں یہ بہت بڑے نقائص ہوتے تو اس کے قوانین کی انسانوں اور انسانی سماج کو قطعاً ضرورت نہ ہوتی۔

پھر تو اسکی راہ میں قربانی دینے بلکہ اس کی حفاظت کرنے اور دین کی عظمت اور سر بلندی کی خاطر کسی بھی کام کا کوئی معنی اور فائدہ نہ رہتا۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیوں جہاد کو جنت کے دروازوں میں سے ایک ایسا دروازہ قرار دیا گیا ہے جسے اللہ نے اپنے خاص اولیاء کے لئے کھول رکھا ہے۔ یہ تقویٰ کا لباس، اللہ تعالیٰ کی مضبوط زرہ اور قابل اعتماد ڈھال ہے۔

(1)...

یہ سب تو نظریاتی لحاظ سے ہے۔ البتہ رسول اسلام (ص) کے زمانے کے تاریخی حقائق کیا تھے جہاد کے متعلق گفتگو کے دوران اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

باء: اہل مکہ کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنا ہر مسلمان کا حق تھا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کے لئے سازشیں کیں اور اللہ کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اس لئے ان سب کا حق بنتا تھا کہ وہ عقیدہ، بیان، فکر اور دعوت الی اللہ کی آزادی کے حصول کے لئے اہل مکہ کے خلاف

جنگ کرتے یہ جنگ خصوصاً اس وقت ضروری ہوجاتی ہے جب دشمن تشدد کے استعمال پر اصرار کرے اور اس کے نیز اس

(1) ملاحظہ ہو: نہج البلاغہ شرح محمد عبده خطبہ جہاد ج 1 ص 63۔

186

کے عقائد کے سامنے منطق اور دلیل کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ پس اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی جبراً اس کو قبول کرے۔ اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ سب کو عقیدے، فکر، اور موقف میں آزادی حاصل ہو۔ اس لئے اسلام نے جو علاقے فتح کئے وہاں کے لوگوں کو بعض معاملات میں اختیار دیا۔ ان میں سے ایک "قبول اسلام" بھی تھا۔ جو کوئی اسلام قبول کرتا وہ پوری رغبت و شوق، آزادی اور ارادے کے ساتھ نیز مسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی سے دباؤ کے بھی بغیر قبول کرتا۔ بہت سارے علاقوں میں تو اسلامی فتح کا انتظار بھی نہ کیا گیا۔ فقط اسلام کی اطلاع پر ہی لوگ اسلام کے سامنے جھک گئے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام اور مسلمان اپنے خلاف ہر طرح کی سختی، زیادتی اور مسلسل ظلم کے سامنے ہاتھ باندھے رکھیں کہ ظالم ان کا خون چوستے رہیں۔ یا ان لوگوں کے ہر دباؤ اور فیصلوں کے سامنے جھک

جائیں جو ہر حال میں انکے خلاف ہیں۔ نیز اس آزادی کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ایسی تیاری بھی بالکل نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے وہ اللہ اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکیں۔ جس اسلام کی طرف مسلمان دعوت دیتے ہیں اور آزادی فکر و نظر سے اسے قبول کرنے کے خواہاں ہیں وہ فقط ایک انفرادی مذہبی اعمال یا تزکیہ نفس جیسے اعمال ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ایسا عمومی نظام حیات ہے جو عالمی سطح پر یکسر تبدیلیوں کی قیادت کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ایک ایسا نظام ہے جس میں سب انسانوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ یہی وہ بات ہے جس نے اسلام کی وسیع سطح پر حمایت کو یقینی بنایا ہے۔ کیونکہ اسلام کو ان جابر و ظالم اور لالچی افراد سے ٹکر لینی ہے جو اپنی نفسانی خواہشات اور رجحانات کے مطابق لوگوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں جب رائے، فکر اور عقیدہ کی آزادی کا حصول صرف طاقت کے استعمال سے ہی ممکن ہو تو پھر سختی اور شدت استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ معاشرے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ایک مناسب فضا مہیا کی جائے نیز حقیقی اسلام، ان حکمرانوں کے اسلام میں تبدیل نہ ہو جائے جو اسلام کو اپنی خواہشات اور مفادات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض فرقوں اور مذاہب کے ساتھ ایسا ہی ہوا اور وہ اس شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے

مبتلا ہو گئے، نیز، اسلامی

قانون سازی کا محور کوئی بڑی اور سرکردہ شخصیت بھی نہ بننے پائے ورنہ اسلام ایک مردے کی فکر ہوگی جو صرف اور صرف عجائب گھر میں رکھنے کے قابل ہوگی جس کا تعلق معاشرتی زندگی سے قطعاً نہیں ہوگا (1) اگر رائے ، فکر اور عقیدہ کی آزادی ہو تو یہ بات دوسروں کے حوصلے کا سبب بنے گی کہ وہ لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر تکلیفوں ، اذیتوں ، مختلف قسم کے دباؤ اور اس فتنہ کی آگ سے بھی محفوظ رہیں جو اسلام کی نظر میں قتل سے زیادہ خطرناک ہے۔ پس مسلمان جب جنگ کرتے ہیں تو وہ اپنے ان حقوق کے دفاع کے لئے جنگ لڑتے ہیں جو اللہ نے ان کے لئے قرار دیئے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اکرم (ص) کی احادیث بھی ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ نیز قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علی نصرہم لقدیر الذین اخرجو من دیارہم بغير حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ...) (الحج 39 ، 40)

جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جارہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر (جنگ کی) اجازت دی گئی ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے ہیں ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہمارا پروردگار ہے۔ پس مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس صورت میں ملی کہ دوسروں نے ان پر جنگ مسلط کر دی تھی اور انہیں اپنے گھروں سے بھی نکال باہر کیا تھا لیکن

اگر ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں غزوات کا ذکر ہے تو قاری کے ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ اسلام تو قتل و نابودی کا مذہب ہے۔ آپ واقدی کی "فتوح الشام" کی طرف رجوع کر کے دیکھیں۔ یہ سب کچھ غالباً اس لئے ہے کہ اس میں بنی امیہ کی شان و شوکت اور اقتدار و غلبے کا ذکر ہے۔ بعض محققین نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے (1)۔

(1) مصنف کا اشارہ شاید کیمونزم کی جانب ہے جس کے متعلق خمینی بت شکن نے گورباچف کے نام اپنے خط میں پیشین گوئی کر دی تھی کہ (دوسرے باطل عقائد و مذاہب کی طرح) یہ بھی تاریخ کے میوزیم میں منتقل ہو جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی اب صرف چند مردہ پرست ہی اس دنیا میں رہ گئے ہیں جو اسے زندہ رکھنے کی نام کوششوں میں مصروف ہیں۔ مترجم

(2) آیت اللہ سید مہدی الحسینی الروحانی۔

188

جیم: گزشتہ گفتگو کی روشنی میں بات قابل ذکر ہے کہ نبی (ص) اور مسلمانوں کی سیرت اور عادت یہ تھی کہ وہ دشمنوں کے سامنے نہایت منصفانہ انتخاب رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان پیشکشوں کے بعد بعض مشرکین یہ اقرار کرتے تھے کہ اس پیشکش کے بعد اب جنگ پر اصرار ظلم و زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن سریہ ابن حش میں ابن حصرمی کے قتل کے بعد باقی مشرکوں نے ان پیشکشوں کو ٹھکرانا شروع کر دیا تھا کیونکہ وہ

مسلمانوں سے جنگ کا پختہ ارادہ کرچکے تھے (1)۔ حالانکہ وہ ابن حزمی کے قتل کا بدلہ دو طرح سے لے سکتے تھے۔ ایک یہ کہ محدود پیمانے پر اس کا بدلہ لیا جاتا دوسرا یہ کہ دیت قبول کر لی جاتی حالانکہ یہ دونوں عمل عربوں کے رسم و رواج کا حصہ تھے اور ان کی اخلاقیات کے لحاظ سے بعید بھی نہیں تھے۔

دال: معاہدے توڑنے والوں کے خلاف قیام کرنا اور انہیں اپنی حدود میں رکھنا کیونکہ یہودی معاہدے توڑتے تھے اور پھر کفار و مشرکین مکہ بھی وہ لوگ تھے جو صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ چکے تھے۔

ہاں: جنگ کے شعلے بھڑکانے والوں اور زیادتی کرنے والوں کے مقابلے میں اپنا دفاع۔ جن لوگوں نے مدینہ پر لشکر کشی کی اور لوٹ مار مچائی ان کا پیچھا

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مسلسل معرکہ آرائی جاری رکھی جبکہ مسلمان صلح حدیبیہ تک ہمیشہ اپنا دفاع کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بخاری لکھتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے غزوہ بنی قریظہ سے پلٹنے کے بعد فرمایا: "اب ہم ان کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں لیکن وہ ہمارے خلاف جنگ نہیں کر سکتے"۔ اس کا ذکر انشاء اللہ آئے گا۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟

گذشتہ مطالب کی روشنی میں ہمارے لئے واضح ہوجاتا ہے : کہ " اسلام علی
(ع) کی تلوار سے پھیلا " کے

1(تاریخ طبری ج/2 ص 131 کامل ابن اثیر ج/2 ص 116_

189

مقولے کا مطلب ہر گزیہ نہیں ہے کہ حضرت (ع) نے لوگوں کے سر پر تلوار رکھ کر فرمایا ہو کہ اسلام لے آؤ یا قتل کے لئے تیار ہوجاؤ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی (ع) کی تلوار فقط اور فقط اسلام کے دفاع کے لئے اٹھی۔ اس تلوار نے دشمنوں کی زیادتیوں کو روکا اور آزادی رائے ، فکر اور عقیدہ کی حفاظت کی اور اسلام کے دفاع میں اپنا گہرا اثر چھوڑا۔ اور چونکہ اسلامی جنگوں کا مقصد انسان کی حفاظت ، اس کی شخصیت کا تحفظ اور آزادی فکر و عقیدہ و رائے کے لئے فضا ہموار کرنا تھا ، اس لئے ان وجوہات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جنگیں ممکنہ طور پر اتنی مختصر تھیں جن سے فقط مقصد حاصل ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی ضبط نفس اور تقویٰ کا خیال رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خطرناک ترین حالات اور لحظوں میں بھی ان چیزوں کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اسی لئے پیامبر اسلام(ص) کی دس سالہ مدنی زندگی کے مختصر عرصے میں غزوات اور

سریوں پر مشتمل دسیوں جنگوں میں مؤرخین کے بقول آپ(ص) کی تلوار سے مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہیں کرتی (1) حالانکہ ان جنگوں سے مشرکین کا مقصد پورے جزیرۃ العرب میں اسلامی حکومت کے نفوذ و قدرت کے زیادہ ہونے نیز اسکی حدود کو اس سے کہیں زیادہ پھیلنے سے روکنا تھا بلکہ سرے سے اسلام کا ہی قلع قمع کرنا تھا۔ ہم نے عجلت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ جہاد کا موضوع تو بہت زیادہ طول و تفصیل کا طالب ہے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی آیات، پیامبر اسلام (ص) اور آئمہ ہدی (ع) کی احادیث، انکے جہادی موقف اور کوششوں پر گہری نظر ڈالی جائے۔

(1) ملاحظہ ہو سید ہادی خسرو شاہی کا مضمون "سیمای اسلام"۔

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

191

چھٹی فصل: جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں

رسول (ص) کے غزوات اور سرایا:

"غزوہ" سے مراد ایسی جنگ ہے جس میں خود حضور سرور کائنات (ص) نے بنفس نفیس شرکت فرمائی ہو اور "سریہ" ایسی جنگ ہے جس میں آپ (ص) نے براہ راست شرکت نہ فرمائی ہو۔ ان جنگوں کی تعداد میں مورخین کے ہاں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس مطلب کی تحقیق میں کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف ان اہم جنگوں کا ذکر کریں گے جن کا کوئی عمومی فائدہ تھا۔ البتہ اس سے قبل دو نکات کا بیان ضروری محسوس ہوتا ہے۔

ایک : معرکہ سے فرار

علماء نے یہاں بیان کیا ہے کہ ابتدائے امر میں ایک مسلمان کا دس مشرکین کے مقابلہ سے فرار کرنا جائز نہیں تھا (1) (یعنی ایک مسلمان پر بیک وقت دس مشرکوں کا مقابلہ واجب تھا) پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر تخفیف اور رعایت کا حکم آیا کہ اب ایک مسلمان دو کا مقابلہ کر سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مئتين و ان یکن منکم مئة یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانہم قوم لا یفہون

الان خفف الله عنكم و علم ان فيكم ضعفاً فان يكن منكم مئة صابرة يغلبوا مئتين و ان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله و الله مع الصابرين) (انفال 65 ، 66) اے پیامبر آپ (ص) لوگوں کو جہاد پر آمادہ کریں۔ اگر ان میں بیس افراد بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سوہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ اس لئے کہ کفار سمجھ بوجھ نہیں رکھتے البتہ اب اللہ نے تمہارا بار ہلکا کر دیا ہے کیونکہ اس نے دیکھ لیا ہے کہ اب تم لوگوں میں کمزوری پائی جاتی ہے تو اب تم میں اگر سو افراد بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو بحکم خدا دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ

اس بات کی مزید تفصیل جنگ بدر کے باب کی آخری فصل "جنگ کے نتائج میں ذکر ہوگی۔"

دو: سرایا کے لئے نبی (ص) کی وصیت :

دوسری قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ حضور سرور دو عالم (ص) جب کسی سریہ کے لئے مسلمانوں کو بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو مسلمانوں کو بلاتے۔

اپنے سامنے بٹھاتے اور فرماتے:
 (سیروا باسم الله ، و بالله و فی سبیل الله و علی ملة رسول الله و لا تغلوا و لا
 تمثلوا و لا تعذرو و لا تقتلوا شیخاً فانیاً و لاصیباً و لا امرأة و لا تقطعوا شجراً الاّ
 ان تضطروا اليها ؟ و ایما رجل من ادنى المسلمين او افضلهم نظر الى رجل من
 المشركين فهو جار حتى يسمع كلام الله فان تبعكم فاخوكم فی الدين و ان ابى
 فابلغوه مأمنه و

1) تاریخ الخمیس ج/1 ص 356 ، السیرة الحلبيہ ج/3 ص 152_

195

استعینوا بالله علیہ (...
 اللہ کے نام اور اللہ (کی لا یزال قوت) کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں اور رسول
 (ص) اللہ کے دین پر ہو کے سفر کرو اور دور تک تیر نہ پھینکو اور نہ ہی کسی
 کا ناک یا کان کاٹو (1)، کسی کے ساتھ بدعہدی اور خیانت نہ کرنا ، کسی نہایت
 بوڑھے کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی کسی بچے یا خاتون کو قتل کرنا ، کسی
 درخت کو نہ کاٹنا مگر یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجائے ، تم میں سے جس
 چھوٹے یا بڑے مسلمان نے کسی بھی مشرک پر نظر کرم کی تو وہ اسے پناہ
 دینے والا ہے یہاں تک کہ وہ کلام الہی کو سنے پس اگر اس نے اطاعت کی

تو وہ تمہارا دینی بھائی ہے اور اگر اس نے انکار کیا تو اسے اس کی پناہ گاہ تک چھوڑو اور اس پر کامیابی کے لئے اللہ سے مدد طلب کرو ... (2) یہ وصیت طولانی ہے اسی طرح آپ (ص) کی دیگر وصیتیں بھی ہیں جن کے مطالعہ کے لئے ان کے منابع کی طرف رجوع فرمائیں (3)۔ آپ (ص) نے دشمن پر کبھی بھی شب خون نہیں مارا (4) بلکہ جب کبھی بھی کسی لشکر کو کہیں بھیجتے تو دن چڑھے بھیجتے تھے (5)۔

اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر:

ہم اپنی اس کتاب میں تمام غزوات اور سرایا کے متعلق مکمل تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے اس لئے ہم ان جنگوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے جن میں لڑائی ہوئی ہے البتہ دوسرے غزوات اور سرایا کی طرف تھوڑا سا اشارہ بھی کریں گے۔ مگر ان میں کوئی ایسا نیا نکتہ پایا جائے جس پر روشنی ڈالنے کے لئے ان کا ذکر ناگزیر ہو جائے تو ان کا بھی تفصیلی ذکر آئے گا۔ البتہ اس فصل میں مندرجہ ذیل سرایا کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(1) روایت میں لفظ مثلہ کرنا آیا ہے جس کا مطلب ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا دوسرے لفظوں میں ناک کان کاٹنا ہے۔

(2) الکافی ج/1 ص 334 ، 335 ، البحار ج/19 ص 177 ، 179 نیز ملاحظہ ہو سند احمد ج 1 ص 300 و غیرہ ، التہذیب شیخ طوسی ج 6

ص 138 و ص 139 و الاموال ص 35

(3) النظم الاسلامیہ صبحی صالح ص 514

(4) التہذیب شیخ طوسی ج 6 ص 174 ، الکافی ج 1 ص 334 و بحار الانوار ج 19 ص 177 تا ص 179 _

(5) التراتیب الاداریہ ج 2 ص 22 و الجامع الصحیح ج 3 ص 517 _

196

ابتدائی جنگیں :

مؤرخین کہتے ہیں کہ :

1_ آنحضرت (ص) نے مدینہ تشریف آوری کے سات ماہ بعد (البتہ دیگر اقوال بھی ہیں) ابوجہل کا پیچھا کرنے کے لئے جناب حمزہ بن عبدالمطلب کو تیس مہاجرین کا سردار بنا کر بھیجا (یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دستے میں انصار کے کچھ افراد بھی شامل تھے لیکن یہ بات ناقابل وثوق ہے کیونکہ جنگ بدر سے پہلے آپ(ص) نے کسی بھی انصاری کو کسی جنگی مشن پر نہیں بھیجا تھا) (1) انہوں نے ابوجہل کو تین سو مشرکوں میں گھرے ہوئے جالیا _ لیکن وہاں فریقین کے ثالث مجدی بن عمرو جہنی ان کے اس مشن کے آڑے آگیا اور وہ جنگ کئے بغیر واپس لوٹ آئے _

2_ آپ(ص) نے مدینہ تشریف آوری کے بعد ٹھیک اٹھویں مہینے کی ابتداء میں دوسو افراد میں گھرے ابوسفیان کو " رابع" کے میدان میں جا پکڑنے کے لئے عبیدہ بن حارث بن مطلب کی سرکردگی میں ساٹھ افراد کا ایک لشکر بھیجا _ اس سریہ میں مقداد اور عتبہ بن غزو ان ابوسفیان کے دستے سے بھاگ کر

مسلمانوں کے ساتھ مل گئے (2) _

3_ اس کے بعد مہاجرین کے ایک گروہ کی سرکردگی میں سعد بن ابی وقاص کا سریہ بھی ہے جو قریش کے ایک قافلے کا مقابلہ کرنے نکلا تھا لیکن وہ قافلہ ان کی پہنچ سے باہر جا چکا تھا _ البتہ ایک قول کے مطابق یہ واقعہ جنگ بدر کے بعد پیش آیا (3)_

4_ اس واقعہ کے بعد یعنی آپ(ص) کی ہجرت کے کم و بیش ایک سال بعد غزوہ ابواء کا واقعہ پیش آیا _ اس غزوہ میں آپ(ص) بنفس نفیس قریش اور قبیلہ بنی مرہ بن بکر سے جنگ کرنے نکلے لیکن " ابوائ " کے مقام پر قبیلہ بنی مرہ کے سردار سے مڈبھیڑ ہوگئی جہاں انہوں نے آپس میں صلح کرلی اور آپ(ص) واپس مدینہ پلٹ آئے (4) _

(1) تاریخ الخمیس ج 1 ص 356، سیرہ حلبیہ ج 3 ص 152، السیرة النبویہ ابن بشام ج 2 ص 245_

(2) السیرة النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ج 1 ص 360 و 359 _ نیز ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس ج 1 ص 359_

(3) تاریخ الخمیس ج 1 ص 359

(4) تاریخ الخمیس ج 1 ص 363، السیرة النبویة ابن بشام ج 2 ص 241 ، السیرة النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ج 1

5_ اس کے بعد غزوہ " بواط" کا واقعہ پیش آیا (بواط مدینہ کے قریب جہینہ قبیلہ سے متعلق ایک پہاڑی تھی) اس غزوہ میں آپ(ص) دوسو مہاجرین کو لے کر قبیلہ بنی ضمہ کے قافلے کا سامنا کرنے نکلے لیکن بواط تک پیچھا کرنے کے بعد پھر واپس پلٹ آئے اور کوئی لڑائی نہیں کی (1) البتہ اس غزوہ میں مہاجرین کی تعداد کے متعلق اپنا اعتراض ہم محفوظ رکھتے ہیں _

6_ مذکورہ غزوہ کے چند دن بعد " غزوة العشیرہ " کا واقعہ پیش آیا _ اس میں آپ(ص) قبیلہ بنی مدلج اور اس کے حلیف بنی ضمہ سے صلح کر کے واپس مدینہ پلٹ آئے _ اس غزوہ میں بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی _ البتہ اس غزوہ میں حضرت علی علیہ السلام کو " ابوتراب " کا لقب ملا جس کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے (2)_

7_ نخلہ کی وادی میں عبداللہ بن حش کا سریہ : اس کے بعد ہجرت کے دوسرے سال رجب یا جمادی الثانی کے مہینے میں عبداللہ بن حش کی جنگ کا واقعہ رونما ہوا _ جس میں آٹھ یا بارہ مہاجرین نے حصہ لیا تھا _ آپ(ص) نے عبداللہ بن حش کو ایک خط دے کر روانہ کیا اور فرمایا کہ اس خط کو دو دن کے بعد کھول کر دیکھنا (یہ حکم غالباً اس لئے تھا کہ کوئی اسلام دشمن یہودی اور مشرک اس خط کے مضمون سے مطلع نہ ہونے پائے جس سے یہ بات تمام دشمنوں میں پھیل سکتی تھی) _ دو دن چلنے کے بعد جب اس نے خط کھول کر دیکھا تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا تھا :

" اَمَّا بعد خدا کی برکت سے اپنے ساتھیوں سمیت نخلہ کی وادی میں جا کر قریش کے ایک قافلے پر گھات لگاؤ (ایک روایت میں آیا ہے کہ قریشیوں کے خلاف گھات لگاؤ) یہاں تک کہ ہمارے پاس کوئی اچھی خبر لے کر آو" _
 عبدالله بن حبش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آنحضرت (ص) نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے کسی ساتھی پر بھی زبردستی نہیں کرو بلکہ انہیں اس بات کا اختیار دو کہ وہ تمہارے ساتھ جائیں یا پھر واپس پلٹ آئیں _ لیکن اس کے تمام ساتھی اس کے ساتھ ہوئے _ پھر یہ دستہ وادی نخلہ میں ٹھہرا تو وہاں سے قریش کے ایک قافلے کا

(1) ملاحظہ ہو : تاریخ الخمیس ج 1 ص 363، السیر النبویہ دحلان ج 1 ص 361، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 126 و السیرة النبویہ ابن بشام ج

_249

ص

2

(2) ملاحظہ ہو : تاریخ الخمیس ج 1 ص 363، السیرة النبویہ دحلان ج 1 ص 361 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 126، السیرة النبویہ ابن بشام

ج 2 ص 249 _

198

گذر ہوا جس پر انہوں نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قافلے پر ہلہ بول دیا ، ان کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کر کے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا _ یہ واقعہ اختلاف اقوال کی بنا پر رجب کی پہلی تاریخ کو یا اس سے

ایک دن پہلے پیش آیا _ پھر جب وہ رسول (ص) خدا کے پاس آئے تو انہوں نے وہ قافلہ مع مال و اسباب اور دو قیدی آپ (ص) کے حضور پیش کر دیئے یکن آپ (ص) نے اس سے ایک دھیلا بھی لینے سے انکار کر دیا (لیکن ابو ہلال عسکری کہتا ہے کہ عبداللہ بن حبش نے اس مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے پانچواں حصہ رسول (ص) خدا کے حضور پیش کر دیا اور باقی کو اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر دیا _ اور اس کا یہ خمس اسلام کا پہلا خمس تھا) (1) _ البتہ دوسرے مسلمان بھائیوں نے ان کو سخت سرزنش کی _ اس واقعہ کی وجہ سے قریشیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (حضرت) محمد (ص) نے حرام مہینے کی حرمت کو پایمال کیا ہے _ اس مہینے میں ان لوگوں نے خون بہایا، مال لوٹا اور کئی آدمیوں کو قیدی بنایا ہے _ اس وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کو بہت برا بہلا بھی کہا اور اس بارے میں کئی خطوط بھی لکھے _ اس کے ساتھ ساتھ اس معاملہ کو مزید ہوا دینے کے لئے یہودیوں کو بھی بھڑکانا شروع کر دیا _ جب ان کی سرگرمیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو مہاجرین کے اس کام کی دلیل اور توجیہ بیان کرنے کے لئے یہ آئیں: نازل ہوئیں:

(یسالونک عن الشهر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر و صد عن سبیل اللہ و کفر بہ و المسجد الحرام و اخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ و الفتنة اکبر من القتل) (2)
 اے پیغمبر وہ لوگ آپ (ص) سے (طنز یہ طور پر) محترم مہینے میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں تو

(1) الاوائل ، ج 1 ، ص 176 ، سيره حليبه ، ج 3 ، ص 157 ، الاستيعاب زندگی عبدالله بن جحش، نیز ملاحظه ہو : السيرة النبوية ابن بشام ، ج 3 ، ص 252 و 253 _ المغازی واقدی ، ج 1 ، ص 13 ، طبقات الكبرى ، ج 2 ، ص 10 ، مطبوعه 1405 هـ _ تاريخ الامم و الملوك ، ج 2 ، ص 410 تا 413 ، السنن الكبرى ، ج 9 ، ص 12 ، دلائل النبوة بيهقي ، ج 2 ، ص 307 و 308 ، تاريخ الاسلام ذببي (مغازی) ص 29 ، اسباب النزول ص 36 ، بحار الانوار ، ج 20 ، ص 189 و 190 ، رجال مامقانی ، ج 2 ، ص 173 ، قصص الانبياء راوندی ، ص 339 _ السيرة النبويه ابن كثير ، ج 2 ص 366 ، الكامل في التاريخ ، ج 2 ، ص 113 ، تاريخ الخميس ، ج 1 ، ص 365 _ تاريخ يعقوبی ، ج 2 ، ص 69 _ الدر المنثور سيوطی ، ج 1 ص 251 _ مجمع الزوائد ، ج 2 ، ص 198 _ السيرة النبويه دحلان (مطبوعه بر حاشيه سيره حليبه) ، ج 1 ، ص 362 و ديگر كتب _

(2) بقره / 217_

199

آپ(ص) انہیں کہہ دیجیے کہ اس مہینے میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ اور خدا کے راستے سے روکنے اور خدا اور مسجد الحرام کے انکار کے مترادف ہے لیکن مسجد الحرام میں رہنے والوں کو اپنے گھروں سے نکال باہر کرنا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا جرم ہے نیز فتنہ اور سازش بھی قتل سے بہت بڑا جرم ہے

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری جب مشرکین مکہ نے آپ(ص) کے پاس آکر بطور طنز اور تنقید حرام مہینے میں جنگ کی کیفیت کے متعلق

سوال کیا تو اس آیت کے ذریعہ سے خدانے مسلمانوں کی مشکل آسان کر دی اور قریشیوں کو اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر انہیں چھڑوانا پڑا اور آپ(ص) نے بھی فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا (1)

8_ غزوة العشیرہ کے چند دن بعد غزوہ بدر اولیٰ کا واقعہ پیش آیا۔ جب کرز بن جابر فہری، مدینہ کے چوپائے غارت کر کے اپنے ساتھ لے گیا تو آنحضرت(ص) خود اس کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے لیکن جب بدر کی جانب سفوان کی وادی تک پہنچے تو وہ آپ(ص) کی دسترس سے باہر نکل چکا تھا، جس کی وجہ سے آپ(ص) دوبارہ مدینہ پلٹ آئے (2)

یہاں ہم کچھ اہم امور پر بحث ضروری تصور کرتے ہیں ان کا تعلق گزشتہ ابحات سے ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1_ حضرت علی (ع) کی کنیت ابوتراب قرار دینا:

غزوة العشیرہ میں نبی(ص) نے امیر المومنین علی (ع) کی کنیت ابوتراب رکھی۔ یہ کنیت حضرت (ع) کو بہت زیادہ پسند تھی لیکن بنو امیہ اس کنیت کی وجہ سے آپ(ص) کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔

(1) ملاحظہ ہو: تاریخ الخمیس، ج 1 ص 366، السیرة النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ)، ج 1، ص 363 و السیرة

النبویہ ابن بشام، ج 2، ص 128، السیرة النبویہ ابن بشام، ج 2، ص 251۔

جناب عمار بن یاسر کی روایت کے مطابق معاملہ اختصار کے ساتھ کچھ یوں ہے کہ جب آنحضرت (ص) اصحاب کے ہمراہ غزوة العشیرہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت عمار اور حضرت علی (ع) قبیلہ بنی مدلج کے حالات جانچنے گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے لئے کنواں کھود رہے تھے اور کھجور کے درختوں پر کام کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں پر نیند طاری ہونے لگی تو وہ چل کر کھجور کے درخت کے سائے تلے پہلو کے بل مٹی کے اوپر لیٹ گئے۔ حضرت عمار کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابھی ہم سونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ ہمیں اٹھانے کے لئے رسول (ص) اللہ بنفس نفیس تشریف لائے اور پاؤں سے ہمیں جھنجھوڑا۔ ہم لوگ جس مٹی پر سو گئے تھے اس سے اٹے ہوئے تھے۔ اس روز رسول اللہ (ص) نے حضرت علی (ع) کے بدن پر مٹی دیکھ کر ان کو "ابوتراب" کہہ کر آواز دی اور فرمایا: "اے ابوتراب کیا بات ہے؟" (1)۔ "مؤاخذات" کے متعلق گفتگو میں بھی ابوتراب کی کنیت کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ عبدالباقی العمری نے ان اشعار میں نہایت احسن انداز سے اس معنی کو بیان کیا ہے۔

یا ابا الاوصیاء انت لطف

صہرہ	و	ابن	عمہ	و	اخوہ
ان	لله	فی	معانیک		سراً
اکثر		العالمین	ما		علموہ
انت	ثانی	الآباء	فی		منتہی
الدور	و	آباؤہ	تعد		بنوہ

اے ابوالاوصیائے (حضرت علی (ع) آپ (ع) آنحضرت (ص) کے داماد چچازاد اور بھائی ہیں۔ اللہ کے ہاں آپ (ع) کے (اسماء القاب اور صفات کے (معانی میں کئی رازپوشیدہ ہیں جنہیں اہل جہاں نہیں جانتے۔ آپ (ع) اس آخری دور میں دوسرے ابوالبشر ہیں جن کے آباء بھی ان کے بیٹے کہلاتے ہیں۔

1) البدایہ والنہایہ ج/3 ص 247، الأحاد والمثانی مخطوط کتابخانہ کوپر لی شماره 235، صحیح ابن حبان مخطوط، البحار ج/ 19 ص 188، مسند احمد ج/4 ص 263 و 264، تاریخ طبری ج/2 ص 124، 123، لکامل ابن اثیر ج/2 ص 12 ط صادر، سیرة ابن بشام ج/2 ص 249، 250، مستدرک الحاکم ج/3 ص 140، کنز العمال ج/ 15 ص 124، 123، از المصنف، البغوی، الطبرانی در الکبیر، ابن مردویہ، ابو نعیم در معرفة الصحابة، ابن النجار ابن عساکر و دیگر افراد، شواہد التنزیل ج/2 ص 342، مجمع الزوائد ج/9 ص 100، 136 از طبرانی در الاوسط و الکبیر، البزارو احمد اور اس روایت کی بعض اسناد کی اس نے توثیق کی ہے۔ تاریخ الخمیس ج/1 ص 364، تاریخ ابن عساکر امام علی (ع) کے حالات زندگی ج/3 ص 86 محمودی کی تحقیق سے، انساب الاشراف ج/2 ص 90، السیرة الحلبيہ ج/ 2 ص 126، طبقات ابن سعد، السیرة النبویہ ابن کثیر ج/2 ص 363، کتاب الفضائل احمد بن حنبل ج 295، الغدير ج/6 ص 334، عیون الاثر ابن سید الناس ج/1 ص 226، الامتاع مقریزی ص 55 و دلانل النبوه بیہقی، ج 2، ص 303 اور دیگر حوالہ جات بھی ہیں۔ بہرحال غزوة العشریة

دغابازی اور جھوٹ:

لیکن مذکورہ باتوں کے باوجود بھی بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی (ع) کی بی بی فاطمہ (ع) سے شکر رنجی ہوئی تو آپ (ع) نے غصے میں آکر اپنے سر پر مٹی ڈال دی۔ پھر جب نبی (ص) نے یہ منظر دیکھا تو آپ (ص) نے حضرت علی (ع) کو اس خطاب سے نوازا (1) بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت علی (ع) جناب فاطمہ (ع) پر ناراض ہو گئے تو مسجد کی طرف چلے گئے اور مٹی پر سو گئے۔ جب نبی اکرم (ص) کو پتہ چلا تو آپ (ص) حضرت علی (ع) کی تلاش میں نکلے، جب آپ (ع) کو دیکھا تو اس خطاب سے مخاطب فرمایا (2)۔ اس طرح وہ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی (ع) جناب فاطمہ پر سخت گیری کیا کرتے تھے تو جناب فاطمہ (ع) نے کہا: "خدا کی قسم میں رسول (ص) خدا کے پاس جا کر ان سے تمہاری شکایت کرتی ہوں"۔ یہ بات کہہ کر وہ رسول (ص) خدا کی طرف چل پڑیں جبکہ حضرت علی (ع) بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ وہاں انہوں نے رسول (ع) خدا سے شکایت کی تو حضرت علی (ع) آپ (ص) پر سخت غصہ ہوئے اور آپ (ص) کو برابرہلا کہا، جس پر

آنحضرت(ص) نے اپنی دختر سے فرمایا: "بیٹی میری یہ بات خوب کان کھول کر سنو اور اسے ذہن نشین کرلو، وہ عورت کبھی راج نہیں کر سکتی جو شوہر کے چپ ہورہنے کی صورت میں اس کی مرضی کے مطابق نہیں چلتی" _ اس کے بعد حضرت علی (ع) جو پہلے چپ کھڑے تھے بولے: "اب میں اسے کچھ نہیں کہوں گا" _ اس پر حضرت فاطمہ (ع) نے فرمایا کہ اب میں بھی ہرگز ایسا کام نہیں کروں گی جو اسے ناپسند ہوگا (3) _ ایک داستان یوں بھی ہے کہ حضرت علی(ع) اور جناب فاطمہ (ع) کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی اور ان کے گھر میں رسول(ص) خدا آئے تو حضرت علی (ع) نے آپ(ص) کے لئے بستر بچھا یا اور آپ(ص) اس پر لیٹ گئے جناب زہرا(ع) آئیں تو وہ آپ(ص) کے ایک طرف لیٹ گئیں اور دوسری جانب حضرت علی (ع) آکر لیٹ گئے _ آپ(ع) نے حضرت علی (ع) اور حضرت فاطمہ (ع) کے ہاتھ پکڑ کر اپنے شکم پر رکھا اور دونوں کے ہاتھ پکڑ کر اپنے شکم پر رکھتے رہے حتیٰ کہ دونوں میں پھر سے صلح ہوگئی (4) _ یہاں بعض نے اس طرح بھی کہا ہے کہ مؤاخات کے موقع پر آپ(ص)

1) السیرة الحلبیہ ج/ 2 ص 127 ، انساب الاشراف ج/ 2 ص 90 _

2) البداية والنهاية ج/ 3 ص 347 ، الغدير ج/ 6 ص 336 ازسیرة ابن هشام ج/ 2 ص 237 ، عمدة القاری ج/ 7 ص 630 السیرة النبویة لابن

کثیرج/ 2 ص 363 از صحیح البخاری ، المناقب للخوارزمی ص 7 ، انساب الاشراف ج/ 2 ص 90 ، معرفة علوم الحديث للحاکم ص 211 _

نے حضرت علی (ع) اور کسی اور کے درمیان مؤاخات کا سلسلہ قائم نہ فرمایا تو آپ (ع) پر یہ بات گراں گزری اور آپ (ع) مسجد کی طرف نکل گئے اور مٹی پر سو گئے۔ آنحضرت (ص) آپ (ع) کے پاس پہنچے تو انہیں " ابوتراب" کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ لیکن یہ سب اقوال صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ اس بات سے قطع نظر کہ آپ (ص) جیسی شخصیت نے میاں بیوی میں صلح کرانے کے لئے (نعوذ باللہ) وہ مزعومہ بھونڈا طریقہ کیوں اختیار کیا اور اپنی بیٹی پر (نعوذ باللہ) ظلم کرنے والے کے مقابلے میں اپنی بیٹی کی حمایت اور طرفداری کی بجائے اسے ہی سرزنش کرنا کیوں شروع کر دیا؟ اس کی وجوہات ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں، لیکن پھر بھی ان باتوں سے قطع نظر ہمارے پاس گذشتہ بے بنیاد تہمتوں کے صحیح نہ ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1 _ حضرت بی بی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا مقام اور مرتبہ اس بات سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ حضرت علی (ع) آپ (ع) پر غضب ناک ہوں۔ وہ صدیقہ طاہرہ ہیں۔ قرآن کریم کی نص کے مطابق آپ (ع) ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے "رجس" سے پاک و پاکیزہ فرمایا اور ایسا پاک فرمایا جس طرح پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ آپ (ع)

کی شان میں نازل ہوئی:

(انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهرکم تطهیرا) (احزاب_33)
اے اہل بیت بس اللہ کا ارادہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔
اسی طرح حضرت علی (ع) کی ذات و الا صفات بھی اس بات سے انتہائی بالاتر اور ارفع و اعلیٰ تھی۔ کیونکہ آپ (ع) کی شان میں بھی آیہ تطہیرنازل ہوئی۔ اسی طرح قرآن پاک میں آپ (ع) کی شان میں نازل ہونے والی دیگر آیات بھی بینجو آپ (ع) کی سیرت کے بعض پہلوؤں کو واضح کرتی ہیں۔
2_ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گویا پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ
کینہ پرور لوگ آپ (ع) پر جھوٹ

203

باندھیں گے اور تہمتیں لگائیں گے۔ اسی لئے آپ (ع) نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ "اللہ کی قسم میں اس (حضرت فاطمہ (ع)) کے آخری دم تک نہ تو کبھی اس پر غضبناک ہوا اور نہ ہی اسے کسی کام پر مجبور کیا اور نہ فاطمہ (ع) نے مجھے کبھی غضبناک کیا اور نہ ہی کبھی میری نافرمانی کی۔ مینجب بھی فاطمہ (ع) کی طرف دیکھتا تھا میرے سارے دکھ درد دور ہو جاتے تھے" (1)
3_ اپنی بیوی پر غصہ ہونے کی صورت میں اپنے سر پر مٹی ڈالنا حضرت امیر المؤمنین (ع) جیسے کسی عاقل، حکیم اور دانا انسان سے بہت بعید ہے

کیونکہ یہ عمل تو بچوں کی کھیل کود سے زیادہ شبہات رکھتا ہے _
 4_ امیرالمومنین (ع) وصی خاتم المرسلین کی ذات گرامی جو جنت و جہنم کو تقسیم کرنے والی ہے وہ کبھی بھی اللہ اور اسکے حبیب (ص) کو اذیت نہیں دے سکتی کیونکہ جو کوئی اللہ اور اس کے نبی (ص) کو اذیت دے یقیناً اس کی جزا جنت نہیں ہے اور ادھر سے آنحضرت (ص) کا ارشاد پاک ہے کہ جس نے فاطمہ (ع) کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس کسی نے فاطمہ (ع) کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا (2)_ نیز فرمایا کہ خدا بھی فاطمہ (ع) کے غصہ پر غضبناک اور اس کے راضی ہونے پر خوش ہوتا ہے (3)_

5_ حضرت علی (ع) کا پیغمبر (ص) سے خفا ہونے اور آپ (ص) کو برا بھلا کہنے کا کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ آپ (ع) جانتے

1) مناقب الخوارزمی ص 256، كشف الغمة ج/ 1 ص 363، البحار ج/ 43 ص 134_

2) البخاری ط مشمول ج/ 5 ص 36، بحار الانوار، ج 28، ص 76؛ احقاق الحق، ج 10، ص 190؛ حلیۃ الاولیاء، ج 2، ص 40؛ نیایع

المودة ص 171 و 173 و 360؛ السنن الكبرى، ج 10، ص 64 و 201؛ مستدرک حاکم ج 3، ص 159؛ نیز اسی کے حاشیہ پر اسی کا

خلاصہ، اعلام النساء، ج 4، ص 125؛ کنز العمال، ج 13، ص 93؛ الاصابہ، ج 4، ص 378؛ تہذیب التہذیب، ج 12، ص 441، نیز

ابوجہل کی بیٹی سے حضرت علی (ع) کی خواستگاری والے جعلی افسانے میں بھی بعض دیگر منابع ذکر ہونے ہیں اس لئے ملاحظہ

ہو: ذخائر العقبی، ص 37، 38؛ کفایۃ الطالب، ص 365؛ مقتل الحسین خوارزمی، ج 1، ص 53؛ نظم درر السمطین، ص 176،

السیرۃ النبویہ دحلان (برحاشیہ حلبیہ)، ج 2، ص 10؛ الخصائص نسائی، ص 120، صفۃ الصفوة، ج 2، ص 13، الجامع الصحیح،

ج 5 ، ص 698 ; مسند احمد، ج 4 ، ص 328; البدايه و النهايه ، ج 6 ، ص 333 ; نيز الصواعق المحرقة ، ص 188_

(3) ملاحظه ہو : فراند السمطين ، ج 2 ، ص 46 ، مجمع الزوائد ، ج 9 ، ص 203 ; مقتل الحسين خوارزمی ، ج 1 ، ص 52; كفايه الطالب ، ص 364، ذخائر العقبی ، ص 39 ، اسدالغابہ ، ج 5 ، ص 522، تہذیب التہذیب ، ج 12، ص 442، ینابيع المودۃ ، ص 173، ص 174، ص 179، ص 198; نظم درر السمطين ، ص 177 ; مستدرک حاکم، ج 3، ص 154، 158; تلخیص مستدرک ذہبی (برحاشینہ مستدرک) ، کنز العمال ، ج 13، ص 96 و ج 6 ، ص 219 و ج 7 ، ص 111; الغدير ، ج 7 ، ص 231 تا 236; احقاق الحق ، ج 10، ص 116، السنن الكبرى ، ج 7 ، ص 64، الصواعق المحرقة، ص 186 و سير اعلام النبلاء ، ج 2 ، ص 132_

204

تھے کہ آنحضرت(ص) کا کوئی عمل بھی ان کی ذات اقدس کی طرف سے نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔ آپ (ع) کی سیرت تو یہ تھی کہ اگر ایک حرف بھی پیامبر اسلام (ص) کی زبان مبارک سے نکلتا تو آپ (ع) اس پر مو بہ مو عمل فرماتے۔ حتیٰ کہ جنگ خیبر کے موقع پر جب آنحضرت (ص) نے حکم فرمایا کہ خیبر کی فتح کے لئے جاؤ اور پیچھے مڑکر نہ دیکھنا تو آپ (ع) اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اقدس کے توکل پر چلے پھر توقف کیا اور اپنا رخ نہ موڑتے ہوئے عرض کیا : " یا رسول(ص) اللہ ..."(1)۔

6_ حضرت فاطمہ (ع) نے (بوقت شہادت) حضرت علی (ع) سے کہا: " آپ(ع) نے کبھی بھی مجھے جھوٹا اور خائن نہیں پایا اور مشترکہ زندگی کی ابتدا سے اب تک میں نے کبھی بھی آپ(ع) کی مخالفت نہیں کی " اور حضرت علی(ع) نے بھی ان کی اس بات کی تصدیق کی (2)

7_ اس پر مزید یہ کہ آنحضرت(ص) جب بھی جنگ بدر اور احد و غیرہ جیسے مختلف امور میں اپنے صحابیوں سے کوئی مشورہ لیتے تو ان کے جی میں جو بھی آتا کہہ دیتے لیکن حضرت علی (ع) نے آپ(ص) کے حضور کبھی بھی اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ وہ تو رسول(ص) خدا سے پہلے یا ان کی اجازت کے بغیر کوئی کام کرتے ہی نہیں تھے۔ _ صرف ایک بار ام المؤمنین حضرت ماریہ پر کچھ افراد کے ناروا تہمت (3) کے معاملے میں حضرت (ع) نے آنحضرت(ص) کو بی بی عائشہ کو طلاق دینے کا مشورہ دیا تا کہ اس سے شاید وہ ڈر ، سہم اور پچھتا کر اپنے خیالوں اور کرتوتوں سے باز آجائے اور رسول(ص) خدا اور آپ(ص) کی ازدواج کو اذیت دینے سے دستبردار ہو جائے۔

آپ (ع) کیوں غضبناک ہوتے اور برا بھلا کہتے؟ کیا آپ(ع) ہجرت سے قبل آنحضرت(ص) کے برادر نہ تھے؟ اور اس کے بعد کے حالات جیسے بھی رہے آپ (ع) کی یہ اخوت قائم و دائم رہی۔

1) انساب الاشراف با تحقیق محمودی ، ج 2 ، ص 93؛ زندگانی امام علی بن ابی طالب (ع) از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ، ج 1

، ص 159 ، صحیح ابن حبان زندگانی حضرت علی (ع) (قبو سرای لائبریری استانبول میں خطی نسخہ) ، فضائل الخمسة من الصحاح

السته ، ج 1 ، ص 200 والغدير ، ج 10 ، ص 202_

(2) روضة الواعظین، ص 151_

(3) ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ چونکہ آنحضرت(ص) سے صاحب اولاد ہونی تھیں جبکہ بی بی عائشہ اور حفصہ بانجھ ہونے کی

وجہ سے صاحب اولاد نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے حسد کے مارے انہوں نے بی بی ماریہ پر بدکاری کا بہت بڑا اور گھٹیا الزام لگایا جسے سن کر آنحضرت(ص) کو بہت صدمہ ہوا اور آپ(ص) نے ایک انتہائی فیصلہ کیا۔ یہاں پر حضرت علی (ع) نے آپ(ص) کو کچھ مشورے دینے سے پر آنحضرت(ص) نے تمام معاملہ حضرت علی (ع) کے سپرد کر دیا اور انہوں نے اپنی درایت سے یہ گتھی سلجھادی۔

205

بہر حال ہم ہرگز اللہ کے نبی (ص) اور قرآن کریم کو نہ جھٹلائیں گے بلکہ ان کی تصدیق کریں گے۔ ہم ان لوگوں کے باطل خیالات کو کینہ توزی پر مبنی سمجھتے ہیں جو ہمیشہ حضرت علی (ع) اور آپ (ع) کے اہل بیت (صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین) کے خلاف رہے۔

یہ جعل سازیاں کیوں؟

ان باطل نظریات کا سبب شاید یہ تھا کہ لوگ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ رسول خدا(ص) کے گھر کی طرح حضرت علی (ع) کا گھر بھی جھگڑوناور اختلافات کی آماجگاہ تھا۔ اور رسول(ص) خدا کے گھر میں یہ حالات بی بی عائشہ اور حفصہ جیسی آپ (ص) کی بعض ازواج نے پیدا کئے تھے۔ اس بات سے وہ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حالات تو فطری، معمولی، مطابق معمول اور ازدواجی زندگی کا حصہ ہیں۔ لہذا اس سے کسی کی شخصیت کم نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ بات کسی طرح کے اعتراض اور ملامت کا باعث بنتی

ہے۔ جیسے آنحضرت(ص) کی ازواج جھگڑالو تھیں ویسی (نعوذ باللہ) آپ(ص) کی بیٹی بھی تھی۔ جس طرح عائشہ رسول(ص) خدا کو ناراض کرتی تھی اسی طرح حضرت فاطمہ(ع) بھی حضرت علی(ع) کو ناراض کیا کرتی تھیں، پس حساب برابر۔

دوسری جہت یہ ہے کہ آپ(ص) کا یہ قول کہ جس کسی نے فاطمہ(ع) کو غضبناک کیا پس اس نے مجھے غضبناک کیا، یہ قول جس طرح فلاں فلاں پر صادق آتا ہے اسی طرح یہ قول خود علی(ع) پر بھی صادق آتا ہے۔ یعنی جس طرح جناب ابوبکر اور عمر نے حضرت فاطمہ(ع) کو ناراض اور غضبناک کیا اسی طرح حضرت علی(ع) نے بھی انہیں غضبناک کیا پس یہ امر کسی دوسرے پر اعتراض کا باعث نہیں بنتا؟ بلکہ ان تہمتوں سے وہ حضرت علی(ع) کو ایک ایسے شخص کی صورت میں دکھا نا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت فاطمہ(ع) زہرا کو ناپسند تھے اور بی بی کی ان سے شادی بی بی کی مرضی کے بغیر ہوئی تھی، اور آنحضرت(ص) نے ان کے (نعوذ باللہ) شر سے بچنے کے لئے ان کا رشتہ منظور کیا تھا۔ اور ان باتوں سے وہ حضرت علی(ع) سے آنحضرت(ص) کی دامادی کی فضیلت اور شرف سلب کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے حضرت علی (ع) کی ابو تراب کی کنیت کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ آنحضرت(ص) کے بعد حضرت علی (ع) ہی اس زمین کے مالک اور زمین والوں پر خدا کی حجت ہیں۔ ان کے ذریعہ سے زمین کی بقاء اور ٹھہراؤ ہے۔ ان کے بقول: " میں نے رسول(ص) کریم سے خود سنا ہے کہ قیامت کے دن جب کا فریہ دیکھے گا کہ خدا کے نزدیک شیعین علی (ع) کا کتنا مقام، مرتبہ، ثواب اور قدر و منزلت ہے تو حسرت کے ساتھ کہے گا کہ اے کاش میں بھی تراب ہوتا یعنی اے کاش میں بھی علی (ع) کا شیعہ ہوتا"۔ اس کے علاوہ خود امام علی (ع) جو اس کنیت پر فخر کیا کرتے تھے ہرگز دنیا کی خاطر اور دنیا کے راستے میں نہ جیئے اور نہ ہی دنیا آپ (ع) کا ہدف تھا۔ البتہ ایک عظیم ترین اور افضل ترین ہدف کے حصول کی خاطر دنیا آپ (ع) کی نظر میں ایک ذریعہ اور وسیلہ تھی، جب آپ (ص) نے دیکھا کہ آپ (ع) اپنے اہداف و نظریات پر سختی سے قائم ہیں تو پس اب آپ (ع) یقیناً مشکلات پر قابو پالیں گے اور ان کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے۔ ایسے حالات و کیفیات میں آنحضرت(ص) کی ذات اقدس کا حضرت علی (ع) کو ابو تراب کہنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ علی (ع) ہمیشہ اپنے نظریات و اہداف پر انتہائی سختی سے قائم رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔ یہ دنیا کو اس کے مناسب مقام پر رکھے گا، دنیا کی رنگینیاں اور حسن و زیبائی اسکو کبھی دھوکانہ دے سکیں گی۔ دنیا اسکے نظریات و اہداف اور اعمال میں کبھی تناقض پیدا نہ کر سکے گی۔ اور نہ ہی

وہ اپنے دعوے اور عمل میں کبھی تضاد کا شکار ہوں گے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت علی (ع) کو یہ کنیت انتہائی پسند تھی۔ لیکن بنی امیہ جو حضرت علی (ع) کو اس کنیت کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بناتے تھے، ان کے نظریات و اعمال بھی ایک دوسرے سے منسجم تھے کیونکہ ان کی اقدار، خواہشات اور اہداف کا محور دنیا تھی۔ یہ لوگ انہی چیزوں کے ہونے یا نہ ہونے کے بنیاد پر شخصیات اور نظریات کی اہمیت کا اندازہ لگاتے، اسی بنیاد پر ان کا احترام یا تحقیر کرتے۔ حضرت علی (ع) چونکہ ابوتراب تھے، انکی نظر میں دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی اس دنیا سے صرف اتنا لیتے جس سے ان کی زندگی قائم رہ سکے اور اپنے اعلیٰ اہداف تک رسائی حاصل کرسکیناس وجہ سے بنی امیہ والے ان

207

میں ایسے اہم عنصر کو مفقود پاتے تھے جو ان کی نظر میں عزت و عظمت اور شرافت و کرامت کا باعث تھا۔ اسی سبب سے طبعی طور پر وہ اس کنیت کا مذاق اڑاتے تھے۔ کیونکہ یہ عمل ان کے اہداف و خواہشات سے بالکل مطابقت رکھتا تھا لیکن دین، قرآن، عقل سلیم اور سالم فطرت کے بالکل مخالف تھا۔

2_ سرایا کا مقصد؟

بعض سرایا کا مقصد قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا تھا۔ اسی طرح بعض سرایا کا ہدف مدینہ والوں کے ریوڑ غارت کرنے والے دشمن کا پیچھا کرنا تھا۔ جیسے کرز بن جابر کا تعاقب کیا گیا۔ ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ ان سرایا میں مسلمانوں کو جنگ کا سامنا نہ تھا اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور خود پر اعتماد بحال ہو گیا۔ ان سرایا کے نتیجے میں مسلمانوں میں اتنی جرات پیدا ہو گئی کہ وہ تعداد اور وسائل کی کمی کے باوجود اسلحہ اور کیل کانتوں سے لیس قریش کے ہزار بڑے بہادروں کا مقابلہ کرسکیں۔ اور یہ بات ان کے لئے کوئی خوفناک و ہولناک مسئلہ نہ رہے۔ گرچہ ان کا ظاہری مقصد قریش کے قافلوں کے آگے رکاوٹ کھڑی کرنا تھا۔

لیکن یہ تمام باتیں ہمارے لئے قانع کنندہ نہیں ہیں۔ ہم ان واقعات کے اغراض و مقاصد جاننے کے لئے ان واقعات کائنے سرے سے جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ اس بنا پر ہم ان کا مندرجہ ذیل دو عناوین سے جائزہ لیتے ہیں۔

اول : صلح اور باہمی عہدو پیمان :

ان سرایا کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ میں رہنے والے قبیلوں کو مسلمانوں کی طاقت ، ان کے جوش و جذبے اور قریش جیسے مضبوط دشمن سے مقابلے کے پختہ ارادے کا ادراک ہوا جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور ان قبائل کے درمیان صلح کے معاہدے اور دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد

کے باہمی عہد و پیمان ہوئے۔ اس کے نتیجے میں طبعی طور پر مدینہ کے مضافات میں رہنے والے قبیلوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کا اتنا

208

رعب بیٹھ جانا تھا کہ انہیں مدینہ پر بذات خود یا اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر حملہ کرنے کے لئے کئی کئی بار غور سے سوچنا پڑتا۔ کیونکہ وہ عملی طور پر یہ دیکھ رہے تھے کہ یہاں ایک ایسی زبردست طاقت موجود ہے جس کے ساتھ ایسے تعلقات برقرار رکھنا ضروری ہیں جس سے مستقبل میں ان کے علاقائی مفادات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ان حالات کی روشنی میں مدینے میں امن و استحکام کا ایک گونہ احساس پیدا ہوا۔ اسی سبب سے مسلمانوں میں قریش کی طرف سے ہونے والی سازشوں کا زیادہ آزادی کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ یہی چیزیں جنگ بدر اور بعد کے حالات میں نظر آتی ہیں۔ یہ معاہدے اور عہد و پیمان قریش کے لئے بہت بڑے نفسیاتی صدمے اور پریشانیوں کا باعث بلکہ ان کے منہ پر انتہائی زوردار طمانچے تھے۔ کیونکہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان اب ایک ایسی طاقت بن چکے ہیں کہ مقابل کے دلوں میں رعب اور دہشت طاری کر دیتے ہیں اور دوسرے قبیلے خاص کر مکہ کے تجارتی رستے میں بسنے والے ایسے قبیلے بھی مسلمانوں کے ساتھ دفاعی معاہدے کر رہے ہیں جنہیں قریشی مشکلات اور خطرات کے وقت

اپنا حامی اور مددگار سمجھتے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ قریشی پھر مدینہ پر دباؤ ڈالنے اور مدینہ والوں کو مجبور کرنے کے لئے مدینہ کے قریب رہنے والے ان قبائل سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکے۔

دوم: قریش کی پریشانی

ان سراپا کا مقصد قریش کا اقتصادی اور نفسیاتی محاصرہ تھا۔ مراد یہ ہے کہ جب تک قریش ان مسلمانوں کو بے وطن کرتے رہینگے ، انہیں تکلیف اور دکھ دیتے رہیں گے ، ان کے اموال کو چھینتے رہیں گے اور بعض کو قتل کرتے رہیں گے تو مسلمان بھی ان کو آزادانہ طور پر نہیں گھومنے دیں گے۔ گذشتہ معاہدے میں ہم نے دیکھا تھا کہ آنحضرت (ص) نے مشرکوں پر یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ دوسرے مشرکین کے ساتھ اپنے تعلقات ختم کر دیں۔ یہاں پر قابل ملاحظہ بات یہ بھی ہے کہ ان سراپا کا مقصد قریش کو قتل کرنا یا ان سے جنگ کرنا نہ تھا۔

209

یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ نے جہنی کی وساطت اور ثالثی کو قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح عبیدہ بن الحارث نے بھی اس قافلے کا پیچھا نہ کیا جو اس سے آگے نکل گیا تھا نیز قریش کے تین اور قافلے بھی بڑے آسانی اور سلامتی سے گزر گئے تھے اور مسلمان مناسب وقت پر ان تک نہ پہنچ سکے

تھے۔ یہاں تک کہ جنگ بدر کے موقع پر بھی مسلمان قریش کے قافلے کو پہنچ نہیں پائے تھے لیکن اس کے باوجود قریش نے ہی مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ انشاء اللہ اس پر بعد میں گفتگو کریں گے۔

پس ان سرایا کا مقصد قریش کو یہ باور کرانا تھا کہ اس علاقے میں قریش اب آزادا نہ دندناتے نہیں پھر سکتے اور نہ اب ان کا قانون چلے گا اور آج کے بعد سے شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں کی امنیت بھی خطرے میں ہے اور جب تک وہ عقل اور منطق سے کام نہیں لیتے، حکمت کی سیدھی راہ اختیار نہیں کرتے نیز ظلم و تکبر اور جور و ستم کار استہ ترک نہیں کر دیتے تب تک ان کے ساتھ ایسا ہوتا رہے گا۔ اور اب انہیں اپنا مکمل محاسبہ کرنا ہوگا تا کہ انہیں یہ یقین ہو جائے کہ اب ان کے لئے طاقت کے ساتھ اس موقف کی سرکوبی نہایت مشکل ہوگئی ہے اور اب جلد یا بدیر ان کے لئے حقیقت کے اعتراف کرنے اور حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ خدا اور اس کے رسول (ص) کو دعوت جنگ دیں گے جس کے نتیجے میں ان کا غرور اور تکبر سب کچھ خاک میں مل جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی۔

بہر حال مسلمانوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کو چھیڑنے پر اکتفا کیا اور قافلوں کو لوٹنے کی کوشش نہیں کی صرف اس لئے کہ قریش کے لئے سامنے کا ایک دروازہ کھلا رکھیں اور انہیں اس معاملے میں سوچ بچار کی مہلت دیں۔ وگرنہ وہ قافلوں کو لوٹنے کا حق بھی رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ

قریش سے عادلانہ اور منصفانہ بدلہ ہوتا جنہوں نے دشمنی کی ابتدا کی تھی اور ظلم اور زیادتی کی حدیں توڑ دی تھیں۔ بہر حال اگر مسلمانوں کو یہ لوٹنا مہنگانہ پڑتاتو اپنے حق کے حصول کی جد و جہد میں کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی۔ البتہ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان سرایا کا مقصد جنگ نہیں بلکہ کچھ اور تھا کیونکہ ان سرایا میں بھیجے جانے والے مسلمان جنگجوؤں کی تعداد کم

210

ہوتی تھی۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ سرایا کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے یہ دلیل کافی اور قانع کرنے والی نہیں ہے کیونکہ تجارتی قافلوں کو روکنے یا انہیں لوٹنے کے لئے کم افراد ہی کافی ہوتے ہیں اور اتنی تعداد میں جنگجوؤں کے شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم یہاں صرف اس بات کا ذکر کریں گے کہ مسلمانوں کے ان قافلوں پر گھات لگانے اور چھیڑ چھاڑ کے بعد قریش نے جو سب سے بڑا تجارتی قافلہ بھیجا یہ وہی تھا جس کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی (حالانکہ چھیڑچھاڑ طبعی طور پر محافظین کی تعدا بڑھانے کا باعث ہوئی تھی) اس قافلے کی قیادت ابوسفیان کے پاس تھی۔ جبکہ اس قافلے کے ساتھ صرف بیس (20) سے کچھ زیادہ افراد تھے حالانکہ یہ قافلے دو ہزار سے بھی زیادہ اونٹوں پر مشتمل تھا اور

اس میں قریش کا تجارتی سامان بھی موجود تھا۔

3_ سپاہیوں کو آنحضرت (ص) کی نصیحتیں

سرایا کے لئے جانے والے سپاہیوں کو آنحضرت (ص) کی گذشتہ نصیحتوں کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت (ص) کا مقصد صرف زمین کو آباد کرنا اور زمین سے فتنہ و فساد کا خاتمہ تھا، منحرفوں اور ظالموں سے آپ (ص) کے جہاد کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی بالفاظ دیگر یہ عمل کڑوی دوا کی طرح تھا۔ پس جو عمل بھی اس ہدف سے دور ہوتا آنحضرت (ص) کی نظر میں انتہائی قابل نفرت اور قابل مذمت تھا۔ چاہے یہ عمل اصحاب نے یا کسی قریبی نے ہی انجام دیا ہو۔ اس سلسلے میں آپ (ص) کی نصیحتوں کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے تاکہ صاحب انصاف با ضمیر اور زندہ دل انسان بہت سے اہم حقائق کا ادراک کر کے اپنے گفتار اور کردار نیز نظریات اور اعمال مینان سے استفادہ کرے اور اس سے زندگی کا بہترین راستہ منتخب کرے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی اپنے فوجیوں کو نصیحت کرنے کے معاملے میں آنحضرت (ص) کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل منابع کا مطالعہ فرمائیں (1)۔

(1) تاریخ یعقوبی ج 2 ص 182 و 183، شرح نیج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 1 ص 23 الفتوح ابن اکثم ج 3 ص 45 و 135 و انساب

الاشراف با تحقیق محمودی ج 2 ص 262 و ص 240 و ص 302 و ص 331 و ص 479۔

4_ صرف مہاجرین ہی کیوں؟

یہ بات قابل غور ہے کہ آنحضرت (ص) جنگ بدر سے پہلے کے غزوات اور سرایا میں صرف مہاجرین کو ہی بھیجتے تھے۔ اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اسلام (ص) ایسا کیوں کرتے تھے؟ اور اس امر میں کیا حکمت پوشیدہ تھی؟

اس کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے آپ (ص) انصار کو سمجھانا چاہتے تھے کہ آپ (ص) اپنے مقاصد کے حصول پر مصمم ہیں چاہے انصار مدد نہ بھی کریں اور انصار کہیں یہ تصور نہ کریں کہ آپ (ص) مہاجرین کا بچاؤ کر کے ہمیں اپنے اہداف کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور اس گمان سے انصار کہیں مظلومیت اور کمزوری کا احساس نہ کریں۔ ہمارے خیال میں بات اس سے کہیں زیادہ گہری ہے لہذا ہم مندرجہ ذیل عناوین سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

الف: انصار کا گمان

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انصار کا خیال تھا کہ نبی کریم (ص) کی مدد و نصرت کا فریضہ فقط اپنے علاقے تک ہی محدود ہے۔ اگر اچانک کوئی معاملہ پیش آگیا تو وہ اس سے آپ (ص) کی حفاظت اسی طرح کرینگے جیسے وہ

اپنی حفاظت کرتے ہیں لیکن اگر آپ (ص) خود حملہ فرماتے ہیں یا کسی اور علاقے میں جنگ ہوتی ہے تو انصار آپ (ص) کی مدد نہیں کریں گے۔ اس بات پر غالباً بیعت عقبہ کے موقع پر اتفاق ہوا تھا۔ اس پر مؤرخین کی یہ بات بھی دلیل ہے جو انہوں نے جنگ بدر کے حالات میں نہایت واضح طور پر بیان کی ہے کہ آنحضرت (ص) کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ انصار آپ (ص) کی مدد نہیں کریں گے مگر یہ کہ مدینے میں آپ (ص) پر اچانک کوئی افتاد آن پڑتی۔ اس لئے انصار کا آپ (ص) کے ساتھ اس جنگ پر جانا ضروری نہیں تھا۔ اس کی تفصیلات غزوہ بدر کے حالات میں آئیں گی۔

انشاء
اللہ
تعالیٰ

212

باء : جنگ اور امن کا مسئلہ

اہل مدینہ کے لئے جنگ کوئی آسان مسئلہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہیں ہی جنگ کی نہایت اہم ذمہ داریوں کو قبول کرنا ہوگا۔ اس راہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی دینی ہوگی۔ اور انہیں ہی اپنے وسیع معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور دیگر تعلقات پر اس کے اثرات و نتائج کا سامنا کرنا ہوگا۔ عربوں کے نزدیک یہ مسئلہ انتہائی اہم اور خطرناک تھا کیونکہ یہ مسئلہ خون، انتقام، زندگی، موت، خوشبختی اور بدبختی کا مسئلہ تھا۔

جب جنگ کا مطلب ہی یہی کچھ ہے تو پھر ان لوگوں میں اعلیٰ سطح کے صبر، برداشت اور تحمل کے ہونے کے علاوہ ان لوگوں کا اپنی مرضی سے ان جنگوں میں حصہ لینا نہایت ضروری تھا۔ اگر (آغاز ہی میں) ان پر جنگ کا فریضہ عائد کر دیا جاتا تو ممکن تھا کہ اس کے نتائج بالکل برعکس ہوتے یا شاید انتہائی خطرناک ہوتے جن کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر بہت زیادہ مشکلات اور مصیبتیں نازل ہوتیں جن کا مداوا بھی مشکل ہوتا۔ ان مشکلات سے اپنے عظیم اور اعلیٰ ہدف کی کامیابی کے ساتھ اپنی مرضی اور عزت سے نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ رسول اکرم (ص) نے جنگ بدر اور احد کے سلسلے میں اپنے اصحاب سے مشاورت فرمائی۔ اس بات پر ہم انشاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے۔

ج: انصار کے مخصوص حالات

انصار اپنے علاقے میں (اپنے رسوم و رواج اور طبعی سماجی تعلقات میں گھرے) امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ لوگ اپنے ماحول سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ اپنے معاشی معاملات اور زراعت کے مسائل میں مصروف تھے اور اپنی زمینوں سے استفادہ کر رہے تھے۔ یہ لوگ اپنی خوشحال زندگی کے معاملات میں مگن تھے اور یہی چیز اس بات کا باعث تھی کہ وہ اپنی زندگی سے پیار کریں۔ ان حالات میں کسی ایسے بہت ہی

طاقتور عامل یا سبب کی ضرورت تھی جو انہیں ان حالات سے نکال کر حال اور مستقبل میں کٹھن مشکلات،

213

اور تکالیف میں گھرے نئے حالات میں لے جاتا۔ اسی طرح کل کلانانصار کو قریش سے جنگ بھی کرنا ہوگی۔ اور قریش ایک ایسا قبیلہ تھا جو عربوں میں بہت بڑا خطرناک، با اثر اور بانفوذ بلکہ محترم قبیلہ تھا۔ پس انصار کے لئے اہل مکہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو خطرے میں ڈالنے والے کسی بھی کام کے اقدام سے پہلے اپنے آپ کو ذہنی، عملی اور سماجی طور پر اس نئے معاشرے اور نئے حالات سے ہم آہنگ کرنا ضروری تھا۔ خصوصاً جبکہ مکہ والوں سے دشمنی مول لینے سے تمام عربوں کی طرف سے دشمنی کا خطرہ لاحق تھا۔ خاص طور پر ایسے حالات میں جبکہ دوسروں کی نظر میں اہل مدینہ قصور وار بھی ہوں۔ اور ایسا ہوا بھی ہے کیونکہ تاریخی دستاویزات میں ابی بن کعب کی یہ بات مذکور ہے کہ جب نبی کریم (ص) اور ان کے اصحاب نے مدینہ ہجرت فرمائی اور انصار نے انہیں پناہ دی تو سارا عرب ان کا دشمن بن گیا اس کے بعد اہل مدینہ راتوں کو اسلحہ لے کر سوتے اور دن کو بھی اسلحہ سے لیس ہوتے تھے (1) جس پر خدا نے دشمنوں کی سازشوں کا توڑ اور اپنا دفاع کرنے کے لئے انہیں جنگ اور جہاد کی اجازت دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان

اللہ علی نصرہم قدیر(2)

لیکن دوسری طرف مہاجرین کے حالات اس لحاظ سے ان سے بالکل مختلف تھے۔ ان کی قریش سے جنگ اور نبرد آزمائی سہل اور آسان تھی۔ ان کی قریش کے خلاف معرکہ آرائی کی وجوہات واضح طور پر بالکل ذاتی اور معاشرتی نوعیت کی تھیں۔ کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ قریش ہی وہ ظالم قوت تھی جس نے ان مہاجرین کی اہانت کی، ان کو اذیتوں سے دوچار کیا، ان کے گھر وں سے انہیں نکال باہر کیا اور ان کے اموال چھین لئے تھے۔ اور یہ دھتکارے ہوئے، مغلوب مہاجرین، قریش کے ظلم کو محسوس کر چکے تھے اور یہ جانتے تھے کہ قریش اخلاقیات کے حدوں کو پھلانگ چکے ہیں، معاشرتی رسم و رواج کی بیخ کنی کر چکے ہیں اور عقلی، دینی اور فطری احکام کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ پس ایسے مسلمان مہاجرین کا غصہ اور دفاع

1) منتخب کنز العمال ج/1 ص 465 دبر حاشیہ مسند احمد) از دلائل النبوة بیہقی، ابن مردویہ، ابن منذر، کنز العمال ج/1 ص 295 از مذکورہ

افراد و از، طبرانی، الحاکم، سعید بن منصور، اور روح المعانی ج/6 ص 98 نیز ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ، ج 2، ص 123، بحار الانوار

، ج 19، ص 8، اعلام الوری، ص 55۔

فطری طور پر انتہائی عظیم اور شدید تھا۔ اس وجہ سے قریش کے قافلوں کو تنگ کرنا ان کے لئے نہایت آسان تھا۔ کیونکہ یہ تجارتی قافلے اس لئے پڑے گروہ کے لئے دشمنیوں کا مجسم نمونہ تھے اس لئے کہ ان تجارتی قافلہ والوں کے پاس جو بھی مال تھا سب ان لئے پڑے اور شہر بدر کئے گئے لوگوں کا مال تھا۔ خلاصہ یہ کہ مہاجرین کی ان جنگوں کو زیادتی اور دشمنی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ قریشیوں کے خلاف مہاجرین کی جنگ تو انتہائی عادلانہ اور حقوق کے حصول کے لئے تھی۔ کیونکہ ان مہاجرین کے ساتھ قریش کا تو معاملہ ہی ایسا تھا اور مخالفین کے ساتھ ان کا سلوک بھی تو بہت برا تھا۔ اور وہ مخالف تھے کون؟ وہ تو باقی لوگوں کی نسبت ان کے سب سے زیادہ قریبی اور پیارے تھے۔ پس یہیں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیروں کے ساتھ ان کا کیا سلوک ہوگا جن کے ساتھ نہ تو ان کا کوئی قریبی رابطہ و تعلق تھا اور نہ ہی کوئی رشتہ داری بنتی تھی۔

د: مہاجرین کی نفسیاتی کیفیت

گذشتہ عرائض کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ انصار کی بہ نسبت مہاجرین کے لئے جہاد نہایت آسان تھا۔ کیونکہ یہ دشمنی اور چڑھائی شمار نہیں ہوتی تھی بلکہ دفاع شمار ہوتا تھا۔ پس اس صورت میں اس جہاد کے لئے سیاسی اور اجتماعی بلکہ ایسے ذاتی اہداف اور مقاصد بھی پائے جاتے

تھے کہ جن کا حصول بھی نہایت ضروری تھا اور جس کی وجہ سے انصار بھی اسلام کی مضبوط ڈھال اور کاٹ دار تلوار کی حیثیت سے اس جہاد میں شامل ہو جاتے۔ پس مہاجرین نے اپنی فعالیت شروع کردی اور اس فعالیت سے ان غریب الوطن مہاجرین کو ایک موقع ملا کہ وہ اس نئے علاقے کی جغرافیائی شناخت قائم کر سکیں، چاہے محدود پیمانے پر ہی سہی۔ کیونکہ نفسیاتی طور پر مجروح یہ مہاجرین اس نئے علاقے سے اجنبیت کا شدید احساس رکھتے تھے۔ انہیں ایک ایسے تحریک کی ضرورت تھی جس سے ان کی خود اعتمادی دوبارہ لوٹ سکے انہیں معنوی ترقی حاصل ہو اور ان میں قوت، استقلال اور آزادی کا احساس و شعور اجاگر ہو۔ اب ان تحریکات سے ان میں یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ، اب وہ قریش کو تنگ کرنے اور ان پر دباؤ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اب ان لوگوں میں خود اعتمادی

215

کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔

نیز اس علاقے میں رہنے والے دیگر قبائل کے ساتھ رسول (ع) خدا کے صلح کے معاہدے نے بھی ان کی خود اعتمادی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن انصار ان مذکورہ باتوں سے بالکل بے نیاز تھے۔ پس وہ مہاجرین جن پر آزمائشوں نے گہرے اثرات چھوڑے ہوں اور صدمات نے ان کے ایمان کو متزلزل کر دیا ہو ان کا جہاد کرنا اور اس دین کی راہ میں قربانی دینا انہیں (

نفسانی کمزوری کے سبب) شیطان کے چنگل اور وسوسوں میں پھنسنے سے بچا سکتا ہے _ کوئی مسلمان جب خود کو دین اور عقیدے کی راہ میں مصروف عمل ، اس راہ میں قربانی دیتا ہوا اور اپنے اس عمل کو پر ثمر اور اس کا نتیجہ خوب سے خوب تر دیکھے گا تو اسے پھر سے ثبات ، استقلال اور اطمینان قلب حاصل ہوگا اور اس کی آزمائشیں کم سے کم تر ہوں گی جن کا منفی رد عمل بھی نایاب ہوگا اور جس مقصد اور چیز کے لئے اس نے قربانیاں دی ہیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں اس کے ساتھ اس کا تعلق مزید پختہ اور مضبوط ہو جائے گا _

عربوں میں خون کا معاملہ

عرب، خون کبھی معاف نہیں کرتے تھے اور کبھی بھی اس سے چشم پوشی نہیں کرتے تھے " خون کا بدلہ خون" کی بنیاد پر مختلف قبائل اور اقوام کے آپس میں سیاسی ، اقتصادی ، معاشرتی اور دیگر روابط قائم ہوتے تھے _ بعض اوقات تو خون کے انتقام کا یہ مسئلہ کئی نسلوں تک چلتا تھا _ اب جب ایک ایسے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی ضرورت ہے جس میں ہر کوئی ایک دوسرے کا ضامن ہو اور ایک جسم کی طرح سب ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں تو ایسے معاشرے کے لئے خون اور اس کے بدلے کا دائرہ ممکنہ حد تک تنگ کرنا ضروری تھا _ تاکہ اس کینے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے جو روحوں میں سرایت کر چکا تھا اور اس کے اثرات آنے والی

نسلوں پر کئی دہائیوں بلکہ صدیوں تک باقی رہتے تھے _

216

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اگر چہ جنگ بدر میں انصار کی تعداد مہاجرین کی نسبت چار یا پانچ گنا زیادہ تھی لیکن اکثر مشرکین کا قتل حضرت علی (ص) اور حمزہ کے ہاتھوں ہو اجو مہاجر اور قریشی تھے _ بالکل اسی لئے نیز مقتولین کی تعداد کم کرنے کے لئے امیر المومنین (ع) نے جنگ صفین میں قبیلہ ازداور قبیلہ ختم کو فرمایا کہ صرف اپنے ہم قبیلہ لوگوں کے ساتھ لڑو ، اسی طرح اہل عراق کے ہر قبیلہ کو فرمایا کہ وہ اہل شام کے اپنے ہم قبیلہ افراد کے مقابل ہوں مگر یہ کہ اہل شام مینان کے ہم قبیلہ افراد نہ ہوں یا بہت کم ہوں مثلاً شامی فوج میں بجیلہ کے بہت کم لوگ تھے تو انہیں قبیلہ لخم کے مقابل قرار دیا (1) یہی معاملہ جنگ جمل میں ہوا _ جنگ جمل میں حضرت علی (ع) نے جناب عائشہ کی فوج میں ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا (2) کہ مالک اشتر اور جندب بن زبیر کی تلوار سے بچو (3) پھر آپ (ع) نے ہی ان کی طرف صلح نامہ بھیج کر انہیں کتاب و سنت کے مطابق صلح کرنے کا کہا لیکن انہوں نے آپ (ص) کا قاصد ہی قتل کر دیا _ یہ تو ان کوششوں کے علاوہ بے جو آپ (ع) نے طلحہ ، زبیر اور عائشہ کو جنگ سے روکنے کے لئے صرف کر دی تھیں _ اور آپ (ع) نے ہی بی بی عائشہ کی ناقہ کی کونچیں کٹ جانے پر جنگ ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور مقتولین پر اظہار افسوس بھی کیا تھا _ اسی طرح جنگ

صفین میں بھی آپ (ع) نے معاویہ اور اس کے حلیفوں کو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز رہنے اور احکام خداوندی کو قبول کرنے کے لئے راضی کرنے کی کئی ہفتوں پر محیط بہت کوششیں کیں۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت علی (ع) انسانوں کو قتل نہ کرنا چاہتے تھے بلکہ آپ (ع) کا مقصد فقط امت محمدیہ (ص) کی حیات اور زندہ دلی کے لئے کم سے کم نقصان میں فتنہ و فساد کا قلع قمع اور دین کا نفاذ تھا اس بات کی تاریخی گواہی یوں دی جاسکتی ہے کہ مختار ثقفی نے پہلے ابراہیم بن مالک اشتر سے کہا کہ وہ قبیلہ مضر یا اہل یمن کی طرف جائے لیکن پھر اس نے اپنا نظریہ بدل کر اس کے مضر کی طرف جانے کو ترجیح دی۔ طبری نے لکھا "ہے"

1) وقوعہ صفین نصر بن مزاحم ص 229 ، انساب الاشراف ج/2 ص 305، الفتوح ابن اعثم ج 3 ص 141 و ج 2 ص 299، 1 و تاریخ الامم

و الملوك ج 4 ص 9 اور اس میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے پہلے شامی قبائل کے متعلق جستجو اور پوچھ گچھ کی پھر

منذورہ فیصلہ کیا۔

2) الفتوح لابن اعثم ج/ 2 ص 299۔

3) لباب الآداب ص 187 ، الاصابة ج/ 1 ص 248 _ الجمل شیخ مفید ص 149 _

بصیرت مختار نے سوچا کہ ابراہیم اگر اپنی قوم کی طرف جائے گا تو قتل و غارت بھی کم کرے گا۔ پس مختار نے یوں کہا کہ جاؤ مضر کی طرف جھاڑو پھیرو " (1) خلاصہ یہ کہ جب ایک ہی قبیلے کے بعض افراد یا بعض گروہوں کے درمیان جنگ ہو تو غالباً خون کم بہتا ہے (جب کہ دو مختلف قبائل میں ایسا نہیں ہوتا) کیونکہ دونوں طرف نسلی ہمدردیاں اور قبائلی قرابت داری موجود ہوتی ہے جس سے کینہ ختم کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خلوص، پیار اور محبت سے معمور زندگی کی طرف دوبارہ لوٹنے کے لئے حالات مساعد ہوتے ہیں۔ ہماری اس بات کی دلیل یہ ہے کہ قریش ایک لمبی مدت تک انصار کے زخم نہ بھولے اور بد لہ لینے کی کوشش میں انہوں نے نہ ہی کھل کر غم منایا اور نہ ہی کوئی اور کسر چھوڑی۔ بلکہ قریش تو (حضرت علی (ع) کے انہیں ذلیل و خوار کرنے کی وجہ سے) پورے قبیلہ بنی ہاشم کے خلاف اپنے دلوں میں سخت کینہ رکھتے تھے۔ خود رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم بھی ان کینوں کے نتیجے میں اپنے اہل بیت (ع) پر ہونے والے مظالم کے تصور سے گریہ فرمایا کرتے تھے (2)۔

گذشتہ تمام باتیں تو اس بات کے علاوہ ہیں کہ اپنوں کے خلاف اس جہاد میں ان کی آزمائشے بھی ہو رہی تھی، کیونکہ اپنے رشتہ داروں کے قتل جیسی کٹھن ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے پختہ ایمان اور مکمل اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا نے بنی اسرائیل کو بھی اسی طرح آزمایا تھا بلکہ خود حضرت اسماعیل (ع) کے معاملے میں بھی حضرت ابراہیم (ع) کا اسی

طرح کا امتحان لیا تھا _

قریش اور انصار

انصار کے خلاف قریش کے جذبات اور عزائم کے مطالعے کے سلسلے میں سب سے پہلے جنگ بدر کے بعد کہے گئے ابوسفیان کے مندرجہ ذیل اشعار کا مطالعہ ضروری ہے _

1) تاریخ طبری ط الاستقامة ج/4 ص 521_

2) ملاحظہ ہو: امالی شیخ صدوق ص 102، فراند السمطین ج 2 ص 36، بحار الانوار ج 28 ص 37، ص 38، ص 41، ص 51 و ص

81 و ج 43 ص 172 و ص 156، العوالم ص 216، ص 217 و ص 218، كشف الغمہ اربلی ج 2 ص 36، انساب الاشراف بلاذری و مسند

ابویعلی ج 1 ص 427، مجمع الزوائد ج 9 ص 118، مستدرک حاکم ج 3 ص 139، المطالب العالیہ ج 4 ص 61 طبع دار المعرفہ_

218

آیت لا اقرب النساء و لا یمس حتی ان
راسی و قبائل الفؤاد
جلدی الاوس والخزرج
الغسل حتی ان

میں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک اوس و خزرج کو نابود نہیں کر دوں گا تب تک میں عورتوں کے قریب جاؤں گا نہ اپنے جسم کے کسی حصے کو دھوؤں

گا۔ کیونکہ دل مسلسل آگ میں جل رہا ہے۔ اس بات کو انصار بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ اسی لئے جب پیامبر اسلام (ص) کی رحلت ہوئی تو انصار نے بہت گریہ کیا کیونکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ لوگ آپ (ص) کے چلے جانے کے بعد ان کے ساتھ کیا کریں گے (1)۔ ان لوگوں نے سعد بن عبادہ کی بیعت بھی صرف اور صرف اسی خیال کے تحت کی۔ اس بات کو حباب بن منذر نے سقیفہ کے دن یوں بیان کیا: "ہمیں تو اس بات کا ڈر ہے کہ حکومت تمہارے بعد ان لوگوں کے ہاتھ آجائے گی جن کے آباء و اجداد، بھائیوں اور بیٹوں کو ہم لوگ قتل کرچکے ہیں" (2)۔ حضرت علی (ع) نے سعد بن عبادہ کے اپنے لئے بیعت طلب کرنے کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ آپ (ع) نے اپنے اصحاب کو ایک خط میں لکھا: "جب سعد نے دیکھا کہ لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے لگے ہیں تو اس نے پکار کر کہا کہ لوگو خدا کی قسم جب میں نے دیکھا کہ تم لوگ حضرت علی (ع) سے روگردانی کرچکے ہو تب میں نے یہ کام کیا۔ او رجب تک علی (ع) بیعت نہیں کرتے میں بھی تم سے بیعت نہیں لیتا۔ اور علی (ع) کی خاطر میں کچھ بھی نہیں کروں گا چاہے وہ بیعت کر بھی لیں"۔ نیز اسی خط میں ہی ایک جگہ تحریر ہے کہ انصار نے کہا: "پس اگر تم حکومت علی (ع) کے سپرد نہیں کرتے تو ہمارا سردار دیگر تمام لوگوں سے زیادہ اس کا حق دار ہے" (3) اس سے واضح ہوتا ہے کہ انصار نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ عرب اور قریش مل کر علی (ع) کو اقتدار نہیں دینا

چاہتے، جبکہ نبی (ص) کو سخت ،

(1) مسند احمد ج 5 ص 339 و مجمع الزوائد ج 9 ص 34 از مسند احمد _

(2) حیاة الصحابہ ج 1 ص 420 _

(3) معادن الحکمة ص 153 و 154 ، نیز اسی کتاب کے ص 470، تا 473 کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں تو اس میں کثیر منابع تحریر

ہیں _

219

غلیظ اور (نعوذ باللہ) توہین آمیز الفاظ میں تحریر لکھنے سے منع کئے جانے اور پھر اسامہ کے لشکر کی روانگی میں تاخیر اور دیگر واقعات و حالات سے ان کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا تھا _

آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد وہی ہوا جس کا ڈر تھا یعنی انصار کو مصیبتوں نے گھیر لیا، ان پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ساری قوتیں، ترجیحات اور اہمیتیں مہاجرین کو حاصل ہو گئیں _ یہ اس بات کی تائید و تصدیق تھی جو آنحضرت (ص) نے انہیں بتایا تھا کہ میرے بعد تم لوگوں پر مصیبتیں آئیں گی _ پھر فرمایا تھا کہ تم لوگ صبر کرنا یہاں تک حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو _ (1)

مندرجہ ذیل امور اسکی دلیل ہیں _

1 _ محمد بن مسلمہ نے جب قریش کو قیمتی پوشاکیں پہن کر تکبر کرتے ہوئے دیکھا تو مسجد میں آکر بلند آواز سے تکبیر بلند کی جس پر حضرت عمر نے اسے بلوا یا اور اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے تکبر و خودپسندی کے اس منظر کو بیان کیا پھر کہا : "استغفر الله میں دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا " (2) _ حالانکہ محمد بن مسلمہ حکمران طبقے کے قریبیوں اور انتہائی وفادار یا رو انصار میں سے تھا جس پر وہ اطمینان و اعتماد کا اظہار کیا کرتے تھے۔

2 _ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں مالداروں کا زائد مال لے کر مہاجرین کے فقیروں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا (3)۔

3 _ حضرت عمر جمعہ کے دن دو اہم کام کیا کرتے ایک یہ کہ مہاجرین کے یتیموں کے اموال کی دیکھ بھال کرتے تھے اور دوسرا غلاموں کے حالات کا جائزہ لیتے (4)۔

(1) ملاحظہ ہو : حیاة الصحابة ج 1 ص 409 و ص 411 و ص 414۔

(2) حیاة الصحابة ج/ 1 ص 413 ،کنز العمال ج/ 1 ص 329 ،از ابن عساکر _

(3) ہمارے مضمون " ابوذر سو شلسٹ ، کیمونسٹ یا مسلمان" کا آخری حصہ ہماری کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ والاسلام" میں

ملاحظہ کریں۔

(4) المصنف ج/2 ص 349 اور اس کے حاشیہ ج/1 ص 69 پر مالک سے۔

4 _ حضرت عمر انصار کی ضروریات اور درخواستوں کا کوئی خیال نہ رکھتے تھے البتہ ابن عباس اگر کبھی رابطہ کرتے تو کچھ کر دیتے۔ (1) _

5 _ صرف بنی ہاشم ہی تھے جو انصار کا خیال رکھتے تھے حضرت عمر کے زمانے کے بعد تو انصار کے حالات مزید بگڑ گئے حتی کہ :

6 _ یزید نے کعب بن جعیل کو بلایا اور اس سے انصار کی برائی بیان کرنے کا مطالبہ کیا _ کعب نے اس سے کہا: " کیا تم مجھے دوبارہ شرک کی طرف پلٹانا چاہتے ہو _ کیا میں اس قوم کی برائی بیان کروں جس نے رسول اللہ (ص) کی نصرت کی اور انہیں پناہ دی ؟ " اس کے بعد کعب نے یزید کو اخلل نصرانی کے متعلق کہا جس نے یزید کی فرمائش پر یہ شعر پڑھا _

ذہبت	قریش	بالسماحة	والندی
واللوم	تحت	عمائم	الانصار

قریش نے بڑی سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کیا لیکن انصار کے عاموں تلے کمینگی چھپی ہوئی ہے۔

7 _ اسکے بعد یزید نے " حرہ " کے واقعہ میں ظلم و جنایات کی حدیں توڑ کے رکھ دیں _ اس واقعہ میں انصار کے عزیزوں کو ذلیل کیا گیا ، ان کی بتک حرمت کی گئی ، ان کی عزتوں کو لوٹا گیا اور ان کے مردوں کو قتل کر دیا

گیا۔ یہ واقعہ اموی حکمرانوں کے ننگ و عار کا منہ بولتا ثبوت ہے اور انکے ماتھے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کلنک کاٹیکا بن کے رہ گیا۔ امویوں نے پرانے بغض، کینے اور دشمنی کی بنا پر ذلت و عار کا ارتکاب کیا لیکن یہ رسوائی ہمیشہ کے لئے کینہ پرور اموری حکمرانوں اور ان کے چاہنے والوں اور پیروکاروں کے دامن پر کبھی نہ مٹنے والا داغ بن گئی ہے۔

(1) حیاة الصحابہ ج/ 1 ص 414 ، 415 ، 416

(2) الشعر والشعراء لابن قتیبہ ص 302۔

221

تاریخی دغابازی

مدائنی کہتا ہے کہ مجھے ابن شہاب نے بتایا، اس نے کہا کہ مجھے خالد بن عبداللہ القسری نے کہا کہ میرے لئے نسب نامہ لکھو۔ میں نے "مضر" کے نسب نامے سے شروع کیا۔ ابھی اسے مکمل بھی نہ کیا تھا کہ اس نے کہا: "اس کو کاٹ دو، کاٹ دو۔ اللہ ان کی جڑیں کاٹے"۔ پھر اس نے کہا: "میرے لئے کوئی سیرت تحریر کرو"۔ میں نے کہا: "اگر کہیں حضرت علی بن ابن طالب کی سیرت کا ذکر آجائے تو کیا اسے بھی لکھوں؟" تو خالد نے کہا: "نہیں، لیکن صرف اس صورت میں کہ اسے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں

دکھاؤ" (خدا خالد اور اسکے چاہنے والوں پر لعنت کرے اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر اللہ کا درود و سلام ہو) (1)

جب معاویہ کو حضرت علی علیہ السلام کا اپنے فضائل پر مشتمل خط ملا تو اس نے کہا : " اس خط کو چھپا دو کہیں شامیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے و گرنہ وہ علی بن ابی طالب کے حامی بن جائیں گے " (2) _ ہشام بن عبدالملک نے اعمش کو خط لکھ کر اس سے عثمان کے فضائل اور حضرت علی (ع) کی برائیاں لکھنے کا مطالبہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا (3) _ شعبی کہتا ہے کہ اگر میں حضرت علی (ع) پر جھوٹ گھڑنے کے بدلے میں ان امویوں سے غلام بننے یا گھر سونے سے بھر دینے کا مطالبہ بھی کرتا تو وہ ایسا کر گذرتے (4) _ ابو احمد عسکری کا کہنا ہے کہ اوزاعی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے (حدیث کساء کے علاوہ) فضائل اہل بیت (ع) کی کوئی روایت ذکر نہیں کی ، واللہ اعلم _ اسی طرح زہری نے بھی صرف ایک حدیث ذکر کی ہے _ یہ دونوں بنی امیہ کے مظالم سے ڈرتے تھے _ (5) ان مؤرخین کی اس تاریخی دغا بازی پر یہی دلیل کافی ہے کہ مورخین کے اس دعوے کے باوجود کہ جنگ جمل میں سات سو مہاجر اور انصار ، ستر یا اسی بدری اور بیعت شجرہ میں شامل دو سو صحابی حضرت علی (ع) کے ساتھ تھے (6) (شعبی کے بقول) دشمنان علی (ع) اور تاریخی دھوکہ باز مؤرخین کی ڈھٹائی اس حد

59_	ص	19	ج	الادباء	معجم	1) الاغانى
266_	ص	5	ج	الادباء	معجم	2)
221_	ص	1	ج	الذئب	شدرات	3)
173_	ص		واسط		تارىخ	4)
20_	ص	2	ج	الغابه	اسعد	5)

6) المعيار و الموازنه ص 22، مستدرک حاکم ج 3 ص 104، الغدير ج 10 ص 163 از صفين و ص 266 تا ص 268 و از شرح نهج

البلاغه ج 1 ص 483 و جمهرة خطب العرب ج 1 ص 179 و ص 183 _

222

تک بڑھ گئی کہ وہ یہ کہنے لگے : " جس کو یہ گمان ہو کہ جنگ جمل میں چار سے زیادہ بدری صحابی موجود تھے اسے جھٹلا دو _ علی (ع) اور عمار ایک طرف اور طلحہ اور زبیر بھی ایک طرف تھے " (1) _ اسکا فی کہتا ہے کہ معاویہ نے صحابہ اور تابعین کے ایک گروہ کو پر کشش تنخواہ اور مراعات پر صرف اس لئے ملازم رکھا ہوا تھا کہ وہ حضرت علی (ع) کے خلاف ایسی گھٹیا حدیثیں گھڑیں جس سے لوگ حضرت علی (ع) سے متنفر ہوجائیں اور آپ (ع) پر انگلی اٹھانے لگیں _ اور انہوں نے بھی معاویہ کی من پسند حدیثیں گھڑیں _ ان صحابیوں میں ابوہریرہ ، عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ بھی تھے اور تابعیوں میں عروہ بن زبیر نام آور ہے (2) _ نیز معاویہ شامیوں کو

یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ حضرت علی (ع) اور آپ (ع) کے ساتھی بے نمازی ہیں (3)۔

یہی معاملہ انصار کے ساتھ بھی تھا۔ زبیر بن بکار کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک جب ولی عہد تھا حج کرنے کے لئے نکلا اور مدینے سے گزرا تو ابان بن عثمان سے کہا کہ وہ پیامبر اسلام (ص) کی سیرت اور غزوات کا حال تحریر کرے۔ ابان نے کہا: " صحیح سیرت کا ایک نسخہ میرے پاس ہے جسے میں نے بہت مؤثق آدمی سے لیا ہے "۔ سلیمان نے کہا: " اس سے ایک نسخہ تیار کرو " ابان نے نسخہ تیار کیا اور لے گیا۔ جب سلیمان نے اس پر نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ عقبین (عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ کے معروف واقعے) مینانصار کا ذکر ہے اور جنگ بدر میں بھی انصار کا ذکر ہے تو اس نے کہا کہ میں تو ان لوگوں کے لئے کسی ایسی فضیلت کا قائل نہیں۔ اس واقعہ میں یا تو ہمارے خاندان کے متعلق جھوٹ لکھا گیا ہے یا پھر انصار ایسے نہیں تھے۔

ابان نے کہا: "اے امیر شہید مظلوم (4) کے ساتھ ان کی ظلم و زیادتی ہمارے حق بات بیان کرنے سے مانع تو نہیں ہے۔ وہ لوگ ایسے ہی تھے جیسے اس کتاب میں تحریر ہے "۔

سلیمان نے کہا: "جب تک میں امیر المؤمنین سے پوچھ نہ لوں مجھے اس نسخے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ

(1) العقد الفرید ابن عبدربہ ج 4 ص 328 _

(2) شرح نہج البلاغہ معتزلی ج 4 ص 64 _

(3) الغدیر ج 9 ص 122 از صفین منقری ص 402 و تاریخ طبری ج 6 ص 23 و شرح نہج البلاغہ معتزلی ج 2 ص 278 و از الکامل فی

التاریخ ج 3 ص 135 _

(4) یہاں شاید مراد حضرت عثمان بن جنہیں اپنے محل میں قتل کر دیا گیا تھا _ مترجم

223

ہوسکتا ہے وہ مخالفت کریں" پس اس نے اس کتاب کو جلانے کا حکم دیا _
جب سلیمان و ایس پہنچا اور اپنے باپ کو سب کچھ ذکر کیا تو عبدالملک نے کہا
: "ایسی کتاب کی تمہیں کیا ضرورت ہے جس میں ہماری فضیلت بیان نہ ہوئی
ہو؟ تم شامیوں کو وہ باتیں بتانا چاہتے ہو جسے ہم نہیں چاہتے کہ وہ جانیں "
_ اس نے جب اس نسخے کے پھاڑنے (1) کی اطلاع دی تو عبدالملک نے اس
کے اس کام کو سراہا _
پھر یہ روایت ، سلیمان کے قبیصہ بن دؤیب کو سارا ماجرا بیان کرنے اور
اس کے جواب کے بعد کہتی ہے کہ : پس سلیمان نے کہا : " اے ابواسحاق کیا
مجھے امیر المؤمنین اور انکے خاندان کی جانب سے انصار سے دشمنی اور
انہیں اتنا پسماندہ رکھنے کی وجوہات کے متعلق نہیں بتائیں گے ؟"
اس نے جواب دیا: " بھتیجے اس کا آغاز کرنے والا معاویہ بن ابی سفیان تھا

_ اس کے بعد عبدالملك کے والد اور پھر تمہارے والد نے یہ کام کیا " _ سلیمان نے کہا: " کس بنیاد پر ایسا ہوا؟ " اس نے جواب دیا: " خدا کی قسم مینابھی تمہیں بتانا ہی چاہتا تھا " _ پھر کہا: " انصار نے بنی امیہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور ان کی ایک رسوائی حضرت عثمان کا قتل بھی ہے _ اس وجہ سے بنی امیہ نے ان سے کینہ روا رکھا اور ان سے غضبناک رہے اور یہ کینہ انہوں نے نسل در نسل پروان چڑھایا لیکن میں تو امیر المؤمنین کے متعلق پہلے یہ گمان کرتا تھا کہ ان کے انصار کے ساتھ رویہ دوسروں سے مختلف ہوگا اب تم یہ بات اس سے جا کر پوچھ سکتے ہو " _ سلیمان کہنے لگا: " اللہ کی قسم میں ایسا ہی کرونگا " وہ بولتا رہا اور قبیصہ بھی وہاں موجود تھا _ اسی نے جا کر عبدالملك کو ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کی رو داد سنائی تو عبدالملك نے کہا: " اللہ کی قسم میں اس کے علاوہ کچھ کربھی نہیں سکتا _ ان کا ذکر بھی اب چھوڑو _ "

(1) چند سطر اوپر اس کتاب کے جلانے جانے کا ذکر ہے لیکن یہاں پھاڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ذکر ہے _ بظاہر تو اس واقعہ

میں تضاد پایا جاتا ہے لیکن دستاویز چونکہ عربی زبان میں ہے اور عربی میں جلانے کو (حرق) اور پھاڑنے کو (خرق) کہتے ہیں اس

لئے اس میں صرف ایک نکتہ کا فرق ہے جو شاید طباعت کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے بہر حال یہ فیصلہ یہاں مشکل ہے کہ " حرق "

ہے یا " خرق " البتہ اصل منبع اور مأخذ سے معلوم ہوسکتا ہے _ مترجم

اسکے بعد سب لوگ خاموش ہو گئے (1) لیکن قبیبہ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ انصار کی محرومیوں کا دور معاویہ کے زمانے سے شروع ہوا۔ انصار کی مایوسیوں کا دور تو حضرت عمر بلکہ حضرت ابوبکر کے زمانے سے شروع ہوا تا ہم یہاں تحقیق کا مقام نہیں۔ بہر حال کسی انصاری نے یہ اشعار کہے ہیں۔

ویل	امہا	امۃ	لو	ان	قائدھا
یتلوا	الکتاب	و	یخشی	العار	والنار
اما	قریش	فلم	نسمع	بمثلہم	
غدرأ	و	اقبح	فی	الاسلام	آثارا
ضلوا	سوی	عصبة	حاطوا	نبیہم	
بالعرف	عرفأ	و	بالانکار	انکارا (2)	

کتنی اچھی ہے وہ قوم جس کا سردار جب بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو گناہ اور جہنم کے تصور سے بھی ڈرتا ہے۔ لیکن قریش کی خیانت اور اسلام میں انکے انتہائی مکروہ اعمال کی مثال ہم نے کبھی نہ سنی۔ نبی (ص) کریم کے سب سے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ سب کے سب گمراہ ہیں۔ بہر حال اچھائی کا بدلہ بھی اچھائی ہوتا ہے جبکہ برائی کا بدلہ برائی ہے۔ ایک اور انصاری نے کہا ہے۔

دعاها الی حرماننا و جفائنا
تذکر قتلی فی القلب تکبکبوا

1) اخبار الموفقیات ص 332 _ 334

(2) الحور العین ص 215_

225

فان یغضب الالباء من قتل من مضي
فو الله ما جننا قبیحاً فتعتبوا (1)

انہوں نے ہمیں محرومیاں دینا اور ہم پر ظلم کی داستان رقم کی _ وہ جنگ بدر کے اپنے مقتولین کو یاد کر کے تڑپتے اور لوٹتے رہتے ہیں _ ماضی میں بڑوں کے قتل سے اگر ان کے بیٹے آج ہم پر غضبناک ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا تھا جس پر وہ ہم پر غصہ ہو رہے ہیں_

ھ: انصار کے متعلق پیامبر اسلام (ص) کی تاکید:

امویوں کی انصار سے دشمنی اپنے مقتولین کی وجہ سے نہیں بلکہ در اصل

اسلام سے دشمنی تھی اور اسی اسلام دشمنی کی وجہ سے وہ انصار کے بھی دشمن ہو گئے تھے کیونکہ انصار نے خدا اور اس کے رسول (ص) کی مدد کی تھی اور خدا نے ان کے ذریعہ سے شرک کو مٹایا تھا اور مشرکوں کو ذلت اور رسوائی سے دوچار کیا تھا۔ یہی علت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بار بار تاکید فرمائی کہ انصار سے محبت کرو اور ان کا احترام کرو کیونکہ انہوں نے ہی اس دین کو پناہ دی ، اس کی نصرت کی اور ان کے پاس جو کچھ بھی تھا اسے اس دین کے لئے وقف کر دیا۔

آنحضرت (ص) نے انصار کی محبت کو ایمان اور ان سے نفرت کو نفاق شمار فرمایا (2) اور فرمایا: " جس نے انصار سے محبت کی اس نے میرا دل جیت لیا اور جس کسی نے انصار سے دشمنی اور نفرت کی اس نے میری دشمنی اور غضب کو للکارا" (3)۔

(1) الحورالعین ص 215 از امیرنشان حمیری

(2) مسند احمد ج 5 ص 285 و ج 6 ص 7، ج 4 ص 283 و ج 292 و ج 3 ص 130 ، نیز انصار کے فضائل کے متعلق ملاحظہ ہو مسند

احمد ج 4 ص 70 و ج 6 ص 382، مسند ابویعلیٰ ج 7 ص 191 و 285 و 285، منحة المعبود ج 2 ص 138 و 138، صحیح مسلم ج 1

ص 60 سنن ابن ماجہ ج 1 ص 57 ، 58 ، 140 ، صحیح بخاری ج 2 ص 198 و 199 و مجمع الزوائد ج 10 ص 39 ، 40۔

(3) مجمع الزوائد ج 9 ص 376 عن الطبرانی فی الصغیر و الکبیر، البدایة والنہایة ج 3 ص 203 ، فتح الباری ج 1 ص 59 ، 60 ، مجمع

الزوائد باب حب الانصار ج 10 ص 28 ، 42 اس کے علاوہ کتب احادیث میں ایک باب انصار کے فضائل سے مخصوص ہے۔

یہ زیادہ تر انصار ہی تھے جنہوں نے اکثر مہاجرین کے برخلاف اہل بیت (ع) اور امیر المؤمنین (ع) کی راہ میں قربانیاں دیں۔ اس کے برخلاف مہاجرین ایسے نہ تھے۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں انصار نے امیر المؤمنین (ع) کا ساتھ دیا۔ انصار کے دلوں میں حضرت علی (ع) کے مقام، مرتبے اور احترام کی دلیل عمرو بن عاص کی زبیر بن بکار کے ذریعہ بیان کردہ وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ سعد بن عبادہ کے لئے بیعت لینے کی انصار کی ناکام کوششوں کے بعد مسجد نبوی میں عمرو بن عاص نے انصار کے خلاف بہت سخت اور غلیظ زبان استعمال کی۔ زبیر کہتا ہے: "پھر جب وہ متوجہ ہوا تو وہ عباس بن عبدالمطلب کے بیٹے فضل کو دیکھ کر اپنے کئے پر بہت نادم ہوا کیونکہ ایک تو جناب عبدالمطلب کی اولاد کی انصار کے ساتھ ننھیالی رشتہ داری تھی اور دوسرا انصار بھی اس وقت حضرت علی (ع) کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کا دم بھرتے تھے" پھر روایت یہ بتاتی ہے کہ کس طرح حضرت علی (ع) نے مسجد میں آکر انصار کا دفاع کیا۔ یہ واقعہ بہت طویل ہے (1)۔ بنی ہاشم نے انصار کا ساتھ اس لئے دیا کہ ایک تو پیامبر گرامی اسلام (ص) کی وصیت تھی۔ اور دوسرا سقیفہ کے دن جب سعد بن عبادہ کی بیعت نہ ہوسکی تو انہوں نے کہا کہ ہم صرف علی (ع) کی بیعت کرینگے (2) یہ حضرت علی (ع) ہی تھے جنہوں

نے قریش کے بڑے بڑے سور ماؤں اور متکبروں کو ہلاک کیا تھا۔ ان ساری باتوں کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ لوگ صحیح معنوں میں با ایمان اور پکے دین دار تھے اور انہیں دین کا گہرا شعور حاصل تھا۔ یہاں تک کہ ان کی خواتین بھی ایسی ہی تھیں۔ یہاں یہ ذکر بھی کرتے چلیں کہ علماء کہتے ہیں کہ اصحاب رسول (ص) کا سارا علم انصار کے پاس تھا (3) نیز حضرت عائشہ انصار کی خواتین کے بارے میں فرماتی ہیں: " اگر چہ قریش کی عورتوں کی فضیلت بہت زیادہ ہے لیکن خدا کی قسم میں نے انصار کی عورتوں سے زیادہ با فضیلت کسی کو نہیں دیکھا، اللہ کی کتاب کی تصدیق کرنے میں ان سے زیادہ قوی کوئی نہیں اور نہ ہی نزول قرآن پر ایمان میں ان سے کوئی آگے ہے" (4)۔

(1) الموفقیات ص 595 و 596 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6 ص 33۔

(2) تاریخ ابن اثیر ج 2 ص 325۔

(3) الترتیب الاداریہ ج 2 ص 325۔

(4) الدر المنثور ج 5 ص 42 از ابن ابی حاتم، ابی داؤد، ابن مردویہ، تفسیر ابن کثیر ج 3 ص 284، مسند ابو عوانہ ج 1 ص 317 و حیاة

الصحابہ ج 3 ص 87۔

حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے: "انصار کی خواتین سب سے بہترین خواتین ہیں وہ دین سیکھنے کے لئے بالکل بھی نہیں شرماتیں" (1)۔

جنگ انصار پر معاف نہ تھی:

گذشتہ بحث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انصار کو جنگوں میں بالکل شرکت ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس مسئلے کا تعلق اسلام سے ہے اور اسلام تو ساری امتوں بلکہ تا ابد تمام بنی نوع بشر کے لئے ہے۔ اس کی اہمیت اور اس کو درپیش خطرات بہرحال انصار کی اہمیت اور انہیں قریش کی طرف سے درپیش خطرات سے زیادہ ہیں خاص کر اس صورت میں جب اس قسم کی صورتحال کے رد عمل کے طور پر اسلام، ان کی حفاظت کی ضروری ضمانت بھی فراہم کرتا ہے البتہ جو کچھ ہوا وہ امت کے اسلامی قوانین پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تھا اور نہ ہی ان ضمانتوں کا خیال رکھا گیا۔ اور یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ پس انصار کے لئے جنگ میں شرکت کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا البتہ یہ بھی ضروری تھا کہ قریش اور اسلام دشمنوں کے کینے کی شدت کم کرنے کے لئے کوئی عملی کام کیا جائے تا کہ مستقبل میں انصار کو درپیش مشکلات اور خطرات میں کچھ حد تک کمی کی جائے۔ اور ہوا بھی اسی طرح۔ انشاء اللہ جنگ بدر کی بحث میں قریش اور انصار کے مسائل پر مزید بات ہوگی۔

1_ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ج 1 ص 24 ، المصنف عبدالرزاق ج 1 ص 314، اس کے حاشیہ میں ہے کہ یہ روایت بخاری ، مسلم اور ابن ابی شیبہ سے منقول ہے ، کنز العمال ج 5 ح 3145 نیز خواتین انصار کی علم دین سیکھنے کی کوششوں سے متعلق ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج 2 ص 321_

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

229

چھٹا باب:

غزوہ	بدر	کا	عظیم	معرکہ
پہلی	فصل	: جنگ	کی	فضاؤں
دوسری	فصل	: جنگ	کے	نتائج
تیسری	فصل	: مال	غنیمت	اور جنگی
چوتھی	فصل	: سیرت	سے	مربوط کچھ
				ابحاث

231

پہلی فصل : جنگ کی فضاؤں میں

قریش کی ناکام سازش

نبی (ص) کریم کے مدینہ رہنے کے کچھ عرصہ بعد، جنگ بدر کے واقعہ سے پہلے، جن دنوں آنحضرت (ص) مدینہ میں تشریف فرما تھے، کفار قریش نے عبداللہ ابن ابی بن سلول اور اوس و خزرج کے بت پرستوں کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں تحریر تھا :

" مدینہ والوں نے ہمارے ایک مطلوبہ آدمی کو پناہ دے رکھی ہے، حالانکہ مدینہ والوں میں تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے یا تو تم لوگ اسے قتل کر ڈالو یا اسے نکال باہر کرو نہیں تو پھر ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو پورے عرب کو تمہارے بائیکاٹ پر اکٹھا کر لیں گے یا پھر ہم سب مل کر تمہارے اوپر چڑھائی کر دیں گے اور اس صورت میں تمہارے تمام جنگجوؤں کو تہ تیغ اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے حلال کر دیں گے "۔

جب یہ خط عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں تک پہنچا تو انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے کر کے سب کو اکٹھا کیا اور سب آنحضرت (ص) کے قتل پر متفق ہو گئے۔ جب یہ خبر نبی (ص) کریم اور آپ (ص) کے اصحاب تک پہنچی تو انہوں نے ایک گروہ کی صورت میں ان لوگوں سے ملاقات کی اور کہا : " قریش کی دھمکیوں سے تم بہت ہی زیادہ متاثر ہو گئے

ہو۔ وہ تمہارے خلاف اتنی بڑی چال نہیں چل سکتے جتنی بڑی تم خود اپنے خلاف چل رہے ہو۔ تم تو اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کرنا چاہتے ہو۔" پس جب انہوں نے نبی (ص) کریم کی زبانی یہ الفاظ سنے تو منتشر ہو گئے اور آپ (ص) کے قتل سے دستبردار ہو گئے۔ اور جب یہ بات قریش تک پہنچی تو (وہ بہت جذبہ ہوئے اور آپ (ص) کے خلاف جنگ کی ترکیبیں سوچنے لگے جس کے نتیجے میں) جنگ بدر کا واقعہ رونما ہوا (1)۔

(1) المصنف صنعانی ج 4 ص 358 و 359۔

234

بدر کی جانب روانگی:

سترہ (17) رمضان المبارک 2 ہجری میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان بدر عظمیٰ کی جنگ ہوئی۔ اور وہ اس طرح کہ غزوة العشیرہ میں مسلمانوں نے قریش کے جس قافلے کا پیچھا کیا تھا وہ ان سے بچ بچا کر شام نکل گیا تھا۔ آنحضرت (ص) پھر بھی اس کی تاک میں تھے، یہاں تک کہ اس کی واپسی کا آپ (ص) کو علم ہوا۔ یہ قافلہ ابو سفیان کی قیادت میں کم و بیش تیس (30) یا چالیس (40) یا زیادہ سے زیادہ سترہ (70) سواروں پر مشتمل تھا جس میں قریش کا تجارتی سامان بھی موجود تھا۔ اس کی مالیت کے بارے

میں اتنا تک بھی کہا جاتا ہے کہ اس سامان کی مالیت پچاس (50) ہزار دینار کے برابر تھی۔ حالانکہ اس وقت پیسوں کی بہت زیادہ قیمت ہوتی تھی (1)۔

بہر حال جب آپ (ص) کو اس قافلے کی آمد کا علم ہوا اور آپ (ص) نے مسلمانوں کو اس قافلے کی طرف جانے کا کہا تو لوگوں نے تردید کے ساتھ آپ (ص) کی آواز پر لبیک کہا، کیونکہ بعض تو فوراً آمادہ ہو گئے لیکن کچھ لوگوں نے پس و پیش کیا۔ شاید وہ قریش کے انتقامی حملے سے ڈرتے تھے کیونکہ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ قریش کے بنیادی مفادات کو نشانہ بنانا ان کے غضب اور انتقام کا باعث بن سکتا ہے۔

اس کے متعلق کئی مؤرخین کہتے ہیں: "نبی (ص) کریم کی حکم عدولی کر کے بہت سے صحابہ مدینہ میں رہ گئے اور ان لوگوں نے اس مشن پر جانا گوارا نہیں کیا۔ اس مشن پر جانے کی بات پر بہت اختلاف اور لے دے ہوئی۔ کئی صحابیوں کو آپ (ص) کا اس مشن پر جانا بھی اچھا نہ لگا اور بعض صاحب رائے اور با بصیرت افراد بھی اس مشن پر نہیں گئے، کیونکہ انہیں جنگ چھڑ جانے کا گمان بھی نہیں تھا، وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ مال غنیمت کے حصول کے لئے جا رہے ہیں۔ اور اگر انہیں یہ گمان بھی ہوتا کہ وہاں جنگ بھی چھڑ جائے گی تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے بلکہ آپ (ص) کے ساتھ نکل پڑتے" (2)۔

(1) اس کی مالیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا یا جاسکتا ہے کہ وہ مال دو ہزار سے بھی زیادہ اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ مترجم۔

235

جبکہ واقدی کہتا ہے : " رسول (ص) خدا کے کچھ صحابیوں نے بدر جانا گوارا نہیں کیا _ وہ کہنے لگے کہ ہم تعداد میں بہت کم ہیں ، حالانکہ یہ من پسند بات نہیں تھی _ بہر حال اس بات پر صحابیوں میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو گیا" (1) خدانے اس واقعہ کی حکایت یوں بیان کی ہے (کما اخرجك ربك من بيتك بالحقّ و ان فريقاً من المؤمنین لکارہون _ يجادلونك فی الحق بعد ما تبیین کائنما یساقون الی الموت و ہم ینظرون)(2)_ "خدا نے تمہیں (بدر کی طرف نکلنے کے لئے بالکل اسی طرح کہا ہے) جس طرح گھر سے (ہجرت کے لئے) نکلنے کا کہا تھا _ لیکن اس کے باوجود مؤمنوں کا ایک ٹولہ اسے گوارا نہیں کرتا _ وہ حق کے واضح ہونے کے بعد بھی تمہارے ساتھ ایسے جھگڑتے اور بحث کرتے ہیں گویا کہ انہیں ان کے جانتے بوجھتے ہوئے موت کی طرف زبردستی لے جایا جا رہا ہو " _ جی ہاں وہ اس لئے جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ قریش اتنی بڑی بات پر ہرگز چپ نہیں رہ سکتے۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مؤرخین کی یہ بات کہ مدینہ رہنے والے صحابیوں کو ہرگز یہ گمان بھی نہیں تھا کہ آنحضرت(ص) کو جنگ کا سامنا

بھی کرنا پڑے گا(3)۔ نہ صرف بے جا ہے بلکہ یہ جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ناکام اور نہایت نامعقول بہانہ تراشی ہے۔ وگرنہ گذشتہ آیت ، مذکورہ نظریئے کے غلط ہونے پر بہترین دلیل ہے۔ بہر حال ادھر سے مسلمان تجارتی قافلے کو روکنے کے ارادے سے نکلے تو ابوسفیان کو ادھر اس بات کا علم ہو گیا۔ جس پر اس نے ایک قاصد مکہ بھیج کر قریش کو قافلہ بچانے کے لئے بلوایا۔

لوگوں سے لڑنے والے

یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمان بن عوف ، سعد بن ابی وقاص ، مقداد اور قدامہ بن مظعون کو جب مکہ

(1) المغازی واقعی ج 1 ص 131۔

(2) انفال ، 5:6۔

(3) الکامل ابن اثیر ج 2 ص 116۔

میں اذیتیں دی جاتی تھیں تو وہ آنحضرت (ص) سے مشرکین سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے جبکہ آپ (ص) انہیں اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن پھر جب انہیں لڑائی اور بدر کی طرف جانے کا حکم ملا تو کچھ لوگوں

پر یہ بات گراں گذری جس پر یہ آیت نازل ہوئی:
 (الم تر الى الذين قيل لهم كفوا ايديكم و اقيموا الصلوة و اتوا الزكوة اذا فريق
 منهم يخشون الناس كخشية الله او اشد خشية و قالوا ربنا لم كتبت علينا القتال لو لا
 اخرتنا الى اجل قريب قل متاع الدنيا قليل و الآخرة خير لمن اتقى)(1)
 "ان لوگوں کی حالت تو دیکھو جنہیں یہ کہا گیا تھا کہ ابھی (لڑائی سے) اپنے
 ہاتھ روك رکھو اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو تو (جب ان پر جنگ
 فرض کی گئی تو) ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جس
 طرح خدا سے ڈراجاتا ہے بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور یہ
 کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر جنگ کا فریضہ کیوں عائد
 کیا ہے ؟ تھوڑی دیر اور رك جاتے۔ (اے نبی (ص)) ان سے کہہ دو کہ
 دنیاوی ساز و سامان اور فائدہ بہت کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت سب
 سے بہتر ہے۔"

لیکن ہم کہتے ہیں کہ مقدار کی شخصیت ، نفسیات اور چند صفحات بعد ذکر
 ہونے والے اس کے عظیم موقف کی روسے ایسا نہیں لگتا کہ اس پر جنگ کا
 فریضہ گراں گذرا ہو۔ اس پر مزید یہ کہ گذشتہ آیت اس بات پر دلالت کرتی
 ہے کہ مذکورہ افراد نے جنگ کے معاملے میں بزدلی دکھائی ہے۔ اور ان کا
 لوگوں سے یہ ڈر اور خوف ، خوف خدا سے بھی بہت زیادہ تھا۔ اور اس کی
 وجہ زندگی اور دنیا سے محبت تھی۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ مقدار ہرگز بزدل
 نہیں تھا اور نہ ہی وہ دین اور اسلام کے ارشادات سے ہٹ کر دنیا سے محبت

(1) بحار الانوار ج 19 ص 209 ، مجمع البیان ج 3 ص 77 و الدر المنثور ج 2 ص 184 از نسائی ، ابن جریر ابن ابی حاتم ، حاکم اور

اس کے مطابق روایت صحیح ہے ، بیہقی در السنن ، عبد بن حمید و ابن منذر _

237

تھا اور اس کا طرز زندگی ہماری اس بات کی بہترین دلیل ہے۔ اسی طرح مذکورہ روایت اور آیت میں بھی آیا ہے کہ مذکورہ افراد میں سے بعض پر جنگ ناگوار گذری ہے ، سب پر نہیں _ البتہ مقداد کے علاوہ روایت میں مذکور دیگر افراد کے طرز زندگی اور مختلف موقعوں پر ان کے موقف اور نظریات سے ظاہر ہونے والی دنیا داری اور دنیا سے محبت سے لگتا ہے کہ ان پر جنگ کا فریضہ گراں گذرا ہوگا _ عبدالرحمن بن عوف کے متعلق تو بہر حال کوئی شک نہیں کہ اس نے یہ بات کی ہوگی _ کیونکہ بعض روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے (1) اور اس شخص نے مرتے وقت بہت مشہور و معروف تر کہ چھوڑا جس کی وجہ سے ابوذر ، عثمان اور کعب الاحبار کے درمیان جھگڑا ہوا (2) مؤرخین و غیرہ صراحت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف قریش کا سب سے مالدار شخص تھا (3) _ شوری کے دن بھی اس کا موقف بہت مشہور ہے _

اسی نے حضرت علی (ع) کے حق میں آنحضرت (ص) کی تمام وصیتوں اور خدا کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا _ وہ تو دنیا سے محبت اور دنیا کو اہمیت دینے کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول (ص) کے احکام کی زیادہ پروا نہیں کیا کرتا تھا _ اور قدامہ کو شراب پینے پر حضرت عمر نے حد میں کوڑے مارے تھے اور اسی نے حضرت علی (ع) کے بیعت سے انکار کیا تھا (4) _ اور یہ سب کام اس نے دنیا طلبی اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں کئے تھے _ اور سعد نے بھی حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے انکار کر دیا تھا _ اور جنگوں میں بھی اس نے حق کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا _ حضرت علی (ع) نے بیت المال سے اس کا الاؤنس کاٹ دیا تھا ، عمار نے اس سے قطع تعلق کر کے بول چال بھی بند کر دی تھی اور اسی نے کوفہ کے بیت المال کا کچھ مال غبن کر لیا تھا (5) _

1) در منثور کی روایتوں کے اطلاق سے مذکورہ بات سمجھ میں آتی ہے _ ملاحظہ فرمائیں _

2) ملاحظہ ہو : مروج الذہب ج 2 ص 340 ، مسند احمد ج 1 ص 63 ، حلیۃ الاولیاء ج 1 ص 160 ، الغدير ج 8 ص 351 ، انساب

الاشراف ج 5 ص 52 ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 3 ص 54 و ج 8 ص 256 ، تفسیر المیزان ج 9 ص 251 ، 258 و تاریخ الامم و

الملوک و دیگر کتب _

3) کشف الاستار عن مسند البزار ج 3 ص 172 و مجمع الزوائد ج 9 ص 72 _

4) قاموس الرجال ج 7 ص 385 اور اس کی شراب خوری کی حد کے متعلق ملاحظہ ہو: الاصابہ ج 3 ص 228 و 229 ، الاستیعاب ج 3

238

اس کے علاوہ اور باتیں بھی ہیں جو اس کی دنیا طلبی اور خدا اور رسول (ص) کے احکام سے لا پرواہی پر دلالت کرتی ہیں۔ پس ہوسکتا ہے آیت اور روایت کا مدّ نظر یہی افراد ہوں لیکن اس وقت کی سیاست اور سیاست دانوں کے منظور نظر ہونے کی وجہ سے راویوں نے ان کا نام چھپا کر دوسرے افراد کے ساتھ ملا دیا ہو۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

عاتکہ کا خواب

مؤرخین کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا تھا کہ اونٹ پر سوار ایک شخص یہ آواز لگاتا آرہا ہے کہ اے آل غالب (البتہ ایک روایت میں یا آل غُدر " اے کمینو" آیا ہے) کل صبح کو اپنی قبروں کی طرف نکل پڑو۔ پھر ابو قبیس کے پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور مگہ کے تمام گھروں میں اس کا ایک ایک ٹکڑا گرا۔ عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی عباس کو سنا یا اور اس نے عتبہ بن ربیعہ کو یہ خواب سنا یا تو اس نے کہا : "اس کا مطلب ہے کہ قریش پر مصیبت آنے والی ہے "۔ لیکن ابوجہل نے یہ سن کر کہا : " لو اب عبدالمطلب کے خاندان

میں دوسری نبیہ پیدا ہوگئی ہے۔ لات و عَزَّى کی قسم ہم تین دن تک صبر کریں گے۔ اگر اس کا خواب سچا ہوا تو ٹھیک و گرنہ ہم اپنے درمیان یہ تحریر لکھ لیں گے کہ بنی ہاشم کا گھرانہ عرب کے تمام مردوں اور عورتوں سے زیادہ جھوٹا ہے۔" پھر جب تیسرا دن ہوا تو ایک ایلچی یہ آواز لگاتا ہوا آیا: "اے آل غالب اے غالب کی اولاد غضب ہوگیا ، غضب ہوگیا" (1)۔

1) ملاحظہ ہو : سیرہ حلبیہ ج 2 ص 143 و 144، تاریخ الامم و الملوك ج 2 ص 136 و 137 ، الروض الانف ج 3 ص 43 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 369 از ابن اسحاق ، المغازی واقدی ج 1 ص 29 ، السیرة النبویہ ابن ہشام ج 2 ص 259 ، دلائل النبوة بیہقی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ج 3 ص 29 و 30، الكامل فی التاریخ ج 2 ص 116 و 117 ، تاریخ الاسلام (مغازی) ص 53، بحار الانوار ج 19 ص 245 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 357 و السیرة النبویة ابن کثیر ج 2 ص 382۔

239

قریش کی تیاری :

قریش کے تمام بڑوں اور سرداروں نے لشکر کی تیاری میں اپنا مال دیا۔ اور انہوں نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو بھی اس جنگ پر نہیں جائے گا ہم اس کا گھر تباہ کر دیں گے۔ اس لئے جو بھی اس جنگ پر خود نہ جاسکا اس نے اپنی جگہ پر کسی آدمی کو ضرور بھیجا (1)۔ ابولہب نے بھی اپنی جگہ پر عاصی بن ہشام کو ان چار ہزار درہم کے عوض بھیجا جو بقولے جوئے میں

ہارنے کی وجہ سے اس کے ذمے واجب الادا تھے (2)۔

امیہ بن خلف کا موقف

امیہ بن خلف جنگ پر جانے میں پس و پیش کر رہا تھا _ کیونکہ کچھ عرصہ پہلے عمرہ کی غرض سے جب سعد بن معاذ مگہ آیا تھا تو دونوں کے درمیان دوستی کی وجہ سے وہ امیہ کے ہاں ٹھہرا _ ایک دن سعد ، امیہ کے ساتھ طواف کرنے نکلا تو راستے میں ابوجہل سے مڈ بھیڑ ہو گئی _ ابوجہل نے سعد سے کہا : " تم دیکھ لو کہ یہاں کس طرح امن و امان اور اطمینان سے مگہ میں طواف میں مصروف ہو حالانکہ چند چھو کرے بھاگ کر تمہارے پاس آگئے ہیں اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ان کی مدد کر رہے ہو اور انہیں پناہ دے رہے ہو؟ لیکن خدا کی قسم اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہیں ہوتے تو اپنے گھر تک صحیح سالم واپس نہیں جاسکتے تھے " _ سعد نے اس سے اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے کہا : " اگر تم مجھے یہ دھمکی دے رہے ہو تو میں تمہیں اس سے بڑی اور سخت دھمکی دے سکتا ہوں _ تمہارا (تجارتی) راستہ مدینہ سے ہی گذرتا ہے " _ امیہ نے اپنے گمان میں سردار مگہ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنے پر سعد کو ٹوکا تو سعد نے کہا : " چھوڑ دو مجھے ، خدا کی قسم میں نے خود رسول (ص) خدا سے یہ بات سنی ہے کہ وہ تم لوگوں کو قتل کرنے والے ہیں " _ جس پر امیہ نے کہا : " کیا مگہ میں آکر؟ " _ تو سعد نے کہا : " یہ میں نہیں جانتا " _ امیہ نے کہا : " خدا کی قسم

محمد(ص) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا" _ اور

1)السيرة النبوية ابن بشام ج 2 ص 261 _

2) اسيرة الحلبية ج 2 ص 145، انساب الاشراف ج 1 ص 292، السيرة النبوية ابن بشام ج 2 ص 261، تاريخ الخميس ج 1 ص 370 ،

المغازي واقدي ج 1 ص 33، تاريخ الامم و الملوك ج 2 ص 137 و البدايه و النهايه ج 3 ص 258 _

240

وہ بہت گھبرا گیا (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اسی گھبرا ہٹ اور خوف میں اپنے کپڑے گیلے کر دیئے اور مگہ سے کبھی نہ نکلنے کا تہیہ کر لیا _ اسی بنا پر وہ مگہ سے نکلنے سے ہچکچا رہا تھا _ پھر جنگ بدر کے موقع پر ابو جہل نے امیہ سے ساتھ جانے کے لئے بہت اصرار کیا _ حتیٰ کہ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس دھونی والی انگیٹھی لے آیا اور اس نے اس کے سامنے انگیٹھی رکھ کر کہا : " لو عورتوں کی طرح بیٹھ کر دھونی دو کہ تم نامرد ہو" _ جس پر اس کی غیرت کی رگ پھڑکی اور جانے کا پگّا ارادہ کر لیا حالانکہ اس کی بیوی نے یہ کہہ کر اسے روکنا بھی چاہا کہ دیکھ لو خدا کی قسم محمد(ص) جھوٹ نہیں بولتا لیکن وہ جانے پر مصمم ہی رہا اور بدر میں مارا گیا(1) _

مذکورہ واقعہ پر چند نکات

یہاں مندرجہ ذیل تین نکات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے:

1_ یہاں پر قابل ملاحظہ بات سعد کی ابوجہل کو "مدینہ کے راستے میں اس پر ڈاکہ ڈالنے اور اس کا راستہ روکنے" کی دھمکی ہے۔ اور اس دھمکی پر عملدار آمد ابوجہل کی "مدینہ والوں کو مگہ نہ آنے دینے" کی دھمکی سے زیادہ سخت تھی اور ابوجہل پر یہ بات نہایت گراں گذری۔ اور اس کا سبب بھی نہایت واضح ہے کیونکہ مکیوں کی اقتصادی زندگی تجارت سے وابستہ تھی۔ اور ان کا اہم ترین تجارتی مرکز شام تھا۔ اور اگر ان پر اتنا سخت اقتصادی دباؤ پڑتا کہ انہیں دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا تو اس سے ان کی سیاسی، معاشرتی اور اجتماعی حیثیت خطرے میں پڑجاتی اور دوسرے قبائل پر سے ان کا رعب، نفوذ اور ان کی اہمیت جاتی رہتی۔ پھر وہ آنحضرت (ص) اور مسلمانوں سے کس بات پر اور کیوں جنگ کرتے؟ کیا ان کی جنگ اس نفوذ اور سرداری کی بقاء کے لئے نہیں تھی جسے وہ ہر چیز سے بلند و بالا اور بڑھ کر سمجھتے تھے؟۔ ہجرت کے متعلق گفتگو میں اس بارے میں بھی مختصراً گفتگو ہوئی ہے۔

1) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 145 نیز ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کتاب المغازی، باب غزوہ بدر و باب علامات النبوة و السیرة النبویہ ابن کثیر

2_ یہاں ہم یہ مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ امیہ بن خلف کے نظریات ، گفتار اور کردار عقل اور ضمیر کے تابع نہیں ہیں _ کیونکہ وہ آنحضرت (ص) کی سچائی کا قائل ہونے کے باوجود بھی جب جنگ پر نہ جانے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اپنی جان کے خوف سے ایسا کرتا ہے _ اور جنگ کا قصد بھی اس لئے نہیں کرتا کہ اس کا نظریہ بدل جاتا ہے بلکہ وہ غیرت ، جوش اور جاہلی غرور اور نخوت میں آکر جنگ کا فیصلہ کرتا ہے _ جس کی وجہ سے اسے دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا _ خدا نے اس جیسے افراد کی حالت واضح الفاظ کے ساتھ یوں بیان کی ہے:

(و جحدوا بها و استقینتھا انفسہم ظلما و علواً فانظر کیف کان عاقبة المفسدین)

(1)

" اور انہوں نے حقیقت کے قائل ہونے کے باوجود بھی تکبر اور دشمنی کی وجہ سے اس کا انکار کیا _ اب تم دیکھ لو ان فسادیوں کا کیا حشر ہوا"

3_ اس واقعہ میں اس بات کی واضح دلالت بھی پائی جاتی ہے کہ تمام لوگوں کے دلوں میں آنحضرت (ص) کی بہت زیادہ عظمت اور اونچی شان بیٹھی ہوئی تھی نیز وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں آنحضرت (ص) کو اپنی باتوں میں بالکل سچا پاتے تھے اور وہ تہہ دل سے اس حد تک اس حقیقت کے قائل اور معترف تھے کہ وہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ آنحضرت (ص) اپنی باتوں میں بالکل سچے ہیں اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے _ لیکن ان تمام چیزوں

کے باوجود وہ مادی اور دنیاوی فوائد اور قبائلی اثر و رسوخ و غیرہ کی خاطر آپ(ص) سے دشمنی کو ضروری سمجھتے تھے۔

طالب بن ابی طالب کی جنگ سے واپسی

مشرکین کے ساتھ ساتھ بنی ہاشم کے بھی پانچ آدمی عباس ، عقیل ، نوفل بن حارث اور طالب بن ابی طالب بھی اس جنگ میں شریک ہوئے۔ طالب کو تو زبردستی لے آیا گیا جس پر اس نے یہ رجز کہا :

(1) نمل ، 14۔

242

یا	رب	اما	یغزون	طالب
فی	مقنب	من	هذه	المقانب
فلیکن	المسلوب	غیر	السالب	
و	لیکن	المغلوب	غیر	الغالب

پالنے والے طالب ان لٹیروں کے ٹولے میں پہنس کر اس جنگ کے لئے آیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ شکست کھا کر لٹ پٹ جائیں ، فتح کے نشے میں یہ لٹیروں لٹ مار کریں گے۔

اس رجز کے بعد قریشیوں کا طالب کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ جس میں انہوں

نے کہا : " خدا کی قسم ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارا دل محمد (ص) کے ساتھ ہے " _ اس لئے وہ دوسرے کئی لوگوں کے ساتھ واپس مگہ لوٹ آیا _ اسی وجہ سے نہ تو وہ بدر کے مقتولین میں نظر آیا ، نہ قیدیوں میں اور نہ ہی مگہ واپس جانے والوں میں نظر آیا(1)؟ _ بعض نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے وہ جنگ بدر میں اس وقت مارا گیا جب مشرکوں نے اسے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بھیجا(2) _

ہمارا نظریہ

الف: ... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ (راستے میں پلٹ جانے کے باوجود بھی) مگہ پہنچنے والے لوگوں میں نظر نہ آئے ہوں ، حالانکہ ابن ہشام نے رسول (ص) خدا کی مدح اور (ابن ہشام کے بقول) قلیب (جنگ بدر) کے مقتولین کے مرثیہ میں اس کے اشعار نقل کئے ہیں جس میں وہ نوفل اور عبدشمس کے خاندان سے بنی ہاشم سے جنگ نہ کرنے کی اپیل کرتا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ صرف دکھ، درد، تکلیفیں اور مصیبتیں ہی ہوں گی _

(1) ملاحظہ ہو : بحار الانوار ج 19 ص 294 و 295 ، روضہ کافی ص 375 ، تاریخ طبری ج 2 ص 144 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 121 ،

سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 271 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 266 ، انساب الاشراف ج 2 ص 41 ، البتہ اس میں

صرف یہ آیا ہے کہ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے _

(2) تاریخ الخمیس ج 1 ص 163 _

اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:
 فما ان جنینا فی قریش عظیمۃ
 سوی ان حمینا خیر من وطا التریبا
 اخاتقة فی النائبات مرزا
 کریماً ثناء ، لا بخیلا و لا ذریبا
 یطیف بہ العافون یغشون بابہ
 یؤمن نہراً لا نزوراً و لا ضرباً
 فوالله لاتنکف عینی حزینۃ تململ
 حتی تصدقوا الخزرح الضربا(1)

قریش نے ہم بنی ہاشم کے ساتھ ایسی جانی دشمنی کیوں کر لی ہے؟ حالانکہ ہم تو قریش کے خلاف کسی بھی زیادتی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ ہم نے تو صرف روئے زمین کی سب سے بہترین، فیاض، اور شریف شخصیت کی حمایت کی ہے جو سختیوں میں قابل اعتماد ساتھی ہے۔ اس نے کبھی بخل اور ترشروئی نہیں کی ہے۔ اچھائی کے متلاشی پروانوں کا اس کے گرد ایسے جم گھٹا لگا رہتا ہے جیسے لوگ کسی لبالب بھری نہر پر جمع ہوجاتے ہیں۔ اس کی عطا نہ کم ہوتی ہے نہ کبھی ختم ہوتی ہے بلکہ یکساں طور پر سب کے لئے جاری ہے۔ پس اب میں ہمیشہ گریاں اور نالائی رہوں گا یہاں تک

کہ خزر ج والوں کی جیت نہیں ہوتی۔
 اس کی یہ نظم اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنگ بدر کے واقعہ کے بعد بھی
 زندہ رہا۔ البتہ اس کا جنگ بدر کے مقتولین پر گریہ شاید قریش کا ساتھ دینے
 کی غرض سے ہوگا (کیونکہ وہ خود کا فریا مشرک نہیں تھا) اس لئے کہ نبی
 (ص) کریم کے متعلق اس کے مدحیہ اشعار اور نوفل اور عبد شمس کے
 خاندان سے اس کی بنی ہاشم کے خاندان سے نہ لڑنے کی التجا ہماری مذکورہ
 بات پر دلالت کرتی ہیں۔ و گرنہ اس کے اس شعر کی کیا توجیہ کی جاسکتی
 ہے؟

(1) سیرہ ابن ہشام ج 3 ص 27 و 28 و البدایہ و النہایہ ج 3 ص 340۔

244

و	لیکن	المسلوب	غیر	السائب
و	لیکن	المغلوب	غیر	الغالب

ب: ایک مرسل روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت
 ہے کہ طالب مسلمان ہو گیا تھا (1) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل
 شعر بھی اسی کا ہے:

و خیر بنی ہاشم احمد(ص)
رسول الا لہ علی فترۃ (2)
اور بنی ہاشم کے بھی بہترین فرد زمانہ جاہلیت میں مبعوث ہونے والے خدا
کے رسول (ص) حضرت محمد(ص) ہیں۔
البتہ یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ قریش نے جنگ بدر و غیرہ میں (حضرت
علی (ع) کے کارناموں کی وجہ سے) مارے جانے والے اپنے ساتھیوں کا
انتقام لینے کے لئے طالب سے چھٹکارے کی خاطر کوئی چال چل دی ہو جس
کی وجہ سے آج تک طالب کا کوئی صحیح اتا پتا معلوم نہیں ہو سکا۔

مجبور اور واپس پلٹ جانے والے

جب ابوسفیان اپنا تجارتی قافلہ بچا کر دوسرے راستے سے نکال کر لے گیا تو
اس نے قریش سے اب واپس پلٹنے کو کہا لیکن ابوجہل بدر جاکر وہاں تین دن
تک شراب و کباب کی محفل سجانے پر اس لئے مصر رہا کہ تمام عرب ان
کے اس خروج اور اتنے بڑے مجمع کے متعلق سنیں گے تو ہمیشہ کے لئے
ان سے ڈرتے رہیں گے۔ لیکن اخنس بن شریق وہاں سے قبیلے بنی زہرہ کے
افراد کو لے کر واپس پلٹ گیا۔
البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قبیلہ کے دو افراد جنگ بدر میں مارے گئے۔
بلکہ تلمسانی نے تو " الشفای" کی شرح میں یہاں تک بھی لکھا ہے کہ خود
اخنس بھی جنگ بدر میں مارا گیا تھا البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عمر کی

245

مؤرخین احنس کی قبیلہ بنی زہرہ کے ساتھ واپسی کی وجوہات کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے چپکے سے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا محمد(ص) جھوٹ بولتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اس نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔ ہم تو اسے "امین" کہا کرتے تھے، لیکن یہ تو دیکھو کہ عبدالمطلب والوں کے پاس اگر سقایت (پانی پلانے)، رفات (مہمان داری) اور مشورت کے عہدوں کے ساتھ ساتھ نبوت بھی آجائے تو پھر ہمارے لئے کیا بچے گا؟۔ یہ بات سن کر احنس پیچھے ہٹ گیا اور بنی زہرہ والوں کو لے کر واپس لوٹ آیا (1)۔ اسی طرح قبیلہ بنی عدی کا بھی کوئی فرد جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا۔ اور بنی ہاشم نے بھی واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو ابوجہل نے انہیں نہیں جانے دیا اور کہا: " (حضرت محمد(ص) کے) یہ رشتہ دار تب تک ہمارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے جب تک ہم صحیح سالم واپس نہیں لوٹ جاتے" (2)۔

مذکورہ افراد کے متعلق نبی کریم(ص) کا موقف

مکہ میں نبی(ص) کریم اور مسلمانوں کے متعلق بنی ہاشم کے موقف اور ان کی حمایت کی وجہ سے نیز مذکورہ وجوہات کی بنا پر آنحضرت(ص) نے جنگ بدر میں بنی ہاشم کے افراد کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ آپ(ص) نے اسی طرح ابوالبختری ولید بن ہشام کو بھی قتل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ شخص بھی بائیکاٹ والی دستاویز کی مخالفت اور بائیکاٹ ختم کرنے میں پہل کرنے والوں میں شامل تھا اور آپ(ص) کو نہ صرف خود اذیت نہیں دیتا تھا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کام سے روکتا تھا۔ لیکن بدر میں جب اس نے اپنے ساتھی کے بغیر قیدی بننا گوارا نہ کیا تو اسے اس کے ساتھی سمیت قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح آپ(ص) نے حارث بن نوفل کو بھی قتل کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اسے جنگ کے لئے زبردستی لایا گیا تھا، لیکن اس سے ناآشنا ایک شخص نے اسے قتل کر دیا۔ اور زمعه بن اسود کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

(1) ملاحظہ ہو ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 153 و ج 1 ص 291 و تاریخ الاسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 31 و

(2) ملاحظہ ہو : سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 271 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 154 و ج 1 ص 291 و تاریخ الاسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 31 و

آپ (ص) کے موقف پر ایک سر سری نظر

گذشتہ واقعہ سے سبق لینے کے لئے مندرجہ ذیل نکات بیان کئے جاتے ہیں:

الف: مذکورہ افراد کے قطعی موقف کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت (ص) کا جنگ سے مقصد کامیابی ، غلبہ ، حکومت اور سلطنت کا حصول نہیں تھا اور نہ ہی آپ (ص) کو خون بہانا، پسر مردہ ماؤں اور بیواؤں کو رلانا اور کشتوں کے پشتے لگانا پسند تھا۔ بلکہ آپ (ص) کا مقصد اور ہدف تو ان باتوں سے افضل اور اعلیٰ تھا جس کا عام فائدہ تمام امت کو بلکہ کئی نسلوں کو پہنچتا اور آپ (ص) ممکنہ حد تک انتہائی کم قربانیوں سے اپنے اصلی مقصد تک رسائی چاہتے تھے۔

ب: آپ (ص) لوگوں کے موقف اور نظریات کی قیمت ان کے حسن خلق ، اچھی عادت اور فطرت ، بہادری اور نیک خصلتوں کی وجہ سے لگاتے تھے۔ چاہے وہ شخص کوئی بھی ہوتا ، اس کی وابستگی جس کے ساتھ بھی ہوتی اور اس کا عقیدہ اور نظریہ جو بھی ہوتا اس سے آپ (ص) کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، کیونکہ آپ (ص) ہی وہ کامل انسان اور انسانیت کے ایسے رسول (ص) تھے جو ان اچھی صفات کو صحیح طریقے سے سمجھ سکتے تھے اور کسی بھی دوسرے شخص سے زیادہ ان کی قیمت لگا سکتے تھے۔ اسی وجہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ آپ (ص) کا یکساں موقف رہا جنہوں نے آپ (ص) اور آپ (ص) کے ساتھیوں کے ساتھ چاہے ایک بار ہی سہی حسن سلوک اور نیک رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ کیونکہ آپ (ص) کا یہ مذکورہ موقف صرف

اپنے عزیزوں اور خاندان والوں کے ساتھ منحصر نہیں تھا۔ اس لئے کہ آپ (ص) رشتہ داریوں سے متاثر ہو کر کوئی موقف یا نظریہ اپنا نے والے نہیں تھے اور اس جیسا پرخطر موقف عقل سلیم کے لحاظ سے آپ (ص) کی مصلحت میں تھا بھی نہیں۔

ج: آپ (ص) ان مشکل گھڑیوں کو بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے جن سے بعض لوگ گھبرائے ہوئے تھے۔ ان لوگوں پر یہ گھڑی آئی ہوئی تھی کہ قریش نے انہیں ایسا مؤقف اپنا نے پر مجبور کر دیا جو ان کے اغراض و مقاصد یا کم از کم ذاتی خواہشات اور رجحان کے برخلاف تھا۔ اگر چہ کہ ایک لحاظ سے وہ قصور وار بھی تھے کیونکہ وہ حق کی مدد کر سکتے تھے اور عقل سلیم کے مطابق ایک صحیح موقف بھی اپنا سکتے تھے۔ جس طرح کہ ان کے دیگر

247

مسلمان بھائیوں نے اس طرح کیا تھا اور اپنے آپ کو ہنسی خوشی مشقتوں اور تکلیفوں میں جھونک دیا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے ان کی مدد کی اور حق کا بول بالا ہوا۔

جنگ کے لئے آپ (ص) کا مشورہ لینا

مسلمان جب بدر کے قریب پہنچے اور انہیں قریش کے اکٹھے ہونے اور

جنگ کے لئے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو وہ اس بات سے بہت خوفزدہ ہوئے۔ جس کی وجہ سے آپ (ص) نے جنگ کرنے یا تجارتی قافلے کے پیچھے جانے کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر کہا: "یا رسول (ص) اللہ یہ قریشی اپنے لشکر کے ساتھ غرور اور تکبر میں اور کیل کانتوں سے مکمل طور پر لیس ہو کر آرہے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے بے ایمان کافر اور ناقابل شکست رہے ہیں۔ جبکہ ہم جنگ کرنے کے لئے بھی نہیں نکلے" (1)۔ اس پر رسول (ص) خدا نے اس سے فرمایا: "بیٹھ جاؤ"۔ تو وہ بیٹھ گیا۔ آپ (ص) نے پھر فرمایا: "مجھے مشورہ دو"۔ تو عمر نے کھڑے ہو کر ابوبکر کی بات دہرائی۔ اسے بھی آپ (ص) نے بیٹھ جانے کو کہا تو وہ بیٹھ گیا۔ لیکن واقدی اور حلبی نے مذکورہ باتوں کو عمر سے منسوب کرتے ہوئے ابوبکر کے متعلق کہا کہ اس نے بہترین مشورہ دیا تھا (2)۔

پھر مقداد نے اٹھ کر کہا: "یا رسول اللہ ٹھیک ہے کہ وہ مغرور قریشی ہیں اور ساتھ ہی ان کا لاؤ لشکر ہے، لیکن ہم بھی تو آپ (ص) پر ایمان لانے والے، تصدیق کرنے والے اور یہ گواہی دینے والے ہیں کہ آپ (ص) خدا کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ (ص) ہمیں جھاؤ جیسے سخت درخت کے تنے کے گودے یا نوکیلی خاردار جھاڑیوں میں گھسنے (دوسرے لفظوں میں گہرے کنویں میں کو دنے) کا حکم بھی دیں گے تو ہم بے چون و چرا آپ (ص) کے ساتھ ان میں گھس جائیں گے۔ اور ہم آپ (ص) کو

بنی اسرائیل کی وہ بات نہیں کریں گے

(1) البتہ جناب ابوبکر کے اور بھی الفاظ ہیں جن میں انہوں نے تجارتی قافلے کے لوٹ مار کی ترغیب دلائی تھی جو یہاں مذکور نہیں

ہے لیکن دیگر کتابوں میں مذکور ہے۔ مترجم۔

(2) ملاحظہ ، مغازی واقعی ج 1 ص 48 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 150 ، در منثور ج 3 ص 166 از دلائل النبوة بیہقی ، بحار الانوار ج 19

ص 247 و تفسیر قمی ج 1 ص 258۔

248

جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں جاکر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں (1)۔ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ (ص) اور آپ (ص) کا رب جاکر لڑیں ہم بھی آپ (ص) کے شانہ بشانہ جنگ کریں گے۔ خدا کی قسم ہم آپ (ص) کے دائیں ، بائیں ، آگے اور پیچھے چاروں طرف سے لڑیں گے (اور آپ (ص) کی حفاظت کریں گے) اور اگر آپ (ص) سمندر میں بھی کو دجائیں گے اور برك الغماد (2) تک بھی لے جائیں گے تو بھی ہم آپ (ص) کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ یہ بات سن کر آپ (ص) کے چہرہ کھل اٹھا اور آپ (ص) نے خوش ہو کر اسے دعا دی بلکہ مؤرخین کے مطابق آپ (ص) کھکھلا کر ہنسے تھے (3)۔

نوٹ : مذکورہ تمام باتیں مہاجرین کی تھیں اور ان کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ ہر قیمت پر اس ٹکراؤ سے بچنا چاہتے ہیں لیکن مقداد نے مہاجر ہونے کے باوجود شیخین کی مذکورہ باتوں کو ٹھکرا دیا اور ان کے موقف کو رد کر دیا۔ پھر تاریخی دستاویزات کے مطابق آپ(ص) نے انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: " مجھے مشورہ دو " _ اس بات سے آپ(ص) کی مراد انصار تھے، کیونکہ آپ(ص) کی فوج کا بیشتر حصہ انصار پر مشتمل تھا۔ نیز آپ(ص) کو اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ ان کے ذہن میں یہ بات نہ ہو کہ ان پر صرف مدینہ میں ہی دشمن کے حملہ کے وقت آپ(ص) کی مدد کرنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے مدینہ سے باہر نہیں۔ پس سعد بن معاذ نے (البتہ سعد بن عبادہ کا نام بھی لیا گیا ہے لیکن یہ ایک خیال اور وہم سے زیادہ کچھ نہیں، اس لئے کہ وہ تو بچھو و غیرہ کے ڈسنے کی وجہ سے چلنے پھر نے سے معذور تھا اس لئے وہ بدر نہیں جاسکتا تھا)(4) کھڑے ہو کر کہا: " یا رسول (ص) اللہ میرے ماں باپ بھی آپ(ص) پر

1) بنی اسرائیل کی مذکورہ بات سورہ ماندہ آیت 24 مینمذکور ہے۔

2) تاریخ الخمیس ج 1 ص 373 کے مطابق برك الغماد حبشہ کا ایک شہر ہے جبکہ واقدی کی المغازی ج 1 ص 48 کے مطابق برك الغماد مکہ سے سمندر کی جانب پانچ دن کے فاصلے پر ساحل کے ساتھ ایک جگہ ہے جبکہ یہ جگہ مکہ سے یمن کے راستے میں آٹھ دن کے فاصلے پر ہے۔

3) تاریخ الخمیس ج 1 ص 373، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 150 ازالکشاف و المغازی و واقدی ج 1 ص 48 _ البتہ یہ بات سمجھ سے بالاتر

ہے کہ جس بات کو مؤرخین نے بہترین مشورہ قرار دیا وہ رسول (ص) خدا کی ناراضگی موجب کیوں بنا؟

(4) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 150 _

249

قربان شاید آپ (ص) ہم سے مشورہ چاہتے ہیں؟" _ آپ (ص) نے فرمایا: "ہا
نبالکل" _ اس نے کہا: "شاید آپ (ص) نکلے کسی اور کام سے ہیں اور
آپ (ص) کو حکم کسی اور کام کاملا ہے؟" _ آپ (ص) نے فرمایا: "ایسا ہی
ہے" _ تو اس نے کہا: "یا رسول (ص) اللہ میرے ماں باپ بھی آپ (ص) پر
قربان ہم تو آپ (ص) پر ایمان لاکچے ہیں، آپ (ص) کی تصدیق کر چکے ہیں
اور یہ گواہی بھی دے چکے ہیں کہ آپ (ص) خدا کی طرف سے حق بات لے
کر آئے ہیں۔ پس آپ (ص) ہمیں جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں" یہاں تک کہ اس
نے کہا: "خدا کی قسم اگر آپ (ص) ہمیں یہ حکم دیں کہ اس سمندر میں کود
پڑو تو ہم آپ (ص) کے حکم پر کود پڑیں گے۔ آپ (ص) خدا کا نام لے کر
ہمیں لے چلیں، ہوسکتا ہے ہمارے کارناموں سے خدا آپ (ص) کو راضی اور
خوشنود
کردے" _

اس بات سے آپ (ص) نہایت خوش ہوئے اور انہیں آگے بڑھنے کا کہا
اور انہیں یہ خوشخبری دی کہ خدا نے مجھ سے دوگروہوں (تجارتی قافلے یا
لشکر قریش) میں سے کسی ایک پر کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ اور خدا کبھی
وعدہ خلافی نہیں کرتا _ پھر آپ (ص) نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ گویا

میں ابو جہل بن ہشام ، عتبہ بن ربیعہ اور ہشام کی لاشیں دیکھ رہا ہوں ... _
 پھر آپ(ص) وہاں سے چلے اور بدر آکر پڑاؤ کیا۔
 بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ تجارتی قافلے کا پیچھا
 کرنے کے خواہش مند تھے اور جنگ سے کترا رہے تھے(1)۔
 خداوند عالم نے قرآن مجید میں مذکورہ بات کا تذکرہ اپنی اس آیت میں کیا ہے:
 (واذ يعدكم الله احدى الطائفين انها لكم وتودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم و
 يريد الله ان يحق الحق بكلماته ويقطع دابر الكافرين) (2)

(1) در منثور ج 3 ص 163 و 169 از ابن جریر ، ابوالشیخ ، ابن منذر ، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ، کشاف ، بیہقی و عبد بن حمید و

البدایہ و النہایہ ج 3 ص 263

(2) انفال : 7 _

250

اور (وہ وقت یاد کرو) جب خدا نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں
 سے ایک گروہ تمہارا ہی ہے لیکن تم یہ چاہتے تھے کہ بے وقعت چیز تمہارے
 ہاتھ لگے جبکہ اس بات سے خدا کا ارادہ حق کابول بالا کرنے اور کافروں کی
 جڑیں کاٹنے کا تھا۔
 بہر حال آگے بڑھنے سے قبل مندرجہ ذیل چھ نکات کی طرف اشارہ کرتے

چلیں:

1_ آنحضرت (ص) کا اپنے صحابہ سے مشورہ

اس بارے میں ہم پہلے بھی جنگوں میں مہاجرین کو بھیجنے کی وجوہات کے متعلق گفتگو کے دوران بات کرچکے ہیں اور بعد میں بھی غزوہ احد کے باب میں " جنگ چھڑنے سے پہلے " کی فصل میں اس بارے میں انشاء اللہ سیر حاصل گفتگو کریں گے۔

لیکن یہاں اس اشارے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بدر جیسی فیصلہ کن جنگ میں آپ(ص) کا اپنے صحابہ سے مشورہ لینا ضروری تھا کیونکہ اس علاقے میں کم از کم مستقبل قریب تک ایمان اور کفر کا انجام اس جنگ کے نتائج پر منحصر تھا۔ بلکہ یہ ہمیشہ کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس طرح کہ آپ(ص) نے اپنی اس دعا " خدا یا اگر تیرے یہ پیارے مارے گئے تو تیری عبادت کبھی نہیں ہوگی " میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

البتہ یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت (ص) کو ان کے مشورے کی بذات خود کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ(ص) نے ان سے مشورہ اس لئے لیا کہ اس جنگ کا بوجھ بھی انہیں ہی اٹھانا تھا اور نتائج بھی انہیں ہی بھگتنا تھے۔ پھر آپ(ص) اس ذریعے سے ان کے اندر کا حال بھی جاننا چاہتے تھے جس سے آپ(ص) مؤمن کو منافق سے ، بہادر کو بزدل سے ، صحیح سمجھ دار کو کم سمجھ جاہل سے ، دوست کو دشمن سے ، طاقتور کو کمزور سے اور مفاد پر

ست کو فریضے پر عمل کرنے والے اطاعت گزار سے جدا کرنا چاہتے تھے۔ ہماری اس بات کی دلیل سعد بن معاذ کا آنحضرت (ص) سے وہ سوال ہے جس میں اس نے آپ (ص) سے پوچھا کہ شاید آپ (ص) نکلے کسی کام سے ہیں اور آپ (ص) کو

251

حکم کسی اور کام کا ملا ہے؟ جس پر آپ (ص) نے جواب دیا تھا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ اور یہ جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جنگ کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا اور خدا کی طرف سے یہ حکم پہلے ہی آچکا تھا۔ پس آپ (ص) کے مشورے کی وجوہات وہی تھیں جو ہم ابھی کہہ چکے ہیں، پہلے بھی کہہ چکے تھے اور غزوہ احد میں بھی کہیں گے۔

2_ بہترین رائے ، قریش سے جنگ

یہ بات بھی واضح ہے کہ صحیح رائے قریش سے جنگ ہی تھی جس میں خدا اور اس کے رسول (ص) کی مرضی بھی تھی۔ کیونکہ مسلمان ایک دورا ہے پر کھڑے تھے: یا تو تجارتی قافلے اور قریش کی فوج کا سامنا کئے بغیر مسلمان واپس پلٹ جاتے۔ اور یہ بات مسلمانوں کی واضح روحی اور نفسیاتی شکست اور مشرکوں ، یہودیوں اور منافقوں کو اپنے اوپر جری کرنے کا باعث تھی۔

یا پھر وہ تجارتی قافلے تک پہنچ کر کئی لوگوں کو قتل یا قید کرنے کے بعد اسے لوٹ لیتے۔ اس صورت میں قریشی برگز خاموش نہ رہتے بلکہ وہ وسیع پیمانے پر اور مکمل طور پر لیس ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ وہ تو اس صورتحال میں مسلمانوں کے واپس مدینہ پہنچنے سے بھی پہلے مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں پر مہلک وار کر سکتے تھے۔ کیونکہ اتنی بڑیتعداد اور تیاری کے ساتھ قریشی اتنی بڑی بات پر چپ نہیں رہ سکتے تھے بلکہ وہ جلدی سے اپنی جاتی ہوئی حیثیت، بیبت، رعب و دبدبے اور بزرگی کے اعادے کی کوشش کرتے۔ پس مسلمانوں کے سامنے صرف ایک ہی راستہ باقی رہتا تھا۔ اور وہ قریش (کو پہلے اپنا عادلانہ، عاقلانہ اور قابل قبول چہرہ اور طاقت دکھانے نیز منصفانہ پیشکش سامنے رکھنے کے بعد اب ان کے مقابل کھڑا ہونا تھا۔ پس ان حالات میں قریش سے جنگ ہی بہترین اور بے مثال انتخاب تھا۔ خاص طور پر جب وہ قریش کے تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکل بھی چکے تھے اور اس کام سے ان کا پیچھے ہٹنا مسلمانوں کے لئے عظیم المثل پیچیدگیوں، مشکلات اور اعتراضات کا باعث بنتا۔

252

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مسلمان عزت اور وقار کی ایسی زندگی گزارنا چاہتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی ہمسایہ، مشرک، یہودی، منافق اور کوئی بھی دشمن ان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھے تو انہیں جنگ

کے لئے پیش قدمی کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

3_ نفسیاتی تربیت:

اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے چلینکہ :
الف: اس جنگ میں پہلے پہل عام مسلمانوں کا مقصد مال کا حصول تھا۔ لیکن خدا اور رسول (ص) نے انہیں اس دنیاوی مقصد سے کہیں بلند ، قیمتی اور بہترین ہدف کی طرف لے جانا چاہا و گرنہ قریشیوں کی اس لشکر کشی اور جنگ کے پیچھے بھی تو دنیاوی ، اقتصادی ، اجتماعی (معاشرتی) اور سیاسی مقاصد کار فرماتھے۔ پھر تو مسلمانوں اور مشرکوں میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔

ب: جنگ بدر نے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی کی روح پھونکنے اور بھر پور قوت اور شجاعت کے ساتھ آئندہ کے خطرات کا سامنا کرنے کی جرات پیدا کرنے میں اپنا بہت بڑا اثر دکھا یا۔ کیونکہ انہیں خدا کے "ہوکر رہنے والے حتمی" کام کی انجام دہی کے لئے قریش کے جابروں، متکبروں اور سرداروں کو قتل اور قید کرنا پڑا اور اس امتحان میں وہ سرخرو ہو گئے ہیں تو اب انہیں عرب اور عجم سمیت پوری دنیا سے جنگ کی تیاری کرنی تھی۔

4_ جنگ سے متعلق مشوروں پر ایک سرسری نگاہ

یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ اکثر مؤرخین نے اس مرحلے میں عمر اور

ابوبکر کا کلام حذف کر کے صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ ابوبکر نے کھڑے ہو کر اچھی رائے دی اور عمر نے بھی کھڑے ہو کر بہترین مشورہ دیا پھر

253

مقداد نے کھڑے ہو کر فلاں بات کی (1)۔ بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں کی طرف ایسی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں جن کا آنحضرت (ص) کے سوال سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ (2) بہر حال شیخین کی مذکورہ باتیں چونکہ اکثر مؤرخین کو اچھی نہیں لگیں اس لئے وہ مذکورہ طریقے سے اس سے کئی کترا گئے۔ لیکن یہ واضح سی بات ہے کہ آنحضرت (ص) کا مقداد کی باتوں پر خوش ہو کر اسے دعائیں دینا اس بات کی دلیل ہے کہ شیخین کی باتیں آپ (ص) کے مشاورتی مقاصد سے میل نہیں کھاتی تھیں بلکہ وہ تو آپ (ص) کے اعلیٰ مقاصد کے بالکل برخلاف تھیں۔ وگر نہ اگر ان کی باتیں لائق ذکر ہوتیں تو ان کے چاہنے والے راوی اور مؤرخین ان کی باتوں کو ضرور بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔ لیکن مقداد کا مشورہ چونکہ بالکل صحیح، منطقی اور آپ (ص) کے اعلیٰ اہداف و مقاصد کے موافق نیز آپ (ص) کی توقعات کے عین مطابق تھا اس لئے مقداد آنحضرت (ص) کی دعاؤں اور تعریفوں کا مستحق ٹھہرا۔

بلکہ کتابوں میں یہاں تک بھی آیا ہے کہ جب آنحضرت (ص) کو ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ (ص) نے اپنے صحابیوں سے

مشورہ لیا۔ یہاں ابوبکر نے کوئی بات کی لیکن آپ (ص) نے اس کی بات کو رد کر دیا اور عمر نے بھی کوئی بات کی تو آپ (ص) نے اس کی باتوں کو بھی ٹھکرا دیا (3)۔ پس آپ (ص) کا ان کی باتوں کو رد کر دینا صرف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ (ص) انصار کا جواب سننا چاہتے تھے بلکہ آپ (ص) کی روگردانی ان دونوں کے قریش سے جنگ نہ کرنے پر اکسانے نیز ان الفاظ کے ساتھ قریش کی تعریف کرنے کی وجہ سے تھی کہ یہ ہمیشہ سے ناقابل شکست اور بے ایمان کا فرر ہے ہیں۔ وگرنہ آپ (ص) نے مقداد کی باتوں سے خوش ہو کر اسے دعائیں کیوں دی تھیں؟ حالانکہ وہ بھی تو ایک مہاجر تھا؟ حتیٰ کہ ابن مسعود نے اس کے اس موقف کے متعلق کہا کہ اس کی ہم وزن کسی بھی چیز سے زیادہ مجھے اس کا ساتھی بننا بہت پسند تھا (4)۔ اور ابوایوب انصاری

(1) بطور مثال ملاحظہ ہو: البدایہ و النہایہ ج 3 ص 262 و الثقات ج 1 ص 157۔

(2) وہ بات قریش کے تجارتی قافلے کو لوٹنے والی بات تھی

(3) صحیح مسلم باب غزوہ بدر ج 5 ص 170 مسند احمد ج 3 ص 219 دو اسناد کے ساتھ نیز از الجمع بین الصحیحین ، البدایہ و النہایہ

ج 3 ص 263 و السیرة النبویہ ابن کثیر ج 2 ص 394۔

(4) صحیح بخاری باب " تستغیثون ربکم " مطبوعہ المیمنیہ ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 262 _ 263 و سنن نسائی۔

نے بھی اپنی باتوں کے دوران یہ اظہار کیا کہ ہم انصار جماعت کی یہ حسرت رہی کہ اے کاش اس دن ہم نے بھی مقداد کی طرح باتیں کہی ہوتیں (اور پیغمبر (ص) کی دعائیں سمیٹی ہوتیں) تو یہ چیز ہمیں بہت زیادہ مال سے بھی زیادہ پسند تھی _ جس پر خدا نے یہ آیت نازل کی تھی (کما اخرجك ربك من بيتك بالحق و ان فريقاً من المؤمنین لکارہون) (1)_

گذشتہ تمام باتوں کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت (ص) کا کلام مہاجرین و انصار سب کے لئے دعوت عام تھا _ اسی طرح جنگ پر بیعت نہ کرنے کے لحاظ سے مہاجرین بھی انصار ہی کی طرح تھے پس مؤرخین کی یہ بات کہ آنحضرت (ص) کے مخاطب صرف انصار تھے صحیح نہیں ہے۔

5_ مقداد اور سعد کی باتوں پر آنحضرت (ص) کے سرور کی وجوہات

مقداد اور سعد بن معاذ کی باتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ (ص) کو کوئی مشورہ نہیں دیا نہ جنگ کا اور نہ ہی صلح کا بلکہ انہوں نے تو صرف آپ (ص) کی بے چون و چرا اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا تھا _ انہوں نے تو اپنی کسی رائے کا اظہار کیا نہ آپ (ص) کو کسی چیز کا مشورہ دیا _ اور یہ ایمان خلوص ، اطاعت ، فرض شناسی اور موقع شناسی کی انتہا ہے _

خدا کا فرمان ہے کہ (و ما كان لمؤمن و لامؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرأ ان يكون لهن الخيرة من امرهن) (2) ترجمہ : " جب خدا اور اس کا رسول (ص) کوئی فیصلہ کر لیں تو کسی بھی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو اپنی مرضی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے " _ نیز (يا ايها الذين آمنوا لاتقدموا بين يدي الله و رسوله و اتقوا الله ان الله سميع عليم) (3) ترجمہ : " اے مؤمنو خدا اور اس کے رسول(ص) سے کسی بھی چیز میں پیش قدمی نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرو کہ خدا خوب سننے اور جاننے والا ہے " _ اور خدا کے ان

(1) البدايه و النهايه ج 3 ص 263 و ص 264 از ابو حاتم و ابن مردويه _

(2) احزاب 36/ _

(3) حجرات _

255

فرامین کی روشنی میں یہ دونوں شخصیات خدا اور اس کے رسول(ص) کے فیصلے کے سامنے اپنی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے اور اپنے لئے کسی بھی مرتبے کے قائل نہیں تھے اور رسول(ص) خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خوشی اور سرور بھی ان کے اسی گہرے اور پختہ ایمان اور بے چون و چرا فرمانبرداری کی وجہ سے تھی _

6_ حضرت علی علیہ السلام نے مشورہ کیوں نہیں دیا؟

یہاں قابل ملاحظہ بات یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے عقلمندی اور دانائی کا سرچشمہ ہونے کے باوجود اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی اپنا موقف اور مشورہ سنانے کی انہیں کوئی جلدی تھی۔ آپ لوگوں کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا موقف بعینہ آنحضرت (ص) کا ہی موقف تھا۔ کیونکہ آیت مباہلہ میں خدا نے ان الفاظ میں حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرت (ص) کی ذات اور نفس قرار دیا :

(فقل: تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم و نساننا و نسائکم و انفسنا و انفسکم) تو (اے پیغمبر(ص) اس صورت میں انہیں) کہہ دو کہ پھر آؤ ہم اور تم اپنے اپنے سپوتوں، عورتوں اور اپنی سب سے پیاری شخصیتوں کو بلالیں... مزید یہ کہ حضرت علی علیہ السلام خدا اور اس کے رسول(ص) سے کسی بھی معاملے میں پیش قدمی کرنے والے تھے ہی نہیں۔ اور اس موقع پر وہ خدا اور اس کے رسول(ص) کے فیصلے کے سامنے خاموشی، رضا اور سر تسلیم خم کرنے کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے اور اس کام میں انہیں کوئی عار بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔

"حباب" اچھی رائے والا

مؤرخین کے بقول جب رسول(ص) خدا نے بدر کے مقام پر پانی کے کنویں کے قریب پڑاؤ کیا تو حباب بن

256

منذر نے آپ(ص) کو یہ مشورہ دیا کہ دشمن کی فوج کی بہ نسبت آپ(ص) پانی کے زیادہ قریب پڑاؤ کریں اور وہاں پانی کا ایک حوض بنائیں پھر دیگر تمام کنوؤں کا پانی نکال لیں۔ اس سے مسلمان تو پانی استعمال کرسکیں گے لیکن مشرکین ایسا نہ کرسکیں گے۔ آپ(ص) نے ایسا ہی کیا تو حباب کے مشورہ کو درست پایا۔ اس پر حباب کو " حباب ذوالراہی " (حباب بہترین رائے والا) پکارا جانے لگا (1)۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ : ایک : پختہ دلیلوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت (ص) جو کچھ سوچتے یا کرتے تھے وہ سب صحیح اور بہترین ہوتا تھا۔ اور یہ نظریہ کہ آپ(ص) دنیاوی معاملات میں غلطی کرسکتے تھے ، ناقابل اعتبار ہے کیونکہ یہ بات عقل اور آیات و روایات کے بالکل بر خلاف ہے (البتہ خطا اور نسیان سے عصمت کے اختیاری ہونے کی گفتگو عنقریب ہوگی انشاء اللہ) دو : " عدوة القصوی " جہاں مشرکوں نے پڑاؤ کیا تھا پانی بھی وہاں تھا اور وہ ایک بہترین زمین تھی جبکہ " عدوة الدنيا " میں کوئی پانی نہیں تھا ، جبکہ وہاں کی زمین اتنی نرم تھی کہ اس میں پاؤں دھنس جاتے تھے (2)

تین : مسلمانوں سے پہلے مشرکوں نے بدر کے مقام پر آکر پڑاؤ کیا تھا۔ اور یہ معقول ہی نہیں ہے کہ انہوں نے ایسی جگہ جا کر پڑاؤ کیا ہو جہاں کوئی پانی نہ ہو اور پانی والا حصہ اوروں کے لئے چھوڑ دیا ہو۔ چار : خود ابن اسحاق یہ بیان کرتا ہے کہ مشرکین حوض سے پانی لینے آئے تو آنحضرت(ص) نے حکم دیا کہ انہیں پانی بھرنے دیا جائے (3)۔ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے بھی جنگ صفین میں آنحضرت(ص) کی پیروی میں اپنے سرکش دشمنوں کو بھی پانی لینے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حالانکہ انہوں نے پہلے آپ(ع) کو اسی

-
- (1) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 272 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 376 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 155 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 122 ، سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 403 و ص 402 و البدایہ والنہایہ ج 3 ص 267 و غیرہ۔
- (2) ملاحظہ ہو : فتح القدیر ج 2 ص 291 از زجاج و ص 311 و کشاف ج 2 ص 203 تا 223 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 ، تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 292 از ابن عباس ، قتادہ ، سدی و ضحاک ، در منثور ج 3 ص 171 از ابن منذر ، ابوالشیخ ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 154 ، سیرہ ابن کثیر ج 2 ص 400 ، کشاف ، انوار التنزیل و مدارک و غیرہ۔
- (3) ملاحظہ ہو : الکامل ابن اثیر ج 2 ص 123۔

پانی سے محروم کیا ہوا تھا (1) اور یہ واضح سی بات ہے کہ دشمنوں کو پانی

سے روکنا اور منع کرنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اخلاقیات اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے سازگار نہیں ہے _ پس صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے پہل مسلمانوں کے پاس پانی نہیں تھا _ لیکن ایک رات خدا نے موسلا دھار بارش برسائی تو وادی میں سیلاب سا آگیا اور مسلمان نے کئی حوض (گڑھے) بنائے ، خود بھی پانی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا ، نہایا دھویا بھی اور اپنی مشکیں بھی بھر لیں (2) _ اس بات کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے _ (اذ یغشیکم الناس امانة منہ و ینزل علیکم من السماء ماءً لیطہرکم بہ و ینہب رجز الشیطان و لیربط علی قلوبکم و یثبت بہ الاقدام) (3) پس حوض بنانے کے وجوہات وہ نہیں جو پہلے ذکر ہوئی ہیں بلکہ یہی ہے جواب ذکر ہوئی ہے _

مسلمانوں اور مشرکوں کی تعداد اور ساز و سامان

جناب طالوت کے ساتھیوں کی تعداد کے مطابق آنحضرت (ص) بھی اس جنگ میں اپنے تین سو تیرہ صحابیوں کو لے کر نکلے (البتہ کم یا زیادہ تعداد کے اقوال اور نظریات بھی ہیں لیکن مذکورہ قول اکثر بزرگان کا نظریہ ہے (4) _ اور ان کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر دود ویا تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے _ خود نبی کریم (ص) ، حضرت علی (ع) اور مرثد بن ابی مرثد (البتہ بعض مؤرخین کے مطابق تیسرا شخص زید بن حارثہ تھا) ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے _ مؤرخین کا اس بات پر تو اتفاق

ہے کہ اس لشکر میں ایک گھوڑا مقدار کا ضرور تھا لیکن باقی کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ فقط یہی ایک گھوڑا تھا (5) اور یہ قول حضرت علی (ع) سے بھی منقول ہے (6) ایک نظریہ یہ ہے کہ ایک گھوڑا زبیر کا یا مرثد کا بھی تھا جبکہ یہ بھی کہا

- (1) ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب " الاسلام و مبدا المقابلة بالمثل " _
- (2) ملاحظہ ہو : کشاف ج 2 ص 203 و ص 204 و تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 292 البتہ اس میں حوض بنائے کا ذکر نہیں ہے۔
- (3) انفال 11/_
- (4) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 149
- (5) تاریخ الخمیس ج 1 ص 371 از کشاف ، مناقب ابن شہر آشوب ج 1 ص 187 ، بحار الانوار ج 9 ص 1 و 323 از تفسیر عیاشی ج 2 ص 25 و 54 و حیاة الصحابہ ج 1 ص 493 از الترغیب ج 1 ص 1316 از ابن خزیمہ نیز ملاحظہ ہو۔ المغازی ذہبی (تاریخ الاسلام) ض 56 و 59 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 149 ، دلایل النبوة بیہقی مطبوعہ مکتبۃ العلمیہ ج 3 ص 38 و ص 39 و 49 ، المغازی واقدی ج 1 ص 27 و تاریخ الام و الملوک ج 2 ص 35
- (6) تاریخ طبری ج 2 ص 135 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 149 و سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 388

258

گیا ہے کہ دونوں کے گھوڑے تھے۔ اسلحہ میں صرف چھ ڈھالیں اور آٹھ تلواریں تھیں (1)

ان تین سو تیرہ سپاہیوں میں سے مہاجرین کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ چونستھ (64) بھی کہا گیا ہے ستر (70) بھی، چہتر (76) بھی ، ستر (77) اور اسی (80) تک بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو سو ستر (270) انصاری تھے اور باقی دوسرے لوگ تھے۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں (2)۔ اور انصار میں سے کہا گیا ہے کہ ایک سو ستر (170) خزرجی تھے البتہ اس تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن مشرکین نشے میں بد مست تھے اور اپنے ساتھ ڈفلی بجانے والی گلوکارائیں بھی لائے تھے جنہیں انہوں نے راستے سے ہی واپس پلٹا دیا تھا۔ ان کے ساتھ سات سو اونٹ تھے (3)۔ البتہ گھوڑوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چار سو بھی کہا گیا ہے (4)، دو سو بھی کہا گیا ہے اور ایک سو بھی (5) نیز دیگر اقوال بھی ہیں۔ اور ان سب کے پاس ڈھالیں تھیں اور ڈھال والی فوج کی کل تعداد چھ سو (600) تھی (6)۔ پورے لشکر کے کھانے پینے کا بند و بست کرنے والے کل بارہ آدمی تھے جن میں عتبہ ، شیبہ ، عباس ، ابو جہل اور حکیم بن حزام بھی تھے۔ البتہ مشہور یہ ہے کہ مؤخر الذکر بعد میں مؤلفۃ القلوب میں شمار ہونے لگا تھا۔ بہر حال ان بارہ آدمیوں میں سے ہر ایک پورے لشکر کے ایک دن کا کھانا اپنے ذمہ لے لیتا تھا۔ اور وہ ان کے لئے نو یاد س اونٹ ذبح کرتا تھا۔

(1) ملاحظہ ہو: مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب ج 1 ص 187، بحار الانوار ج 19 ص 206، مجمع البیان ج 2 ص 214 البتہ دار

- احیاء التراث کی طباعت کے مطابق ج 1 ص 415 و تاریخ الخمیس ج 1 ص 371_
- (2) ملاحظہ ہو : بحار الانوار ج 19 ص 323، دلائل النبوة بیہقی ج 3 ص 40، البداية و النہایہ ج 3 ص 269، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146،
- حیاء الصحابہ ج 1 ص 603 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 371، انساب الاشراف ج 1 ص 290، مجمع الزوائد ج 6 ص 93، الكامل فی
- التاریخ ج 2 ص 118 و دیگر کتب_
- (3) ملاحظہ ہو گذشتہ چند حاشیوں میں مذکور منابع_
- (4) تفسیر قمی ج 1 ص 262_
- (5) ملاحظہ ہو : مناقب آل ابی طالب ج 1 ص 187، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146، بحار الانوار ج 19 ص 224 و ص 206، الكامل ابن اثیر ج
- 2 ص 118 ، مجمع البیان و دیگر کتب نیز سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 387_
- (6) التنبیہ و الاشراف ص 204 و سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 387_

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

259

مشركوں کی ہٹ دھرمی اور كينه توزي

بدر کے كنويں پر مسلمانوں نے قریش کے چند ايک غلاموں کو پکڑ ان سے تجارتی قافلے کے متعلق پوچھ گچھ کی تو انہوں نے اس سے لا علمی کا اظہار کیا جس پر مسلمانوں نے انہیں مارا پٹیا۔ اس وقت آنحضرت (ص) نماز میں مصروف تھے ، آپ(ص) نے جلدی جلدی نماز مکمل کی اور فرمایا: " وہ تمہیں سچ سچ بتا رہے ہیں تو تم انہیں مار رہے ہو کیا جھوٹ بولنے پر انہیں

چھوڑ وگے؟ " _ پھر آپ(ص) نے ان سے لشکر قریش کی تعداد کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس سے بھی لا علمی کا اظہار کیا _ جس پر آپ(ص) نے ان سے پوچھا : " وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" _ انہوں نے کہا : " نو سے دس تک ذبح کرتے ہیں" _ اس پر آپ(ص) نے فرمایا : " اس کا مطلب ہے وہ لوگ نو سو سے ایک ہزار تک کی تعداد میں ہیں"(1) _ (البتہ اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی گئی ہے حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد تین ہزار تک تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے) _ پھر آپ(ص) نے ان لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا تو انہیں قید کر لیا گیا _ جب مشرکین کو اس بات کا علم ہوا تو وہ اپنے بدر آنے پر بہت نادم اور پریشان ہوئے کیونکہ تجارتی قافلے کے صحیح سالم بچ نکلنے کی خبر سن کر بھی انہوں نے عربوں پر اپنی دہشت بٹھانے کے لئے بدر آنے پر بہت اصرار کیا تھا _ عتبہ بن ربیعہ (جس کا بیٹا ابو حذیفہ رسول (ص) کریم کے ساتھ تھا) نے بھی یہ اعتراف کیا تھا کہ تجارتی قافلے کی نجات کے بعد ان کا بدر آنا ہٹ دھرمی اور کینہ توزی پر مبنی تھا _ حالانکہ واپسی کا متفقہ فیصلہ کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں لیکن ابوجہل نے واپسی سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا : " نہیں ، لات و عزّی کی قسم جب تک ان پر یثرب میں دھا و ابول کر انہیں قید کر کے) ذلت اور خواری کے ساتھ) مگہ نہیں لے آئیں گے یہاں سے واپس نہیں پلٹیں گے _ تا کہ سارے عرب میں اس بات کا چرچا ہو اور آئندہ کوئی بھی ناپسندیدہ شخص ہمارے اور ہمارے تجارتی راستے کے درمیان رکاوٹ کھڑی

کرنے کی کوشش نہ کرے" (2) البتہ

(1) ملاحظہ ہو : سیرہ نبویہ ابن بشام ج 2 ص 269 تا ص 298 ، المغازی و اقدی ج 1 ص 53 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 263 تا ص 264 ، دلائل النبوة بیہقی ج 2 ص 327 و ص 328 ، السنن الكبرى ج 9 ص 147 و ص 148 ، زاد المعاد ج 3 ص 175 ، صحیح مسلم ج 5 ص 170 ، كشف الاستار ج 2 ص 311 ، طبقات الكبرى مطبوعه صادر ج 2 ص 15 ، تاریخ الامم و الملوك ج 2 ص 132 تا ص 134 و ص 142 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 152_

(2) بحار الانوار ج 19 ص 250 از تفسیر قمی نیز ملاحظہ ہو : المغازی و اقدی ج 1 ص 71_

260

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اخنس بن شریق کے ایماء پر بنی زہرہ کا قبیلہ وہیں سے واپس پلٹ گیا تھا۔

دونوں فوجوں کا پڑاؤ

مشرکین، بدر کے مقام پر پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے مکہ کے راستے پر پڑنے والی " عدوة القصوی " نامی وادی میں پڑاؤ کیا جہاں پانی موجود تھا اور ان کے پڑاؤ کی جگہ سخت تھی۔ قریش کا تجارتی قافلہ بھی مشرکین کی فوج کے پیچھے موجود تھا (1) ارشاد خداوند ہے (و الרכب اسفل منکم) جبکہ مسلمانوں نے مدینہ کی جانب پڑنے والی " عدوة الدنيا " نامی وادی میں پڑاؤ کیا جہاں پانی بھی نہیں تھا اور زمین بھی ایسی نرم تھی کہ قدم بھی نہیں جم

سکتے تھے _ جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کی جگہ فوجی نقطہ نظر سے نہایت نامناسب تھی _ لیکن خدا نے دشمنوں کے مقابلے میں اپنے بندوں کی مدد اور حمایت کی اور راتوں رات مشرکوں کی جگہ پر بارش برسی تو ان کی جگہ کیچڑ میں تبدیل ہوگئی جبکہ اسی بارش نے مسلمانوں کی جگہ پر برس کر زمین کو سخت اور ٹھوس کر دیا تھا اور مسلمانوں نے گڑھوں اور تالابوں میں پانی بھر لیا تھا(2) _

مسلمانوں کی معنویات اور پروردگار کی عنایات

جب مسلمانوں تک مشرکوں کی کثرت کی خبر پہنچی تو وہ گھبرا گئے اور خدا سے دعا اور زاری کرنے لگے _ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ہے کہ جب رسول (ص) خدا نے مشرکوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگی: " پروردگار اپنی مدد کا وعدہ پورا کر _ خدایا اگر تونے اپنے ان عزیزوں کو ماردیا تو پھر زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں ہوگی" _

(1) البتہ عنقریب ذکر ہوگا کہ وہ تجارتی قافلہ صحیح سالم بچ کر نکل گیا تھا کیونکہ ابوسفیان اس قافلہ کو مدینہ اور مسلمانوں کے

رستے سے دور ساحل سمندر کے راستے سے بچا کر لے گیا تھا _

(2) سیرہ نبویہ ابن ہشام ج 2 ص 271 و ص 272 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 ، تاریخ الامم و الملوك مطبوعہ الاستقامہ ج 2 ص

144 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 154 ، الكامل فی التاریخ ج 2 ص 122 ، دلائل النبوة بیہقی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ج 3 ص 35 و البدایہ و

اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

(اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم انى ممدكم بالف من الملائكة مردفين و ما جعله الله الا بشرى و لتطمئنن به قلوبكم) (10)

" (اور وہ وقت یا کرو) جب تم اپنے پروردگار سے گڑ گڑا کر مدد مانگ رہے تھے تو خدا نے بھی تمہاری سن لی اور قطار اندر قطار ایک ہزار فرشتے بھیجے اور خدا نے انہیں صرف خوشخبری دے کر بھیجا تا کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں"

پس کمزوری اور گھبرا ہٹ محسوس کر کے خدا سے امداد کی درخواست کرنے والے مسلمانوں کی مدد صرف ان کی تسکین خاطر اور روحانی تقویت نیز سرد پڑتے دلوں کو گرمانے کے لئے تھے _ پھر اس کے بعد خدا نے مسلمانوں پر نیند طاری کردی اور وہ سوگئے اور اس کے بعد خدا نے بارش بھیج دی _ اس کا ذکر خدا نے یوں کیا ہے (اذ يغشيكم النعاس امانة منه و ينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به و يذهب عنكم رجز الشيطان و ليربط على قلوبكم و يثبت به الاقدام)(2) _ ترجمہ " (یاد کرو اس وقت کو) جب خدا کی طرف سے تمہیں پر امن نیند نے آلیا اور آسمان سے اس لئے مینہ برساکہ تمہیں (اور تمہارے دلوں کو) صاف ستھرا کر دے ، شیطان کے وسوسوں کو

نکال باہر کرے ، تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہیں ثابت قدم رکھے۔"

جی ہاں اتنے ہولناک خطرے کا سامنا کرنے والے ایسے لوگوں کے لئے اونگھ اور ہلکی نیند بہت ضروری تھی جو یہ جانتے تھے کہ ان کے پاس اس خطرے کا سامنا کرنے اور اسے ٹالنے کے لئے کوئی قابل ذکر مادی وسائل نہیں ہیں۔ ہاں یہ نیند ان کے لئے ضروری تھی تا کہ ایسی خطرناک رات میں شیطانی وسوسے ان پر غلبہ نہ پالیں جس میں چھوٹی چیزیں بھی بڑی اور موٹی نظر آتی ہیں۔ اور اگر وہ چیز خود طبعی طور پر بڑی ہو تو پھر

(1) انفال : 9 و 10

(2) ص : 11

262

کیا حال ہوگا؟ _ یہ نیند اس لئے بھی ضروری تھی کہ انہیں اطمینان اور سکون کی ضرورت تھی " امنة " _ نیز اسی امن و سکون اور ایمان کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کی بھی ضرورت تھی تا کہ خطرے کا سامنا کرتے وقت وہ کمزوری نہ دکھائیں اور کمزوری ، تاثیر پذیری اور گھبراہٹ کی بجائے عقل سے کام لیں اور غور و فکر کے ساتھ کوئی کام کریں اور

موقف اپنائیں۔ اسی نیند اور بارش کے ذریعہ سے خدا نے ان کے دلوں کو مضبوط اور طاقتور بنادیا۔ حتیٰ کہ وہ ان باتوں سے یہ جان کر مطمئن ہو گئے کہ ان پر خدا کی نظر کرم ہے اور خدا کی الطاف و عنایات ان کے شامل حال ہیں۔ جس کے بعد انہیں کمر شکن حادثات اور دشمن کی صف شکن کثیر تعداد کی بھی کوئی پرواہ نہ رہی۔ جبکہ اس کے بدلے میں خدا نے کافروں کے دلوں میں رعب اور خوف طاری کر دیا تھا۔ اس کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ کریں گے۔

یہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خدا نے سورہ "محمد(ص)" جیسی مکی سورتوں میں، اپنے انبیاء کے خلاف گروہ بندی کر کے محاذ آرائی کرنے والوں اور ثمود اور فرعون کے نکر کے بعد یہ خبر دے دی تھی اور پیشین گوئی کر دی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسے حادثات و واقعات پیش آئیں گے جو ان گروہوں کے ساتھ پیش آئے تھے۔ بعض کے بقول آیت (جند ما بنالك مهزوم من الاحزاب) (1)۔ ترجمہ "یہاں کئی ایسے لشکر بھی ہیں جو چھوٹے گروہوں سے شکست کھانے والے ہیں"۔ واقعہ بدر کے متعلق ہے۔

اس جنگ کے مقاصد

یہاں پر سب سے اہم اور قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم یہاں خود صراحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ یہ جنگ ایک فیصلہ کن جنگ ہے۔ اور اس کا مقصد بھی خدا کی عبادت کے لئے آزادی کا

حصول تھا _ اس جنگ سے نہ ذات کی پرستش مقصود تھی ، نہ مال ، نہ کوئی امتیاز ، نہ مقام ، نہ حکومت اور نہ ہی کوئی اور چیز _ یعنی خدا کی عبادت میں آزادی کے حصول کے علاوہ اس جنگ کا کوئی اور مقصد نہیں تھا _

(1) ص : 11 _

263

خاص طور پر جب قریش کو یہ احساس بھی ہو گیا تھا کہ وہ اقتصادی اور نفسیاتی طور پر تنگی ، ذلت اور کمزوری کا شکار ہو گئے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ شام اور دیگر علاقوں تک جانے والے ان کے تجارتی قافلوں کے راستے اتنے پر خطر ہو گئے ہیں کہ قریشیوں کے ارادے پست کر سکتے ہیں بلکہ ان کے وجود کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کمزور موقف اپنا نے پر بھی مجبور ہو جائیں گے _ (اس صورت میں مسلمان ان اہداف کی خاطر بھی لڑ سکتے تھے لیکن ان کا مقصد ان چھوٹی چیزوں سے کہیں بلند و بالا تھا) _ جبکہ مشرکوں نے بھی اپنا موقف واضح کر دیا تھا _ اور یہ بتادیا تھا کہ اس جنگ سے ان کا مقصد عربوں پر اپنی دھاک بٹھانا اور اپنے اور تجارتی

راستے کے درمیان کسی ناپسندیدہ شخص کو حائل ہونے سے روکنا تھا _ فریقین کے اہداف نیز ہر ایک کی بہ نسبت جنگ کے نتائج میں بھی زمین اور آسمان کا فرق تھا _ جس پر انشاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے _

صف آرائی

جب صبح ہوئی تو حضرت رسول (ص) خدا نے اپنے اصحاب کی صفوں کو منظم کیا _ اس دن آپ (ص) (ص) کا علم مبارک امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں تھا (1) _ اور عنقریب غزوہ احد میں ہم یہ بھی انشاء اللہ ثابت کریں گے کہ جنگ بدر بلکہ ہر موقع پر حضرت علی علیہ السلام ہی آپ (ص) کے علمدار تھے (2) _ پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں آنحضرت (ص) کے ایک سے زیادہ علم تھے کہ مصعب بن عمیر یا حباب بن منذر کے پاس بھی ایک علم تھا ، یہ صحیح نہیں ہے _ مگر یہ کہا جائے کہ مہاجرین کا پرچم مصعب کے پاس اور انصار کا پرچم

(1) المناقب خوارزمی ص 102، الأحاد و المثانی ابن ابی عاصم النبیل کو پلی لائبریری میں خطی نسخہ نمبر 235 ، مسند الکلابی در

انتہاء المناقب ابن مغزلی ص 434 ، خود المناقب ابن مغزلی ص 366، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 3 ص 33 و ص 34 ، مستدرک

حاکم ج 3 ص 11 ، اس کے حاشیہ پر تلخیص مستدرک ذہبی ، مجمع الزوائد ج 9 ص 125 ، منقول از شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید

طبع اولی ج 2 ص 102 ، جمہرۃ الخطب ج 1 ص 428، الاغانی مطبوعہ دار الکتب ج 4 ص 175 وتاریخ طبری مطبوعہ دار المعارف ج

(2) زندگانی امام امیر المؤمنین (ع) از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 1 ص 145 ، ذخائر العقبی ص 75 از احمددر المناقب ، طبقات ابن سعد ج 3 حصہ اول ص 14 ، کفایت الطالب ص 336 ، اسی کے حاشیہ میں از کنز العمال ج 6 ص 398 از طبرانی و الریاض النضرہ ج 2 ص 202 نیز اسی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بات کو نظام الملک نے اپنی کتاب امالی میں ذکر کیا ہے۔

264

حباب کے پاس تھا یا اس طرح کی کوئی اور بات کہی جائے تو اور بات ہے وگرنہ اختلاف کو دور کرنے کی غرض سے پرچم (رایۃ) اور علم (لوائ) میں فرق بیان کرنے کی ان کی کوشش بھی ایک بے سود اور ناکام کوشش ہے۔ کیونکہ دونوں چیزوں کے متعلق روایات ملتی ہیں کہ یہ دونوں چیزیں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ خاص تھیں۔ جس طرح کہ مندرجہ ذیل حاشیوں میں مذکور دستاویزات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے (1)۔ نیز مزید وضاحت انشاء اللہ واقعہ جنگ احد کے بیان میں ہوجائے گی۔ مزید یہ کہ ابن سعد اور ابن اسحاق نے یہ ذکر کیا ہے کہ پرچم (رایۃ) واقعہ بدر کے بعد اور جنگ خیبر کے دوران بنایا گیا (2)۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ ہم علم (لوائ) اور پرچم (رایۃ) کے درمیان کسی فرق کے قائل ہوں وگرنہ بعض اہل لغت کے مطابق یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں (3)۔

طوفان سے قبل آرام

حضرت رسول (ص) خدا نے صحابہ کی صفین منظم کرنے کے بعد ان سے فرمایا ، " نگاہیں نیچی کرلو ، لڑائی میں پہل مت کرو اور کسی سے بھی بات مت کرو " (4)۔ مسلمانوں نے بھی آنحضرت (ص) کے حکم کی تعمیل میں خاموشی اختیار کر لی اور نگاہیں نیچی کر لیں۔ اس صورتحال نے قریشیوں پر اپنا واضح اثر دکھا یا حتیٰ کہ جب ان کا ایک آدمی کسی گھات و غیرہ کی تلاش میں اپنے گھوڑے پر سوار مسلمانوں کے لشکر کا چکر لگا کر اپنی فوج کی طرف واپس پلٹا تو اس نے وہاں جاکر کہا : " ان کے لشکر کے کسی بھی جگہ اور حصہ سے گھات یا کسی مدد و غیرہ کی کوئی امید نہیں ہے۔ لیکن یثرب (مدینہ) کے جنگجو دردناک اور اچانک موت ساتھ لائے ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ ایسے گونگے ہو گئے ہیں کہ کچھ بھی نہیں بول رہے؟ اور ادبوں کی طرح پھنکار رہے ہیں۔ ان کی

(1) ملاحظہ ہوں پچھلے دو حاشیوں میں مذکور منابع۔

(2) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 147۔

(3،4) سیرہ حلبیہ ج 147 و ص 148۔

265

پناہ گاہیں صرف ان کی تلواریں ہیں؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ پیچھے نہیں ہٹیں

گے بلکہ مارے جائیں گے اور کم از کم اپنی تعداد جتنا افراد مار کر ہی مرے گیے۔ اس پر ابوجہل نے اسے برا بھلا کہا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس بات سے اس کے ساتھیوں میں خوف کی لہر دوڑ رہی تھی۔ پھر ابوجہل نے مسلمانوں کی قلیل تعداد کو نشانہ بناتے ہوئے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہا: "وہ تو گنتی کے چند آدمی ہیں، اگر ہم اپنے غلاموں کو ان کی طرف روانہ کر دیں تو وہ بھی انہیں ہاتھ سے پکڑ کر لے آئیں گے۔"

اس کے بعد آپ (ص) نے مشرکین کی طرف اپنے ایک آدمی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ "اے قریشیو میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے تم عربوں کے حوالے کر کے واپس چلے جاؤ۔ اگر میں سچا ہوا تو میری بڑائی اور بلندی تمہاری ہی بلندی اور عظمت ہے لیکن اگر میں جھوٹا ہوا تو عرب کے درندے میرا کام تمام کر کے تمہارا مقصد پورا کر دیں گے۔" یہاں پر مؤرخین کے بقول عتبہ بن ربیعہ نے مشرکوں سے اس بات کو قبول کرنے پر زور اصرار کیا لیکن ابوجہل نے اس پر بزدلی کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ (حضرت) محمد (ص) اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر اس کا پتا پانی ہو گیا ہے۔ اور اسے (حضرت) محمد (ص) کے ساتھ شامل ہونے والے اپنے بیٹے ابوحنیفہ کی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ جب عتبہ تک ابوجہل کی یہ بات پہنچی تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور کہا: "ابھی اس چوتھے (1) کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا پتا پانی ہوا ہے میرا یا اس کا؟" اس بات سے اس کی

غیرت کی رگ بھی پھڑکی اور اس نے اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ساتھ زرہ پہنی اور وہ رن میں جاکر حریف طلب کرنے لگے۔ یہاں پر ہم مندرجہ ذیل نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(1) ان الفاظ سے لگتا یہی ہے کہ اس نے ابوجہل کو مفعول ہونے کی گالی دی تھی، کیونکہ انصار بھی اسے اسی نام سے پکارتے تھے۔ ملاحظہ ہو: مجمع الامثال ج 1 ص 251 ضرب المثل "اخنث من مصفر استہ" ، البرصان والعرجان ص 102 و ص 103 متن و حاشیہ ، الغدير ج 8 ص 251 از الصواعق المحرقة ابن حجر ص 108 ازدمیری در حياة الحيوان نیز الدرۃ الفاخرہ فی الامثال السانرہ ج 1 ص 188۔

266

الف: مشرکین کے خوف کی وجوہات:

مشرکین کو اس بات کا پورا پورا علم تھا کہ مسلمان جنگ کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اپنے دین اور عقیدے کی راہ میں کم از کم اپنی تعداد جتنے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد سب کے سب مرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اور اسی بات نے مشرکوں کے دل میں رن کی دھاک بٹھادی کیونکہ وہ تو اپنے خیال میں اس دنیا میں بقاء اور دنیاوی لذتوں اور فائدوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے یہ جنگ لڑ رہے تھے۔ اس صورتحال میں مسلمانوں کا غیض و غضب کی شدت سے سکوت بھی ان کے خوف کی فضا میں اضافے کا باعث

بنا اور مشرکوں کے دلوں میں ان کا خوف اور رعب مزید بیٹھ گیا۔ اور ابھی ان کی سرگردانی اور حیرت میں مزید اضافہ ہونا تھا کیونکہ کچھ دیر بعد شروع ہونے والی جنگ کی صورتحال اور مد مقابل کی چالوں سے وہ لا علم تھے اور انہیں کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں مل رہا تھا جو انہیں جنگ کی صورتحال، مد مقابل کی چالوں اور جنگ کے اثرات اور نتائج کی طرف رہنمائی کرتا۔

اور مسلمانوں کے متعلق ابوجہل کا یہ کہنا کہ یہ تو گنتی کے چند آدمی ہیں، یہ مسلمانوں سے مشرکوں کے مرعوب نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نے یہ بات صرف اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کی تھی۔ کیونکہ اس نے جنگ کے متعلق اپنے ساتھیوں کی تردید اور بزدلی کا خاص طور پر مشاہدہ کیا تھا۔ یہاں یہ اضافہ بھی ضرور کرتے چلیں کہ خداوند عالم نے بھی جنگ کے بعض مراحل میں مسلمانوں کی نظر میں مشرکوں کو اور مشرکوں کی نظر میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھلایا تا کہ وہ آپس میں ضرور لڑیں اور خدا کا فیصلہ پورا ہو کر رہے۔ اس بارے میں مزید گفتگو اس فصل کے اواخر میں ہوگی۔

ب : مشرکین کو نبی(ص) کریم کی پیشکش پر ایک نگاہ :

آنحضرت (ص) نے مشرکوں کے ساتھ ان کے نقطہ نظر، طرز تفکر، مفاد اور ان کی نفسیات کے مطابق بات کرنے کی کوشش کی۔ نیز آپ(ص) کی یہ

باتیں ان کے اس مفاد کے بھی مطابق تھیں جس کے تحفظ کے لئے (وہ

267

اپنے ہی دعوے کے مطابق) یہاں لڑنے آئے تھے۔ آپ(ص) کا یہ جملہ " اگر میں سچا ہوا تو میری وجہ سے تمہاری ہی شان بڑھے گی " ان مشرکوں کی حب جاہ سے بالکل میل کھاتا ہے۔ کیونکہ ان کی طاقت اور سرکشی کی وجہ سے ان کے اوپر سرداری اور حکومت کا بہوت اس حد تک سوار ہو گیا تھا کہ ان کے نسلی اور قبائلی تعلقات پر بھی اثر انداز ہو گیا تھا اور وہ اس کی خاطر اپنے باپ اور بیٹوں سے بھی لڑنے مرنے پر تیار ہوجاتے تھے۔ پھر آپ(ص) کا ان سے یہ فرمانا کہ " اگر میں جھوٹا ہوا تو عرب کے درندے میرا کام تمام کر کے تمہارا مقصد پورا کر دیں گے "۔ یہ بات بھی ان کی زندگی کے ساتھ محبت اور مالی مفاد سے میل کھاتی ہے۔ اور آپ(ص) کی شان و شوکت کے اعتراف کے ساتھ آپ(ص) سے جنگ کئے بنا ان کے واپس پلٹنے کا بھرم بھی رکھتی ہے اور اس بات سے وہ اپنی پسپائی کی تاویل اور توجیہ کر کے اپنی آبرو بھی بچا سکتے تھے۔ لیکن قریش کی سرکشی اور تکبر اس بہترین ، منطقی اور قیمتی مشورے کو ماننے سے مانع ہوئی اور وہ اپنے جھوٹے تکبر اور احمقانہ اور بے باکانہ ڈینگوں کے سبب جنگ کرنے اور اس کے بولناک نتائج بھگتے پر بضد رہے۔

ج: رسول (ص) خدا جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خود رسول (ص) خدا بھی جنگ کی ابتداء نہیں کرتے اور مسلمانوں کو بھی حکم دیتے ہیں کہ جنگ شروع نہ کریں بلکہ آپ(ص) مقابل کو اس مخصے سے آبرومندانہ طریقے سے نکلنے کا ایک موقع دینا چاہتے تھے۔

لیکن اگر وہ اس پیشکش کو ٹھکرا دیتے اور اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی سے مسلمانوں پر چڑھائی پر بصد رہتے تو پھر مسلمان بھی اپنا دفاع کرنے اور حملہ آور کی چالوں کا جواب دینے کا حق رکھتے تھے ، چاہے وہ حملہ آور کوئی بھی ہو اور جیسا بھی ہو۔

حضرت علی علیہ السلام کا بھی آنحضرت(ص) کی حیات طیبہ میں بلکہ آپ(ص) کی رحلت کے بعد بھی دشمنوں کے ساتھ یہی رویہ رہا۔ بلکہ یہ تو رسول (ص) خدا کی اتباع کرنے والے ائمہ ہدی کی پیروی میں (شیعیان علی (ع) کی رسم

268

اور ان کا خاصہ ہے۔ اس پر مزید گفتگو جنگ بدر کی گفتگو کے بعد "سیرت سے متعلق کچھ ابحاث" کے فصل کے ذیل میں دیگر بحثوں کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ شیعوں کی خصوصیات کی بحث میں ہوگی۔ البتہ اس کے کئی

اشارے ذکر بھی ہوچکے ہیں۔

نبی کریم (ص) سائبان تلے؟

مؤرخین کے بقول بدر میں صحابہ نے آنحضرت (ص) کے لئے کھجور کی چھڑیوں سے ایک چھولدار ی تیار کی جس میں آپ(ص) کے ساتھ صرف جناب ابوبکر تھے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ مؤرخین یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) نے اس بات سے بھی اتفاق کیا تھا کہ آپ(ص) کے ساتھ چند تازہ دم اصیل گھوڑے تیار رہینتا کہ اگر جنگ میں کامیابی ہوئی تو ٹھیک و گرنہ آپ(ص) گھوڑے پر سوار ہوکر مدینہ میں اپنے دیگر صحابیوں سے ملحق ہو جائینگے (1)۔

لیکن یہ بات کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ معتزلی کے بقول : " وہ چھولداری کی بات تو نہایت حیرت انگیز ہے۔ چھولداری بنانے کے لئے ان کے پاس کھجور کی چھڑیوں کی اتنی بڑی تعداد کہاں سے آگئی تھی؟ حالانکہ بدر میں تو کھجور کے درخت نہیں تھے۔ اور ان کے پاس جو تھوڑی بہت چھڑیاں تھیں بھی تو وہ ان کے لئے ہتھیاروں کا کام دے رہی تھیں۔ کیونکہ منقول ہے کہ سات صحابیوں کے ہاتھ میں تلوار کی جگہ چھڑیاں تھیں جبکہ باقی صحابی تلواروں، تیروں اور بھالوں سے مسلح تھے۔ البتہ یہ نادر نظریہ ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ تمام افراد ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ ہوسکتا ہے کہ چند چھڑیاں بھی ساتھ ہوں اور ان پر کوئی

کپڑا و غیرہ ڈال کر کوئی سایہ بنایا گیا ہو و گرنہ یہاں کھجور کی چھڑیوں سے چھپر بنانے کی کوئی معقول وجہ نظر میں آتی " (2) لیکن ہم کہتے ہیں کہ :

الف : معتزلی کی یہ بات کہ تمام مہاجرین کے پاس اسلحہ تھا یہ ناقابل قبول ہے _ اس لئے کہ گذشتہ

(1) سیرہ ابن بشام ج 2 ص 222 و ص 279 ، المغازی واقدی ج 1 ص 49 و ص 55 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 122 ، شرح نہج البلاغہ

ابن ابی الحدید ج 4 ص 118 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 155_ 156 و ص 161 و دیگر کثیر مآخذ

(2) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج 4 ص 118

269

دستاویزات میں ان کے اسلحہ کی تعداد مذکور ہو چکی ہے اور ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو معتزلی کی بات کی تائید کرتی ہو _ بلکہ لگتا یہی ہے کہ تھوڑے افراد ایسے تھے جو تیرکمانوں سے مسلح تھے کیونکہ آنحضرت(ص) نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ جب مشرکین نزدیک پہنچیں تب ان پر تیراندازی کرو _ شاید بعض کے پاس نیزے ، بعض کے پاس لاٹھیاں اور بعض کے پاس تلوار یا خنجر تھے اور کچھ لوگوں کے پاس کھجور کی خشک چھڑیاں بھی تھیں جن سے وہ اپنا بچاؤ کرتے تھے اور موقع پانے کی صورت

میں دشمن پر حملہ بھی کر سکتے تھے _
 ب: اس کا آخری نتیجہ بھی بے جا ہے _ کیونکہ جن چھڑیوں پر کپڑا و غیرہ
 ڈال کر سائبان و غیرہ بنایا جاتا ہے انہیں خیمہ کہا جاتا ہے چھپر نہیں _ بلکہ
 بعض کی رائے میں تو اسے خیمہ بھی نہیں کہتے _ اسی طرح معتزلی کا ان
 لوگوں کی اور ان کے تلواروں کی تعداد کے متعلق نظریہ بھی گذشتہ باتوں
 کے سبب مشکوک ہو جاتا ہے _
 البتہ بنیادی طور پر ہم بھی اس مزعومہ سائبان کے وجود اور آنحضرت(ص)
 کے اس میں بیٹھنے اور شکست کی صورت میں آپ(ص) کے فرار کے
 انکاری ہیں لیکن ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں :
 ایک : نبی(ص) کریم جنگ کے کٹھن لمحات میں فرار کرنے والے تھے ہی
 نہیں _

دو : مختلف مؤرخین سے منقول آپ(ص) کی یہ دعا " اللهم ان تہلك ہذہ
 العصابة لا تعبد " (خدایا اگر تو نے اپنے ان عزیزوں کو ماردیا تو پھر تیری
 عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا)
 بھی اس دعوے کو جھٹلاتی ہے کہ اس جنگ میں مشرکوں کی کامیابی کی
 صورت میں آپ(ص) اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر فرار کا ارادہ رکھتے تھے
 _ کیونکہ آنحضرت(ص) کے مدینہ پلٹ جانے کی صورت میں بھی کرہ ارض
 پر خدا کی عبادت نہیں ہو سکتی تھی (اس لئے کے بعد والی شق کے مطابق وہ
 آپ(ص) کا اور آپ(ص) کے ماننے والوں کا پیچھا کرتے اور جان لئے بغیر

دم نہ لیتے) _ تو آپ(ص) یہ بات فرما کر پھر یہ کام کیوں کرتے ؟
 تین : اگر آنحضرت(ص) جنگ بدر میں (نعوذ با لله) شکست کھا جائے تو بھی
 مشرکین آپ(ص) کو اپنی جان بچا کر کہیں جا کر پھر سے فوج اکٹھا کرنے
 کا موقع نہیں دیتے _ بلکہ وہ مدینہ پر ہی چڑھائی کر کے اس میں اپنے لئے
 مشکلات کھڑی کرنے والوں کو سرے سے ہی نابود کر دیتے _ اس لئے کہ وہ
 اب مدینہ کے قریب بھی

270

آئے ہوئے تھے ، کامیابی و کامرانی کامزہ بھی چکھ چکے ہوتے تھے اور ان
 کے پاس تعداد اور تیاری کے لحاظ سے ایک آئیڈیل اور قابل رشک فوج بھی
 موجود تھی _

چار : آپ(ص) چھپر کے نیچے محافظ کے ساتھ کیسے جا کر بیٹھ سکتے
 تھے؟ حالانکہ انہی مؤرخین کے بقول آپ(ص) نے جنگ بدر کے موقع پر
 خواب میں اپنے آپ(ص) کو تلوار سونت کر یہ آیت پڑھتے ہوئے مشرکوں کا
 پیچھا کرتے ہوئے دیکھا تھا (سیہزم الجمع و یولون الدبر) ترجمہ : " عنقریب
 ان کی فوج تتر بتر ہو کر پسپائی اختیار کرے گی " (1) _ وہ تو یہ بھی کہتے
 ہیں کہ آپ(ص) نے بنفس نفیس جنگ بدر میں شرکت کر کے سخت لڑائی لڑی
 تھی (2) اور یہ بات بھی جنگ میں آپ(ص) کی شرکت پر دلالت کرتی ہے کہ
 کچھ لوگ آپ(ص) کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے ، ایک آپ(ص) کے دائیں ، ایک

بائیں ، ایک آگے اور ایک پیچھے تھا(3)۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی زبانی بھی منقول ہے کہ " جنگ بدر کے موقع پر ہم آنحضرت(ص) کے ذریعہ مشرکین سے اپنا بچاؤ کرتے تھے _ آپ(ص) سب سے زیادہ دلیر شخصیت تھے اور آپ(ص) ہی سب سے آگے آگے تھے"(4) اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر اس وقت کہاں تھے؟ کیا رن میں رسول (ص) خدا کے ساتھ تھے؟ یا پھر جا حظ کے عنقریب ذکر ہونے والے دعوے کے مطابق وہ قائد ، سردار اور رہنما کا کردار ادا کرنے کے لئے اکیلے چھو لداری میں بیٹھ گئے تھے؟ واقعہ بدر کے بعد ایک فصل میں جناب ابوبکر کی بہادری اور چھو لداری میں اس کے بیٹھنے کا ذکر آئے گا _ انشاء اللہ

تعالیٰ

پانچ : جب مسلمانوں کے پاس صرف مقدار کے گھوڑے کے سوا کوئی اور گھوڑا تھا ہی نہیں تو پھر آنحضرت(ص) کے (نعوذ باللہ) فرار کے لئے تیار کئی اسیل گھوڑے کہاں سے آگئے تھے؟ اور یہ گھوڑے دین اور مسلمانوں سے دفاع کے لئے جنگ میں کیوں کام نہ آئے؟ حالانکہ وہاں ان کی اشد ضرورت تھی۔

(1) تاریخ طبری ج 2 ص 167 لیکن اس نے مذکورہ بات کی خلاف واقع توجیہ کی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ یہاں جہاد کا

(2) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 123 و ص 167 لیکن اس نے مذکورہ بات کی خلاف واقع توجیہ کی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ یہاں جہاد کا

مطلب دعا ہے _ یہ سب باتیں چھپر والی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں ہیں۔

(4) ملاحظہ ہو : تاریخ طبری ج 2 ص 135، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 123، البدایہ و النہایہ ج 6 ص 37 و حیاة الصحابہ ج 2 ص 677 از

احمد و بیہقی۔

271

نکتہ:

حضرت علی (ع) سے منقول گذشتہ روایت کو اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اس کی یہ توجیہ کرنی ہوگی کہ آپ (ع) اپنے بارے میں نہیں بلکہ دوسروں کے متعلق مذکورہ جملہ ارشاد فرما رہے ہیں (1) کیونکہ حضرت علی علیہ السلام نہ مشرکوں سے ڈرنے والے تھے اور نہ ہی انہیں اپنی حفاظت کے لئے کسی پناہ گاہ کی ضرورت تھی۔ انہیں جائے پناہ کی ضرورت کیونکر ہو سکتی تھی جبکہ بدر کے آدھے سے زیادہ مقتولین کو انہوں نے اکیلے ہی قتل کیا تھا اور باقی نصف کے قتل میں بھی شریک تھے۔ آپ (ص) کی مذکورہ بات کی مثال ایسے سے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہمارے شہر میں یہ چیز کھائی جاتی ہے، یہ پہنی جاتی ہے یا ہم اس شہر میں فلاں چیز بناتے ہیں۔ حالانکہ ہو سکتا ہے اس شخص نے کبھی بھی وہ چیز نہ کھائی ہو، وہ لباس نہ پہنا ہو یا وہ چیز نہ بنائی ہو۔

جنگ کی ابتداء:

جنگ کی ابتداء عتبہ ، شیبہ اور ولید نے دوبدو لڑائی کے لئے حریف طلب کرنے کے ساتھ کی ، جن کے جواب میں ادھر سے تین انصاری نکلے ، لیکن انہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ، ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہم تو قریش سے اپنا ہم پلہ حریف طلب کر رہے ہیں۔ ان کی اس بات پر رسول (ص) خدا نے انہیں واپس بلا لیا اور آپ(ص) نے جنگ کی ابتداء اپنے رشتہ داروں سے کی کیونکہ آپ(ص) انصار سے اس جنگ کا آغاز نہیں کرنا چاہتے تھے(2)۔ اور یہ کہہ کر آپ(ص) نے حضرت علی (ع) ، حمزہ اور عبیدہ بن حارث کو پکارا: " عبیدہ چچا جان علی (ع) اٹھو اور ان سے اپنے اس حق کا مطالبہ کرو جسے خدا نے تمہارے لئے قرار دیا ہے"۔ جب وہ رن میں گئے تو عتبہ نے ان سے حسب و نسب کے متعلق پوچھا تو سب نے اپنا تعارف کرایا اور شیبہ نے جناب حمزہ سے اس کا حسب نسب پوچھا تو اس نے کہا: " میں عبدالمطلب کا سپوت اور خدا اور اس

1) البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے آپ(ص) کی شجاعت اور بے جگری سے لڑائی کے بیان میں مبالغہ آرائی

کی ہو کہ علی (ع) جیسا نثر شیر بھی آپ(ص) کی پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی اردو میں مثال میرا نیس کا یہ مصرع ہے انگارے تھے

حباب تو پانی شرر فشاں (بلکہ) پوری نظم)۔

(2) تفسیر قمی ج 1 ص 664، بحار الانور ج 19 ص 313 و ص 353 و سعد السعود ص 102۔

کے رسول (ص) کا شیر حمزہ ہوں" _ اس پر شیبہ نے کہا: " اے خدا کے شیر اب تمہارا سامنا حلفاء (1) کے شیر سے ہے اب دیکھتے ہیں تم میں کتنا دم خم ہے" _

بہر حال ، حضرت علی علیہ السلام جب ولید کو قتل کر کے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ جناب حمزہ اور شیبہ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہیں اور دونوں کے ہاتھوں میں اپنی اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار ہے _ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی (ع) نے جناب حمزہ سے فرمایا: " چچا جان اپنا سر نیچے کیجئے " _ اور چونکہ جناب حمزہ طویل القامت تھے اس لئے انہیں اپنا سر شیبہ کے سینے میں گھسانا پڑا ، تو حضرت علی (ع) نے شیبہ کے سر پر تلوار کا ایسا زور دار وار کیا کہ اس کا آدھا حصہ (بھیجا) اڑ کر دور جاگرا _ ادھر عتبہ نے عبیدہ کی ٹانگ کاٹ دی تھی اور عبیدہ نے بھی اس کا سر پھوڑا ہوا تھا پھر حضرت علی (ع) نے آکر اس کا کام بھی تمام کر دیا _ یوں حضرت علی (ع) تینوں کے قتل میں شریک ہوئے تھے (2) اور کتاب " المقنع " میں ہندہ جگر خوارہ کے مندرجہ ذیل اشعار بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام تینوں کے قتل میں حصہ دار تھے: _

ما كان لى عن عتبه من صبر
 ابى ، و عمى و شقيق صدري
 اخى الذى كان كضوء البدر
 بهم كسرت يا على (ع) ظهري (3)
 عتبه كى جدائى پر مجھ سے صبر نہيں ہوسكتا _ اے على (ع) تونے ميرے
 باپ، چچا اور ميرے جگر كے ٹكڑے اور چاند سے بھائي كو مار كر ميرى
 كمر توڑ دى ہے۔

1) یہ زمانہ جاہلیت کے اس عہد کی طرف اشارہ ہے جس میں قریش کے چند خاندانوں اور قبیلوں نے خون میں ہاتھ رنگ کر ایک دوسرے کی مدد اور حمایت کا اعلان اور عہد کیا تھا۔ اسے حلف لعنۃ دم کہا جاتا تھا ، معاہدے کے فریقوں کو حلیف اور سب کو حلفاء یا احلاف کہا جاتا تھا _ حضرت على (ع) نے بھی نہج البلاغہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے _ مترجم۔
 2) ملاحظہ ہو : المناقب ج 3 ص 119 از الاغانی و غیرہ ...
 3) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 283 ب، العثمانیہ ، قسم نقوض الاسکا فی ص 432 ، بحار الانوار ج 19 ص 292 و المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 121۔

273

اسی طرح سید حمیری مرحوم نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ثنایں مندرجہ ذیل شعر کہے ہیں:

مشہورہ	وقعة	بدر	لہ	و
دماراً	الشفاء	اہل	علی	كانت
منية	الوليد	و	شبية	فا
جراراً	جحفلاً	صبحاه	اذ	اذ
لہا	اہوی	مثلہا	عتبة	و
تياراً(1)	مربفأ	صقيلاً	عضبأ	و

حضرت علی علیہ السلام نے بدر میں مشہور و معروف کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ(ص) نے اس دن ان بدبختوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ جب دن کو بہت بڑے لشکر سے آپ(ع) کا سامنا ہوا تو آپ(ع) نے شیبہ اور ولید اور اسی طرح عتبہ کو بھی اپنی تیز ، آبدار اور کاٹ دار تلوار سے موت کا جام پلایا۔ نیز حسان بن ثابت کے اشعار کے جواب میں قبیلہ بنی عامر کے کسی شخص نے مندرجہ ذیل اشعار کہے جو ہمارے مدعا کی تائید کرتے ہیں:-

بدر	خرجتم	للبراز	فردکم
شیوخ	قریش	جہرة	تاخروا
فلما	اتاہم	حمزة	عبيدة
و	جاء	علی	یخطر
فقالوا	نعم	اکفاء	فاقبلوا

اليها سراعاً اذ بغوا و تجبروا
 فجال على جولة با شمىة
 فدمرهم لما بغوا ا و تكبروا(2)

بدر ميں تم لوگ لڑنے نكلے تو قریش كے سرداروں نے كھلم كھلاتمہیں واپس
 پلٹا ديا اور تم سے جنگ گوارا نہيں كيا اور دوسرے جنگجوؤں كے منتظر
 ہوئے۔ پھر جب حضرت على (ع) ، حمزہ اور عبیدہ

(1) ديوان سيد حميرى ص 215 و المناقب ابن شهر آشوب ج 3 ص 122_

(2) المناقب ابن شهر آشوب ج 3 ص 119 و بحار الانوار ج 19 ص 291_

274

كاٹ كار تلوارين لہراتے ہوئے نكلے تو انہوں نے مطمئن ہو كر كہا كہ ہاں يہ
 بالكل ہمارے ہم پلہ ہيں۔ اور جب انہوں نے تكبر كے ساتھ انہيں للكارا تو وہ
 جلدى سے جنگ ميں كود پڑے اور جب انہوں نے تكبر اور سركشى دكھانى
 شروع كردى تو حضرت على (ع) كا ہاشمى خون جوش ميں آيا اور انہوں نے
 اُن سب كونيست و نابود كر كے ركھ ديا۔
 اسي طرح حضرت على عليه السلام نے معاويہ كو ايك خط ميں لكھا: "بالكل
 ميں ہي ابوالحسن تمہارے دادا عتبہ ، چچا شيبہ ، ماموں وليد اور بھائي حنظلہ

کا قاتل ہوں _ ان کا خون خدا نے ہی میرے ہاتھوں بہا یا تھا _ اب بھی میرے پاس وہی تلوار ہے اور میں نے اسی رعب و دبدبے اور جوش سے اپنے دشمنوں کو پچھاڑا تھا" (1) _

تینوں جنگجوؤں کے قتل کے بعد

اس کے بعد حضرت علی (ع) اور حضرت حمزہ جناب عبیدہ بن حارث کو اٹھا کر رسول (ص) خدا کی خدمت میں لے آئے تو اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا: "یا رسول (ص) اللہ کیا میں شہید نہیں ہوں؟" _ آپ (ص) نے فرمایا: "بالکل تم تو میرے اہل بیت کے سب سے پہلے شہید ہو" _ (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عنقریب آپ (ص) کے اہل بیت سے شہیدوں کا تانتا بندھ جائے گا _ اور ہوا بھی یہی) _ پھر اس نے کہا: "اگر اس وقت آپ (ع) کے چچا بزرگوار زندہ ہوتے اور اپنی آنکھوں سے یہ ماجرا دیکھتے تو یہ جان لیتے کہ ہم ان کی باتوں سے بہر حال بہتر ہیں" _ آپ (ص) نے پوچھا: "تم کس چچا کی بات کر رہے ہو؟" _ اس نے کہا: "ابوطالب کی، کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ:

كذبتم و بیت اللہ بیزی محمد
و لما نطا عن دونہ و نناظر
و نسلمہ حتی نصرع دونہ

(قریشیو) خدا کی قسم تم یہ جھوٹ کہتے ہو کہ محمد (ص) ایک تر لقمہ ہے۔ کیونکہ ہم اس کی حمایت میں تیروں تلواروں اور نیزوں سے تم سے سخت جنگ کریں گے اور اپنے بیوی ، بچوں کو بھی اس پر قربان کر دیں گے اور تم ہماری لاشوں سے گذر کر ہی اس تک پہنچ سکو گے (یعنی وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ حضرت ابوطالب نے صرف باتیں کی تھیں لیکن ہم عمل کر کے دکھا رہے ہیں۔ از مترجم)۔

اس پر آپ (ص) نے اس سے فرمایا: "کیاتم یہ نہیں دیکھ رہے کہ اس کا ایک بیٹا خدا اور اس کے رسول (ص) کی آنکھوں کے سامنے بیٹھے ہوئے شیر کی طرح چوکس کھڑا ہے اور دوسرا بیٹا حبشہ کی سرزمین میں خدا کی راہ میں جہاد میں مصروف ہے؟"۔ اس نے عرض کیا: "یا رسول (ص) اللہ آپ (ص) اس حالت میں بھی مجھے ڈانٹ رہے ہیں؟"۔ تو آپ (ص) نے فرمایا: "میں تم پر ناراض نہیں ہو لیکن تم نے میرے پیارے چچا کا نام لیا تو مجھے اس کی یاد ستانے لگی" (1)۔

اس روایت کے آخری حصے کو چھوڑ کر بہت سے مؤرخین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت ان چھ مذکورہ افراد کے بارے میں نازل ہوئی (ہذان خصمان اختصموا فی ربہم فالذین کفروا قطعتم لہم ثیاب من نار) ترجمہ: "یہ دونوں متحارب (گروہ) اپنے اپنے رب کی خاطر لڑ رہے تھے اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ کے کپڑے تیار ہو چکے ہیں"۔ اور بخاری میں مذکور ہے کہ ابوذر قسم اٹھا کر کہتا تھا کہ یہ آیت انہی مذکورہ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے (2)۔ نیز حضرت علی (ع)، جناب حمزہ اور عبیدہ کے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی (من المومنین رجال صدقوا

-
- (1) تفسیر قمی ج 1 ص 265، بحار الانوار ج 19 ص 255 البتہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 80 میں ہے کہ اس دن رسول (ص) خدا نے عبیدہ اور ابوطالب (ع) دونوں کے لئے مغفرت طلب فرمائی۔ نیز الغدیر ج 7 ص 316۔ لیکن نسب قریش مصعب زبیری ص 94 میں یوں آیا ہے کہ عبیدہ نے آپ (ص) سے عرض کیا: "یا رسول اللہ کاش ابوطالب آج زندہ ہوتے تو اپنے ان اشعار کا مصداق اور تعبیر دیکھ لیتے..."۔ بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ عبیدہ کے ادب اور اخلاص سے یہی بات زیادہ سازگار ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ گذشتہ بات بھی اس کے ادب اور خلوص کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو دین کی راہ میں جان قربان کرنے ہونے دیکھ رہا تھا، اس بنا پر اس کی مذکورہ بات میں کوئی حرج نہیں تھا۔
- (2) بخاری مطبوعہ میمنہ ج 3 ص 4، المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 118 از مسلم البتہ ابوذر کی قسم کے بغیر، مستدرک حاکم ج 2 ص 386 اور اسی نے اور ذہبی نے اس کی تخلص میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، الغدیر ج 7 ص 202 از تفسیر ابن کثیر ج 3 ص 212، تفسیر ابن جزی ج 3 ص 38، تفسیر خازن ج 3 ص 698، تفسیر قرطبی ج 2 ص 25-26، صحیح مسلم ج 2 ص 550 و

ما عابدوا الله عليه ...)ترجمہ : " مومنوں میں کئی ایسے افراد بھی ہیں جنہوں نے خدا سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا ... (1) _البتہ یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت فقط حضرت علی علیہ السلام کے حق میں اتری(2) _ اس کے علاوہ جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کی تعریف میں کئی اور آیات بھی نازل ہوئیں جنہیں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں(3) _ اس واقعہ کی روشنی میں ہم مندرجہ ذیل چند عرائض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: حضرت ابوطالب (ع) کے حق میں آنحضرت (ص) کا غصہ:

جب آنحضرت (ص) اتنے مہذب اور محدود پیمانے پر اپنے چچا کے ناروا ذکر پر غصہ ہوسکتے ہیں تو خود ہی سوچئے کہ جناب ابوطالب پر کفر اور شرك کا ناروا الزام لگانے اور انہیں خدا کی بھڑکتی ہوئی آگ میں دردناك عذاب کے مستحق ٹھہرانے پر آپ(ص) کا کیا موقف اور ردّ عمل ہوگا؟ کیا آپ لوگوں کے خیال میں اس بات سے آنحضرت (ص) خوش ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہ بے بنیاد باتیں سیاست کی ابجد سے بھی ناواقف افراد کی طرف سے صرف سیاسی مقاصد کے لئے گھڑی گئیں۔

ب: اپنے رشتہ داروں سے آنحضرت (ع) کی جنگ کی ابتداء:

یہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آنحضرت (ص) نے ہی انصار کے تین جنگجوؤں کو واپس بلا کر حضرت علی (ع) ، حمزہ اور عبیدہ بن حارث کو رن میں جاکر سب سے پہلے دشمن کا سامنا کرنے کا حکم دیا (4) _ اور یہ تینوں

(1) الصواعق المحرقہ ص 80_

(2) المناقب خوارزمی ص 188 و الکفایۃ خطیب ص 122_

(3) المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 118 و دیگر کتب_

(4) البتہ امالی سید مرتضی ج 1 ص 275 ، اعلام الوری ص 308 ، بحار الانوار ج 48 ص 144 اور المناقب ابن شہر آشوب ج 4 ص 316

میں ایک روایت مذکور ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے نفع انصاری سے فرمایا: "... اور اگر تم عزت اور فخر میں

مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو یہ سن لو کہ خدا کی قسم ہمارے قبیلے کے مشرکوں نے تمہاری قوم کے مسلمانوں کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھتے

ہوئے ان سے جنگ نہیں کیا بلکہ انہوں نے آنحضرت (ص) سے کہا کہ اے محمد (ص) قریش سے ہمارے ہم پلہ جنگجوؤں کو ہمارے

مقابلے میں بھیج" _ لیکن میرے خیال میں دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مشرکین بھی ان سے جنگ

کے لئے راضی نہ ہوں اور آنحضرت (ص) کا بھی انہیں رن میں بھیجنے کا دل نہ ہو_

277

آپ (ص) کے رشتہ دار ہیں _ اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی حضرت

نبی(ص) کریم کے متعلق فرمایا: " جب جنگ چھڑ جاتی تھی اور دوبدو لڑائی کے لئے حریف طلب کئے جاتے تو آپ(ص) اپنے رشتہ داروں کو آگے کر کے اپنے صحابہ کو بچالیتے تھے _ جس کی وجہ سے عبیدہ جنگ بدر میں ، حمزہ جنگ اُحد میں اور جعفر جنگ مؤتہ میں مارا گیا ..."(1) _ یہاں ہم یہ کہنے ہیں حق بجانب ہیں کہ جب آنحضرت (ص) جنگوں کی ابتداء اپنے رشتہ داروں سے کرتے ہیں تو اس بات سے آپ(ص) مہاجرین و انصار کو نہ صرف زبانی کلامی بلکہ عملی طور پر یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ آپ(ص) انہیں اپنے مقاصد تک پہنچنے اور اپنی ذات اور اپنے رشتہ داروں سے خطرات کوٹا لنے کا ذریعہ (یعنی صرف قربانی کا بکرا) نہیں بنانا چاہتے بلکہ آپ(ص) کے پیش نظر ایسے اعلیٰ مقاصد تھے جن کے حصول کے لئے سب کو شریک ہونا پڑے گا اور آپ(ص) بھی خوشی ، غمی ، سختی ، آسانی ، دکھ اور سکھ تمام حالات میں ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے _ اور دوسروں سے جان کی قربانی طلب کرنے سے پہلے خود قربانی پیش کرتے تھے بلکہ آپ(ص) جتنا بھی ہوسکتا تھا دوسروں کو خطرات سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے ، چاہے اس کے بدلے میں اپنے ہی رشتہ داروں کو خطرات میں جھونک دینا پڑتا آپ(ص) جھونک دیتے _ اور یہ ایسی بات ہے جسے ہر اعلیٰ مقصد رکھنے والے شخص ، سیاست دان اور ہر لیڈر کے لئے بہترین نمونہ عمل ہونا چاہئے _ اسے چاہئے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے خود قربانی پیش کرے ، پھر اگر

اسے دوسروں کی قربانیوں کی ضرورت پڑی تو اس کے پاس قربانی طلب کرنے کا جواز ہوگا اور ہر کوئی یہ کہے گا کہ وہ اپنے مطالبے میں سچا اور حق بجانب ہے۔ اور اسے عملی طور پر اپنے اغراض و مقاصد کی طرف بڑھنے کی بجائے مضبوط قلعوں میں بیٹھ کر صرف دوسروں کو زبانی کلامی احکام صادر کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو اس ہدف کی طرف پیش قدمی کرنے والوں سے مستثنیٰ سمجھ کر دوسروں پر صرف حکم

 (1) انساب الاشراف ج 2 ص 81 ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 15 ص 77 ، کتاب صفین مزاحم ص 90 ، نہج البلاغہ حصہ خطوط خط نمبر 9 ، العقد الفرید ج 4 ص 336 ، المناقب خوارزمی ص 176 و نہج البلاغہ ج 3 ص 10 و ص 11۔

278

چلانے پر اسے اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے بھی دوسروں کے شانہ بشانہ اپنے مقصد کی طرف بڑھنا چاہئے بلکہ اسے دوسروں سے آگے آگے ہونا چاہئے کیونکہ ہدف چاہے کتنا ہی بلند ، اعلیٰ اور مقدس ہو لیکن پھر بھی اس کی جانب پیش قدمی پر اکسا نے اور ابھارنے کے لئے صرف باتوں کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی خاطر خواہ نتیجہ نکلتا ہے بلکہ اس کے ساتھ عمل کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

ج : شیبہ کا توہین آمیز رویہ:

ہم نے وہاں یہ بھی مشاہدہ کیا کہ حضرت حمزہ کے اپنے آپ کو خدا اور رسول (ص) خدا کے شیر کہنے پر شیبہ نے ان کا کس طرح مذاق اڑایا اور اپنے " حلفائے " کے شیر ہونے پر وہ کس طرح اکڑ رہا تھا _ حالانکہ انصاف کا تقاضا اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے _ ان حلفاء کے خاص مفاد اور قبائلی طرز تفکر پر مبنی حلف کے بعض پست اور بے وقعت اہداف و مقاصد پر ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں _ انہی مقاصد کے حصول کے لئے وہ بدر جیسی جنگیں لڑ رہے تھے _ اور ہم سب کو معلوم ہے بلکہ ان مشرکوں کو بھی معلوم تھا کہ خدا ، رسول (ص) خدا اور شیر خدا کے روئے زمین پر قربانی دینے کا مقصد صرف اور صرف دنیا اور آخرت میں انسانیت کی نجات ، بھلائی اور کامیابی ہے _

د: خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والا حق:

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ کو نسا حق تھا جس کی طرف آنحضرت (ص) نے حضرت علی (ع) ، حضرت حمزہ اور جناب عبیدہ کو جنگ کا حکم دیتے ہوئے یوں اشارہ فرمایا تھا : " ان سے اپنے اس حق کا مطالبہ کرو جسے خدا نے تمہارے لئے قرار دیا ہے " _ کیا یہ وہی عقیدے اور فکر کی آزادی کا حق نہیں تھا؟ اور کیا یہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والے ، انہیں اپنے ہی گھروں سے نکال باہر کرنے والے اور ان کا مال لوٹنے والے بلکہ

کئی مسلمانوں کو قتل کرنے والے اور ان سب پر بدترین زیادتیوں کے مرتکب ہونے والے قریشیوں اور ان کے حملے کے مقابلے میں دین الہی اور اپنی ذات کے دفاع کا حق نہیں تھا؟

279

خلاصہ کلام : یہ کہ مسلمان آزاد زندگی گزارنا چاہتے تھے اور منحرفوں اور ظالموں کے مقابلے میں دین الہی کا دفاع کرنا چاہتے تھے۔ اور مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم اور زیادتی کرنے والے سے انصاف کا مطالبہ کرے۔ خاص کر جب حضور (ص) نبی کریم نے ان مشرکین کے سامنے وہ مذکورہ پیشکش رکھی تھی لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بھول کر بھی باز نہیں آئے بلکہ وہ پھونکوں سے چراغ الہی کو بجھانے ، مسلمانوں سے جنگ کرنے اور انہیں نیچاد کھانے پر بضد ہے ، اسی لئے خداوند عالم کو یہ کہنا پڑا (اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان الله علیٰ نصرہم لقدیر الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله) (1)

جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے

جب ابوجہل نے عتبہ ، شیبہ اور ولید کو قتل ہوتے دیکھا تو حالات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا : " ربیعہ کے بیٹوں کی طرح جلد بازی اور تکبر نہ کرو۔ ایسا کرو کہ یثرب والوں (یعنی انصاریوں) پر حملہ کر کے ان سب کو گامولی کی طرح کاٹ کر رکھ دو اور قریشیوں کو

اچھی طرح کس کر قید کر لو تا کہ انہیں مکہ لے جا کر ان سے اچھی طرح پوچھ گچھ کریں کہ وہ کس گمراہی پر تھے "۔ اور ابن عباس اس آیت (و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی) کے متعلق کہتا ہے کہ حضرت جبرائیل (ع) کے کہنے پر آنحضرت (ص) نے حضرت علی (ع) کو حکم دیا: "مجھے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر دو"۔ حضرت علی (ع) نے آپ (ص) کو مٹھی بھر چھوٹے سنگریزے اٹھا کر دیئے ایک روایت کے مطابق وہ مٹی سے بھی اٹھے ہوئے تھے)۔ آنحضرت (ص) نے وہ کنکریاں لے کر مشرکوں کے چہروں کی طرف (شابت الوجوبکہہ کر) پھینک دیں تو تمام مشرکوں کی آنکھیں کنکریوں سے بھر گئیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ کنکریاں ان کی آنکھوں کے علاوہ ان کے منہ اور ناک کے نتھنوں میں بھی جا پڑیں۔ پھر تو مسلمانوں نے انہیں یکے بعد دیگرے قتل یا قید کرنا شروع کر دیا (2) البتہ یہاں ابن عباس کا کام فقط مذکورہ آیت کو اس معجزاتی عمل سے مطابقت دینا تھا۔

(2) بحار الانوار ج 19 ص 229 از تفسیر ثعلبی، المناقب ابن شہر آشوب ج 1 ص 189 نیز ملاحظہ ہو سیرہ حلبیہ ج 2 ص 167۔

جنگ بدر میں فرشتوں کا کردار

علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ خدا نے جب فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا تو کیا وہ صرف مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے اور بزدلی دور کرنے کے لئے آئے تھے یا انہوں نے خود بھی جنگ میں حصہ لیا تھا؟ _

البتہ قرآن مجید کی یہ آیت اس دوسرے نظریئے و رد کرتی ہے (وما جعلہ الا بشری و لتطمئن بہ قلوبکم) (1) ترجمہ : " اور خدا نے فرشتوں کو صرف کامیابی کی خوشخبری دے کر بھیجا تا کہ اس طریقے سے تمہارے دل مطمئن ہوں " _ لیکن چند ایک دیگر آیتیں ان کے جنگ میں شریک ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں _ سورہ انفال کی یہ بار ہویں آیت بھی ان میں سے ہے _ (اذ یوحی ربک الی الملائکہ انی معکم فثبتوا الذین آمنوا سألقی فی قلوب الذین کفروا الرعب ، فاضربوا فوق الاعناق و اضربوا منہم کل بنان) ترجمہ : (یاد کرو اس وقت کو) جب تمہارے رب نے فرشتوں کو یہ وحی کی کہ (مسلمانوں کو جا کر خوشخبری دو کہ گھبراؤ نہیں) میں تمہارے ساتھ ہی ہوں اور مؤمنوں کو ثابت قدم رکھو _ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا _ تو جا کر ان کے پس گردن بلکہ ہر طرف سے وار کرو " _ البتہ یہ اشارہ اس صورت میں قابل قبول ہوگا جب آیت میں (فاضربوا ...) کے مخاطب فرشتے ہوں ، جس طرح کہ آیت سے بھی بظاہر یہی لگتا ہے _ لیکن اگر اس آیت میں مخاطب مسلمان جنگجو ہوں تو پھر اس آیت میں بھی فرشتوں کے جنگ کرنے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ہوگا _

بہر حال صورتحال جو بھی ہو ، ایک بات مسلم ہے کہ تمام فرشتے حضرت علی علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے (2) اور ہوسکتا ہے کہ وہ کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھانے کا سبب بنے ہوں

 (1) انفال / 15

(2) بحار الانوار ج 19 ص 285 از المناقب ، لیکن دیگر مؤرخین سے مروی ہے کہ وہ فرشتے زبیر کی شکل و صورت میں نازل ہوئے _ کیونکہ زبیر کے سر پر زرد عمامہ (پگڑی) تھا اور ملائکہ بھی سر پر زرد عمامے باندھے ان پر نازل ہوئے _ اس بارے میں ملاحظہ ہو: مستدرک حاکم ج 3 ص 361 ، حیاة الصحابہ ج 3 ص 586 از مستدرک و کنز العمال ص 268 از طبرانی و ابن عساکر و مجمع الزوائد ج 6 ص 84 لیکن مذکورہ بات کی نفی دلائل النبوه ابو نعیم ص 170 و حیاة الصحابہ ج 3 ص 586 میں مذکور وہ روایتیں کرتی ہیں جن میں آیا ہے کہ جنگ بدر کے دن ملائکہ سر پر سفید عمامہ باندھے نازل ہوئے تھے _

281

کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (و یكثر کم فی اعینہم) " اور خدا نے ان کی آنکھوں میں تمہیں کثیر جلوہ گر کیا " _

جنگ جمل میں بی بی عائشہ کا کردار

اسی مناسبت سے ہم یہاں یہ ذکر بھی کرتے چلیں کہ (آنحضرت (ص) کی نقل کرتے ہوئے) جنگ جمل میں بی بی عائشہ نے بھی کہا تھا کہ مجھے مٹھی بھر مٹی چاہئے _ جب اسے مٹی فراہم کی گئی تو بدر والوں کے ساتھ رسول

(ص) خدا کے سلوک کی طرح اس نے بھی حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے اس پر پھونک مارتے ہوئے کہا : " شہادت الوجوه " (چہرے بگڑ جائیں) _ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا : " و ما رمیت از رمیت و لکن الشیطان رمی و ليعودن و بالک علیک ان شاء اللہ " (شیطان نے تمہارے ذریعہ یہ مٹی پھینکی ہے _ اس کا برا انجام بھی انشاء اللہ تمہاری ہی گردن پکڑے گا) (1) _

اسی طرح جب بی بی عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام کو جنگ جمل میں اپنی فوج کی صفوں میں ایسے چکر لگاتے ہوئے دیکھا جیسے جنگ بدر میں رسول (ص) خدا اپنی فوج کی صفوں کی نگرانی کر رہے تھے ، تو اس نے کہا : "اسے دیکھو تو سہی مجھے تو لگتا ہے کہ وہ تم پر کامیابی کے لئے دوپہر کے وقت سورج کے زوال کا انتظار کر رہا ہے " (2) اور ہوا بھی ایسے ہی ، نیز اس موقع پر بھی امیرالمؤمنین حضرت علی (ع) نے بالکل سچ فرمایا تھا _

شکست اور ذلت

بہر حال خدا نے مشرکین کو بہت بری طرح شکست سے دوچار کیا _ اس جنگ میں ابوجہل بھی مارا گیا _

(1) کتاب الجمل شیخ مفید ص 186 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 1 ص 257 نیز ملاحظہ ہو الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 325 _

(2) الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 214 _ یہاں بدر اور جمل کے واقعات اور شخصیتوں کے کردار و گفتار کی عینی یا عکسی مشابہت بھی

نہایت حیرت انگیز ہے البتہ یہاں تفصیل کی گنجائش بالکل نہیں ہے لیکن ذہین قارئین سے بھی پوشیدہ نہیں ہے _ مترجم

282

رسول (ص) خدا نے اسے پہلے ہی پیشین گوئی کردی تھی کہ خدا اسے آپ(ص) کے سب سے کمزور صحابی کے ہاتھوں مارے گا _ بلکہ آپ(ص) نے وقوعہ سے پہلے ہی اسے جنگ بدر کا سارا واقعہ بتا دیا تھا (1) _ تو اسے ایک انصاری نے قتل کر دیا تھا پھر ابن مسعود نے آکر اس کا سر کاٹ دیا تھا _ یہ بھی منقول ہے کہ ابن مسعود نے اسے آخری سانسوں میں پایا تو اس نے آکر اس کا کام تمام کر دیا _ لیکن پہلی بات حقیقت سے قریب تر ہے اس لئے کہ اس کا سامان ابن مسعود کے علاوہ کسی اور نے غنیمت کے طور پر لوٹا تھا _

جنگ بدر کا سب سے پہلا بھگوڑا ابلیس ملعون تھا _ کیونکہ روایات کے مطابق وہ مشرکین کو قبیلہ بنی کنانہ کے ایک بزرگ سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں دکھائی دیتا تھا _ اور وہ اس لئے کہ قریش قبیلہ بنی بکر بن عبد مناف کو کسی خونی معاملے کی وجہ سے اپنے ساتھ ملانے سے ڈرتے تھے جس کی وجہ سے ابلیس قریشیوں کو سراقہ کی شکل میں نظر آیا اور انہیں مطلوبہ ضمانت فراہم کی اور وہ سب ساتھ ہوئے _ لیکن جب اس نے مشرکین کی حالت زار دیکھی اور مسلمانوں کی مدد کو آئے ہوئے ملائکہ کو بھی

مشاہدہ کیا تو وہ اس کام سے پیچھے ہٹ گیا جس کی وجہ سے مشرکین شکست کھا گئے تو مگہ والے یہ کہنے لگے کہ سراقہ بھاگ گیا _ لیکن (اصلی) سراقہ نے کہا : " مجھے تو تمہارے جانے کا بھی اس وقت پتہ چلا جب تمہاری شکست کی خبر مجھے ملی " _ پھر انہیں مسلمان ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو شیطان تھا _ یہ بھی مروی ہے کہ جب ابوسفیان نے قافلہ کو مگہ پہنچادیا تو خود واپس پلٹ آیا اور قریش کی فوج کے ساتھ مل کر بدر کے میدان تک آیا _ اور اس جنگ میں اسے بھی کئی زخم لگے اور وہ واپس بھاگتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور پھر پیدل ہی مگہ جا پہنچا (2)_

(1) بحار الانوار ج 19 ص 267 از الاحتجاج و حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب تفسیر ص 118 و ص 119

(2) تاریخ الخمیس ج 1 ص 375_

جنگ کے نتائج :

جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ البتہ یہ بھی منقول ہے کہ پینتالیس آدمی قتل اور اتنے ہی قیدی ہوئے۔ لیکن ہوسکتا ہے اس دوسرے نظریئے ی بنیاد بعض مؤرخین کی یہ بات ہو کہ مذکورہ مقدار میں یا اس سے زیادہ مشرکین قتل ہو گئے۔ جس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ان کے مقتولین اور قیدیوں کی آخری تعداد ہے۔ لیکن مذکورہ بات اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ مقتول مشرکین کی کل تعداد اتنی تھی بلکہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ راوی کو اتنی تعداد کا علم ہوسکا۔

لیکن مسلمانوں کے شہدا کے متعلق مختلف نظریات ذکر ہوئے ہیں۔ نو بھی مذکور ہے، گیارہ بھی اور چودہ شہیدوں کا نظریہ بھی ہے کہ جس میں سے چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصاری۔ البتہ قید کوئی نہیں ہوا تھا۔ جبکہ مال غنیمت میں مشرکین کے اڑھائی سو اونٹ، دس گھوڑے (البتہ ابن اثیر کے مطابق تیس گھوڑے) اور بہت زیادہ ساز و سامان، اسلحے، چمڑے کے بچھونے، کپڑے اور چمڑے مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے (1)۔

حضرت علی علیہ السلام کے کارنامے:

مشرکین کے اکثر مقتولین، مہاجرین بالخصوص آنحضرت (ص) کے رشتہ داروں اور خاص کر خود حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں واصل جہنم

ہوئے تھے۔ اور اس دن کافروں کو بہت بڑی مصیبت ، اور شکست دینے کی وجہ سے کافروں نے آپ (ع) کو " الموت الاحمر " (سرخ موت) کا نام دیا
(2)۔

(1) المغازی واقدی ج 1 ص 102 و 103 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 118 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 183۔

(2) المناقب ابن شہر آشوب ج 2 ص 68۔

286

اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ شعبی ہمیں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ " پورے عرب کو اس بات کا اعتراف ہے کہ علی (ع) سب سے زیادہ بہادر شخصیت تھے " (1)۔ اور گذشتہ فصل میں " جنگ کی ابتدا " کے تحت عنوان حسان بن ثابت کے اشعار کے جواب میں قبیلہ بنی عامر کے ایک آدمی کے اشعار اور اپنے مقتولین کے مرثیہ میں ہندہ کے اشعار بھی اس بارے میں ذکر ہوچکے ہیں۔ نیز مشرکین قریش کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتے ہوئے اسید بن ابی ایاس نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

فی	کل	مجمع	غایة	اخزاکم
جذع	ابر علی	المذاکی	القرح	

تتكروا	المَّا	دركم	الله
يستحي	و	الكريم	ينكر
افناكم	الذى	فاطمة	ابن
يذبح	لم	قعدة	و
تضريبه	اتقوا	و	خرجاً
تربح	لم	وبيعة	الذليل
دعامه	كل	اين	و
الابطح	زين	اين	و
يفترى	ضرباً	و	قعصاً
يصفح(2)	لم	حده	يعمل

(1) نور القبس ص 249_

(2) اسد الغابہ ج 4 ص 20 و 21 ، زندگى امام على (ع) در تاريخ دمشق با تحقيق محمودى ج 1 ص 15 ، ارشاد مفيد ص 47 ، المناقب ابن

شهر آشوب ج 3 ص 121 ، بحار الانوار ج 19 ص 282 ، انساب الاشراف با تحقيق محمودى ج 2 ص 188 و تيسير المطالب ص 50_

287

ہر ٹکراؤ پر آخر کار اس نے تمہیں خوار کیا _ سوئی کی طرح کا ایک لاغر آدمی اچھے بھلے شہ زوروں پر غالب آرہا ہے _ تمہیں خدا کا واسطہ بتاؤ کیا

اب بھی تمہیں شرمندگی محسوس نہیں ہوئی؟ حالانکہ ان باتوں سے تو کسی بھی شریف آزاد خیال آدمی کو بھی شرمندگی اور پچھتا وا ہوسکتا ہے _ یہ فاطمہ (بنت اسد) کا چھوکر ا تمہیں گا جرمولی کی طرح کاٹ کاٹ کر نیست و نابود کرتا جا رہا ہے _ اس کے تند و تیز مہلک وار سے بچ بچا کر اسے اپنے اس پست کام اور بے فائدہ بیعت کا مزاحکھاؤ _ کہاں ہیں وہ بزرگ ، کہاں ہیں مشکلات میں وہ پناہ گا ہیں اور کہاں ہیں مگہ اور بطحاء کے سپوت _ علی (ع) نے ہی انہیں فوری موت کا مزہ چکھایا ہے _ اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے ان کا کام تمام کر دیا ہے _ وہ اکیلے ہی یہ کام کر رہا ہے اور کسی کو معاف بھی نہیں کر رہا _ وہ علی (ع) کو سرخ موت کیوں نہ کہتے ؟ جبکہ بعض روایات کے مطابق جنگ بدر میں ہی جبرائیل (ع) نے آسمان اور زمین کے درمیان آکر ندادی : (لاقتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار) (جوان ہے تو صرف علی (ع) ہے اور تلوار بھی ہے تو صرف ذوالفقار ہی ہے)

البتہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبرائیل نے یہ صدا جنگ احد میں لگائی تھی _ انشاء اللہ اس بارے میں مزید بات بعد میں ہوگی _ بہر حال مشرکین کے ستر مقتولین میں سے آدھے کو حضرت علی (ع) نے بذات خود اکیلے ہی واصل جہنم کیا تھا اور باقی نصف کے قتل میں بھی شریک رہے تھے (1) _ اور شیخ مفید نے تو حضرت علی (ع) کے ہاتھوں قتل ہونے والے چھتیس مشرکین کا

نام بھی ذکر کیا ہے (2) _ ابن اسحاق کہتا ہے کہ جنگ بدر میناکثر مشرکین کو حضرت علی علیہ السلام نے ہی قتل کیا تھا (3) _ طبرسی اور قمی کہتے ہیں کہ آپ (ع) نے سنائیس

(1) ملاحظہ ہو : دلائل الصدق ج 2 ص 353 کے ضمن میں نہج الحق _ اور اس بات پر فضل ابن روز بہان جیسے متعصب نے بھی

کوئی اعتراض نہیں کیا _

(2) الارشاد ص 43 و 44 ، بحار الانوار ج 19 ص 277 و 316 از الارشاد و اعلام الوری ص 77 _

(3) المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 120 و بحار الانوار ج 19 ص 291

288

مشرکوں کو قتل کیا (1) _ جبکہ اسامہ بن منقذ کہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ مشرکوں کے قتل میں شریک ہونے کے علاوہ چوبیس کو آپ (ع) نے بذات خود قتل کیا (2) _ شبلنجی کہتا ہے کہ " بعض مؤرخین کے بقول غزوہ نویسوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر میں کل ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور راویوں کے متفقہ فیصلے کے مطابق ان میں سے اکیس آدمیوں کو صرف حضرت علی (ع) نے قتل کیا اور چار کے قتل میں دوسروں کا ساتھ دیا البتہ اٹھ مقتولین کے قاتل کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے " (3) _ واقدی نے کل ہائیس مقتولین کا نام لیا ہے جن میں سے اٹھارہ حضرت علی

(ع) کے ہاتھوں قتل ہوئے جبکہ چار کے متعلق اختلاف ہے (4) اور معتزلی اور ابن ہشام نے (بالترتیب) کہا ہے کہ حضرت علی(ع) نے انتیس مشرکوں کو فی النار کیا یا کل باون مقتولین میں سے اتنے کے قتل میں دوسروں کا ساتھ دیا (5) لیکن تعدا دمیں یہ اختلاف زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے کیونکہ ان مقتولین کا نام ذکر کرنے والے مؤرخین نے تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ پچاس کے لگ بھگ مقتولین کا نام ذکر کیا ہے (6) _ ان میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے ان میں سے نصف یا اس سے بھی زیادہ تعداد کو قتل کیا اور اگر یہ لوگ باقی افراد کا نام بھی جان لیں تو یقیناً (دوسروں کے ساتھ مشرکین کے قتل میں شراکت کے علاوہ) خود حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد ستر کے نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ تک پہنچ جائے گی _

حقیقت تو بالکل یہی ہے لیکن ان مذکورہ مؤرخین کے بعد آنے والے مؤرخین نے ان پچاس افراد کو (جنہیں مذکورہ افراد نے پچاس کے ضمن میں نام کے ساتھ ذکر کیا ہے) کل تعداد سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ تعداد کل تعداد کا ایک حصہ ہے _ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بعض مؤرخین جن افراد کا نام ذکر کرتے ہیں ان

(1) ملاحظہ ہو ، تفسیر قمی ج 1 ص 271 و بحار الانوار ج 19 ص 240 از مجمع البیان

(3) نور الابصار ص 86

(4) المغازی واقدی ج 1 ص 147 تا ص 152

(5) ملاحظہ ہو : سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 365 تا ص 372 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 208 تا 212

(6) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 212 و ابن ہشام و واقدی و غیرہ

289

سے دیگر مؤرخین بالکل ناواقف ہیں اور اسی طرح معاملہ برعکس بھی ہے۔ اور یہ چیز ہماری اور شیخ مفید و غیرہ کی باتوں کی تائید اور تاکید کرتی ہے۔

بہر حال ، امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے لوگوں میں مندرجہ ذیل افراد بھی تھے۔ طعیمہ بن عدی ، ابو حذیفہ بن ابوسفیان ، عاص بن سعید بن عاص (جس سے سب لوگ ڈرتے تھے) ، نوفل بن خویلد (یہ قریش کا شریر ترین آدمی تھا) اور عاص بن ہشام بن مغیرہ (1)

ایک اور جھوٹی روایت

بعض لوگوں کے گمان میں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو جناب عمر بن خطاب نے ہی ہلاک کیا تھا (2) وہ روایت کرتے ہیں کہ عمر نے سعید بن عاص سے کہا : " میں نے تمہارے باپ کو نہیں بلکہ اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ

کو قتل کیا تھا " (3) _
 لیکن یہ مشکوک بات ہے کیونکہ :
 مذکورہ عاص ، عمر کا ماموں نہیں تھا _ اس لئے کہ عمر کی ماں حنتمہ ہشام
 بن مغیرہ کی نہیں بلکہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھی _ اور جن علماء نے اسے
 ہشام کی بیٹی کہا ہے (4) انہوں نے غلط کہا ہے _ ابن حزم کہتا ہے : " ہاشم
 کا حنتمہ کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تھا " (5) اور ابن قتیبہ نے کہا ہے :
 " اور عمر بن خطاب کی ماں ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی حنتمہ تھی جو عمر کے
 باپ کی چچا زاد تھی " (6) _
 بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حنتمہ سعید بن مغیرہ کی بیٹی تھی (7) _

-
- (1) المنمق ص 456 وا لاغانی مطبوعہ ساسی ج 3 ص 100 _
 (2) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 368 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 145 و نسب قریش مصعب زبیری ص 301 _
 (3) المغازی واقدی ج 1 ص 92 ، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 289 ، نسب قریش مصعب زبیری ص 176 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 290 ،
 تاریخ الخمیس ج 1 ص 381 ، حیاة الصحابہ ج 2 ص 333 و الاصابہ و الاستیعاب _
 (4) تاریخ عمر بن خطاب ابن جوزی ص 19 _
 (5) جمہرۃ انساب العرب ص 144 _
 (6) الشعر و الشعراء ص 348 _
 (7) تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 20 _

جاتا

ہے

بلکہ بعض مؤرخین نے تو حنتمہ کو مخزومی (قبیلہ بنی مخزوم کی عورت) بھی ماننے سے سرے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہاشم نے اسے راستے میں پڑا ہوا دیکھا تو اسے اٹھا کر ساتھ لے آیا اور اسے پال پوس کر اس کی شادی خطاب سے کر دی ۔ اس کی پرورش کرنے اور پالنے پوسنے کی وجہ سے عرب اپنی عادت کی بنا پر حنتمہ کو ہاشم کی بیٹی کہا کرتے تھے(1)۔

تو پھر صحیح کیا ہے ؟

ہو سکتا ہے کہ ابن ابی الحدید معتزلی اور شیخ مفید کی بیان کی ہوئی مندرجہ ذیل روایت زیادہ معتبر ، حقیقت

(1) دلائل الصدق ج 3 حصہ 1 ص 56۔

291

سے قریب تر اور اس وقت کے سیاسی حالات اور سیاسی فضا کے مناسب تر ہو ۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ عثمان بن عفان اور سعید بن عاص حضرت عمر کی خلافت کے ایام میں اس کے پاس آئے ۔ عثمان تو اس محفل میں اپنی پسندیدہ جگہ پر آکر بیٹھ گیا لیکن سعید آکر ایک کونے میں بیٹھ گیا تو

عمر نے اسے دیکھ کر کہا: " تم مجھ سے کترا کیوں رہے ہو ؟ ایسے لگتا ہے جیسے میں نے ہی تمہارے باپ کو قتل کر ڈالا ہو اسے میں نے نہیں ابوالحسن (حضرت علی (ع)) نے قتل کیا ہے " (البتہ شیخ مفید کی روایت میں یوں آیا ہے کہ پھر عمر نے کہا : "جب میں نے تمہارے باپ کو لڑائی کے لئے تیار دیکھا تو اس سے ڈر گیا اور اس سے ادھر ادھر ہونے لگا تو اس نے مجھ سے کہا کہ خطاب کے بیٹے کہاں بھاگے جا رہے ہو ؟ لیکن علی (ع) اس کی طرف آیا اور اسے جالیا _ ابھی خدا کی قسم مینا پنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ اس نے اسے وہیں مار ڈالا) _ وہاں حضرت علی علیہ السلام بھی موجود تھے، انہوں نے کہا : " خدایا معاف کرنا _ شرک اپنی تمام برائیوں سمیت مٹ گیا اور اسلام نے گذشتہ تمام نقوش مٹا دیئے ہیں _ لیکن تم کیوں لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا رہے ہو؟" عمر اس بات کا جواب نہ دے پایا _ لیکن سعید نے جواب میں کہا : " لیکن اگر میرے باپ کا قاتل اس کے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو پھر مجھے اس کا افسوس ہوتا " (2) _

پس اس روایت میں یہ بات تو ملتی ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے عمر کی جان بچائی لیکن یہ بات نہیں ملتی کہ عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا ہو _ البتہ (جس طرح پہلے بتا چکے ہیں) عاص ، عمر کا ماموں بھی نہیں تھا یا کم از کم اس کا عمر کا ماموں ہونا نہایت مشکوک ہے _ نیز اس روایت میں خاص کر سعید اور حضرت علی علیہ السلام کی باتوں میں

کئی اور اشارے بھی ملتے ہیں _ صاحبان فہم کو غور و فکر کی دعوت ہے _

نکتہ

جنگ بدر اور جنگ احد و غیرہ نے مشرکین کے دلوں پر حضرت علی علیہ السلام کی بہت زیادہ دھاک

(1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 ص 144 و ص 145 و الارشاد ص 46 _

292

بٹھادی تھی _ حتی کہ یہ بھی منقول ہے کہ قریشی جب بھی حضرت علی علیہ السلام کو کسی لشکر یا گروہ میں دیکھ لیتے تو ایک دوسرے کو وصیتیں کرنے لگ جاتے تھے _ ایک مرتبہ جب آپ (ع) نے دشمن کی فوج کو تتر بتر کر دیا تو ایک شخص نے آپ (ص) کو دیکھ کر کہا: "مجھے ایسے لگا کہ ملک الموت (موت کا فرشتہ) بھی اسی طرف جاتا ہے جس طرف علی (ع) جاتا ہے" (1) _

مشرکین کے مقتولین ، کنوئیں میں:

جنگ ختم ہونے پر آنحضرت (ص) نے وہاں موجود ایک کنوئیں کو مٹی سے بند کرا کے مشرکین کی لاشوں کو اس میں ڈالنے کا حکم دیا تو سب لاشیں اس

میں ڈال دی گئیں، پھر آپ(ص) نے ایک ایک مقتول کا نام لے کر پکارتے ہوئے پوچھا _ "کیا تم لوگوں نے اپنے خداؤں کے وعدہ کی حقیقت دیکھ لی ہے؟ میں نے تو اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا ہے _ تم اپنے نبی (ص) کی بدترین قوم تھے _ تم نے مجھے جھٹلایا لیکن دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی ، تم نے مجھے در بدر کیا لیکن دوسرے لوگوں نے مجھے ٹھکانہ دیا اور تم نے مجھ سے جنگ کی جبکہ دوسروں نے میری مدد کی " یہاں عمر نے کہا: "یا رسول(ص) اللہ کیا آپ(ص) مرنے والوں سے باتیں کر رہے ہیں؟" _ تو آپ(ص) نے فرمایا: "وہ میری باتیں تم لوگوں سے زیادہ سن اور اچھی طرح سمجھ رہے ہیں لیکن وہ میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے"(2)۔

لیکن بی بی عائشہ نے آنحضرت (ص) کی اس بات "انہوں نے میری باتیں سن لی ہیں"کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ(ص) نے فرمایا: "وہ میری باتیں پہلے سے ہی جان چکے تھے" _ اور اپنی مذکورہ بات کی دلیل کے طور پر یہ آیتیں پیش کی ہیں (انک لا تسمع الموتی)ترجمہ : " آپ(ص) مردوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتے" _ اور (و ما انت بمسمع من فی القبور) (3) ترجمہ : " اور آپ(ص) قبر میں لیٹے مردوں کو کوئی بات نہیں

تاریخ الخمیس ج 1 ص 386 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 82 و حیاة الصحابہ ج 2 ص 333 و ص 334_

(3) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 82 ، نیز ملاحظہ ہو : مسند احمد ج 2 ص 31 و ص 38 و دیگر کتب_

293

سنا سکتے"۔ لیکن بخاری میں قتادہ سے مروی ہے کہ خدا نے ان کی روحوں کو ان کے جسم میں واپس لوٹا دیا جس کی وجہ سے انہوں نے آنحضرت (ص) کی باتیں سن لیں۔ اور بیہقی نے بھی یہی جواب دیا (1)۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر قتادہ کی بات صحیح ثابت ہو جائے تو یہ سردار انبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ایک معجزہ ہوگا۔ البتہ حلبی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ مردوں کا حقیقت میں سننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ جب ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے مضبوط تعلق پیدا ہو جائے تو ان کے کانوں سے سننے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سننے کی یہ حس ان کے اندر باقی رہتی ہے۔ اور مذکورہ دو آیتوں میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے وہ مشرکوں کو نفع پہنچانے والا سماع ہے۔ اس کی طرف سیوطی نے بھی اپنے اشعار میں یوں اشارہ کیا ہے:

سماع	موتی	کلام	اللہ	قاطبة
جاء	ت	عندنا	فی	الکتب
	بہ	الاثر		

و آیة النفی معنابا سماع ہدی
لا یقبلون و لا یصغون للادب
تمام مردوں کے خدا کے کلام کو سننے کے متعلق ہماری کتابوں میں کئی روایتیں منقول ہیں۔ اس لئے وہ قابل قبول ہے البتہ آیت میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ہدایت قبول کرنے والا سماع ہے کیونکہ وہ اپنی بے ادبی کی وجہ سے ہدایت کی ان باتوں پر کان نہیں دھرتے۔ اس لئے کہ خدا نے زندہ کافروں کو قبر میں پڑے مردوں سے اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ وہ نفع بخش اسلام سے کوئی نفع حاصل ہی نہیں کرنا چاہتے۔

(2)۔

(1) ملاحظہ ہو : بخاری باب غزوه بدر نیز ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 279 میں معتزلی کا بیان۔

(2) ملاحظہ ہو : سیرہ حلبیہ ج 2 ص 82۔

کیا "مہجع" سید الشہداء ہے؟

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں دونوں فوجوں کی صفیں منظم ہوگئیں تو سب سے پہلے "مہجع" (عمر کا غلام) جنگ کرنے نکلا اور مارا گیا۔ بعض مشائخ کے بقول "امت محمدیہ (ص) میں اسے سب سے پہلا شہید

کہا گیا" _ اور اس کے متعلق رسول (ص) خدا نے فرمایا کہ مہجع تمام شہیدوں کا سردار ہے (1)_

لیکن یہ تمام باتیں مشکوک ہیں ، کیونکہ :

1_ یہاں یہ سوال پیدا ہوتے ہیں کہ اس امت کا سب سے پہلا شہید مہجع کیوں کہلائے گا اور عمار کے والد جناب یا سریا ان کی والدہ جناب سمیہ اسلام کے پہلے شہید کیوں نہیں کہلائے جاسکتے ؟ حالانکہ یہ دونوں شخصیات جنگ بدر سے کئی برس پہلے شہید ہوئے۔

نیز اسی جنگ بدر میں مہجع سے پہلے شہید ہونے والے عبیدہ بن حارث کو ہی اسلام کا سب سے پہلا شہید کیوں نہیں کہا جائے گا؟

2_ ان کا یہ کہنا کہ صفوں کے منظم ہونے کے بعد وہ سب سے پہلے جنگ کرنے نکلا، ناقابل قبول ہے _ کیونکہ مسلمانوں سے سب سے پہلے حضرت

علی (ع) ، جناب حمزہ اور جناب عبیدہ بن حارث جنگ کے لئے نکلے تھے۔

3_ "مہجع" کے سید الشہداء ہونے والی بات کے ساتھ یہ روایت کیسے جڑے

گی کہ " حضرت حمزہ " سیدالشہداء ہیں ؟ (2)_ اس بات کا ذکر انشاء اللہ

غزوہ احد کی گفتگو میں ہوگا۔

وہ حضرت علی (ع) کا یہ شعر بھی خو دہی نقل کرتے ہیں کہ :

محمدؐ النبی و صہری

و حمزہ سیدالشہداء عمی (3)

- (1) سیرہ حلبیہ 2 ص 61 نیز ملاحظہ ہو : المصنف ج 5 ص 351_
- (2) سیر اعلام النبلاء ج 1 ص 172 ، مستدرک حاکم ج 3 ص 195 و ص 199 ، تلخیص ذہبی (مطبوعہ بر حاشیہ مستدرک) ، مجمع الزوائد ج 9 ص 268 ، حیاة الصحابہ ج 1 ص 571 و تاریخ الخمیس ج 1 ص 164 و ص 165_
- (3) روضة الواعظین ص 87 ، الصراط المستقیم بیاضی ج 1 ص 277 ، کنز الفوائد کراچی مطبوعہ دار الاضواء ج 1 ص 266 و الغدیر ج 6 ص 25 تا 33 از نہایت کثیر منابع_

295

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میرے (چچا زاد)
 بھائی اور میرے سسر ہیں اور سیدالشہدا جناب حمزہ میرے چچا ہیں _
 اسی طرح خود حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " اور سیدالشہداء
 حمزہ بھی ہم میں سے ہی ہیں" (1)_
 4_ ان کی یہ بات کہ " مہجع مسلمانوں کا پہلا شہید ہے " اس بات کے ساتھ
 کیسے جمع ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں " کے سب سے پہلے شہید عمیر بن حمام
 ہیں" (2)؟_

حلبی نے اس کی یہ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ عمیر انصاری مقتول تھا
 جبکہ اول الذکر مہاجر تھا _ لیکن پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سب سے پہلا
 انصاری شہید تو حارثہ بن قیس تھا _ لیکن اس جواب کو پھر خود اس نے ہی

یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ حارثہ کسی نا معلوم تیر سے مارا گیا تھا اور اس کا قاتل معلوم نا تھا(3)۔

لیکن یہ واضح سی بات ہے کہ یہ صرف لفظوں کا کھیل ہے۔ کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں اسلام کا سب سے پہلا شہید ہے یا بدر میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا شہید ہے تو نہ ہی اس کے آلہ قتل کی کوئی بات ہوتی ہے نہ اس کے شہر یا علاقے کی اور نہ ہی اس کے قوم و قبیلہ کی۔ و گرنہ بطور مثال یہ کہا جانا چاہئے تھا کہ فلاں مہاجرین کا سب سے پہلا شہید ہے اور فلاں انصار کا اولین شہید ہے۔ یا فلاں سب سے پہلے تیر سے شہید ہوا یا نیزے سے شہید ہوا یا اس طرح کی دیگر باتیں ہوتیں تو یہ اس کے مطلوب اور مقصود سے زیادہ سازگار ہوتا۔

پھر بھی اگر حلبی کی بات صحیح مان لی جائے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدالشہداء کا لقب عمیر بن حمام، عبیدہ یا حارثہ بن قیس کو چھوڑ کر صرف مہجع کو کیوں دیا گیا؟ اور اسے ایسا لقب کس وجہ سے دیا گیا؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے اسلام کی ایسی مدد اور حمایت کی تھی کہ دوسرے نہیں کر سکتے تھے؟ یا یہ باقی دوسروں سے ذاتی اور اخلاقی فضائل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا؟ یا صرف اس وجہ سے اسے سید الشہداء کا لقب ملا

(1) الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 273 و الاصابہ ج 1 ص 354، نیز ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 44 ص 140 و المسترشد ص

(2) الاصابہ ج 3 ص 31 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 161_

(3) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 161_

296

کہ وہ عمر بن خطاب کا غلام تھا؟ پس اس وجہ سے اس کے پاس ایسی فضیلت ہونی چاہئے جو سیداً لشہداء حضرت حمزہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی؟ ہمیں تو نہیں معلوم شاید سمجھدار قاریوں کو اس کا علم ہو۔

ذوالشمالین:

بدر میں ذوالشمالین بھی رتبہ شہادت پر فائز ہوا (اسے ذوالشمالین اس لئے کہتے تھے کہ وہ ہر کام اپنے دونوں ہاتھوں سے کیا کرتا تھا) _ اس کا اصل نام عمیر بن عبد عمر و بن نضلہ بن عمر و بن غبشان تھا(1) _ البتہ یہاں (نعوذ باللہ) آنحضرت (ص) کے بھول چو ك اور ذوالشمالین کے آپ(ص) پر اعتراض کا ایک لمبا واقعہ مذکور ہے، لیکن چونکہ اسے " سیرت سے متعلق چند ابحاث " میں ذکر کریں گے اس لئے یہاں اس کے ذکر سے چشم پوشی کرتے ہیں _ پس وہاں مراجعہ فرمائیں _ البتہ جنگ بدر سے متعلق دیگر حالات و واقعات کے بیان سے قبل درج ذیل

نکات بیان کرتے چلیں:

الف : جنگ بدر میں آنحضرت (ص) کی حفاظت کی خطیر مہم امیر المؤمنین حضرت علی (ع) فرماتے ہیں: "جنگ بدر کے موقع پر میں کچھ دیر جنگ کرتا اور کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد میں یہ دیکھنے کے لئے آنحضرت (ص) کے پاس آتا کہ آپ (ص) کا کیا حال ہے اور کیا کر رہے ہیں۔ میں ایک مرتبہ آپ (ص) کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ (ص) سجدے کی حالت میں "یا حی یا قیوم" کا ورد کر رہے ہیں اور اس سے آگے کچھ نہیں فرما رہے، میں پھر واپس لڑنے کے لئے چلا گیا۔ پھر کچھ دیر لڑنے کے بعد واپس آیا تو دیکھا کہ آپ (ص) ابھی تک اسی ورد میں مصروف ہیں اسی لئے میں پھر واپس جنگ کرنے چلا گیا اور اسی طرح بار بار وقفے وقفے سے آپ (ص) کی خبرگیری کرتا رہا، یہاں تک کہ خدا نے ہمیں فتح سے ہمکنار کیا" (2)

(1) ملاحظہ ہو: سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 337، طبری اس کی تاریخ کے ذیل میں ص 157، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 491،

نسب قریش مصعب زبیری ص 394، الاصابہ ج 1 ص 486 و طبقات ابن سعد ج 3 ص 119۔

(2) البداية و النہایہ ج 3 ص 275 و ص 276 از بیہقی و نسائی در الیوم والليلة، حیاة الصحابہ ج 1 ص 502 از مذکورہ و از کنز العمال

ج 5 ص 267 از حاکم، بزار، ابو یعلیٰ و فریابی۔

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) سرے سے جنگ بدر میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ ہو سکتا ہے آپ (ص) جنگ بدر کے شروع میں مسلمانوں کا دل بڑھانے کے لئے شریک ہوئے ہوں اور جب آپ (ص) کو یہ مقصد حاصل ہو گیا تو آپ (ص) میدان جنگ سے علیحدہ ہو کر دعاؤں اور راز و نیاز میں مصروف ہو گئے ہوں (1)۔

چند نکات:

1_ حضرت علی علیہ السلام ان سخت حالات میں بھی آنحضرت (ص) کی مسلسل خبرگیری کرتے رہے اور آپ (ص) سے ان جان لیوا گھڑیوں میں بھی ایک لمحہ اور ایک پل کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے۔ اسی طرح یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام دیگر مقامات اور حالات میں بھی آنحضرت (ص) کی خبرگیری کرتے تھے اور آپ (ص) کی حفاظت اور حمایت کو حضرت (ع) نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ کیونکہ یحییٰ سے مروی ہے کہ ہمیں موسیٰ بن سلمہ نے یہ بتایا ہے کہ میں نے جعفر بن عبداللہ بن حسین سے حضرت علی (ع) ابن ابی طالب علیہما السلام کے (مسجد نبوی (ص) میں) ستون کی بابت پوچھا تو اس نے کہا: "باب رسول اللہ کی طرف یہاں ایک حفاظتی چوکی تھی اور حضرت علی علیہ السلام اس میں تربت رسول (ص) کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے اور آنحضرت (ص) کی

حفاظت کیا کرتے تھے" (2)۔ سمہودی نے بھی اپنی کتاب میں اس ستون کا ذکر " اسطوان المحرس " (حفاظتی چوکی والا ستون) کے نام سے کیا ہے (3)۔

2_ ان سخت اور کٹھن گھڑیوں میں بھی آنحضرت(ص) کا دعا اور مبداء اعلیٰ یعنی پروردگار سے ریکتا سے رابطے کا اہتمام قابل ملاحظہ ہے۔ کیونکہ وہی اصل طاقت اور کامیابی کا سرچشمہ ہے۔ آپ(ص) مسلمانوں کو یقین اور صبر

1) گذشتہ بات معقول اور مسلم نظر آتی ہے البتہ لگتا یہی ہے کہ آپ(ص) کفار کے منہ میں خاک ڈال کر تھوڑی دیر جنگ میں مصروف

رہے ہوں گے تا کہ مسلمانوں کی جنگ کے لئے حوصلہ افزائی ہو اور جب وہ جنگ میں مصروف ہو گئے ہوں گے تو آپ(ص) رن سے

نکل کر مصلیٰ میں مصروف دعا ہو گئے ہوں گے۔ و اللہ العالم۔ از مترجم۔

(2) وفاء الوفاء ج 2 ص 448۔

(3) ایضاً۔

298

عطا کرنے اور انہیں خدا کے لطف و عنایات کے شامل حال کرنے کے لئے خدا سے براہ راست رابطہ کئے ہوئے تھے کیونکہ خدا کے لطف و کرم کے بغیر نہ ہی فتح اور کامیابی امکان ہے اور نہ ہی کامیابی ملنے کی صورت میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے۔

3_ اسی طرح اس جنگ میں سب سے زیادہ تکلیف اٹھانے والے حضرت علی (ع) کا خضوع و خشوع بھی لائق دید ہے۔ انہوں نے پینتیس 35 سے زیادہ آدمیوں کو بذات خود فی النار کیا تھا اور باقی پینتیس 35 کے قتل میں بھی شریک ہوئے تھے ، لیکن ہم انہیں یہ کہتا ہوا دیکھتے ہیں کہ " خدا نے آپ(ص) کے ذریعہ سے ہمیں فتح عنایت کی " یعنی حضرت علی (ص) اس کامیابی کو آنحضرت(ص) کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے آپ(ص) کے مربون منت جانتے ہیں اور اس کامیابی میں اپنے سمیت کسی کا بھی کوئی قابل ذکر کردار نہیں سمجھتے تھے۔

ب : جنگ فیصلہ کن تھی

یہ بات واضح ہے کہ اس جنگ کو فریقین اپنے لئے فیصلہ کن سمجھتے تھے _ مسلمان خاص کر حضرت رسول (ص) کریم یہ سوچ رہے تھے کہ اگر وہ خدا نخواستہ شکست کھا گئے تو پھر روئے زمین پر کبھی بھی خدا کی عبادت نہیں ہوگی _ جبکہ مشرکین بھی یہ چاہتے تھے کہ مہاجرین کو اچھی طرح کس کر انہیں اپنی گمراہی کا مزاحکھائیں اور انصاریوں کو بھی نیست و نابود کر کے رکھ دیں تا کہ بعد میں کوئی بھی ان کے دشمن کے ساتھ کبھی اتحاد نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی کبھی ان کے تجارتی راستے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ڈال سکے اور اس کے نتیجے میں پورے خطہ عرب پر ان کی دھاک بیٹھ جائے۔ ہاں مال ، دنیا اور جاہ و حشم پر مرمتنے والے لوگوں کے

نزدیک یہ چیزیں نہایت اہم تھیں اور بالکل اسی لئے انہوں نے آنحضرت(ص) اور آپ(ص) کے ساتھیوں کو بہت تنگ کیا ، گھروں سے نکال باہر کیا اور ان سے جنگ کیا حالانکہ وہ ان کے اپنے فرزند ، بھائی ، بزرگ اور رشتہ دار تھے۔ ان کے لئے سب کچھ دنیا ہی تھی اور نہ اس سے پہلے کوئی چیز تھی اور نہ بعد میں کچھ ہے۔ اسی چیز نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور انہیں اپنے رشتہ داروں پر جرم و جنایت کے مرتکب ہونے پر اکسا یا جس کی وجہ سے انہوں

299

نے اپنوں کو مختلف قسم کے شکنجوں کا نشانہ بنایا، ان کا مذاق اڑایا ، پھر ان کا مال و اسباب لوٹا، انہیں اپنے گھروں سے نکال باہر کیا اور آخر کار انہیں جڑ سے اکھاڑنے اور نیست و نابود کرنے کے لئے ان کے خلاف سخت ترین جنگ لڑی۔

ج: شکست ، طاقت کا عدم توازن اور فرشتوں کی امداد

کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کوئی چھوٹا لشکر کسی بڑی فوج کو شکست دے دیتا ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ اس چھوٹی فوج میں ایسے امتیازات اور ایڈ و انٹیج پائے جاتے ہیں جو بڑے لشکر میں نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر اسلحہ با روڈ کی کثرت ، زیادہ نظم و ضبط ، زیادہ معلومات اور

منصوبہ بندی اور کسی خاص معین جنگی علاقے یعنی جغرافیائی لحاظ سے اسٹریٹجک جگہ پر قبضہ بھی انہی امتیازات میں سے ہیں۔ لیکن مسلمانوں اور مشرکوں کا اس جنگ میں معاملہ بالکل ہی الٹ تھا۔ کیونکہ جنگی تجربہ، کثرت تعداد، اسلحہ کی بھر مار اور جنگی تیاری اور ساز و سامان وغیرہ سب کچھ مشرکین کے پاس تھا جبکہ مسلمانوں کے پاس کسی خاص حدود اربعہ میں معین کوئی خاص جنگی علاقہ بھی نہیں تھا۔ بلکہ انہیں تو اس جنگ کا سامنا تھا جسے مشرکین نے اپنی مرضی کی جگہ اور وقت پر ان پر مسلط کر دیا تھا۔ بلکہ اکثر مشرکین کو اس علاقے میں بھی امتیاز اور برتری حاصل تھی۔ جنگی تکنیک اور اسلوب بھی وہی پرانا تھا، یعنی فریقین کو وہی معروف اور رائج طریقہ کار اپنانا تھا۔ اور اس میں بھی قریش کو برتری اس لحاظ سے حاصل تھی کہ اس کے پاس عرب کے ایسے مشہور شہسوار موجود تھے جو اپنے تجربے اور بڑی شہرت کے باعث ان تقلیدی جنگوں میں برتری کے حامل تھے۔ پس جنگ کے متوقع نتائج مشرکین کے حق میں تھے۔ لیکن جنگ کے حقیقی نتائج ان متوقع نتائج کے الٹ نکلے اور وہ اتنی بڑی تیاری اور کثیر تعداد والے ہر لحاظ سے برتری کے حامل فریق کے بالکل برخلاف تھے۔ کیونکہ مشرکوں کو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ خسارہ اٹھانا پڑا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے اٹھ سے چودہ شہیدوں اور مشرکین کے ستر مقتولوں اور ستر قیدیوں کے

درمیان کونسی نسبت ہے؟ حالانکہ ہر لحاظ سے مشرکوں کا پلڑا مسلمانوں سے بہت بھاری تھا۔ کیا آپ لوگ بتا سکتے ہیں کہ اس غیر متوقع نتیجہ کا کیا راز اور سبب ہے؟

اس کا جواب خود خدا نے قرآن مجید میں یوں دیا ہے (اذ یریکہم اللہ فی منامک قليلاً و لو اراکہم کثیراً لفشلتم و لتنازعتم فی الامر ، ولكن اللہ سلم انہ علیہم بذات الصدور و اذ یریکم وہم اذ التقیتم فی اعینکم قليلاً و یقللکم فی اعینہم لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً) " (اس وقت کو) یاد کر و جب خدا نے خواب میں تمہیں ان کی کثیر تعداد کو کم جلوہ گر کیا اور اگر خدا ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم تو دل ہار بیٹھتے اور خود جنگ کے معاملے میں ہی آپس میں جھگڑنے لگتے لیکن خدا نے تمہیں اس سے محفوظ رکھا کیونکہ وہ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے۔ اور جنگ کے وقت بھی خدا نے تمہاری آنکھوں میں ان کی تعداد گھٹا کر دکھائی نیز انہیں بھی تمہاری تعداد گھٹا کر دکھائی تا کہ خدا کا ہونے والا کام ہو کر رہے" (1)

نیز ارشاد خداوندی ہے :

(و اذ زین لہم الشیطان اعمالہم ... لا غالب لکم الیوم من الناس و انی جار لکم) (2)

" اور یاد کرو جب شیطان نے کافروں کے اس برے کام کو اچھا کر دکھایا
...لیکن آج وہ لوگ تم پر غلبہ نہیں پا سکتے کیونکہ آج تم میری پناہ میں ہو"

_44

،43/

انفال

(1

(2 انفال/48_

301

اسی طرح یہ بھی فرماتا ہے :

(کما اخرجك ربك من بيتك بالحق و ان فريقاً من المؤمنین لکارہون) (1)

" جس طرح خدا نے تمہیں اپنے گھر سے برحق نکالا ہے لیکن مؤمنوں کے
ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی"

اسی طرح رسول (ص) خدا نے بھی فرمایا ہے: " رعب اور دبدبے سے میری
مدد اور حمایت کی گئی ہے اور زمین کو بھی میرے لئے سجدہ گاہ اور باعث
طہارت بنا یا گیا ہے" (2)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کو آپس میں لڑانے کے
لئے خدا ئی عنایت ، لطف بلکہ طاقت کار فرماتی ہے تا کہ بہت سے مسلمانوں
کے دل سے مشرکوں کی ہیبت اور دہشت نکل جائے _ کیونکہ جب مسلمان
قریش سے لڑیں گے تو دوسروں سے لڑنے کیلئے وہ اور زیادہ جری اور

طاقتور ہوں گے

اور یہ خدائی مشن درجہ ذیل چیزوں میں خلاصہ ہوتا ہے:

1_ آیتوں میں مذکور گھٹا نے بڑھا نے والے طریقے سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی۔

2_ ملائکہ کے ساتھ مسلمانوں کی مدد۔

3_ اسلام دشمنوں کے دل میں رعب اور دہشت بٹھانا۔

تشریح : فریقین کے جنگی اہداف ہی مادی اور انسانی خسارے بلکہ تاریخ کے

دھارے کو کسی بھی طرف موڑنے کے لحاظ سے جنگ کے نتائج کی تعیین

اور اس کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہم پہلے بھی کئی بار یہ بات بیان کر چکے

ہیں کہ اس جنگ سے مشرکین کا مقصد مطلوبہ زندگی اور ان امتیازات اور

خصوصیات کا حصول تھا جن

(1) انفال 5/

(2) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 233 ، بخاری ج 1 ص 46 و 57 ، ج 2 ص 107 و ج 4 ص 135 و ص 163 ، سنن دارمی ج 2 ص 224 ،

صحیح مسلم ج 2 ص 63 تا ص 65 ، الجامع الصحیح ج 4 ص 123 ، کشف الاستار ج 1 ص 44 و ج 3 ، ص 147 ، سنن نسائی ج 1

ص 209 و ص 210 و ج 6 ص 3 ، مسند احمد ج 1 ص 98 و ص 301 و ج 2 ص 222 و ص 264 ، ص 268 ، ص 314 ، ص 366 ،

ص 412 ، ص 455 و ص 501 ، ج 3 ص 304 ، ج 4 ص 416 و ج 5 ص 145 و ص 148 و ص 162 و ص 248 و ص 256 ، مجمع

الزوائد ج 6 ص 65 و امالی طوسی ص 56۔

سے وہ اپنی آسودگی ، فرمانروائی اور سرداری کی لمبی لمبی آرزوؤں کی تکمیل کی توقع کر رہے تھے۔ پس جب وہ لڑھی اس دنیاوی زندگی کے لئے رہے تھے تو اس مقصد کے لئے ان کا قربانی دنیا کیسے ممکن ہے؟ اس کا مطلب تو پھر ہدف کو کھونا اور مقصد کی مخالفت کرنا ہے۔ مؤرخین کی مندرجہ ذیل روایت بھی ہمارے بیانات کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب طلیحہ بن خویلد نے اپنے بہت سے ساتھیوں کو رن سے فرار کرتے ہوئے دیکھا تو پکارا "منحوسو کیوں بھاگ رہے ہو؟"۔ تو ان میں سے کسی نے کہا: "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم کیوں بھاگ رہے ہیں ہم اس لئے بھاگ رہے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص کی یہی خواہش ہے کہ اس سے پہلے اس کا ساتھی مرے (یعنی وہ سب سے آخر میں مرے) حالانکہ ایسے ایسے افراد سے ہمارا سامنا ہے جو اپنے ساتھیوں سے پہلے مرنا چاہتے ہیں" (1)۔ اسی طرح جب جنگ جمل میں زبیر کے پیٹھ دکھا کر بھاگنے کی خبر حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی تو آپ (ع) نے فرمایا: "اگر صفیہ کے بیٹے کو معلوم ہوتا کہ وہ حق پر ہے تو وہ جنگ سے کبھی پیٹھ دکھا کر نہ بھاگتا..." (2)۔ اور مامون کی فوج کا ایک بہت بڑا جرنیل حمید طوسی کہتا ہے: "ہم آخرت سے تو مایوس ہوچکے ہیں اب صرف یہی ایک دنیاہی رہتی ہے ، اس لئے خدا کی قسم ہم کسی کو اپنی زندگی مکدر کرنے کی اجازت نہیں دیں

گے" (3)۔

لیکن تمام مسلمانوں کا بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ قریش کی جڑیں کاٹنے والے حضرت علی (ع) اور حمزہ جیسے ان بعض مسلمانوں کا مقصد اخروی کامیابی تھا جنہوں نے دشمنوں کو تہ تیغ کر کے مسلمانوں کی کامیابی میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں دو بھلائیوں میں سے کوئی ایک ضرور ملے گی۔ یا تو وہ جیت جائیں گے اور اس صورت میں انہیں دنیاوی اور اخروی کامیابی نصیب ہوگی یا پھر شہید ہو جائیں گے اور اس صورت میں بھی انہیں حتیٰ کہ دنیاوی کامیابی بھی نصیب ہوگی اور آخرت تو ہے ہی۔ اور ایسے لوگ جب موت

(1) سنن بیہقی ج 8 ص 176 و حیاة الصحابہ ج 3 ص 770 از سنن بیہقی۔

(2) المصنف عبدالرزاق ج 11 ص 241 اور اس روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہوئے قتل ہوا۔ جیسا

کہ بعض نے صراحتاً کہا بھی ہے۔

(3) نشوار المحاضرات ج 3 ص 100۔

کو فوجی اور ظاہری کامیابی کی طرح ایک کامیابی سمجھتے ہیں اور اپنی جان بچا کر فرار ہونے کو (چاہے اس فرار سے ان کی جانیں بچ بھی جائیں اور

وہ بڑی پر آسائشوں اور پر سکون زندگی اور دنیاوی نعمتوں سے بہرہ مند ہو بھی جائیں پھر بھی اسے) اپنے لئے ذلت ، رسوائی ، تباہی اور مرجانے کا باعث بلکہ مرجانے سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے بعد انہیں اخروی تباہی اور دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ (جب صورتحال یہ ہو) تو یہ زندگی ان لوگوں کے لئے ناقابل قبول اور ناپسندیدہ بلکہ مکروہ ہوگی اور اس زندگی سے وہ ایسے بھاگیں گے جیسے مشرکین موت کے ڈر سے بھاگ رہے تھے۔ اور طلیحہ بن خویلد کا جواب دینے والے شخص نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔

جب عمیر بن حمام کو پتہ چلا کہ رسول (ص) خدا شہید ہونے والوں کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں (اس وقت عمیر کے ہاتھ میں چند کھجور تھے جنہیں وہ آہستہ آہستہ کھا رہا تھا) تو اس نے کہا: " واہ بھئی واہ میرے اور جنت میں داخلے میں صرف ان کے قتل کرنے کا ہی فاصلہ ہے"۔ یا یہ کہا: " اگر زندہ رہا تو یہ کھجور آکر کھاؤں گا۔ واہ وہ تو ایک لمبی زندگی ہے"۔ پھر وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجوریں پھینک کر لڑنے چلا گیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا(1)۔

(یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانثاروں کے لئے موت کیوں شہد سے بھی زیادہ میٹھی تھی) بلکہ جب ماؤں کو پتہ چل جاتا کہ ان کے فرزند جنت میں ہیں تو انہیں اپنے فرزند کے بچھڑنے کا

کوئی بھی دکھ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ بسا اوقات خوش بھی ہوتی تھیں۔ جب حارثہ بن سراقہ کسی نامعلوم تیر سے مارا گیا تو اس کی ماں نے آنحضرت (ص) سے کہا: "یا رسول (ص) اللہ مجھے حارثہ کے متعلق بتائیں، اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کر لوں گی وگرنہ اتنی آہ و زاری کروں گی کہ ساری خدائی دیکھے گی"۔ (جبکہ ایک اور روایت کے مطابق اس نے یوں کہا: "... وگرنہ میں حد سے زیادہ گریہ کروں گی" نیز دیگر روایت میں آیا

(1) ملاحظہ ہو: الکامل ابن اثیر ج 2 ص 126، تاریخ الخميس ج 1 ص 380، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 279، البدایہ والنہایہ ج 3 ص

277 از مسلم و احمد، سنن بیہقی ج 9 ص 99، مستدرک حاکم (با اختصار) ج 3 ص 426 و حیاة الصحابہ ج 1 ص 424 از گذشتہ

بعض منابع۔

304

ہے" ... تو روؤں گی پیٹوں گی نہیں لیکن اگر وہ دوزخ میں گیا ہے تو میں مرتے دم تک روتی رہوں گی"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت (ص) نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا جنت میں ہے تو وہ ہنستے ہوئے واپس پلٹی اور کہنے لگی: "مبارک ہو حارث مبارک ہو" (1)۔ اسی طرح جنگ بدر میں شہید ہونے والے عمیر بن ابی وقاص کو جب رسول (ص) خدا نے مدینہ میں ٹھہرانا چاہا تو وہ (فرط جذبات اور آپ (ص) کی مدد سے محرومی کے

احساس سے) روپڑا(2) جس پر آپ(ص) نے اسے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی _ اور اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں_ جنہیں یہاں بیان کرنے گی گنجائشے نہیں ہے۔

گذشتہ تمام باتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کو کتنی شدت سے مرجانے یا پھر کامیاب ہونے کا شوق تھا _ اور کافروں کو صحت و سلامتی کے ساتھ زندہ رہنے کی تمنا تھی _ کیونکہ مسلمان تو موت کو ایک پل اور شہادت کو عطیہ اور سعادت سمجھتے تھے لیکن وہ لوگ موت کو خسارہ ، فنا اور تباہی سمجھتے تھے_ ان کی مثال بھی بنی اسرائیل کی طرح تھی_ اور بنی اسرائیل دنیا اور دنیا داری کے لئے بہت زیادہ اہمیت کے قائل تھے اور ان کی سوچوں بلکہ عقیدے میں بھی آخرت کی کوئی جگہ نہیں تھی_ ان کی متعلق خدایوں فرماتا ہے:

(قل ان كانت لكم الدار الآخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان كنتم صادقين و لن يتمنوه ابدأ بما قدمت ايديهم و الله عليم بالظالمين و لتجدنهم احرص الناس على حياة و من الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة و ما هو بمزحزحه من العذاب ان يعمر و الله بصير بما يعملون) (3)

(1) ملاحظه بو : مستدرک حاکم ج 3 ص 208 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 274 از شیخین ، سنن بیہقی ج 9 ص 167 ، حیاة الصحابہ ج 2

ص 652 تا ص 653 از مذکورہ منابع و از کنز العمال ج 5 ص 273 و 275 و ج 7 ص 76 و از ابن سعد ج 3 ص 68 _

(2) نسب قریش مصعب زبیری ص 263 ، الاصابہ ج 3 ص 5 ، 3، از حاکم ، بغوی ، ابن سعد و واقدي_

"(اے رسول (ص)) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر آخرت کا مقام بھی خدا کے نزدیک صرف تمہارا ہی ہے تو ذرا مرنے کی خواہش تو کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ لیکن وہ اپنے کر تو توں کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے اور خدا ہی ظالموں کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ انہیں تو آپ (ص) زندہ رہنے کا سب سے زیادہ خواہشمند پائیں گے حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی۔ ان کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار سالہ زندگی مل جائے۔ وہ جتنی بھی زندگی کر لیں وہ اسے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتی۔ اور خدا ان کے کردار کو بخوبی جانتا ہے۔"

اسی بنا پر جنگ بدر میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ابتداء میں خدا مسلمانوں کو ان کی نظر میں گھٹا کر دکھاتا تا کہ وہ اپنی سلامتی اور بقاء کے زیادہ احتمال کی وجہ سے آسانی اور آسودہ خیالی سے اس جنگ میں کود پڑتے۔ کم از کم وہ جنگ میں جم کر لڑتے اور فرار کا تصور بھی نہ کر سکتے تا کہ حضرت علی علیہ السلام قریش اور شرک کے بڑے بڑے فرعونوں، سرپھروں، گروگنڈالوں اور سپاہیوں کو قتل اور قیدی کر لیں۔ حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے کہ "جب جنگ کا شعلہ بھڑکا تو آپ (ص) نے ہی اسے بجھایا، گمراہی

بڑھنے لگی یا مشرکوں کا جمگھٹا ہوا تو آپ(ص) نے اپنے بھائی کو اس میں جھونک دیا اور وہ اسے اچھی طرح روند کر اور تلوار سے اس کے شعلے بجھا کر ہی وہاں سے واپس لوٹا _ وہ خدا کی ذات میں جذب (فنا فی اللہ) ہوچکا تھا ..."(1)_

لیکن پھر جنگ چھڑنے کے بعد ضروری تھا کہ مشرکین مسلمانوں کی تعداد کی کثرت دیکھیں تا کہ وہ رعب اور دہشت کے مارے نہ لڑسکیں_ یہاں خدا نے مسلمانوں کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کی _ اور ان کے ذریعہ سے ان کی تعداد بڑھائی اور فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ لڑیں اور مشرکین کا سر قلم کریں نیز ان کے دلوں میں رعب ، دہشت اور دھاک بٹھادیں _ خدا نے بھی جنگ کے شروع ہونے کے بعد پیش آنے والے اس آخری مرحلہ کا ذکر اس آیت میں یوں کیا ہے:

(اذ یوحى ربك الى الملا نكة انى معکم فثبتواالذین

(1) بلاغات النساء ص 25 مطبوعہ النهضة الحديثه و اعلام النساء ج 4 ص 117_

آمنو سآلقى فى قلوب الذین کفروا الرعب فاضربوا فوق الا عناق و اضربوا منهم کل بنان (1)

"(وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں تمہارا پشت پناہ ہوں (تم جا کر) مؤمنوں کا دل بڑھاؤ، میں بھی کافروں کے دل میں دہشت پیدا کر دوں گا پھر تم انہیں ہر طرف سے مار کر ان کی گردن ہی مار دو"۔

اور یہ بات واضح ہے کہ ڈریوک اور بزدل دشمن پر چڑھائی چاہے وہ کتنا ہی طاقتور ہو اس کمزور دشمن پر حملہ سے زیادہ آسان ہے جو موت سے بے پروا ہو کر خود ہی حملہ آور ہو۔ پس یہ معرکہ جنگجوؤں کا سامنا کرنے سے کترانے والے مشرکوں کے حق میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے حق میں تھا۔ اس بنا پر مسلمانوں کے ساتھ خود مشرکین بھی مشرکین کے خلاف لڑ رہے تھے اور یہ بات حضرت علی (ع) کے اس فرمان کی تشریح اور تفسیر ہے کہ "میرا سامنا جس سے بھی ہوا اس نے اپنے خلاف میری مدد کی (اپنے آپ کو میرے حوالہ کر دیا)" (2) اور فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کا ایک اور پہلو بھی تھا جس کا ملاحظہ بھی نہایت ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ممکن تھا کہ بعض مسلمانوں کے ایمان اور یقین کا درجہ بلند نہ ہوتا اور اس جنگ میں ان کا یقین اور مان ٹوٹ جاتا یا کم از کم ان کا ایمان کمزور ہو جاتا اس لئے خدا نے مسلمانوں پر لطف و کرم کرتے ہوئے ان کی فرشتوں سے مدد کی تا کہ وہ انہیں جیت کی خوشخبری دیں، ان کا دل بڑھائیں اور جنگ کے آغاز میں ان کی آنکھوں میں مشرکوں کو گھٹا کر دکھائیں جس سے وہ جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اس کے علاوہ خدا کے فضل سے

فرشتوں کی مدد کے اور طریقے بھی تھے۔ ان باتوں سے اس بات کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کیوں مشرکین کے مقتولین کی تعداد شہداء اسلام سے کئی گنا زیادہ تھی اور ان کے ستر افراد بھی قید کر لئے گئے حالانکہ مسلمانوں کا کوئی بھی فرد گرفتار نہیں ہوا۔ اور اس مدد کے نتائج صرف جنگ بدر تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان ہر جنگ میں ایسے نتائج ظاہر ہوئے اور واقعہ کربلا بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

(1) انفال/12۔

(2) نہج البلاغہ حکمت 318۔

307

د: انصار کے خلاف قریش کا کینہ

1۔ ابو جہل کی گذشتہ باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ قریش انصار کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا چاہتے تھے حتیٰ کہ ابو جہل نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ انصار کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دو لیکن قریشیوں کی بہ نسبت ان کا موقف مختلف تھا۔ کیونکہ ابو جہل نے ان کے متعلق کہا تھا کہ ان کی مشکیں اچھی طرح کس کر انہیں مکہ لے جاؤ تا کہ وہ انہیں ان کی گمراہی کا مزہ چکھا یا جائے۔ شاید مشرکوں نے قریشیوں سے اپنے

پرانے تعلقات بحال رکھنے کے لئے ان کے خلاف یہ موقف اپنا یا ہو کیونکہ ہر قریشی مسلمان کا مکہ میں کوئی نہ کوئی رشتہ دار موجود تھا۔ اور وہ اپنے رشتہ دار کے قتل پر راضی نہیں ہو سکتے تھے چاہے وہ ان کے عقیدے اور مذہب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہی قبائلی طرز فکر ہی تو تھا جو اتنے سخت اور مشکل حالات میں بھی مشرکین کی سوچوں پر حاوی اور ان کے تعلقات اور موقف پر حاکم تھا۔

2۔ ہم یہ تو جان چکے ہیں کہ رسول (ص) خدا اور مسلمانوں کو پناہ اور مدد دینے والے انصار کے خلاف قریش کا کینہ نہایت عروج پر تھا اور ان کے کینے کی دیگ بری طرح ابل رہی تھی۔ اس بات کا تذکرہ ابو جہل نے سعد بن معاذ سے کسی زمانے میں (شاید بیعت عقبہ یا سعد کے حج کرنے کے موقع پر۔ مترجم) کیا بھی تھا اور اب وہ یثرب والوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹنے آیتا تھا۔ لیکن ہم یہ بھی ملاحظہ کرتے ہیں کہ ان کے دل میں یہ کینہ کئی دہائیوں تک رہا بلکہ سقیفہ کے غم ناک حادثے میں انصار کی خلافت کے معاملے میں قریش کی مخالفت اور دوسروں کی بہ نسبت حضرت علی علیہ السلام کی طرف انصار کے رجحان نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور یہ کینہ مزید جڑ پکڑ گیا کیونکہ انہوں نے ہر اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا جس میں قریشی آپ کے مد مقابل تھے (1) حتیٰ کہ جنگ صفین میں معاویہ کو نعمان بن بشیر اور مسلمہ بن مخلد سے کہنا پڑا: "اوس اور خزرج کی طرف سے پہنچنے والی زک سے مجھے بہت دکھ اور نقصان

اٹھانا پڑا ہے۔ وہ اپنی تلواریں گردن مینحائل کر کے جنگ کا مطالبہ کرنے
آکھڑے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے میرے شیر

(1) ملاحظہ ہو: المصنف ج5 ص456 و ص458 و دیگر کتب۔

308

کی طرح بہادر ساتھیوں کو بھی چوہے کی طرح ڈریوک بنا کر رکھ دیا ہے
۔ حتیٰ کہ خدا کی قسم میں اپنے جس شامی جنگجو کے متعلق بھی پوچھتا ہوں
تو مجھے یہ کہا جاتا ہے اسے انصار نے قتل کر دیا ہے۔ اب خدا کی قسم میں
ان سے بھرپور جنگ کروں گا " (1) اسی طرح نعمان بن بشیر نے انصار کے
ساتھ اپنی ایک گفتگو میں کہا، "جب بھی (حضرت علی (ع) پر) کوئی مشکل آن
پڑی تم لوگوں نے ہی ان کی یہ مشکل آسان کی ہے" (2) اسی طرح بنی امیہ
کے بزرگ عثمان بن عفان کے خلاف انصار کے موقف اور اس کے خلاف
چلائی جانے والی تحریک میں ان کے فعال اور مؤثر کردار نے قریش کے ان
کے خلاف کینے کو مزید ہوا دی۔ حتیٰ کہ معاویہ نے اس کے غم میں مندرجہ
ذیل شعر کہا: (گرچہ یہ واضح ہے کہ عثمان پر اس کا رونا دھونا اس کے
سیاسی مقاصد کے تحت تھا و گرنہ عثمان سے اسے کوئی بھی ہمدردی نہیں
تھی

(

لاتحسبوا اننى انسى مصيبتہ
 و فى البلاد من الا نصار من احد(3)
 یہ کبھی مت سوچنا کہ روئے زمین پر کسی ایک انصار ی کے ہوتے ہوئے
 میں عثمان کا غم بھول جاؤں گا۔
 بہر حال معاویہ سے جتنا بھی ہو سکتا تھا اس نے انصار کے خلاف اپنے دل
 کی بھڑاس نکالی لیکن پھر اس کے بعد اس نا بکار کے ناخلف یزید نے کربلا
 میں اہل بیت رسول (ص) کو شہید کرنے کے بعد "واقعہ حرہ" مینانصار سے
 نہایت برا اور شرمناک انتقام لیا تھا (4)
 احمد بن حنبل نے بھی ابن عمر کی ایک بات نقل کی ہے جس کے مطابق وہ
 اہل بدر کے مہاجرین کو ہر موقع پر اہل بدر کے انصار پر ترجیح دیا کرتا تھا
 البتہ اس بارے میں "جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں" کی فصل میں

(1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 8 ص 84 و ص 85 نیز ملاحظہ ہو ص 44 و ص 87)۔

(2) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 8 ص 88۔

(3) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 8 ص 44۔

(4) ملاحظہ ہو تاریخ الامم و الملوك ، الكامل فی التاريخ اور دیگر کتابوں میں واقعہ حرہ۔

"جنگ میں مہاجرین کو پہلے بھیجنے کی وجوہات" میں یہ بحث ہو چکی ہے
 _ اس موضوع کے سیر حاصل مطالعہ کے لئے وہاں مراجعہ فرمائیں۔
 3_ ایک اور پہلو سے اگر دیکھا جائے تو قریش اس جنگ میں انصار کو ایسا
 یادگار سابق سکھا نا چاہتے تھے کہ وہ پھر کبھی ان کے دشمنوں سے گٹھ
 جوڑ کرنے کا ارادہ بھی نہ کر سکیں قریش کی نظر میں انصار کا یہی جرم ہی
 کافی تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو اتنی طاقت اور قوت فراہم کر دی تھی کہ
 وہ ان کے مقابلہ میں آنے کی جرات کر بیٹھے۔ اسی لئے ابو جہل (جسے پہلے
 اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا) نے اپنے سپاہیوں کو انتہائی سخت حکم دیتے
 ہوئے کہا تھا کہ مکیوں کے ہاتھ سے کوئی بھی (یثربی) انصاری نہ چھوٹے
 پائے (اور سب کا قلع قمع کر دیا جائے)۔ آخر میں یہ اضافہ بھی کرتے چلیں
 کہ مدینہ والے قحطانی نسل کے تھے جبکہ مکہ والے عدنانی نسل کے تھے
 (اور دیگر تعصبات کے علاوہ اس میں نسلی تعصب بھی شامل تھا)۔

پہلے اہل بیت (ع) کیوں؟

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ دیگر تمام لوگوں سے پہلے آپ (ص) کا اپنے اہل
 بیت (ع) کو جنگ میں بھیجنے کا راز ہماری گذشتہ تمام معروضات ہوسکتی
 ہیں۔ کہ سب سے پہلے آپ (ص) اپنی اور اپنے اہل بیت (ع) کی قربانی پیش
 کریں۔ اسی لئے تاریخ، حضرت علی (ع)، حضرت حمزہ (ع)، حضرت جعفر
 (ع) اور اس دین سے نہایت مخلص آپ (ص) کے دیگر بہترین صحابیوں کے

کردار اور بہادر یونکو ہرگز فراموش نہیں کر سکتی بلکہ یہ تا ابد یادگار رہیں گی۔ پس حضرت علی (ع) اور آپ (ص) کا گھرانہ اسلام کی مضبوط ڈھال تھے اور خدا نے ان کے ذریعہ دین کو بھی بچایا اور انصار کے خلاف قریش (جن کی اکثریت اسلام دشمن تھی) کے کینے کی شدت کو بھی کم کیا۔ یہ سب کچھ انصار کا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے تھا، کیونکہ انصار اور اسلام کے خلاف قریش کے کینے نے مستقبل میں ان دونوں پر سخت، گہرے اور برے اثرات مرتب کئے۔

310

ہ: حضرت علی (ع) اور ان کے گھرانے پر جنگ بدر کے اثرات :

ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ اکثر مشرکین، مہاجرین خاص کر امیر المؤمنین حضرت علی (ع) اور ان کے چچا حمزہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ حضرت علی (ع) نے بذات خود پینتیس سے زیادہ مشرکوں کو فی النار کیا تھا اور باقیوں کو قتل کرنے میں بھی دوسروں کا ہاتھ بٹا یا تھا۔

اس بات سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ قریش چاہے جتنا بھی اسلام کا مظاہرہ کرتے رہیں، اسلام کے ذریعہ جتنا بھی مال و مقام حاصل کرتے رہیں اور چاہے حضرت علی (ع) اور ان کے گھرانے سے محبت اور مودت کی جتنی بھی آیات اور نبی (ص) کریم سے مروی روایات دیکھتے رہیں پھر بھی وہ

حضرت علی (ع) اور ان کے گھرانے سے کبھی بھی محبت نہیں کر سکتے تھے

حاکم نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ عباس غضبناک چہرے کے ساتھ آنحضرت (ص) کی خدمت میں آیا تو آنحضرت (ص) نے اس سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" اس سوال پر اس نے کہا: "ہمارا قریش سے کوئی جھگڑا ہے کیا؟" آپ (ص) نے فرمایا: "تمہارا قریش سے جھگڑا؟" اس نے کہا: "ہاں جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بڑے تپاک سے ملتے ہیں لیکن ہمیں بے دلی سے ملتے ہیں" یہ سن کر آپ (ص) اتنے سخت غضبناک ہوئے کہ غصہ سے آپ (ص) کی آنکھوں کے درمیان والی رگ ابھر آئی۔ پھر جب آپ (ص) کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ (ص) نے فرمایا: "اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں (حضرت) محمد (ص) کی جان ہے، جب تک کوئی شخص خدا اور رسول (ص) خدا کی خاطر تم لوگوں سے محبت نہیں کرے گا تب تک اس کے دل میں ایمان داخل ہو ہی نہیں سکتا" (1) اسی طرح حضرت علی (ع) نے بھی قریش کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "انہوں نے ہم سے قطع تعلق اور ہمارے دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے" (2) انشاء اللہ جنگ احد کی گفتگو میں اس کی طرف بھی اشارہ کریں گے

(1) مستدرک حاکم ج 3 ص 333 نیز تلخیص مستدرک ذہبی اسی صفحہ کے حاشیہ پر، مجمع الزوائد ج 9 ص 269 و حیاة الصحابہ ج 2 ص

(2) البتہ اگر یہ صدمے کسی معصوم رہنما کو سہنے پڑیں تو وہ اپنی تدبیر، فراست اور خداداد علم، عقل اور صبر سے انہیں برداشت کر لیتا ہے اور پائیداری دکھاتا ہے۔ دوسرے لوگ یہ تکلیفیں نہیں جھیل سکتے اور ان کے لئے انہیں جھیلنے اور ان سے سرخرو ہو کر باہر آنے کے لئے کوئی مناسب راہ حل نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر موقع پر رسول (ص) خدا صرف حضرت علی (ع) کو ہی آگے کرتے اور انہیں قریش کا سامنا کرنے کی پر زور تاکید کرتے تھے۔

311

ابن عباس سے مروی ہے کہ عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: "اگر قریشی تمہیں نا پسند کرتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تمہی نے تو ان کے ستر جنگجو افراد کو تہ تیغ کیا ہے جس کی وجہ سے اب ان کے چہرے (غصہ کی وجہ سے) دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح ہو گئے ہیں" (1) اس کے علاوہ، صاحبان احلاف (ابو سفیان پارٹی) بدر اور احد و غیرہ کے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے ہر وقت موقع اور فرصت کی تلاش میں رہتے تھے۔ وہ جنگ جمل اور صفین میں تو ناکام ہو گئے لیکن انہیں اپنے زعم باطل میں واقعہ کربلا میں اس کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ پھر تو انہوں نے اہل بیت (ع) اور ان کے شیعوں پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کر دی۔ وہاں ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس موقع پر یزید نابکار اپنے کفر اور مذکورہ جذبات کو نہ چھپا سکا۔ کیونکہ اس نے یہ جنگ، بدر کے اپنے بزرگ مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے لڑی تھی اور اس میں وہ اپنی خام خیالی میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بعد ابن زبیری کے کفریہ اشعار بھی پڑھتا تھا

اور اس میں وحی و نبوت کے انکار پر مشتمل اپنے اشعار کا اضافہ بھی کرتا تھا۔ وہ نا بکار، جوانان جنت کے سردار اور نبی (ص) کے نوا سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر چھڑی سے وار کرتے ہوئے یہ اشعار کہتا تھا :

لیت	اشیخی	بدر	شہدوا
جزع	الخرج	من	وقع
لا	ہلو	و	استهلوا
ثم	قالوا	یا	یزید
قد	قتلنا	من	اشياخهم
و	عدلنا	ہ	ببدر
لعبت	ہاشم	بالمک	فلا

(1) معرفة الصحابة ابو نعیم ورقہ، 22 مخطوط در کتابخانہ طوپ قپو سراى کتاب نمبر 497/1 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 9 ص

خبر جاء و لا وحى تزل

لست من خندق ان لم انتقم

من نبی احمد(ص) ما کان فعل (1)

کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ آج زندہ ہوتے اور تلوار کی زد میں آنے والے خزر جیوں (انصاریوں) کی گھبراہٹ اور چیخ و پکار کا نظارہ کرتے تو فرط مسرت سے ان کے چہرے دمک اٹھتے اور وہ ہلڑ بازی کرنے لگتے پھر مجھے مبارک باد دیتے ہوئے کہتے کہ یزید تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ہم نے ان لوگوں کے بڑے بڑوں کو آج قتل کر کے بدر کا بدلہ چکا دیا ہے۔ اب ہمارا حساب برابر ہو گیا ہے۔ بنی ہاشم نے حکومت کا کھیل کھیلتا تھا و گرنہ نہ نبوت کی کوئی خبر آئی ہے اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ اگر میں نے (نعوذ باللہ، حضرت) محمد(ص) کے گھرانے سے ان کے کئے کا بدلہ نہ لیا تو میں خندق کا بیٹا ہی نہیں ہوں۔ اسی طرح بدر کے متعلق خالد قسری کے ساتھ قتادہ کی گفتگو بھی ملاحظہ ہو (2) حالانکہ قتادہ ایک مشہور و معروف شخصیت اور اہل بصرہ کا بزرگ محدث تھا۔

شہدائے انصار

اگر چہ جنگ بدر میں مسلمانوں مہاجرین کی تعداد لشکر اسلام کا چوتھا یا پانچواں حصہ تھی، لیکن ان کے شہید مختلف اقوال کی بنا پر شہدائے انصار کے تیسرے بلکہ نصف حصہ سے بھی زیادہ تھے۔ حالانکہ اگر تعداد اور

کمیت کو مد نظر رکھا جائے تو اس تناسب کو اس سے کم بلکہ بالکل ہی کم ہونا چاہئے تھا _ یعنی مہاجرین کی تعداد کل کا چوتھا یا پانچواں حصہ تھی_ جبکہ شہدائے مہاجرین کی تعداد کل شہیدوں کا تیسرا بلکہ آدھا حصہ تھی_ بطور مثال

1)مقتل امام حسین (ع) مقرر ص 449 و ص 450 اللہوف ص 75 و 76_

2)بحار الانوار ج 19 ص 298 و ص 300 و روضہ کافی ص 111 تا ص 113_

313

اگر کل تعداد 100 فرض کر لیں تو مہاجرین کی تعداد بیس 20 سے پچیس 25 تک ہو گی _ جبکہ ہر تین بلکہ دو انصاری کے شہید ہونے کے ساتھ ایک مہاجر بھی شہید ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بیس انصاری کے ساتھ سات سے دس تک مہاجر بھی شہید ہوئے حالانکہ اس حساب سے ہر بیس انصاری کے مقابلے میں صرف چار سے پانچ مہاجرین کو جام شہادت نوش کرنا چاہئے تھا جبکہ لشکر اسلام 313 مجاہدین پر مشتمل تھا، ان مینمہاجرین کی تعداد 78 سے 63 افراد بلکہ اس سے بھی کم تھی _ اور شہدائے اسلام کی کل تعداد زیادہ سے زیادہ چودہ بتائی گئی ہے _ جن میں کم از کم چھ مہاجر اور آٹھ انصاری تھے_ حالانکہ اپنی تعداد کے تناسب سے ان کے شہیدوں کی تعداد

زیادہ سے زیادہ تین سے چار تک ہونی چاہئے تھی بلکہ اگر انصار اور
مہاجرین کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو اس تعداد کو اس سے بھی کم ہونا
چاہئے تھا۔ اس سے اس جنگ میں مہاجرین کے بھر پور کردار کا اندازہ لگایا
جا سکتا ہے مترجم۔

آیت تخفیف کے متعلق علامہ طباطبائی کا نظریہ :

یہاں علامہ طباطبائی کی ایک بات ہماری گفتگو سے متعلق بھی ہے اس لئے
اس کے خلاصے کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:
ارشاد ربّانی ہے:

(یا ایہا النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا
مئتين و ان یکن منکم مئة یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانہم قوم لا یفقیہون۔ الان
خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفان یکن منکم مئة صابرة یغلبوا مئتين و ان
یکن منکم الفاً یغلبوا الفین باذن اللہ و اللہ مع الصابرين۔ ما کان لنبی

314

ان یكون له اسرى حتى یثخن فی الارض تریدون عرض الدنيا و اللہ یرید الا
خرۃ و اللہ عزیز حکیم)
" اے نبی (ص) مؤمنوں کو جنگ کے لئے تیار کرو کہ تمہارے بیس بہادر
افراد ان کے دوسو جنگجوؤں پر غلبہ پالیں گے، اسی طرح تمہارے سو آدمی

ان کے ایک ہزار جنگجوؤں پر بھی کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ وہ نا سمجھ لوگ ہیں لیکن اب خدا نے یہ جان کر کہ تم کمزور ہو گئے ہو تمہیں چھوٹ دے دی ہے۔ پس اب تمہارے سو بہادر جنگجوؤں کے دوسو آدمیوں پر غلبہ پالیں گے اور خدا کے حکم سے تمہارے ایک ہزار آدمی ان کے دو ہزار سپاہیوں پر غالب آجائیں گے۔ اور خدا پائیداری دکھانے والے بہادروں کے ساتھ ہے۔ اور مشرکوں کا اچھی طرح قلع و قمع کئے بغیر نبی (ص) کا ہاتھ روک لینا مناسب نہیں ہے۔ تم لوگ تو دنیا داری اور اس کے حصول کے لئے جنگ لڑنا چاہتے ہو لیکن خدا تمہاری اخروی بھلائی چاہتا ہے اور خدا با عزت اور دانا ہے، (1)

پس خدانے یہاں بیس آدمیوں کے دو سو سپاہیوں پر غلبہ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ دو سو نا سمجھ ہیں لیکن یہ بیس آدمی سمجھ دار اور چالاک ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اس وقت مومنین خدا پر ایمان کے بل بوتے پر جنگ لڑتے تھے اور یہ ایمان ایسی بھر پور طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی بھی طاقت نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ اس صحیح سوچ اور عقیدے پر مبنی ہے جو شجاعت، جرات، ذکاوت، استقامت، وقار، اطمینان اور خدا پر بھروسہ جیسے صفات حسنہ کے زیور سے انہیں آراستہ کرتا ہے۔ نیز ان میں یہ یقین بھی پیدا کرتا ہے کہ وہ یقیناً دومیں سے کوئی ایک اچھائی حاصل کر ہی لیں گے یعنی یا تو وہ کامیاب ہو جائیں گے یا پھر رتبہ شہادت پر فائز ہو جائیں گے۔ اور یہ کہ موت کا مطلب فنا نہیں ہے جس طرح کافروں کی

غلط سوچ ہے بلکہ موت تو سعادت اور دار بقاء (جنت) کی طرف منتقلی کا نام ہے۔ پس کفار، شیطان کی گمراہیوں اور نفسانی خواہشات کے بھروسے پر آئے تھے اور بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات موت تک بھی ثابت رہیں۔ اور نہ بدلیں، کیونکہ جب

(1) انفال / 65 تا 67۔

315

سب کچھ جان بچانے اور آسودہ رہنے کے لئے ہی ہے تو پھر جان کا نذرانہ کس لئے دیں؟

پس علم اور ایمان کے ساتھ ساتھ مومنوں کی سمجھ داری جنگ بدر میں ان کی کامیابی کی وجہ بنی جبکہ کافروں کے کفر اور نفسانی خواہشات کے علاوہ ان کی بے وقوفی اور جہالت ان کی شکست کا باعث بنی۔ لیکن اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو ان کی روحانی اور معنوی طاقت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور وہ کمزور ہوتے گئے کیونکہ گذشتہ پہلی آیت یعنی (ذلک بانہم قوم لا یفقہون) میں مذکور ان کی سمجھ داری اور دوسری آیت یعنی (واللہ مع الصابریں) میں مذکور ان کی پائیداری، صبر اور دلیری کم ہو گئی۔ اور اس کمزوری کی ایک عام وجہ یہ ہے کہ ہر گروہ، قوم یا جماعت

اپنی بقاء اور اہداف زندگی کے حصول کی جد و جہد کرتی ہے۔ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اہداف دنیاوی ہینیا دینی ہیں۔ بہر حال یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ وہ لوگ چونکہ پہلے پہل اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کی راہ میں کچھ رکاوٹیں پاتے ہیں اور بنیاد ہلا دینے والے خطرات کو محسوس کرتے ہیں تو وہ اپنے اہداف کے حصول، رکاوٹوں کے خاتمے اور خطرات سے نبٹنے کے لئے سخت جد و جہد کرتے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ نیز اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ تک دینے سے نہیں ہچکچاتے۔ اور ہنسی خوشی سب کچھ لٹا دیتے ہیں لیکن جب وہ اپنے اغراض و مقاصد کی راہ میں کچھ قربانی دے دیتے ہیں، ان کے لئے راستہ تھوڑا سا ہموار ہوجاتا ہے اور فضا کچھ سازگار ہوجاتی۔ نیز تعدا د بھی زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنی قربانیوں کے نتائج سے بہرہ مند ہونا شروع کردیتے ہیں اور نعمتوں اور آسائشوں میں رہنا شروع کردیتے ہیں۔

جس کے نتیجے میں ان کا جوش و جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور یہ واضح سی بات ہے کہ کسی جماعت یا معاشرے کے افراد اگر کم ہیں تو بلا تردید وہ عام طور پر اپنے مقاصد اور اہداف کے حصول کے لحاظ سے یقین

316

اپنی ذہنی اور فکری سطح، صفات اور اخلاقیات کے بلند مرتبے پر فائز ہوتے ہیں اور جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے ان

میں ضعیف الاعتقاد ، منافق اور بیمار ذہن افراد کی تعداد میں بھی اضافہ ہو
 تا رہتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اگر عام افراد کو بھی ساتھ مد نظر رکھیں تو
 مجموعی طور پر ان کی روحانی ، معنوی اور جذباتی طاقت کی سطح نیچے آ
 جاتی ہے۔ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ کسی گروہ کے افراد
 جتنا کم ہوں گے ، ان کے دشمن جتنا زیادہ طاقتور ہوں گے اور مختلف
 تکلیفوں ، مصیبتوں اور پریشانیوں نے انہیں جتنا زیادہ گھیرا ہو گا وہ اتنا ہی
 مصمم ، تیز ، چالاک ، بہادر ، جنگجو اور چست ہوں گے۔ اور جوں جوں ان
 کی تعداد بڑھتی جائے گی ان کے جذبات اتنے ہی ٹھنڈے پڑتے جائیں گے ،
 ذہنی بیداری کم ہوتی جائے گی اور دماغ خراب ہو تا جائے گا(1)۔
 ہماری مذکورہ باتوں کی بہترین دلیل آنحضرت (ع) کے غزوات ہیں۔ قارئین
 جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد، تیاری ، حالات و واقعات اور نتائج کا احد،
 خندق ، خیبر اور حنین جیسی دیگر جنگوں میں مسلمانوں کی تعداد ، تیاری ،
 حالات و واقعات اور نتائج کا موازنہ اور تقابل کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ اور
 جنگ حنین کے نتائج تو اتنے بولناک اور بھیانک تھے کہ خدا کو یہ فرمانا پڑا :
 (و یوم حنین اذا عجبکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً وضائق علیکم الارض بما
 رحبت ثم ولیتم مدبرین) (توبہ 25)
 "اور جنگ حنین میں جب تمہاری کثرت تعداد نے تمہیں غرور میں مبتلا کر دیا
 تو تمہیں کسی چیز نے فائدہ نہیں پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم
 پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ دکھا کر الٹے پاؤں بھاگے"

1) اس ساری بات کو دسیوں برس پہلے علامہ اقبال نے دو لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:
میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے

شمشیر و سنان اول طاووس و رباب آخر

317

ہماری ان باتوں سے اب مذکورہ آیتوں کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ نیز ان باتوں پر وہ مذکورہ تیسری آیت بھی دلالت کرتی ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ لوگ دنیاوی مفاد کی خاطر جنگ سے ہاتھ روکنا چاہتے تھے۔ اور چونکہ پہلی دو مذکورہ آیتیں دو مختلف زمانوں میں روحانی اور جذباتی طاقت کی طبیعت اور کیفیت بیان کر رہی ہیں اس لئے دو آیتوں کے بیک وقت نزول میں کوئی مانع نہیں ہے۔ کیونکہ دو زمانوں میں دو مختلف احکام کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک حکم کو بیان کرنے والی ایک آیت ایک زمانے میں جبکہ دوسرے حکم کو بیان کرنے والی آیت دوسری موقع پر نازل ہو، کیونکہ یہ آیتیں ایک طبعی حکم کو بیان کر رہی ہیں کسی شرعی حکم کو نہیں۔ علامہ طباطبائی پھر فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں فقہ (سمجھداری) اور دوسری آیت میں صبر کی تعلیل بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صبر (پائیداری) ایک شخص کا پلڑا روحانی طاقت کے لحاظ سے اپنے جیسے دو

آدمیوں پر بھاری کرتی ہے جبکہ فقہ ایک شخص کا پلڑا اس جیسے پانچ آدمیوں پر بھاری کر دیتی ہے۔ پس اگر یہ دونوں چیزیں کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں تو اس کی روحانی طاقت کا پلڑا دس آدمیوں پر بھی بھاری ہو جاتا ہے (1) البتہ فقہ سے صبر جدا نہیں ہے گرچہ صبر سے فقہ جدا ہو سکتی ہے (2)۔

1) بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ اگر یہ دو صفات کسی شخص میں جمع ہو جائیں تو اس شخص کو اپنے جیسے سات آدمیوں جتنا طاقتور بنا دیتی ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے، کہ فقہ سے پیدا ہونے والی پانچ گنا طاقت کو صبر آکر دوگنا کر دیتا ہے اور یہی بات ہی دونوں آیتوں کے مفہوم کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ فقہ سے صبر اور دوسری صفات حمیدہ بھی حاصل ہو جاتی ہیں پھر صبر آکر اس کی موجودہ طاقت کو دوگنا کر دیتا ہے۔

(2) ملاحظہ ہو: المیزان علامہ طباطبائی ج 9 ص 122 تا ص 125۔

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

319

تیسری فصل: مال غنیمت اور جنگی قیدی

321

مال غنیمت کی تقسیم :

اس جنگ میں ڈیڑھ سو 150 اونٹ ، دس گھوڑے (جبکہ ابن اثیر کے مطابق تیس گھوڑے) اور بہت سا سازو سامان ، اسلحہ اور چمڑے و غیرہ کے بچھونے اور چیزیں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ لیکن مسلمانوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ کیا یہ مال غنیمت صرف لڑنے والے جنگجوؤں کو ملنا چاہئے یا پھر ان سب کو بھی ملنا چاہئے جو اس لشکر میں پیچھے رہ کر ان کے دوسرے کاموں میں مصروف ہیں؟ اس اختلاف اور جھگڑے کی وجہ سے مال غنیمت کی تقسیم کا عمل رسول(ص) خدا کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ(ص) نے تمام مال غنیمت اکٹھا کر کے اسے عبداللہ بن کعب کے ذمہ لگا دیا اور باقی صحابہ کو بھی اس کے اٹھانے اور حفاظت میں اس کا ساتھ دینے کا حکم دیا۔ بقولے مندرجہ ذیل آیت بھی اسی بارے میں نازل ہوئی :

(یسالونک عن الانفال قل الانفال لله و للرسول فاتقوا الله و اصلحوا ذات بینکم و اطیعوا الله و رسوله ان کنتم مؤمنین) (انفال/1)

اے رسول(ص) وہ لوگ آپ(ص) سے انفال (مال غنیمت) کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ انفال خدا اور رسول(ص) کا ہے اور اگر تم مؤمن ہو تو خدا سے ڈرو اور آپس میں صلح صفائی کرلو اور خدا اور اس کے رسول(ص) کی اطاعت کرو۔

آپ(ص) نے وہ مال غنیمت وہاں نہیں بلکہ مدینہ واپس آتے ہوئے راستے میں

تقسیم کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ (ص) اپنے اصحاب کے درمیان اختلاف کی شدت کو ختم کر کے انہیں طبعی حالت میں واپس لے آنا

322

چاہتے تھے تا کہ وہ اپنی دنیاوی خواہشات سے ہٹ کر اس بارے میں کچھ سوچیں۔ تب آپ (ص) نے وہ سارا مال ان کے درمیان تقسیم کر دیا اور اس سے خمس بھی نہیں نکالا۔

رسول خدا (ص) نے خمس کیوں نہیں لیا؟

بہر حال رہا یہ سوال کہ رسول (ص) خدا نے جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے خمس کا حصہ کیوں نہیں لیا؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید آپ (ص) خدا کے اذن سے اپنے اور نوری القربی کے حقوق سے گذر تے ہوئے جنگجوؤں کا حوصلہ بڑھانے اور ان کا دل جیتنے کے لئے انہیں زیادہ حصہ دنیا چاہتے ہوں گے خاص کر اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہ مشرکین کے خلاف ان لوگوں کی پہلی زبر دست لڑائی ہے اور دوسرا آپ (ص) نے اس موقع پر یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ انہیں حصول مال کی کتنی شدید خواہش اور لالچ ہے۔ اس کی مزید وضاحت قیدیوں سے متعلق گفتگو میں ہوگی۔

اس کی مثال اس روایت میں بھی ملتی ہے کہ حضرات حسنین (حضرت امام

حسن اور حضرت امام حسین (علیہما السلام نے حضرت علی علیہ السلام کے ایام خلافت میں اپنے والد سے خمس سے اپنا حصہ مانگا تو انہوں نے فرمایا: " وہ تو تمہارا حق ہے مجھ سے طلب کر سکتے ہو لیکن میں ابھی معاویہ سے جنگ میں مصروف ہوں (جس کے لئے مجھے اخراجات کی اشد ضرورت رہتی ہے) اس لئے اگر تم چاہو تو اپنے اس حق سے گذر سکتے ہو " (1) البتہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ آپ (ص) نے اس وجہ سے وہاں خمس نہ لیا ہو کہ اس وقت تک خمس والی آیت نازل نہ ہوئی ہو۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ خمس کا حکم غزوہ بدر کے بعد آیا ہوگا، حتیٰ کہ بعض اقوال یہ بھی ملتے ہیں کہ آپ (ص) نے سب سے پہلا خمس غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر نکالاتھا (2) لیکن ہمیں اس بات کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ بعض دستاویزات کے مطابق آپ (ص) نے جنگ بدر سے کچھ ماہ پہلے سریہ عبداللہ بن حش میں

سب سے پہلا خمس لیا تھا۔ بلکہ ہم یہاں تک بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ حضرت

علی (ع) کی حدیث مناشدہ (1) میں ابن عسا کرنے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مشاورتی کو نسل کے افراد کو قسم دیتے ہوئے کہا تھا: "تمہیں خدا کی قسم کیا میرے اور حضرت فاطمہ (ع) کے علاوہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آنحضرت (ص) کے کسی قریبی کے ایمان لانے سے بھی پہلے خمس لیا ہو؟" سب نے کہا: "نہیں بخدا" (2)۔

اس دستاویز کی روسے خمس، مکہ میں بعثت کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ آپ (ص) کے گھرانے کے کسی فرد کے اسلام لانے سے بھی پہلے فرض ہو اتھا۔ البتہ اس دستاویز پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت سے بھی پہلے بعثت کے چوتھے یا پانچویں سال تک حضرت جعفر، حضرت حمزہ اور جناب ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے۔

(پھر آپ (ص) کا یہ دعویٰ کیسا کہ کسی قریبی کے مسلمان ہونے سے پہلے میں اور فاطمہ (ع) خمس لیتے تھے؟)۔ جبکہ اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے:

ایک: حضرت ابو طالب (ص)، رسول (ص) خدا اور حضرت خدیجہ (ع) کو کسی مال کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ یہ شخصیات شعب ابی طالب جیسے کٹھن حالات میں بھی اپنا ہی مال خرچ کرتے تھے۔ اور یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ اور حضرت جعفر (ع) کے متعلق بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ خمس کے مستحق ہوں شاید وہ بھی مالدار آدمی تھے اسی طرح وہ اس وقت ملک حبشہ میں رہ رہے تھے اسی طرح حضرت حمزہ بھی شاید مالدار آدمی

تھے

دو: یہ بھی ممکن ہے کہ خمس کا حکم بعثت کے ابتدائی دنوں میں ہی آپ (ص) کے دیگر رشتہ داروں کے مسلمان ہونے سے پہلے آیا ہو اور حضرت خدیجہ (ع) نے خمس نکالا ہو اور اس سے حضرت علی (ع) کو اپنا حصہ ملا ہو لیکن حضرت فاطمہ زہرا (ع) ولادت کے بعد حضرت علی (ع) کی حصہ دار بن گئی ہوں۔ البتہ اس مذکورہ دستاویز کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ حضرت زہرا (ع) بعثت کے اوائل میں پیدا ہوئیں۔

1) خلیفہ ثانی نے بوقت وفات گذشتہ رہنماؤں کی مخالفت کرتے ہوئے نئے خلیفہ کی تعیین کے لئے ایک چھ رکنی کو نسل یا کمیٹی تشکیل دی تھی۔ تعیین خلیفہ کے وقت دھاندلی ہونے لگی تو حضرت علی علیہ السلام نے اس کمیٹی کے افراد کو قسمیں دے دے کر ان سے اپنے فضائل اور صفات منوائے لیکن دھاندلی ہو کر رہی اور حضرت علی (ع) کا حق غصب ہو گیا۔ اس حدیث کو حدیث منا شدہ کہتے ہیں۔ مترجم

2) زندگانی امام علی (ع) از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 3 ص 90 و ص 95، المناقب خوارزمی ص 225، فرائد السمطين ج 1 ص 322 نیز زندگانی امام علی (ع) ج 3 ص 88 و ص 89 کے حاشیہ میں حدیث منا شدہ کے کثیر منابع و مأخذ بھی مذکور ہیں نیز ملاحظہ ہو: الضعفاء الکبیر ج 1 ص 211۔ (البتہ اس میں "آپ (ص) کے دیگر رشتہ داروں کے ایمان لانے سے

پہلے "والا جملہ مذکور نہیں ہے ، ولئالی المصنوعہ ج 1 ص 362)۔

324

رسول خدا ایک بار پھر خمس اپنے اصحاب میں بانٹ دیتے ہیں

جس طرح آپ (ص) نے جنگ بدر میں خمس نہیں لیا ، اسی طرح آپ (ص) نے بعض دیگر مقامات پر بھی خمس نہیں لیا۔ مروی ہے کہ جنگ حنین کے واقعہ میں آپ (ص) نے اپنے حق یعنی خمس کو اپنے صحابیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) کو کچھ زمین اور ایک موٹا تازہ جوان اونٹ یا کوئی اور چیز ملی تو آپ (ص) نے فرمایا : "مجھے پروردگار کی قسم خدا نے تمہیں جو بھی مال غنیمت یا جو رزق دیا ہے اس میں سے صرف خمس ہی میرا حق بنتا ہے اور وہ بھی میں تمہیں لوٹا ئے دیتا ہوں" (1) یہ تو ان لوگوں کے ساتھ نبی (ص) کریم کا سلوک تھا لیکن دوسروں کا سلوک کیسا تھا ؟ انہوں نے آنحضرت (ص) کے خاص حق "فئے" پر بھی قبضہ کر لیا اور آپ (ص) کے اہل بیت (ع) تک کو بھی اس سے محروم رکھا ، بلکہ آنحضرت (ص) کے تمام وارثوں کو آپ (ص) کے تمام ترکہ سے ہی محروم کر دیا اور یہ بات کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ البتہ ہم بھی "سیرت سے متعلق چند باتیں" کی فصل میں نفع اور تمام مال میں خمس کے فریضے پر گفتگو کریں گے۔

حضرت علی (ع) کے دور حڪومت میں غربت کا خاتمہ :

ابو عبیدہ و غیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سال میں تین مرتبہ لوگوں میں مال تقسیم کیا کرتے تھے ایک مرتبہ تین دفعہ بانٹنے کے بعد اصفہان سے کچھ مال آیا تو آپ(ص) نے حکم دیا کہ جو تھی مرتبہ تقسیم کا بھی جلدی جلدی بند و بست کرو ، میں تمہارا کوئی خزانچی نہیں ہوں _ تو آپ(ع) نے وہ طبق لوگوں میں تقسیم کرادیئے سے بعض نے تو لے لیا لیکن بعض نے واپس کر دیا لیکن آپ(ص) نے انہیں اپنا حصہ لینے پر مجبور کر دیا (2) جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی (ع) کے دور حکومت میں تمام لوگ اس حد تک خود کفیل اور بے نیاز ہو گئے تھے کہ حکومتی

1)الموطاء ج 2 ص 14مطبوعہ با تنویر الحوالک ،الاموال ابو عبیدہ ص 444 و 447،الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 122،مسند احمد ج 5 ص 316 ص 319 ، 326 و الثقات ج 2 ص 48)_

2)الاموال ابو عبیدہ ص 384،کنز العمال ج 4 ص 378 و ص 318،حیة الصحابہ ج 2 ص 236،زندگانی امام علی (ع) از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 3 ص 181 و انساب الاشراف با تحقیق محمودی ج 2 ص 132_

325

تقسیم کو بھی واپس کرنے لگے تھے _ اور ایسا کیونکہ ہو جبکہ حضرت علی (ع) یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں دنیا کو بیچ سمجھتا ہوں (1) اور بیت المال کے متعلق حضرت علی (ع) کی سیرت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے_(2)

جبکہ دوسروں کے دور حکومت میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد کے پاس تن کو ڈھانپنے کے لئے صرف دوہی ٹکڑے ہوتے تھے جس سے وہ صرف اپنا آگا اور پیچھا ہی چھپا سکتے تھے۔ اور کچھ بھی نہیں تھا، اس لئے انہیں "ذو الرقعتین" کہتے تھے (3)

اہم نوٹ : خمس اور اقربا پروری؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ اہل بیت رسول (ص) کے لئے خمس کا مخصوص حکم ایک خاندان کو برتری دینے کے مترادف اور باعث ہے؟ اور کیا یہ ذات پات کے فرق پر مبنی ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کو ایسی باتیں کرنا اچھا بھی لگتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے:

1_ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس اللہ، رسول (ص) اور امام (ع) کی ملکیت ہے۔ اور آیت خمس میں مذکور باقی افراد خمس کے استعمال اور خرچ کرنے کے موارد ہیں۔ اور درحقیقت خدا نے عترت رسول (ص) کے فقیروں کو امام (ع) کی زیر سرپرستی قرار دیا ہے۔ اگر ان کا اپنا حصہ ان کے لئے کفایت نہ کرے اور ان کا فقر دور نہ کر سکے تو امام (ع) اپنے حصہ سے اس کی کمی پوری کرتا ہے۔ اور اگر ان کے حصہ سے کچھ بچ جائے تو وہ باقی حصہ امام (ع) کا ہوگا۔ ہوگا۔ اور امام (ع) اپنے اس حصہ کو ان شرعی امور میں خرچ کرے گا جو دین کی سربلندی، حفاظت اور

مسلمانوں کے حالات سدھرنے کا باعث ہوں _ اور وہ مال جو ان شخصیتوں (سادات کے فقیروں ، مسکینوں اور مسافروں) کو دیا جائے گا وہ صرف ان کی ضرورتوں کے پورے ہونے کی حد تک ہو گا_ کیونکہ زکات ان پر حرام ہوچکی ہے _ اسی طرح زکات غیر سادات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فرض ہوئی ہے _ البتہ غیر

(1)البدایہ و النہایہ ج 8 ص 5 از بغوی و حیاةالصحابہ ج 2 ص 310_

(2) اور قائم آل محمد(ص) حضرت امام مہدی علیہ السلام کے دور حکومت کے متعلق بھی ملتا ہے کہ وہ دور ایسا خوشحال ہوگا کہ

صدقہ دینے والے صدقہ دینے کے لئے ہر طرف پھر رہے ہوں گے لیکن لینے والا کہیں نہیں ملے گا_

(3)المصنف عبدالرزاق ج 6 ص 267 نیز ص 268 و سنن بیہقی ج 7 ص 209_

326

سادات میں سے کسی ایک کو دوسروں پر کوئی برتری اور امتیاز حاصل نہیں ہوگا _ جبکہ سادات کے فقیروں کو خمس دینا رسول (ص) کریم کی تعظیم اور لوگوں کے دلوں میں آپ(ص) کی شان اور منزلت کے اعتراف کے برابر ہے_ جبکہ اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی یا کسرشان بھی نہیں ہوتی _ اور اس بات سے امت اسلامیہ عقیدے کے لحاظ سے بھی اور عملی طور پر بھی مضبوط اور با صلابت ہو جاتی ہے اور امت اسلامیہ کو اسی صلابت ہی

کی اشد ضرورت ہے _
خداوند عالم نے قرآن مجید میں مذکورہ صورت کے علاوہ بھی نبی (ص) کریم کے احترام اور تکریم کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے لئے بہت زیادہ اہتمام کیا ہے _ ارشاد خداوندی ہے
(یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم بعضا) (1)
اے مؤمنو! تم نبی (ص) کی آواز سے اپنی آواز زیادہ اونچی نہ کیا کرو بلکہ تمہاری آواز ان سے نیچی اور دھیمی ہونی چاہئے اور ان کو اونچی آواز سے اس طرح بھی مت پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اسی طرح خدا نے آنحضرت (ص) پر درود و سلام بھیجنے کا بھی حکم دیا ہے اور یہ سب صرف اس لئے ہے کہ خدا ان باتوں سے دین ، انسان اور انسانیت کی بھلائی چاہتا ہے _
اس کے ساتھ یہ بھی بتاتے چلیں کہ خمس کی یہ عطا اتنی بلا قید و شرط بھی نہیں ہے کہ سب مال کسی خاص قوم یا خاندان کے پاس جمع ہو جائے جبکہ دوسروں کو اس کی اشد ضرورت رہے _ بلکہ شرط یہ ہے کہ ہر سید کو اس کے سال بھر کے خرچہ کی مقدار جتنا دیا جائے گا جس سے اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں _ روایات اور مجتہدین کے فتوے بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں _ اسی طرح سہم امام بلکہ بعض فتاویٰ کی بنا پر سہم سادات بھی امام (ع) یا پھر مجتہد کے اختیار میں ہوتا ہے _

لیکن زکات کے متعلق ایسا نہیں ہے بلکہ کوئی بھی کسی فقیر کو اتنی بہت زیادہ زکات بھی دے سکتا ہے کہ اس کی کا یا اچانک پلٹ جائے اور وہ فقیر سے امیر ہو جائے۔

2_ خمس نے تاریخ کے دورانیے میں دین کی حفاظت میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اسی خمس نے مرجعیت کے ساتھ لوگوں کے تعلقات مضبوط رکھے اور دونوں کے اندر ایک دوسرے پر اعتماد پیدا کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔ ظالم و جابر حکام کے ظلم و زیادتیوں نیز محرومیوں کے اثرات پر غلبہ پانے میں لوگوں کی مدد کی اور ان کی بہت سی ضروریات کو پورا کیا۔ معاشرے کی خدمت کرنے والے علمی اور رفاہی اداروں کی تشکیل میں بھی بہت زیادہ اور عظیم کردار ادا کیا اور معاشرے کی روحی، مادی اور ذہنی سطح بلند کی۔ اسی طرح خمس کے ساتھ ساتھ اس مذہبی موقف نے بھی مذہبی معاشرے کی روحی اور ذہنی سطح کے بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کیا کہ کسی ظالم و جابر حاکم کے ساتھ کسی قسم کے تعلق کے بغیر یا اس کے سامنے جھکے بغیر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل میں آزاد ہونا چاہئے۔

اور اس ظالم حاکم کو اپنے اوپر ایسے کسی قسم کے دباؤ ڈالنے کا موقع نہ دیں کہ جس سے وہ انہیں غیر دینی راستوں پر لے جائے اور وہ انہیں اپنے اغراض و مقاصد کے حصول اور اہداف تک رسائی کا ذریعہ بنائے۔ پس ان کی شان ، عظمت ، سر بلندی اور اعتبار اس ظالم حاکم کے مرہون منت نہینہے کہ جس کی وجہ سے ان پر اس ظالم حاکم کے ساتھ دینی اور عقائدی حدود کے باہر کسی قسم کا تعلق اور واسطہ رکھنا ضروری ہو۔ اسی بات سے ہمیں آیت اللہ سید روح اللہ موسوی خمینی کی دینی قیادت اور رہبری میں ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی میں دیگر عوامل کے علاوہ خمس کے عظیم کردار کا بھی علم ہوتا ہے

3_ چونکہ بعض لوگوں میں دین سے دفاع اور اس کی حفاظت کا ذاتی احساس اجاگر کرنے کے لئے خمس بھی اپنا حصہ ادا کرتا ہے اس لئے دین کو ہمیشہ خمس کی ضرورت رہتی ہے۔ اور یہ طبعی بات ہے کہ اس خطیر ذمہ داری کا ذاتی احساس اور جذبہ آنحضرت(ص) کے اہل بیت (ع) میں یعنی سادات مینسب سے زیادہ ہے۔ اور خمس کو ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے بطور ضمانت اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کا ذریعہ قرار دینے

328

سے ان میں دین سے دفاع کا مذکورہ جذبہ مزید اجاگر ہوگا اور نکھرے گا نیز دین کی راہ میں جان دینے پر بھی زیادہ آمادہ کرے گا(1)

یہیں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فاسد عقیدوں اور مشکوک فرقوں حتیٰ کہ وہابیت جیسے باطل اور گمراہ فرقے نے کس طرح اس جیسے تعصب اور اقربا پروری سے کام لے کر اپنے آپ کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ چونکہ آل سعود جیسے کچھ لوگ اپنا وجود وہابیت کے مرہون منت جانتے ہیں اس لئے وہ اس کی حفاظت، پابندی اور ترویج کو اپنی ذات، حکومت اور سلطنت کی بقاء کے لئے ضروری جانتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب حقہ بھلائی اور حق کی حفاظت اور ترویج کے لئے اس عنصر سے استفادہ کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ حکام جس مذہب سے بھی ناراض ہو جاتے اور اس پر اپنا غصہ نکالنا چاہتے تو وہ مذہب تھوڑی سی کوشش کے ساتھ ہی نیست و نابود ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے بقاء اور اس پر پابند رہنے والے شخص کی حفاظت کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہوتی تھی۔ لیکن خالص خدائی تعلیمات پر مشتمل مذہب اہل بیت (ع) میں چونکہ بڑی بڑی کینہ پرور اور ظالم طاقتوں کے مقابلے میں بھی استمرار اور بقاء کی بہت سی شرعی، عقلی اور عملی ضمانتیں موجود ہیں اور ان ضمانتوں کے سائے میں وہ کئی کئی صدیوں تک بھی اپنے اور اپنے پیروکاروں پر دباؤ نہ صرف برداشت کر سکتی ہے بلکہ کر بھی چکی ہے اور کر بھی رہی ہے اس لئے وہ پائندہ اور تابندہ ہے۔ البتہ یہ بات دین اسلام کی عظمت، وسعت اور پاکیزگی کی صرف ایک دلیل ہے، باقی بھی ہیں جو اپنے مقام پر ذکر ہو چکی ہیں اور ہوں

(1) البتہ اسلام نے ان سادات کے لئے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ وہ خمس و غیرہ کو گناہ کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو۔ بلکہ اس سید کو محتاج ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نیک اور پرہیزگار ہونا چاہئے۔ اور وہ جتنا نیک ہوگا اتنا ہی مستحق خمس ہوگا۔

329

جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے والے بعض افراد کا مال غنیمت سے حصہ :

الف : طلحہ اور سعید بن زید:

مورخین یہاں کہتے ہیں کہ طلحہ اور سعید بن زید نے جنگ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت (ص) نے انہیں تجارتی قافلے کی تازہ ترین صورتحال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا تو وہ بدر کی طرف آپ (ص) کی روانگی کے بعد مدینہ واپس لوٹے تھے۔ وہ جنگ میں شرکت کے لئے گھر سے نکلے بھی لیکن راستے میں دیکھا کہ آپ (ص) جنگ سے فارغ ہو کر واپس تشریف بھی لارہے ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر آپ (ص) نے جنگ بدر کے مال غنیمت سے ان دونوں کو بھی ان کا حصہ دیا۔ (1)

لیکن یہ بات مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے :

1_ ہمیں ایک اور دستاویز میں ملتا ہے کہ وہ شام تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے اور وہ آپ(ص) کی جنگ بدر سے واپسی کے بعد لوٹے تو آپ(ص) نے ان کی آمد پر ان دونوں کا حصہ نکال کر انہیں دیا (2)۔

البتہ اس دستاویز کی آخری شق صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ (ص) نے پیچھے رہ جانے والے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر صرف ان دونوں کو ہی مال غنیمت کا حصہ کیوندا؟ اور کیا جنگ نہ کرنے والوں کا جنگ کرنے والوں کے مال غنیمت سے شرعی طور پر کوئی حق بنتا ہے؟ پھر کسی مجبوری و غیرہ کے تحت جنگ سے پیچھے رہ جانے والے دیگر لوگوں کی بجائے صرف ان دونوں کو حصہ دینے پر وہ لوگ راضی کیسے ہو گئے؟ اور نبی (ص) کریم اگر دیگر مسلمانوں کو مال عطا کرنا بھی چاہتے تھے تو انہیں اپنے حصہ سے عطا کرنا چاہئے تھا دوسروں کے مال سے نہیں، جس طرح آپ(ص) نے جنگ میں شریک افراد کے ساتھ یہ کام کیا تھا۔

(1) ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج 2 ص 147 و ص 185 و غیرہ۔

(2) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 339 و 340، التنبیہ و الاشراف ص 205 لیکن اس میں لفظ "قیل" (منقول ہے) کے ساتھ ذکر ہوا ہے،

الاصابہ ج 2 ص 229 و الاستیعاب پر حاشیہ الاصابہ ج 2 ص 219۔

2_ دیگر مورخین کی پیروی میں سیوطی نے بھی مذکورہ دونوں افراد کی اس فضیلت سے انکار کیا ہے بلکہ عثمان کے علاوہ اس نے ہر کسی کی اس فضیلت سے انکار کیا ہے _ وہ کہتا ہے : " جنگ بدر کے موقع پر حضرت عثمان کا حصہ علیحدہ کر لیا گیا جبکہ اس کے علاوہ جنگ بدر سے غیر حاضر رہنے والے کسی شخص کے لئے بھی کوئی حصہ نہیں رکھا گیا _ اس روایت کو ابو داؤد نے ابن عمر سے نقل کیا ہے _ خطابی کہتا ہے کہ یہ فضیلت صرف حضرت عثمان کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ رسول (ص) خدا کی (لے پالک) دختر کی تیمار داری میں مصروف تھا" (1) البتہ ہم حضرت عثمان کے لئے بھی اس تخصیص کے قائل نہیں ہیں جسے انشاء اللہ آگے جا کر ثابت کریں گے _

3_ شورا والوں سے (جن میں طلحہ اور عثمان بھی شامل اور موجود تھے) حضرت علی علیہ السلام کی حدیث مناشدہ میں آیا ہے کہ آپ (ص) نے ان سے پوچھا : " کیا تم لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جسے جنگ میں شرکت کرنے پر بھی حصہ ملا ہو اور شرکت نہ کرنے پر بھی حصہ ملا ہو؟" تو سب نے نفی میں جواب دیا (2)

البتہ ہو سکتا ہے کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے پر آپ (ع) کو حصہ اس لئے دیا گیا ہو کہ آپ (ع) بھی اس وقت کسی جنگی مہم میں مصروف ہوں یا آنحضرت (ص) نے اپنے حصہ سے جس طرح دیگر جنگجوؤں کو دیا تھا

اسی طرح آپ (ع) کو بھی دیا ہو _ البتہ یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ آنحضرت (ص) کی حیات طیبہ میں حضرت علی (ع) صرف جنگ تبوک سے ہی پیچھے رہے تھے اور شرکت نہ کر سکے تھے باقی تمام جنگوں میں آپ (ع) آنحضرت (ص) کے شانہ بشانہ رہے _ زمخشری نے فضائل العشرہ میں کہا ہے کہ آنحضرت (ص) مسجد نبوی میں بیٹھے جنگ تبوک کا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے _ آپ (ص) ہر کسی کو ایک ایک حصہ دیتے جارہے تھے لیکن حضرت علی (ع) کو دو حصے دیئے _ اس پر زائدہ بن اکوع نے اعتراض کیا تو نبی (ص) کریم نے اسے یہ جواب دیا کہ (حضرت) علی (ع) کی جگہ جبرائیل جنگ تبوک میں جنگ کر رہا تھا اور اسی نے (حضرت) علی (ع) کو دو حصے دینے کا حکم دیا ہے (3) نوٹ: حضرت علی علیہ السلام کی طرح آپ (ص) کے بھائی حضرت جعفر (ع) کو بھی شرکت کرنے پر ایک حصہ اور نہ

1(سیرہ حلبیہ ج 2 ص 185_

2(زندگانی امام علی (ع) از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 3 ص 93 ، اللنالی المصنوعہ ج 1 ص 362 و الضعفاء الکبیر ج 1 ص

211 و 212_

3(ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج 3 ص 142_

کرنے پر بھی ایک حصہ ملاتا تھا _ کیونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مردی ہے کہ آپ(ص) نے فرمایا: "جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت (ص) نے جناب جعفر (ع) کا بھی حصہ علیحدہ کیا تھا (1) لیکن یہ بات حضرت علی (ع) کے مذکورہ دعویٰ کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت علی (ع) نے جن لوگوں کو قسمیں دی تھیں ان میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور اس خصوصیت کا حامل تھا ہی نہیں _ اور یہ بات حضرت جعفر (ع) کے مذکورہ خصوصیت کے حامل ہونے سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ جنگ مؤتہ میں شہید ہو چکے تھے اور اس موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔

ب: عثمان بن عفان

مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول (ص) خدانے جنگ بدر کے مال غنیمت سے عثمان بن عفان کا حصہ بھی علیحدہ کر لیا تھا کیونکہ آنحضرت (ص) نے ہی اسے اپنی زوجہ جناب رقیہ کی تیمار داری کے لئے وہیں رہنے کا حکم دیا تھا اس لئے آپ(ص) نے اس کا حصہ علیحدہ کر لیا تھا _ اسی وجہ سے مؤرخین نے جناب عثمان کو بدری صحابیوں سے شمار کیا ہے (2) لیکن ہم مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اسے صحیح نہیں سمجھتے :

1_ حدیث مناشدہ میں شورا والوں کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کا

دعویٰ ذکر ہو چکا ہے اور اس میں خود عثمان بھی موجود تھا اور اس نے بھی اعتراف کیا تھا _

2_ کچھ دیگر روایتیں کہتی ہیں کہ وہ خود چیچک کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جنگ بدر میں شرکت نہ کر سکا تھا (3) تو پھر ہم کس روایت کی تصدیق کریں؟ اس کی یا اُس کی؟
3_ کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ جانے والے دوسرے افراد کی بجائے صرف جناب عثمان کا حصہ کیوں علیحدہ کیا گیا؟ اور اس بات پر پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں نے اعتراض کر کے اپنے حق کا

1) سیر اعلام النبلاء ج 1 ص 216 _

2) ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146، 147 و 185 اور تاریخ کی کوئی بھی دوسری کتاب _

3) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146 و ص 185 _

332

مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ پھر اس بات پر جنگجو مسلمانوں نے بھی اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور کیا کسی بیماری کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے شخص کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ جس جنگ میں شریک نہیں ہوا اس جنگ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں حصہ دار بن جائے؟

4_ عثمان والی بعض روایات یہ کہتی ہیں کہ آنحضرت(ص) نے جناب رقیہ کی تیمار داری کے لئے عثمان کے ساتھ اسامہ بن زید کو بھی ٹھہرایا تھا اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر پہنچے کے بعد اس بارے میں اس کا بھی يك گونہ کردار رہا تھا حالانکہ اس وقت اس کی عمر دس سال سے بھی کم تھی_ لیکن اس کے باوجود عثمان کے حصہ کی طرح آنحضرت(ص) نے اس کا حصہ علیحدہ نہیں کیا؟؟

5_ تاریخ میں ملتا ہے کہ عبد الرحمن بن عوف، عثمان کو جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے کے طعنے دیا کرتا تھا ایک مرتبہ اس کی ملاقات ولید بن عقبہ سے ہوئی تو ولید نے اس سے کہا: "تم امیر المؤمنین عثمان کے حق میں جفا کیوں کرتے ہو؟" تو عبد الرحمن نے اس سے کہا: "اس سے کہہ دینا کہ میں نہ جنگ عینین (جبکہ بقول عاصم اس کی مراد جنگ احد ہے) سے بھاگا ہوں اور نہ جنگ بدر سے پیچھے ہٹا ہوں اور ہاں حضرت عمر کی سنت بھی میں نے نہیں چھوڑی ہے" اور ولید نے جاکر عثمان کو عبد الرحمان کا یہ پیغام پہنچایا_ یہاں مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے کی وجہ جناب رقیہ کی تیمار داری بتائی (1) نیز بقول مؤرخین ابن عمر نے بھی جناب عثمان پر اعتراض کرنے والے ایک شخص کے جواب میں یہی عذر پیش کیا تھا (2)_

لیکن ان کا یہ عذر صحیح نہیں ہے بلکہ صرف ایک بہانہ ہے_ کیونکہ اس کی یہ مجبوری عبدالرحمن بن عوف جیسے بزرگ صحابی اور اس اعتراض

کرنے والے شخص سے کیسے پوشیدہ تھی؟ حالانکہ اس وقت کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اور اگر جناب عثمان کا اس سے کوئی حصہ علیحدہ کیا گیا تھا تو یہ اس کے لئے بہت بڑی فضیلت

(1) مسند احمد ج 1 ص 68 و 75، الا وائل ج 1 ص 305 و 306، محاضرات الادباء راغب اصفہانی ج 2 ص 184، الدر المنثور ج 2 ص 89 از احمد و ابن منذر، البدایہ و النہایہ ج 7 ص 207، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 5 ص 21 تا ص 22، المغازی واقفی ج 1 ص 278، الغدیر ج 9 ص 327 و ج 10 ص 72 از احمد و ابن کثیر و از ریاض النضرہ ج 2 ص 97۔

(2) مستدرک حاکم ج 3 ص 98، الجامع الصحیح ترمذی ج 5 ص 625، مسند احمد بن حنبل ج 2 ص 101، البدایہ و النہایہ ج 7 ص 207 از بخاری و الغدیر ج 10 ص 71 از حاکم و ص 70 از احمد و از صحیح بخاری ج 6 ص 122)۔

333

کی بات تھی اور یہ بات جنگ بدر اور احد میں شرکت کرنے والے، مؤاخات کے دن عثمان کا بھائی بننے والے، اس کے لئے خلافت کی سیج تیار کرنے والے اور نبی (ص) کریم کے بعد کائنات کی سب سے بہتر اور افضل شخصیت امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام پر اسے ترجیح دینے والے عبدالرحمن بن عوف سے ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ تو پھر عبد الرحمن بن عوف اسے فضیلت کی بات پر کیوں طعنے دیتا تھا؟ یا پھر ایسی بات نہیں تھی وہ لوگ عثمان پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے اس کی قابل تعریف باتوں پر

تعریف کی بجائے اس کی برائی کرتے تھے ؟

6_ جب بن مسعود کوفہ سے مدینہ آیا تو وہ مدینہ میں ایسے وقت داخل ہوا جس

وقت عثمان بن عفان رسول (ص) خدا کے منبر پر بیٹھ کر تقریر کر رہا تھا _

جب اس کی نظر اس نو وارد پر پڑی تو اس نے دوران تقریر ہی کہہ دیا

:"لوگوا تمہارے پاس ابھی ایک ایسا حقیر اور برا جانور آیا ہے جس کا کام

صرف کھانے ، اگلنے اور نکالنے میں مصروف رہنا ہے " _ اس پر ابن مسعود

نے کہا : "میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں تو جنگ بدر اور بیعت رضوان کے

موقع پر رسول (ص) خدا کا ساتھی ہوں " (1) اور اس بات سے وہ دونوں

مقامات پر عثمان کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے طعنہ دے رہا تھا _

7_ اسی طرح سالم بن عبداللہ کے پاس بھی ایک آدمی نے آکر گذشتہ دوامیوں

کی طرح عثمان پر اعتراض کیا تھا(2) پس یہ مزعومہ فضیلت ان سب لوگوں

سے کیسے مخفی رہی ؟

8_ آخر میں ہم جناب رقیہ کی تیمار داری کے لئے رسول (ص) خدا کے

عثمان کو مدینہ میں رہ جانے کی رخصت دینے کو بھی بعید سمجھتے ہیں _

کیونکہ عثمان کے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے جناب رقیہ کی حالت کی

کچھ پروا نہیں تھی اور نہ ہی اسے اس کی بیماری سے کوئی غرض تھی

کیونکہ ہم انشاء اللہ جناب رقیہ کی وفات کے متعلق گفتگو میں تفصیل سے

بتائیں گے کہ اس نے جناب رقیہ کی وفات کی رات بھی اپنی کسی بیوی سے

ہم بستری

1) انساب الا شرف ج 5 ص 36، الغدير ج9 ص3 از انساب الا شرف و ص 4 از واقدي _

2) الغدير ج10 ص70 از رياض النضره ج2 ص94 _

334

کی تھی جس کا مطلب ہے کہ اسے رسول (ص) خدا کی دامادی کے شرف سے محروم ہونے کا کوئی دکھ نہیں تھا اور رسول (ص) خدا نے بھی اسے جناب رقیہ کی قبر میں اترنے اور اسے دفنانے سے منع کر دیا تھا _ ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ بعض دیگر لوگوں کی طرح اسے بھی جنگ بدر پر جانا گوارا نہیں تھا اس لئے وہ مدینہ میں رکارہا _ (1)

دوسروں کے فضائل پر ڈاکہ

بعض روایتیں کہتی ہیں کہ ابو امامہ بن ثعلبہ نے ماں کے سخت بیمار ہونے کے با وجود بھی جنگ بدر پر جانے کی مکمل تیاری کر لی تھی لیکن رسول (ص) خدا نے اسے اپنی ماں کی خدمت اور تیمار داری کے لئے اسے وہیں رہنے کا حکم دیا اور آنحضرت (ص) نے جنگ بدر کے مال غنیمت سے اس کا حصہ بھی علیحدہ کر لیا البتہ جب آپ (ص) جنگ بدر سے واپس تشریف لائے تو اس کی ماں اس سے پہلے وفات پا چکی تھی اور آپ (ص) نے اس کی قبر پر جاکر نماز پڑھی تھی (2)

یہاں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس روایت اور عثمان والی روایت میں کوئی فرق نہیں ہے (صرف شخصیات کا فرق ہے) _ پس آپ ہی بتائیں کہ کس روایت کی دوسری روایت کے حق میں تحریف کی گئی اور کن شخصیات کو دوسری شخصیات کے حق میں بدل دیا گیا ہے ؟ اور چونکہ ہم عثمان والی روایت پر اپنے اعتراضات بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے اس بزرگ کے لئے پوری مشینری فضیلتیں گھڑنے میں مصروف تھی حتیٰ کہ معاویہ نے اسلامی مملکت کے کونے کونے میں فضائل گھڑنے کا حکم نامہ بھجوا دیا تھا اس لئے ہماری نگاہ میں جلسازوں نے ابو امامہ والی روایت کو نشانہ بنا کر اس پر تحریف اور جلسازی کا ڈاکہ ڈالا تا کہ عثمان کی جنگ بدر میں شرکت والی فضیلت سے محرومی کا

1) جناب عثمان کے ناز نخرے، تعمیر مسجد کے وقت اس کے انداز نیز عادات و اطوار اور وقت سلطنت کردار سے یہ بات قرین قیاس

لگتی ہے _

2) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 147، الاصابہ ج 4 ص 9 از ابو احمد الحاکم، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 4 ص 4 و اسد الغابہ ج 5 ص 139 _

جبران کر کے اس کے بدلے میں اس کے لئے ایک اور فضیلت ثابت کر سکیں

_ نیز جناب رقیہ والے واقعہ میں اس کی بدنامی کا داغ بھی مٹا سکیں کیونکہ وہ
 عثمان کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کی شدت سے چل بسی تھیں
 لیکن اسی رات اس نے رنگ رلیاں منائیں اور نہ اس مرحومہ کا اور نہ اس
 کے پالنے اور پرورش کرنے والے (حضرت رسول (ص) خدا) کے احترام کا
 کوئی لحاظ کیا _ یوں انہوں نے ایک تیر سے دو بلکہ تین شکار کھیلے _
 لیکن یہاں حضرت علی علیہ السلام کے اس دعوے والا اعتراض باقی رہتا ہے
 جس میں آپ (ص) نے دعویٰ کیا تھا کہ اس فضیلت میں آپ (ع) ہی یکتا ہے
 روزگار ہیں _ البتہ اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ شاید آنحضرت (ص)
 نے جس طرح دوسروں کو اپنے خمس سے نوازا تھا ، اسی طرح اپنے حصہ
 سے اس کا حصہ بھی رکھا ہو _ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی
 علیہ السلام نے حاضرین کو (جن میں عثمان بھی موجود تھا) قسم دے کر ان
 سے مذکورہ بات اگلوئی ہو یوں حاضرین کی بہ نسبت تو آپ (ع) کی بات بالکل
 درست تھی لیکن حضرت جعفر (ع) جیسے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت
 آپ (ع) کے کلام میں کوئی مثبت یا منفی بات نہیں پائی جاتی (1)

دوقیدیوں کا قتل :

پہلے بھی بتاچکے ہیں کہ مشرکین کے ستر آدمی گرفتار کر لئے گئے تھے
 البتہ اکہتر آدمی بھی کہا گیا ہے (2) انہیں قید کر کے مدینہ کی طرف واپسی
 شروع ہو گئی _ جب صفرا کے مقام پر پہنچے تو آنحضرت (ص) نے امیر

المؤمنين حضرت علی (ع) کو دو قیدیوں کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ ان مینسے ایک عقبہ بن ابی معیط تھا جس کا مگہ میں مسلمانوں اور خود نبی(ص) کریم کے ساتھ برا سلوک معروف ہے اور دوسرا نضر بن حارث تھا(3) جو مگہ میں مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم کرتا تھا اور انہیں شکنجہ کیا کرتا تھا۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت(ص) نے

1) حدیث منا شدہ میں حضرت علی (ع) کے الفاظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں اس لئے دیگر احتمالات صرف تکلفات ہیں۔

2) العغل و معرفة الحديث ج 1 ص 4۔

3) سیرہ ابن ہشام ج2 ص298 میں زہری و غیرہ کی روایتوں میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ حضرت علی (ع) نے ہی نضر بن حارث کی

گردن اڑانی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو الاغانی مطبوعہ ساسی ج1 ص10۔

336

آپ(ع) کو تین قیدیوں، عقبہ، نضر اور مطعم بن عدی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا (1) اس پر عقبہ نے آنحضرت(ص) سے کہا: "یا محمد(ص) تجھے خدا اور رشتہ داری کا واسطہ مجھے قتل مت کرو"۔ اس پر آنحضرت(ص) نے عقبہ سے فرمایا: "تم تو صفوریہ کے علاقے کے عجمی کافر ہو (تمہارے ساتھ میرا کیسا رشتہ اور واسطہ؟)" البتہ ایک اور دستاویز میں ہے کہ آپ(ص) نے اس سے فرمایا: "کیا تو قریشی ہے؟ تم تو صفوریہ کے علاقے کے عجمی

(یا یہودی) کافر ہو۔ عمر کے لحاظ سے تو تم اپنے اس باپ سے بڑے ہو جس کے تم بیٹے ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ جس کے نہیں ہو اس سے منسوب ہو۔ علی (ع) جاؤ اس کی گردن اڑادو۔ اور حضرت علی (ع) نے جا کر اس کا سر قلم کر دیا (2) ایک اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ عقبہ نے پھر آنحضرت (ص) سے کہا: "محمد (ص) میرے پسماندگان کی کفالت کون کرے گا؟" آپ (ص) نے فرمایا: "آگ ان کی کفالت کرے گی" (3) البتہ سہیلی کہتا ہے کہ "جس کے نہیں ہو اس سے منسوب ہو" والا جملہ عمر بن خطاب نے کہا تھا (4) یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہجرت سے قبل اسی عقبہ نے آنحضرت (ص) کو بہت اذیتیں دی تھیں اور آپ (ص) کے خلاف نہایت سخت موقف اپنا یا تھا۔ جس کے نتیجے میں آنحضرت (ص) نے بھی اسے دھمکی دی تھی کہ اگر تو مجھے مکہ کی حدود سے باہر ملا تو تجھے قید کر کے تیری گردن ہی اڑادوں گا (5) اور آپ (ص) نے ایسا ہی کیا۔ البتہ یہاں چند نکات قابل ذکر ہیں:

1) العلق و معرفة الحديث ج 1 ص 186 ، بحار الانوار ج 19 ص 260 و ص 347، المصنف عبد

2) ملاحظہ ہو: الروض الانف ج 3 ص 65، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 187 و ص 186 ، بحار الانوار ج 19 ص 260 و ص 347، المصنف عبد

الرزاق ج 5 ص 205، تفسیر قمی ج 1 ص 269، و واقعی البتہ سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 298 میں حضرت علی (ع) کے اس کو قتل کرنے

کی بات لفظ "قیل" کے ساتھ ذکر گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ اس نے اسے کمزور اور ضعیف قول مانا ہے۔

(3)المصنف عبد الرزاق ج5ص205وص352وص356،ربيع الا برار ج 1 ص 187،الكامل ابن اثير ج 2 ص 131،سيره ابن بشام ج 2 ص

298و الا غانى مطبوعه ساسى ج 1 ص 10و ص 11_

(4)الروض الا نف ج 3 ص 65_

(5)ملاحظه بو: الغدير ج 8 ص 273و ص 274از ابن مردويه و ابو نعيم در الدلائل ان اسناد کے ساتھ جسے سیوطی نے صحیح جانا ہے

337

الف: عقبہ کا نسب:

مؤرخین کے مطابق آنحضرت(ص) کے عقبہ کو "صفوریہ کے علاقے کے عجمی کافر " کہنے کا سبب یہ ہے کہ اس کا پردادا "امیہ" جب صفوریہ میں تھاتو وہاں اس نے ایک شوہر دار یہودی لونڈی سے زنا کیا جس کے بعد ابو عمرو (یعنی نکوان) اس یہودی کے گھر پیدا ہوا لیکن امیہ نے زمانہ جاہلیت کی رسومات کے مطابق اسے اپنا بیٹا مان لیا_ یہ قول بھی ملتا ہے کہ نکوان ،امیہ کا غلام تھا جسے اس نے اپنا بیٹا بنا یا ہوا تھا لیکن امیہ کے مرنے کے بعد نکوان اس کی بیوی کا شوہر بن گیا_ جبکہ سہیلی کہتا ہے کہ امیہ نے کسی لونڈی کے ساتھ زبردستی یا اس کی مرضی سے زنا کیا تو وہ ابو عمرو سے حاملہ ہوئی جسے امیہ نے جاہلیت کی رسومات کے تحت اپنا بیٹا بنا لیا (1) اسی طرح فضل بن عباس نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے اشعار کے جواب

میں	یہ	اشعار	کہے	:
اتطلب	ثاراً	لست	منہ	ولالہ
و	ابن	ذکوان	الصفوری	من عمرو
کما	اتصلت	بنت	الحمار	بامہا
و	تنسی	اباها	اذ	تسامی
			اولی	الفخر (2)

کیا تو اس شخص کا بدلہ لے گا جس کا تجھ سے اور تیرا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اور ابن ذکوان صفوری کا عمرو سے کیا واسطہ؟ یہ تو ایسے ہو گیا ہے جیسے کوئی کھوتی اپنے باپ کو بھول کر اپنی ماں سے منسوب ہو جاتی ہے تب جاکر کہیں وہ با عزت سوسا ٹٹی میں اتر سکتی ہے۔ اور معاویہ نے بوڑھے نسب شناس دغفل سے اپنے دادا امیہ کے نسب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: "ہاں میں نے اسے دیکھا ہے وہ کمزور، ناتوان، بھینگا، بد صورت اور پستہ قد تھا جسے اس کا غلام ذکوان

(1) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 87 نیز ملاحظہ ہو: الروض الا نف ج 3 ص 65۔

(2) الغدير ج 9 ص 155 از طبری ج 5 ص 151۔

پکڑ کر کہیں لے جاتا تھا " _ معاویہ نے کہا : "نامراد بس کرو _ تم غلط کہہ رہے ہو وہ تو اس کا بیٹا تھا " اس پر اس نے کہا : "یہ بات تو تمہاری مشہور کی ہوئی ہے" (1)

لیکن تفسیر قمی میں آنحضرت(ص) کے عقبہ سے کہے جانے والے اس قول "عمر کے لحاظ سے تو تم اپنے اس باپ سے بڑے لگتے ہو جس کے بیٹے ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو" کے ذیل میں ذکر ہونے والی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ ، صفوریہ کے علاقے کے رہنے والے کسی اور شخص کا بیج اور نطفہ تھا ، لیکن زبر دستی ابو معیط سے منسوب ہو گیا تھا _ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی ولید بن عقبہ سے وہی الفاظ کہے تھے جیسے آنحضرت(ص) نے اس کے باپ عقبہ بن ابو معیط سے کہے تھے (2) زمخشری کہتا ہے کہ خود ابو معیط اردن کے علاقے صفوریہ کا رہا نشئی تھا _ جسے ابو عمر بن امیہ بن عبد شمس نے آکر بیٹا بنانے کا دعویٰ کیا تھا (3)

عثمان کے دور حکومت میں جب حضرت علی علیہ السلام نے ولید کو شراب کی حد مینکوڑے مارنے چاہے تو ولید نے آپ(ع) کو گالیاں دینی شروع کر دیں ، جس پر آپ(ع) کے بھائی جناب عقیل (ع) نے اس سے کہا : "اوفاسق تو خود جانتا بھی ہے کہ تو کون ہے ؟ کیا تو اردن میں عکا اور لجون کے درمیان والی بستی صفوریہ کا عجمی کافر نہیں ہے ؟ تیرا باپ وہاں کا ایک یہودی تھا

"(4)

ب: پسماندگان کے لئے دوزخ کی بشارت

گذشتہ واقعہ میں ہم نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ آنحضرت(ص) نے اس کے پسماندگان کو دوزخ کی پیشین گوئی کی تھی جن میں سے ایک فاسق ولید بن عقبہ بھی تھا جو عثمان کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے شراب پی کر

-
- (1) الروض الا نف ج 3 ص 65 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 187_
- (2) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6 ص 293 از زبیر بن بکار در کتاب المفاخرات و مقتل الحسین خوامی ج 1 ص 119_
- (3) ربیع الابرار ج 1 ص 148_
- (4) تذکرہ الخواص ص 206_

339

لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو نشے میں ٹن وہ زیادہ پڑھ گیا، حالانکہ اس کا شمار صحابیوں میں ہوتا ہے اب تو بعض لوگوں کو تمام صحابیوں کے عادل ہونے والے اپنے نظریئے بینظر ثانی کرنا چاہئے۔ البتہ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "دراسات و بحوث فی التایخ و الا سلام ج 2" میں مختصر گفتگو کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اور اس کے پسماندگان کے متعلق آپ(ص) کی مذکورہ بات غیب کی خبر اور پیشین گوئی شمار ہوتی ہے جس پر خدا نے آپ(ص) کو مطلع کر دیا تھا کیونکہ خدا جانتا تھا کہ اس کے پسماندگان میں کوئی بھی اس لائق ہے ہی نہیں جو رحمت اور نعمت کا مستحق ہو لیکن سیاست، نسلی تعصب اور رشتہ داری کے بل بوتے پر اس دوزخی اولاد کو لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو پر مسلط کر دیا گیا اور خلافت کے اصلی اور شرعی حق داروں سے چھینی جانے والی خلافت کا ایک حاکم اور سیاسی راہنما بنادیا گیا۔ پھر تو ان لوگوں کے عقائد میں اتنی جگہ بنالی کہ لوگوں پر ان جیسے ناپاکوں کو چاہے وہ جتنے اور جس قسم کی بھی برائیوں کے مرتکب ہوں) عادل سمجھنا ضروری ہو گیا۔

ج: عقبہ کو نسب کا طعنہ :

آنحضرت(ص) نے عقبہ کو کہا کہ تو صفوریہ کا ایک عجمی کا فرے یا اس جیسے دیگر جملے کہے۔ حالانکہ آنحضرت(ص) کی یہ عادت تھی نہیں، کیونکہ آنحضرت(ص) نہ تو (نعوذ باللہ) گالیاں بکنے والے تھے اور نہ ہی بد خلق اور بد کلام تھے۔ لیکن آنحضرت(ص) نے اسے یہ طعنے اس لئے دیئے کہ لوگ جان لیں کہ ان کے بعد والے اسلام کے دعوے صحیح نہیں ہیں اور حکومتی مشینری کا اس کے بیٹوں کو اپنے ساتھ ملانا صرف ان کی ادعائی قرابت داری کی وجہ سے ہے و گرنہ ان لوگوں کا حکومت میں آنا

کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور یہ حکومت کے اہل ہی نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ خدا کے مال کو اپنا ذاتی اور وراثتی مال اور خدا کے بندوں کو اپنا غلام سمجھ لیں گے اور یہ لوگ بدبختیوں اور سازشوں کی آماجگاہ بن جائیں گے۔ جس طرح فاسق ولید اور حکومت کے دیگر قریبیوں اور گورنروں کی

340

حالت زار تھی جو دین اور اسلام کے نام پر حکومتی عہدوں پر فائز ہوئے تھے اور ان کے احکام کو اسلامی احکام سمجھا جاتا تھا حالانکہ ان کے احکام صرف قبائلی اور خاندانی تعصبات پر مبنی تھے بلکہ دقیق اور صحیح الفاظ مینیہ کہنا بہتر ہے کہ ان کے احکام زمانہ جاہلیت کے احکام تھے۔

د: واقعہ بدر میں نضر بن حارث کے قتل کا انکار :

ابن سلام کہتا ہے کہ ابن جعد بہ (جس نے ابو عزت جمحی کے حالت اسیری میں نضر بن حارث کے قتل کا بھی منکر ہے) وہ کہتا ہے: "وہ اس جنگ میں شدید زخمی ہو گیا تھا جس سے وہ لنگڑا کر چلتا تھا۔ اور اسے علاج کی اشد ضرورت تھی لیکن اس نے کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پئوں گا۔ اور وہ اپنی اس ضد پر قائم رہا یہاں تک کہ مر گیا" جب ابو سلام

کو ابو عزت کے بارے میں ابن جعد بہ کا نظریہ بتایا گیا تو اس نے کہا: "یہ نظریہ بھی ہے کہ آنحضرت (ص) نے عقبہ بن ابو معیط کو جنگ بدر کے واقعہ میں قید کی حالت میں قتل کرنے کے علاوہ اور کسی کو حالت اسیری میں قتل نہیں کیا" (1) لیکن یہ نظریہ مؤرخین کے متفقہ قول کے مخالف ہے اور اس میں ہمیں جعلسازی کی کوئی وجوہات بھی نظر نہیں آتیں اس لئے ہم پختہ تاریخی دستاویزات کی بلاوجہ کوئی مخالفت نہیں کر سکتے البتہ نضر بن حارث کی بہن کا اپنے بھائی کے قتل کی مناسبت سے ایک مرثیہ بھی نقل ہوا ہے جس میں اس نے آنحضرت (ص) کو مخاطب ہو کر کہا:

ما کان ضرك لو مننت و ربما
منّ الفتى و هوالمغيظ المحنق
اگر آپ (ص) منت لگا کر اسے چھوڑ دیتے تو آپ (ص) کو کوئی بھی نقصان نہ
ہوتا کیونکہ بسا اوقات شریف آدمی غصہ اور ناراضگی کی حالت میں بھی
دوسروں پر احسان کیا کرتے ہیں۔

(1)طبقات الشعراء ابن سلام ص 64 و ص 65۔

اس کی یہ باتیں سن کر آنحضرت (ص) کو اس پر ترس آگیا، آپ (ص) کی آنکھیں بھر آئینا اور آپ (ص) نے جناب ابوبکر سے فرمایا: "اگر تو اس کے اشعار سن لیتا تو اسے کبھی قتل نہ کرتا"۔ لیکن اس کے بارے میں زبیر بن بکا رکھتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ بعض علماء اس روایت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ روایت جعلی ہے (1) یہ بھی کہتے چلیں کہ اس روایت میں آنحضرت (ص) سے ایک نا معقول بات منسوب کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ چند ایک اشعار آپ (ص) کے فیصلے کو بدل دیں اس لئے کہ آپ (ص) ہر حال میں فقط احکام خداوندی پر عمل درآمد کیا کرتے اور صرف اپنے فریضے پر عمل کیا کرتے تھے۔ البتہ اس بات کا مقصد شاید عقبہ کے قریبیوں کے ماحول میں کشیدگی اور تناؤ کو کم کرنا اور اس طریقے سے ان کی دلجوئی ہو سکتی ہے۔

باقی قیدیوں کی صورتحال :

مؤرخین کے بقول جب انصار نے نضر اور عقبہ کا حال دیکھا تو انہیں تمام قیدیوں کے قتل ہونے کا خوف لاحق ہو گیا اور انہوں نے آنحضرت (ص) سے کہا : "یا رسول (ص) اللہ ہم نے آپ (ص) ہی کے قبیلہ اور خاندان والوں کے ستر آدمی تہ تیغ کئے ہیں، آپ (ص) ان کی جڑیں ہی کاٹنا چاہتے ہیں کیا؟ یا رسول (ص) اللہ آپ (ص) انہیں ہمیں بخش دیں اور ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں"۔ ابوبکر بھی فدیہ لینے پر زور دے کر کہہ رہا تھا : "یہ

آپ(ص) کا خاندان اور قبیلہ ہے _ انہیں ایک مہلت اور دیں اور فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں _ جس سے کفار کے مقابلے میں ہماری طاقت زیادہ ہو جائے گی " _ یا یہ کہا : "یہ لوگ ہمارے چچا زاد ، قبیلہ ، خاندان والے اور بھائی ہیں " _ لیکن آنحضرت (ص) نے فدیہ والی بات کو اتنا سخت نا پسند کیا کہ سعد بن معاذ نے آپ(ص) کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے جس پر اس نے کہا : " یا رسول (ص) اللہ مشرکین سے ابھی ہماری پہلی جنگ ہے اور مشرکین کی خونریزی ہمیں ان کے چھوڑ دینے سے زیادہ پسند ہے " _ اور عمر نے کہا : " یا رسول اللہ انہوں نے آپ(ص) کو جھٹلایا اور در بدر کیا ، آپ(ص) حکم فرمائیں تو ان کا سر قلم کر دیں _ حضرت علی (ع) کو عقیل کا ، مجھے فلاں کا اور حمزہ کو عباس

(1) زبرالآداب ج 1 ص 66 _

342

کا سر قلم کرنے کا حکم دیں کیونکہ یہ کافروں کے راہنما ہیں " _ اسی مناسبت سے یہ آیت اتری :

(ما كان لنبى ان يكون له اسرى حتى يثخن فى الارض تریدون عرض الدنيا و الله يرید الآخرة و الله عزیز حکیم لو لا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب

عظیم

(

نبی (ص) کے لئے مشرکوں کا اچھی طرح قلع قمع کئے بغیر انہیں قیدی رکھنا مناسب نہیں ہے۔ تم لوگ تو عارضی دنیا چاہتے ہو لیکن خدا تمہاری آخرت اور عاقبت چاہتا ہے۔ اور خدا با عزت اور دانا ہے۔ اور اگر خدا پہلے تمہیں عذاب نہ کرنے کا وعدہ نہ کر چکا ہوتا تو تمہارے فدیہ لینے پر ضرور تمہیں بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھنا پڑتا۔

جب آنحضرت (ص) نے فدیہ لینے پر ان کا اصرار دیکھا تو انہیں یہ پیشین گوئی کی کہ فدیہ لینے کا انجام یہ ہوگا کہ جلد ہی ان قیدیوں کی مقدار میں مسلمان مار دیئے جائیں گے۔ انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا اور جنگ احد میں یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی جس کا ہم بھی بعد میں جائزہ لیں گے۔

ان دستاویزات کے متعلق مندرجہ ذیل مآخذ ملاحظہ فرمائیں۔ اگر چہ کہ ان میں سے اکثر منابع یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) ابوبکر والی بات کی طرف مائل ہو گئے تھے لیکن بعض منابع کہتے ہیں کہ آنحضرت (ص) ان کے قتل پر مصر رہے (1)۔

بہر حال معاملہ فدیہ لینے پر ٹھہرا اور ہر قیدی کے بدلے میں ایک سے چار ہزار دینار کا مطالبہ ہوا جسے قریش نے فوراً یکے بعد دیگرے ادا کر کے اپنے قیدی چھڑا لئے۔ آپ (ص) نے ہر قیدی کو اس کو قید کرنے والے کے سپرد کر دیا تھا۔ اور وہ بذات خود فدیہ لے لیتا تھا (2) البتہ بعض دستاویزات میں آیا ہے کہ سہیل بن عمرو

1) ملاحظہ ہو : تاریخ طبری ج 1 ص 169 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 190 صحیح مسلم ج 5 ص 157 ، بحار الانوار ج 19 ، اسباب النزول واحدی ص 137 ، حیاة الصحابہ ج 2 ص 42 ، کنز العمال ج 5 ص 265 از احمد ، مسلم ، ترمذی ، ابوداؤد ، ابن ابی شیبہ ، ابو عوانہ ، ابن جریر ، ابن منذر ، ابن ابی حاتم ، ابن حبان ، ابو شیخ ، ابن مردویہ ، ابو نعیم و بیہقی ، در منثور ج 3 ص 201 تا ص 203 ، مشکل الآثار ج 4 ص 291 و ص 292 ، المغازی واقدی ج 1 ص 107 و ص 108 و الکامل ابن اثیر ج 2 ص 136 _

(2) المصنف ج 5 ص 211 _

343

بدر کے قیدیوں کا فدیہ لے آیا تو آپ (ص) نے اس سے پوچھا کہ قریش کاہم سے جنگ کا پھر کیا ارادہ ہے؟ (1)

ہمارے نزدیک صرف یہی قابل اطمینان تاریخی دستاویزات تھیں۔

عذاب کے نزول کی صورت میں صرف عمر کی ہی جان بچتی ؟

لیکن ہمیں بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو مذکورہ بات کے بالکل ہی برعکس ہیں۔ ان روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) ، ابوبکر کے ہم خیال ہو گئے بلکہ آپ (ص) نے عمر کے مشورے کو سخت نا پسند کیا۔ جس پر آپ (ص) کی مخالفت اور عمر کی موافقت میں قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ دوسرے دن عمر جب صبح سویرے رسول (ص) خدا کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ (ص) اور ابوبکر دونوں رو رہے ہیں۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا تو

رسول (ص) خدا نے فرمایا: "خطاب کے بیٹے کی مخالفت میں ہم پر بہت بڑا عذاب نازل ہونے والا تھا۔ اگر عذاب نازل ہو بھی جاتا تو عمر کے سوا کوئی بھی نہ بچ پاتا"۔ نیز عبداللہ بن عمر کے ذریعہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: "میں اس لئے رو رہا ہوں کہ تمہارے ساتھیوں نے فدیہ لے کر مجھے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے عذاب کا مجھ پر نزول اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔ کیونکہ خدا نے (ما کا لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض) والی آیت نازل کی ہے " (2)۔ لیکن ہم مذکورہ باتوں کو صحیح نہیں سمجھتے اور ہمارے پاس اس کے بطلان کے لئے کافی سے زیادہ دلائل موجود ہیں۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کا اظہار کرنے والے بعض جاہلوں، الزام تراشوں، دھوکہ بازوں اور جھوٹوں نے یہ روایتیں اس لئے گھڑی ہوں کہ وہ یہ بتا سکیں کہ اس بارے میں رسول (ص) خدا نے اپنے موقف میں غلطی کی ہے اور مذکورہ آیت آپ (ص) کی غلطی کی نشاندہی اور اس کی درستگی کے لئے نازل ہوئی ہے (3)۔

ایضاً۔

(1)

(2) ملاحظہ ہو: گذشتہ تمام منابع نیز فواتح الرحموت بر حاشیہ المستصفی غزالی ج 2 ص 267، تاریخ الخمیس ج 1 ص 393، المستصفی

غزالی ج 2 ص 356 و تاریخ الامم و الملوک ج 2 ص 169۔

بہر حال مذکورہ نظریئے جھوٹے ہونے پر ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

1_ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ عذاب سے صرف عمر ہی کیوں نجات پائے گا؟ پھر عمر کی موافقت کرنے والے سعد بن معاذ کا کیا قصور تھا کہ اس پر بھی عذاب نازل ہوتا؟ کیا اکثر لوگوں کے بقول وہ عمر کے موافقین میں سے نہیں تھا؟ بلکہ معتزلی کے مطابق تو سب سے پہلے ایسا مشورہ دینے والا یہی شخص تھا (1) نیز ابن رواحہ کا کیا قصور تھا؟ آخر وہ بھی تو عمر کے نظر یہ کا موافق تھا؟ (2) نیز یہ بھی معقول نہیں ہے کہ آیت میں (تریدون عرض الدنيا) نیز (لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم) جیسے الفاظ کے مخاطب بھی آنحضرت (ص) ہوں۔ کیونکہ آپ (ص) نہ تو دنیا طلب تھے اور نہ ہی اس عذاب عظیم کے مستحق تھے۔ اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ص) کو حکم کوئی دیا اور اس کی وضاحت بھی کر دی لیکن اس کے باوجود آپ (ص) نے (نعوذ باللہ) احکام خداوندی کی مخالفت کی۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا گناہ اور اس کی سزا بھی بہت سخت سزا ہوگی۔

(3)

اور اس بات پر دلیل کہ خدا نے آپ (ص) کو قیدیوں کے قتل کا واضح حکم دیا

تھا یہ ہے کہ فدیہ کے حلال ہونے کے حکم کا علم عبداللہ بن جحش والے واقعہ میں ہو چکا تھا جس میں ابن حزمی ما را گیا _ کیونکہ اس میں عثمان بن مغیرہ اور حکم بن کیسان بھی قید کر لئے گئے تھے اور فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا گیا تھا اور خدا نے اس کی نفی اور تردید نہیں کی تھی _ اور یہ واقعہ جنگ بدر سے بھی ایک سال بلکہ اس سے بھی پہلے کا ہے (4) جس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کا کوئی خاص معاملہ اور ان کے لئے کچھ خصوصی احکام تھے جنہیں نبی(ص) کریم نے اپنے اصحاب کو وضاحت کے ساتھ سمجھا بھی دیا تھا لیکن اصحاب اس حکم کی خلاف ورزی پر اصرار کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ عذاب عظیم کے مستحق ٹھہرے لیکن پھر خدا نے لطف و کرم کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیا تھا _

(1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 175 و ص 176 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 126 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 192 ، سیرہ ابن

بشام ج 2 ص 281 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 381 و المغازی واقدی ج 1 ص 110 و ص 106 _

(2) البدایہ و النہایہ ج 2 ص 297 ، تاریخ الطبری ج 2 ص 170 ، الروض الاتف ج 3 ص 83 ، اسباب النزول واحدی ص 137 ، تاریخ

الخمیس ج 1 ص 393 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 192 و حیاة الصحابہ ج 2 ص 53 از حاکم جس نے اسے صحیح قرار دیا ہے ، ابن مردویہ

، ترمذی و احمد _

(3) ملاحظہ ہو : دلائل الصدق ج 3 حصہ 1 ص 59 _

(4) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 192 _

ہماری مذکورہ بات پر ایک اور دلیل بعض روایتوں میں مذکور یہ بات بھی ہے کہ واقعہ بدر میں حضرت جبرائیل (ع) نازل ہوئے اور آنحضرت (ص) سے کہا: "آپ (ص) کی امت کے قیدیوں کا فدیہ لینے کے اس کام کو خدا نے سخت ناپسند کیا ہے اور آپ (ص) کو حکم دیا ہے کہ آپ (ص) انہیں یہ اختیار دے دیں کہ یا وہ سب قیدیوں کو تہ تیغ کر دیں یا پھر اس شرط پر ان سے فدیہ لیں کہ ان قیدیوں کی تعداد میں یہ لوگ بعد میں مارے جائیں گے" _ جب آپ (ص) نے اپنے اصحاب کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا: "یا رسول (ص) اللہ یہ ہمارا قوم و قبیلہ ہیں (1) _ بلکہ ہم تو ان سے فدیہ لیں گے تا کہ اس طریقے سے ہمیں اپنے دشمنوں پر برتری حاصل ہو _ اور اس کے بدلے میں ہم اتنی تعداد میں اپنے آدمیوں کا شہید ہونا گوارا کر لیں گے" (2) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ خود ہی فدیہ لینے پر مائل تھے اور اس پر بہت تاکید اور اصرار بھی کیا جس کے بعد جا کر انہیں فدیہ لینے کی اجازت ملی _ ان معروضات کے ساتھ ہم یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ خود رسول (ص) خدا انہیں قتل کرنا چاہتے تھے (3)

نیز واقدی کہتا ہے کہ اس دن قیدیوں نے کہا: "ہمیں ابوبکر کے حوالے کیا جائے کیونکہ قریش میں وہ ہمارا سب سے قریبی رشتہ دار اور صلہ رحمی

کرنے والا ہے اور (حضرت) محمد(ص) کے نزدیک بھی سب سے زیادہ اثر
 ور سوخ والا ہے " _ (یعنی آنحضرت(ص) اس کی بات ٹال نہیں سکیں
 گے) _ مسلمانوں نے ابوبکر کو ان کے پاس بھیجا ، وہ ان کے پاس آیا اور کچھ
 گفتگو ہوئی جس کے بعد اس نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی بہتری اور
 مناسب راہ حل کے لئے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا بلکہ ہر ممکن
 کوشش کرے گا _ اس کے بعد وہ نبی کریم (ص) کے پاس آکر آنحضرت
 (ص) کاجوش اور غصہ ٹھنڈا کرنے لگا اور آپ(ص) کو نرم ہونے کی تلقین
 کرنے کے ساتھ ساتھ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا کہتا رہا _ اس نے
 تین بار یہ عمل دہرا یا لیکن ہر مرتبہ آنحضرت (ص) نے

1) یہ لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ بات کرنے والے مہاجرین تھے _

2) تاریخ الخمیس ج 1 ص 393 از فتح الباری از ترمذی ، نسائی ، ابن حبان و حاکم با روایت صحیح الاسناد ، المصنف عبدالرزاق ج 5

ص 210 ، البدایہ و النہایہ ابن کثیر ج 3 ص 298 و طبقات ابن سعد ج 2 ص 14 حصہ 1 _

3) بطول مثال ملاحظہ ہو : الکامل ابن اثیر ج 2 ص 136 _

346

اس کو کوئی مثبت جواب نہیں دیا (1)

گذشتہ معروضات کی روشنی میں کیا ان کا یہ کہنا پھر بھی صحیح مان لیا

جائے گا کہ آنحضرت (ص) ابوبکر کے ساتھ بیٹھ کر (نعوذ باللہ) اپنے آپ پرور رہے تھے اور اگر عذاب نازل ہو جاتا تو عمر کے سوا سب ہلاک ہو جاتے (حتیٰ کہ نعوذ باللہ رسول (ص) خدا بھی)؟

2_ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ آنحضرت (ص) شروع سے ہی ابوبکر کے نظریئے موافق تھے اور خود ان کے بقول آپ (ص) ابوبکر کے ساتھ بیٹھے اپنے اوپر رو رہے تھے، تو آپ (ص) نے عمر سے یہ کیوں کہا کہ "ان لوگوں کے عذاب کا مجھ پر نزول اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا"؟ کیونکہ اگر آپ (ص) کا نظریہ وہی ابوبکر والا تھا تو آپ (ص) نے (نعوذ باللہ) مستحقین عذاب سے اپنے آپ (ص) کو علیحدہ کیوں کیا؟ پھر (اس صورت میں) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ (ص) (نعوذ باللہ) ان لوگوں کی طرح مستحق عذاب نہ ہوں؟ حالانکہ آپ (ص) بھی تو ان کے ہم نوا تھے اور ان کے اور آپ (ص) کے خیالات ایک ہی تھے؟؟

3_ ان مذکورہ باتوں کو مان لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم عملی طور پر:

(و ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى) (2)

آپ (ص) اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں بولتے اور جو کچھ بھی بولتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے۔

جیسی آیات کو جھٹلانے کے مرتکب ہوں۔ اس صورتحال میں پھر تو اللہ تعالیٰ کا (اطيعوا الله و اطيعوا الرسول) (3) کہہ کر رسول (ص) کی اطاعت کا حکم دینے کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا کہ مسلمان تو خدا کا حکم بجا لاتے

ہوئے اس کے رسول (ص) کی پیروی کریں لیکن خدا اس کے بدلے میں انہیں جھڑک دے اور انہیں عذاب کی دھمکی دے _ اس صورت میں تو (نعوذ باللہ) خدا کو اپنے رسول (ص) کو جھڑک کر دھمکی دینی چاہئے تھی لیکن مسلمانوں کی تعریف و تمجید کرنی چاہئے تھی کیونکہ مسلمانوں نے تو رسول (ص) خدا کی اطاعت کر کے اپنے فریضے پر عمل کیا تھا _

(1) المغازی واقدی ج 1 ص 107 و ص 108 _

(2) نجم 43/_

(3) نساء / 59_

347

4_ رسول (ص) خدا کو فدیہ لینے کا صرف مشورہ دینے پر وہ لوگ عذاب اور سزا کے مستحق نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ مسلمانوں نے اپنے لئے ایک نامناسب چیز کا انتخاب کیا تھا (اور ابھی فدیہ لیا تو نہایت تھانہ ہی فی الحال کوئی بات پکی ہوئی تھی اور اظہار رائے کی تو ہر کسی کو آزادی ہونی چاہئے) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ضرور کوئی اور بات تھی کہ جس کی مخالفت پر وہ مستحق عذاب ٹھہرے تھے _ اور وہ بات یقیناً یہ تھی کہ انہوں نے فدیہ لینے پر اصرار کر کے رسول (ص) خدا کی تمام

تر تصریحات اور واضح بیانات کے باوجود وہ رسول(ص) خدا کی مخالفت اور ارادہ الہی کے برخلاف دنیاوی چیزوں کے حصول پر اصرار کے مرتکب ہوئے تھے۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: (تریدون عرض الدنيا و الله یرید الآخرة) نیز کسی چیز کو اچھے طریقے سے بیان کرنے سے پہلے اس کی مخالفت بھی موجب عذاب اور سزا نہیں ہوتی۔

بہر حال خدانے ان پر لطف و کرم کرتے ہوئے ان کی اس مخالفت کو معاف فرما دیا اور ان کی دلجوئی کے لئے ان کے لئے فدیہ لینا جائز قرار دے دیا۔ حالانکہ اس کے نتائج بھی نہایت بھیانک رکھے لیکن وہ دنیا کی محبت میناندھے ہو گئے اور اس کے بھیانک نتائج کو بھی ساتھ ہی قبول کر لیا۔ البتہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ بعض مہاجرین کا فدیہ لینے پر اصرار صرف دنیا پرستی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہو کہ ان پر "صنادید قریش" (قریش کے سرداروں) کا قتل نہایت شاق تھا۔ کیونکہ قریش کے ساتھ ان کے دوستانہ، مفاد پرستانہ اور رشتہ دارانہ تعلقات تھے اور ان کے اس موقف کو وہانموجود مسلمانوں کی ایک سادہ لوح جماعت نے بھی بلاسوچے سمجھے اپنا لیا تھا۔ پس بعض لوگوں کی مشرکونکے ساتھ مہربانی اور مال کمانے کے شوق نے رسول (ص) خدا کی مخالفت پرا کسانے کے ساتھ ساتھ انہیں عذاب خداوندی کا مستحق بھی ٹھہرایا۔ اور یہ لوگ اپنی نیت میں فتور، رسول (ص) خدا کی مخالفت پر اصرار اور نظریات، اقوال اور افعال میں منافقت کی وجہ سے عذاب خداوندی کے مستحق ٹھہرے۔ خاص کر جب یہ

مشاہدہ کرتے ہیں کہ کچھ منافقین بنی ہاشم کے افراد کو قتل کرنے کا مشورہ دے رہے تھے جنہیں مشرکین زبر دستی اپنے ساتھ جنگ میں گھسیٹ لائے تھے اور رسول(ص) خدا پہلے

348

ہی انہیں قتل نہ کرنے کا حکم دے چکے تھے۔ نیز یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایسا مشورہ دینے والے شخص کے قبیلے کا کوئی بھی فرد جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا جس سے ہمیں ان کے دلی حالات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، لیکن اگر اظہار رائے میں صرف غلطی پائی جائے اور اس میں یہ مذکورہ خامیاں نہ ہوں تو یہ چیز انہیں عذاب کا مستحق نہینٹھراتی۔ یہاناس بات کی تشریح میں کچھ اور باتیں بھی ذکر ہوئی ہیں (1) جن کے پختہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

5_ روایات میں ملتا ہے کہ جنگ بدر کے ختم ہونے کے بعد مسلمان جلدی جلدی مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ جس پر آنحضرت (ص) نے فرمایا: "تم سے پہلے جس امت نے بھی سرداروں کو قتل کیا ہے اس کے لئے مال غنیمت لینا حرام تھا۔ ماضی میں ہرنبی اور اس کے ساتھیوں کو جو بھی مال غنیمت ملتا وہ اس کو اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھ دیتے جس کے بعد آسمان سے اس پر آگ نازل ہوتی تھی اور سارے مال غنیمت کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔" جس پر خدا نے یہ آیت نازل کی :

(لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتکم عذاب عظیم فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً)(2)

اگر خدا پہلے (عذاب نہ کرنے کا) وعدہ نہ کر چکا ہوتا تو تمہیں بہت بڑا عذاب جکڑ لیتا _ لیکن اب تم مال غنیمت کہا سکتے ہو تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے "اور طحاوی نے اسی آیت کے شان نزول میں مذکورہ روایت کو زیادہ مناسب جانا ہے۔

رسول کریم اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتے ہیں ؟

رسول کریم (ص) سے منسوب گذشتہ باتوں نیز اس دعوے کے بطلان کے بعد کہ گذشتہ آیت آپ (ص) کو سرزنش

1) ملاحظہ ہو: دلائل الصدق ج3 حصہ 1 ص 60 و 55

2) مشکل الآثار ج4 ص292 و ص293

349

کرنے کے لئے اتری ہے، یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کی نبی (ص) کریم پر اجتہاد اور اس میں غلطی کے جواز کا بعض لوگوں کا دعویٰ اور اس دعوے پر مذکورہ آیت سے استدلال بھی صحیح نہیں ہے _ کیونکہ نبی (ص) کریم اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے اور وحی کے نازل ہونے پر ہی بولتے ہیں _ اس

لئے نبی (ص) کریم سے منسوب گذشتہ باتیں بے بنیاد اور باطل ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے قطعی دلائل بھی پائے جاتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) کا ہر قول و فعل حق ہوتا ہے اور حقیقت، شریعت اور خدا کے قطعی احکام کے عین مطابق ہوتا ہے۔

سعد بن معاذ یا عمر بن خطاب؟

طبری نے محمد بن اسحاق کے ذریعہ روایت کی ہے کہ جب آیت (ما کان لنبی ان یکون لہ اسری) اتری تو رسول (ص) خدا نے فرمایا: "اگر آسمان سے کوئی عذاب نازل ہو جاتا تو (اصحاب سے) صرف سعد بن معاذ ہی بچ سکتا تھا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ یا رسول (ص) اللہ ان لوگوں کو زندہ رکھنے سے مجھے ان کی خونریزی زیادہ پسند ہے" (1) شاید یہی روایت ہی صحیح ہے لیکن کئی ایسے وجوہات کی بنا پر اسے خلیفہ ثانی کے حق میں بدل دیا گیا ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور اسے بھی ہم نے صحیح اس لئے کہا ہے کہ یہ بہترین اور پختہ مشورہ اور آنحضرت (ص) کی مرضی کے بھی مطابق تھا۔ لیکن عمر اور دوسروں کے مشورونپر گہری دقت اور بحث کی ضرورت ہے جس کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ کیونکہ یہ مشورے اچھی نیت سے نہیں دیئے تھے اور ہو سکتا ہے سب یا کچھ مشورے خود مشرکوں کے ایماء پر دیئے تھے ہوں۔ جس طرح و اقدی نے اس بات کا تذکرہ کیا بھی ہے۔ اور ابوبکر اور دوسرے انصاریوں کے بارے میں بھی گذر چکا

ہے کہ وہ حصول مال اور قریش کی دشمنی کی شدت کم کرنے کی خواہش میں فدیہ لینے پر اصرار کر رہے تھے۔ نیز ان کا مدعا یہ بھی تھا کہ ان میں ہمارے بھائی، رشتہ دار اور خاندان والے بھی ہیں۔ نیز ابو بکر نے مشرک قیدیوں سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ ان کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کرے گا۔ یہ بات بھی واقدی نے ہی بتائی ہے۔

(1 تاریخ طبری ج 2 ص 171 و الثقات ج 1 ص 169۔)

350

یہ سب لوگ آنحضرت (ص) کو ہر ممکن طریقے سے اپنی بات کا قائل کرنے لگے اور اس کے لئے وہ جذباتی ہتھکنڈے استعمال کرنے پر بھی تل گئے اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ "یا رسول (ص) اللہ وہ آپ (ص) کے خاندان، رشتہ دار قوم اور قبیلہ ہیں کیا آپ (ص) ان کی جڑیں کاٹنا چاہتے ہیں؟" اور ابو بکر نے تو اس بات کے لئے مصلحت پسندانہ دلیل قائم کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلمان فدیہ لیں گے تو مشرکوں کے مقابلے میں طاقتور ہو جائیں گے۔ لیکن نبی (ص) کریم ان کی باتیں ماننے سے انکار کرتے رہے کیونکہ ان کی باتیں آپ (ص) کو قانع نہ کر سکیں۔ اس لئے کہ آپ (ص) سعد بن معاذ کی رائے کو مناسب جانتے تھے البتہ اس بات کے لئے آپ (ص) کے مد نظر اور بھی باتیں تھیں

جو آپ(ص) کے لئے بالکل عیاں تھیں_ اس لئے مذکورہ آیت آپ(ص) کے موقف کی تائید میں نازل ہوئی لیکن انہیں بھی اس بھیانک نتیجے کے ساتھ فدیہ لینے کی اجازت دی گئی کہ ان قیدیوں کے بدلے میناتنی تعداد میں مسلمان قتل ہوں گے _

قیدیوں کا قتل ہی زیادہ مناسب تھا:

اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ مشرک قیدیوں کا قتل ہی زیادہ مناسب اور صحیح تھا _ اور اس دعویٰ کے ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

1_ قیدیوں میں قریش کے کئی بڑے بڑے سردار بھی تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو بالکل ہی خبیث افراد تھے انہوں نے رسول(ص) اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے شعلے بھڑکائے تھے ،انہیں دربدر اور جلا وطن کیا تھا ، ان کی ہر طرح سے توہین کی تھی اور انہیں مختلف قسم کی اذیتیں اور تکلیفیں دی تھیں_ یہ ایسے متکبر لوگ تھے جو نہ تو اپنی زیادتیوں سے باز آنے والے تھے اور نہ اس دین کو قبول کرنے والے تھے _ بلکہ وہ تو اسلام کی جڑینکاٹنے کے درپے تھے اور کسی منطقی اور معقول پیشکش کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے _ اور شکست اور قید کی ذلت اٹھانے کے بعد تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں کینہ مزید بڑھ گیا تھا_ اور مسلمان (اگر زندہ رہتے تو) صرف دو طریقوں سے ہی ان سے چھٹکارا پا سکتے تھے جس کی طرف آپ(ص) نے اشارہ فرما

دیا تھا۔ جہاں آپ (ص) نے مسلمانوں کو یہ بتا دیا تھا کہ اگر وہ فدیہ لیں گے تو انہیں ان کی تعداد کے برابر قتل ہونا پڑے گا۔

2_ اور گذشتہ بات سچی بھی ثابت ہو گئی کیونکہ بعد میں جنگ احد و غیرہ میں نیز مختلف مراحل میں مسلمانوں کو مسلسل اذیتوں میں مبتلا کرنے میں انہی افراد کا زیادہ ہاتھ اور موثر کردار تھا۔ اسی لئے تو سعد بن معاذ کی یہ بات نہایت ہی مناسب اور بہترین تھی کہ "مشرکوں سے ہماری یہ پہلی جنگ ہے اور ان آدمیوں کو زندہ رکھنے سے زیادہ مجھے ان کی خونریزی پسند ہے" اور بعض کا نظریہ تو یہ ہے کہ خدانے تاکید کے ساتھ مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ مسلمانوں کو یہ باور ہو جائے کہ حالات جیسے بھی ہوں، مال کی طرف دیکھنا اور اس کی خواہش کرنا نہایت ناپسندہ عمل ہے۔ مگر یہ کہ وہ بہت بڑے ہدف یعنی دین کی خدمت کے لئے ہو۔

3_ اگر وہ اسلام قبول نہ کرتے تو ان کے کر توتوں کی سزائیں ان کا قتل بھی قریش پر ایک کامیابی اور ایک کاری فوجی اور روحی وار ہوتا اور اس سے عمومی لحاظ سے مشرکوں کا دبدبہ اور شان و شوکت بھی کم ہو جاتی اور ان کے حمایت کرنے والے یہودیوں اور غطفان، ہوازن اور ثقیف و غیرہ کے عرب مشرکوں کو ایک دھمکی اور الٹی میٹم ہوتا جس سے وہ انہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ اس صورت میں مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا کہ وہ لوگ یہ

سمجھ لیتے کہ آنحضرت(ص) نے جب اپنے عقیدے اور دین کی خاطر اپنے قبیلے اور قوم کا لحاظ نہیں کیا اور رسالت کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالنے اور نور الہی کو بجھانے کی کوشش کرنے پر ان سب کو تہ تیغ کر دیا تو آپ(ص) نور خدا کو بجھانے اور اپنے دین اور دین کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے والے دوسرے لوگوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔ اور یہ بات پورے جزیرۃ العرب کے مشرکوں، یہودیوں اور قریشیوں کے دلوں میں ناامیدی پیدا کرنے اور آپ(ص) کی دھاک بٹھانے میں نہایت مؤثر ہوتی اور پھر دوسروں کو یہ کہنے میں آپ(ص) کے لئے نہایت آسانی ہوتی کہ "تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اسلام سے دشمنی اور مخاصمت ترک کر دو کیونکہ اس دین کے مقابلے میں آنے کا نتیجے صرف تمہاری تباہی اور بربادی کی صورت میں ہی نکلے گا۔"

352

4_ ان لوگوں کے قتل سے انصار کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ آپ(ص) کے قبیلے والے جب تک اپنے شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں آپ(ص) کبھی بھی ان سے صلح نہیں کریں گے اور ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں آپ(ص) انصار کو کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑیں گے کیونکہ آپ(ص) اپنے دینی تعلیمات کی بنا پر دینی رابطوں کو سب تعلقات سے زیادہ محکم سمجھتے ہیں، عقیدے کی قرابت داری کو ہی اصل قرابت سمجھتے ہیں اور اسلامی اور دینی رشتہ داری کو ہی اصل رشتہ داری جاننے ہیں اس بنا پر انصار کے

دلوں میں کبھی بھی کسی قسم کے خدشے اور وسوسے جنم نہ لیتے _ جبکہ انہوں نے اسی بات کا اظہار بیت عقبہ اور پھر فتح مکہ کے موقع پر بھی کیا تھا کہ آپ (ص) شاید اپنی قوم سے مصالحت کر لیں گے یا اپنے رشتہ داروں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں _

قیدیوں کے بارے میں عمر کا موقف:

اس واقعہ میں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ :

1_ عمر بن خطاب نے رسول (ص) خدا سے یہ خواہش کی تھی کہ آپ (ص) حکم فرمائیں کہ علی (ع) اپنے بھائی عقیل کی گردن اڑادے اور حمزہ اپنے بھائی عباس کاسر قلم کرے اور وہ ان لوگوں کو کافروں کا سردار بتا رہا تھا _ اور یہ نہایت ہی عجیب و غریب خواہش ہے البتہ قریش کے فرعونوں، متکبروں اور بڑے بڑے سرداروں کے متعلق اس کی خاموشی اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب اور معنی خیز ہے ؟ _ خاص کر جب یہ مشاہدہ کیا جائے کہ اس نے آنحضرت (ص) سے سناتھا کہ آپ (ص) نے اپنے لشکر کو (اور یہ بھی تو اسی فوج میں شامل تھا) بنی ہاشم خاص کر مذکورہ دونوں شخصیات اور چند دوسرے افراد کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا تھا ، کیونکہ انہیں اس جنگ میں زہر دستی گھسیٹا گیا تھا _ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ انہوں نے مکہ میں آنحضرت (ص) کا بھر پور دفاع کیا تھا ، شعب ابی طالب میں آپ (ص) کے ہمراہ داخل ہوئے تھے اور آپ (ص) کی خاطر بہت تکلیفیں اور

مشقتیں برداشت کی تھیں _

2_ جناب عمر کے قبیلے یعنی قبیلہ بنی عدی نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا (1)

1) ملاحظہ ہو : تاریخ طبری ج 2 ص 143، سیرہ ابن بشام ج 2 ص 271، المغازی واقدی ج 1 ص 45 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 121 تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 314 و تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 اور تاریخ کی کوئی بھی کتاب جہاں جنگ بدر کے چھڑنے سے پہلے کچھ لوگوں کے پلٹنے کا ذکر ہوتا ہے۔

353

پس اسے اس کی کیا پروا تھی؟ چاہے جس کے جگر پر بھی ضربت لگے _ جب تک اس آدمی کے قوم، قبیلہ اور رشتہ داروں کو کوئی گزند نہیں پہنچتی تب تک چاہے ساری دنیا ہی قتل ہو جائے اس کے لئے کوئی اہمیت کی بات ہی نہیں ہے _ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر کی "فلانکو میرے حوالے کر دیں" والی بات کو ذکر کرتے وقت بعض لوگوں کا "وہ عمر کے قریب تھا" کے الفاظ کا اضافہ مضحکہ خیز اور نادرست ہے حالانکہ عمر کی بات تباہی والی صرف بعض روایتوں میں یہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں _ اس لئے کہ جنگ بدر میں عمر کا کوئی رشتہ دار تھا ہی نہیں البتہ شاید اس کا کوئی سسرالی رشتہ دار موجود ہو لیکن اگر کوئی تھا بھی تو ان کے نزدیک یہ سسرالی رشتہ داری

کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی _ بہر حال ان پہلوؤں پر ہم سے پہلے جناب عباس بن عبد المطلب نے عمر پر ایسا برا گمان کیا ہے _ اور وہ یوں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب جناب عمر ابوسفیان کے خلاف بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا اور اس کے قتل پر بار بار اصرار کر رہا تھا تو عباس نے اس سے کہا : " نہیں عمر ٹھہرو اگر وہ بنی عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسا کبھی نہ کہتے _ لیکن تمہیں پتا ہے کہ یہ بنی عبد مناف کا آدمی ہے "

(1)

3_ اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کا اپنے ہاتھوں سے قتل ایک ایسا قبیح فعل ہے جس سے ذہن متنفر ہوتا ہے اور بسا اوقات لوگوں کی اسلام سے دوری کا باعث بھی بن سکتا ہے بلکہ انہیں اس دین میں داخل ہونے کے متعلق سوچنے سے بھی منع کر دیتا ہے جس میں انہیں اپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے _ بلکہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو مرتد ہونے پر بھی تیار کر سکتا ہے ، جب وہ یہ دیکھیں گے کہ دوسروں کے ہوتے ہوئے بھی انہیں ہی اپنے دوستوں ، بھائیوں ، پیاروں اور رشتہ داروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے _

نبی (ص) کریم بھاگ جانے والے قیدی کو قتل نہیں کرتے

واقعی کہتا ہے کہ جب رسول (ص) خدا جنگ بدر سے واپس ہوئے اور آپ (ص) کے پاس مشرکین کے قیدی بھی

تھے تو ان میں سہیل بن عمرو بھی آنحضرت(ص) کی اونٹنی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ مدینہ سے کچھ میل پہلے اس نے اپنے آپ کو کسی طرح کھینچا تو وہ آزاد ہو کر بھاگ نکلا۔ جس پر آپ(ص) نے فرمایا: " سہیل بن عمرو کو ڈھونڈ کر اسے قتل کر دو" لوگ اس کی تلاش میں بکھر گئے لیکن آنحضرت(ص) نے ہی اسے ڈھونڈ کر دو بارہ باندھ دیا لیکن اسے قتل نہیں کیا

—
سید شریف رضی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کوئی حکم، حکم دینے والے کو شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ رتبہ کے لحاظ سے حکم دینے والا، حکم بجالانے والے سے اونچا ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے سے تو بلند مرتبہ نہیں ہو سکتا(1)

—
لیکن ہم کہتے ہیں کہ انشاء (2) کی حد تک تو سید رضی کی مذکورہ بات صحیح ہے لیکن یہاں ایک سوال باقی رہتا ہے کہ اگر قتل کا محرک اور وجوہات باقی تھیں تو پھر آپ(ص) نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ چاہے آپ(ص) اپنے کسی صحابی کو ہی اس کے قتل کا حکم دے دیتے اور خود قتل نہ کرتے۔ کیونکہ

آنحضرت(ص) اپنے دست مبارک سے کسی کو قتل نہیں کیا کرتے تھے۔ اس کی طرف اسی کتاب کی اگلی جلد میں اشارہ ہوگا۔ پس یہاں یہ کہنا پڑے کہ چونکہ آنحضرت(ص) نے خود ہی اسے ڈھونڈ نکالا تھا اس لئے اس آدمی کو قتل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

قید میں عباس کے نالے

بہر حال ، ان قیدیوں میں عباس اور عقیل بھی شامل تھے۔ ایک رات آنحضرت(ص) نے جاگ کر گزاری۔ ایک صحابی نے آپ(ص) سے پوچھا: " یا رسول (ص) اللہ آپ (ص) ساری رات کیوں جاگتے رہے؟ " آپ(ص) نے فرمایا: " عباس کی آہ و فریاد نے مجھے سونے نہیں دیا"۔ یہ بات سن کر ایک صحابی نے اٹھ کر اس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں جس کی وجہ سے اس کی کراہیں بھی رک گئیں ، لیکن آپ (ص) صحابی کے اس عمل کو نہ دیکھ سکے ، جس کی وجہ سے آپ (ص)

(1) ملاحظہ: بحقائق التاویل ج 5 ص 11۔

(2) انشاء خبر کے مقابلے میں ہے جہاں سچ یا جھوٹ کا شائبہ نہ ہو۔ زیادہ تر جاری کرنے کا معنی دیتا ہے مثلاً حکم جاری کرنا۔ تفصیل دیگر کتابوں میں۔

نے پوچھا : " اب عباس کی آواز کیوں نہیں آرہی ؟ " تو اس صحابی نے کہا :
 " میں نے اس کی رسیاں ڈھیلی کردی ہیں " _ اس پر آپ(ص) نے فرمایا : "
 پھر سب قیدیوں کی رسیاں کچھ ڈھیلی کردو" (1)
 اور یہ روایت ایک معقول روایت ہے جس میں نبی (ص) کریم کی عدالت،
 احکام الہی کی بجا آوری میں دقت نظر اور دین میں صلابت کا ایک نمونہ پیش
 کیا گیا ہے اور یہ آنحضرت (ص) کی شان کے مناسب بھی ہے اور آپ(ص)
 کی اس مشہور بات کے مناسب بھی ہے کہ کسی ملامت کرنے والے کی
 ملامت آپ(ص) کو راہ خدا سے نہیں ہٹاسکتی تھی _ نہ وہ روایتیں جن میں
 آپ(ص) کو اپنے قریبوں کا دم بھرتے ہوئے دکھا یا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ
 آپ(ص) نے ہی عباس کی رسیاں ڈھیلی کرنے کا حکم دیا تھا _ کیونکہ
 آنحضرت(ص) کبھی ایسے نہیں تھے کہ اپنے قریبوں اور رشتہ داروں پر تو
 رعایت کریں لیکن دشمنوں پر سختی کریں _ اور ایسی روایتیں مکمل اور
 صحیح طور پر بیان نہیں ہوئیں _ مگر یہ کہا جائے کہ نبی (ص) کریم جانتے
 تھے کہ اسے زبردستی لایا گیا ہے اس لئے اس کا گناہ دوسروں کے گناہ سے
 قدرے چھوٹا اور ہلکا ہے اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی بھی یہی
 وجہ تھی _ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ وہ بامر مجبوری
 اس جنگ میں شریک ہوا تھا _ لیکن نبی (ص) کریم اور آپ(ص) کی عدالت کا
 یہ تقاضا تھا کہ آپ(ص) اس کے ساتھ بھی دوسرے قیدیوں جیسا سلوک کرتے

تا کہ کسی تنقید اور اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے۔ اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب عباس نے آپ (ص) سے یہ کہا کہ اسے زبردستی یہاں لایا گیا ہے تو آپ (ص) نے اس سے فرمایا: " لیکن بظاہر تو تم ہمارے خلاف ہی تھے"۔ البتہ اس کی تفصیل آئی چاہتی ہے۔ بظاہر عباس کی کراہوں سے آپ (ص) کی بے آرامی اس وجہ سے تھی کہ اس کی جگہ آنحضرت (ص) کی جگہ کے نزدیک تھی، یہ بات نہیں تھی کہ آپ (ص) نے خاص طور پر دوسرے قیدیوں کے علاوہ صرف عباس پر رحم کھایا تھا۔

1) تاریخ الخمیس ج 1 ص 390 و صفة الصفوة ج 1 ص 510 البتہ عبدالرزاق، المصنف ج 5 ص 353 میں لکھتا ہے کہ ایک انصاری نے آپ (ص) سے کہا: "کیا میں اس کی رسی جاکر کچھ ڈھیلی نہ کر دوں؟" آپ (ص) نے فرمایا: "اگر اپنی طرف سے یہ کام کرنا چاہتے ہو تو بے شک کرو"۔ تب اس انصاری نے جاکر اس کی رسی ڈھیلی کی جس کے بعد آپ (ص) اطمینان سے سونے۔ نیز ملاحظہ ہو: دلائل النبوة بیہقی ج 2 ص 410۔

356

عباس کا فدیہ اور اس کا قبول اسلام

مسلمانوں نے عباس سے بیس سے چالیس اوقیہ سونا (ہر اوقیہ چالیس مثقال کا ہوتا ہے یعنی اٹھ سو سے سولہ سو مثقال سونا) مال غنیمت لوٹا۔ اس نے اسی

لوٹے ہوئے سونے کو فدیہ کے طور پر شمار کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ(ص) نے فرمایا : " تم جو چیز ہمارے خلاف استعمال کرنے لائے تھے ہم اسے تمہیں واپس نہیں کر سکتے "۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ(ص) نے یہ بات اس لئے کی کہ وہ مشرکوں کے کھانے پینے کا خرچہ برداشت کرنے کے لئے اپنے ساتھ یہ سونا لایا تھا (1) بہر حال آپ(ص) نے اسے اپنا اور اپنے دو بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ لیکن اس نے اپنے پاس کسی مال کی موجودگی کا انکار کیا۔ جس پر آپ(ص) نے اسے کہا : " جو مال تم نے ام الفضل کے حوالے کر کے اس سے کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو اس مال کو اپنے اور بچوں پر خرچ کرنا ، وہ تو ہے اب اس مال سے اپنا فدیہ دو "۔ تب اس نے پوچھا کہ کس نے آپ(ص) کو یہ بات بتائی ہے اور جب اسے پتا چلا کہ جبرائیل (ع) نے آپ(ص) کو بتایا ہے تو اس نے کہا: " قسم سے اس بات کا علم تو صرف یا مجھے تھا یا پھر اس کو ، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ(ص) اللہ کے رسول (ص) ہیں "۔ پس عباس - ، عقیل اور نوفل کرم اللہ و جوہم کے سوا باقی سب قیدی حالت شرک میں واپس پلٹے ، اور انہی تینوں کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اتری:

(قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیراً یؤتکم خیراً مما اخذ منکم و یغفر لکم و اللہ غفور رحیم) (2)

اور اے رسول (ص) اپنے پاس موجود قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر خدا جان لے کہ تمہارے دل میں اچھائی (یعنی اسلام کی حقیقت) سماگئی ہے تو تم سے

لوٹی جانے والی چیزوں سے بہتر چیز تمہیں عطا کرے گا _ اور تمہیں معاف بھی کر دے گا کہ خدا معاف کرنے والا اور مہربان ہے _

1) اسباب النزول واحدی ص 138 و سیرہ حبیبہ ج 2 ص 198 _

2) انفال / 70 ، اس کی معتبر روایت تفسیر البربان ج 2 ص 94 میں ہے نیز ملاحظہ ہو تفسیر الکشاف ج 2 ص 238 و دیگر کتب _

357

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ (ص) نے عباس سے فرمایا: " عباس تم نے چونکہ خدا سے جنگ کی ہے اس لئے خدا نے بھی تم سے جنگ کی ہے " (1) ایک اور روایت میں ہے کہ جب اس سے فدیہ طلب کیا جانے لگا تو اس نے کہا کہ میں پہلے سے اسلام لایا تھا لیکن ان لوگوں نے مجھے زبردستی جنگ میں دھکیلا ہے _ جس پر آپ (ص) نے اسے فرمایا: " خدا تمہارے اسلام سے بخوبی واقف ہے اگر تمہاری بات سچی ہے تو خدا تمہیں اس کا اجر دے گا ، لیکن بظاہر تو تم ہمارے خلاف ہی تھے " (2) _ اور یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعض کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ عباس جنگ بدر سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لے آئے تھے (3) مگر یہ کہ اس بارے میں خود عباس کے دعویٰ کو دلیل بنایا جائے جبکہ عباس کے اس دعویٰ کو خود رسول (ص) خدا نے بھی قبول نہیں کیا _ جنگ بدر کے موقع پر عباس کے مسلمان

نہ ہونے پر گذشتہ باتوں کے علاوہ یہ دلائل بھی ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر جب عباس گرفتار ہوا تو مسلمان اسے کافر ہونے اور قطع رحمی کرنے کی بنا پر لعنت ملامت کرنے لگے۔ اور حضرت علی (ع) نے بھی اسے بہت سخت باتیں کہیں۔ جس پر عباس نے کہا: "تم ہماری برائیاں تو گنوارہے ہو، ہماری اچھائیاں کیوں نہیں بتاتے؟"۔ حضرت علی (ع) نے اسے کہا: "کیا تمہاری اچھائیاں بھی ہیں؟"۔ اس نے کہا: "ہاں ہم تو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرتے ہیں، کعبہ کو زندہ کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور قیدی آزاد کرتے ہیں" جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاہدین علی انفسہم بالکفر) (4)

مشرکوں کو ان کے کفر کی حالت میں خدا کی مسجدوں کو آباد کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا

1) بحار الانوار ج 19 ص 258 و تفسیر قمی ج 1 ص 268 _

2) گذشتہ دونوں منابع و تاریخ الخمیس ج 1 ص 390 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 198

3) ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج 3 ص 308 سیرہ حلبیہ ج 2 ص 188 و 198 و طبقات ابن سعد ج 4 حصہ 1 ص 20 _

4) توبہ 17/ و حدیث: اسباب النزول واحدی ص 139 درمنثور ج 3 ص 219 از ابن جریر و ابوشیخ از ضحاک لیکن یہ بات اگلی آیت سقایت

الحاج والی آیت میں مذکور ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا : " اگر تم اسلام ، جہاد اور ہجرت میں ہم سے سبقت لے گئے ہو تو ہم بھی تو مسجد الحرام کو آباد کرتے آئے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے آئے ہیں " اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

(اجعلتم سقایة الحاج و عمارة المسجد الحرام کمن آمن بالله ...) (1)

کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد کرنے کا رتبہ خدا ... پر ایمان لانے والے شخص کے رتبہ کے برابر قرار دیتے ہو؟

لیکن مذکورہ دونوں آیتیں سورہ توبہ میں ہیں جو آپ (ص) کی حیات طیبہ کے تقریباً آخر میں یعنی جنگ بدر کے کئی سال بعد نازل ہوا _ اس لئے شاید روایت میں مذکور باتیں جنگ بدر کے موقع پر نہ کہی گئی ہوں بلکہ فتح مکہ کے موقع پر کہی گئی ہوں لیکن بدر سے ان کی تصریح راویوں کی غلطی اور ان کے اشتباہ کی وجہ سے ہو _ لیکن پھر بھی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر تو عباس اسیر ہی نہیں ہوا تھا پھر حضرت علی (ع) نے اس سے سخت باتیں کیوں کیں ؟ البتہ اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت (ص) کی عام معافی کے اعلان اور کسی کو کچھ کہنے سے منع کرنے سے پہلے پیش آیا ہو (لیکن اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ عباس جنگ بدر کے موقع پر نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لایا تھا _ مترجم)

ایک اور دستاویز میں آیا ہے کہ انصاری، عباس کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن

آنحضرت(ص) نے اسے ان کے ہاتھ سے لے لیا اور رجب وہ آنحضرت(ص) کے پاس آگیا تو عمر نے اس سے کہا : " مجھے (اپنے باپ) خطاب کے اسلام لانے سے تیرا اسلام لانا زیادہ پسند ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول (ص) خدا کو تیرا اسلام لانا زیادہ پسند ہے " (2) بلکہ روایتوں میں آیا ہے کہ عباس کا اسلام فتح مکہ کے دن ہی سب پر ظاہر ہوا (3)

(1)توبہ / 19 و حدیث: اسباب النزول واحدی ص 139 ، درمنثور ج3 ص 218 از ابن جریر ، ابن منذر ، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ،

عبدالرزاق ، ابن شیبہ ، ابن ابی شیبہ و ابوشیخ۔

(2)البدایہ والنہایۃ ج3 ص 298 از حاکم و ابن مردویہ، حیاة الصحابہ ج2 ص 244 و 245 از کنز العمال ج7 ص 69 از ابن عساکر۔

(3)سیرہ حلبیہ ج 2 ص 199۔

359

اور یہ بات حقیقت کے زیادہ قریب لگتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ جنگ بدر کے موقع پر اسلام لایا بھی تھا (جس طرح گذشتہ روایتیں خاص کر تفسیر البرہان کی معتبر روایت اس بات پر دلالت بھی کرتی ہیں) تو وہ خفیہ طور پر اسلام لایا ہوگا لیکن وہ اپنے مفادات، اموال اور تعلقات کی حفاظت کے لئے مشرکین کے سامنے شرك اور ان کی مرضی کی باتوں کا اظہار کیا کرتا ہو گا۔ کیونکہ قریش یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت(ص) سے ایسی

سخت جنگ میں بھی مصروف ہوں جس میں ان کے بھائی اور بیٹے قتل ہوتے رہیں، ان کا تجارتی راستہ بند ہو جائے اور انہیں عربوں میں ذلیل ہونا پڑے لیکن ان کے درمیان کئی سال تک ایک مسلمان آرام اور اطمینان سے رہے، خاص کر وہ مسلمان آنحضرت (ص) کا چچا اور قریبی رشتہ دار بھی ہو۔ اور ابوسفیان سے اس کی دوستی بھی اس کے مکہ میں رہنے کی ضمانت نہیں بن سکتی تھی، کیونکہ قریشیوں نے تو اپنے پیارے رشتہ داروں کو بھی عبرتناک سزائیں دی تھیں پھر وہ اپنے دوستوں کو کیسے برداشت کر سکتے تھے اور صلح حدیبیہ میں رسول (ص) کریم پر قریش کی شرطیں، مذکورہ بات پر ان کی حساسیت، سختی اور شدت نیز کسی بھی صورت میں کسی کو کوئی چھوٹ نہ دینے کی بہترین دلیل ہیں۔ ہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اسے ان کے درمیان رہنے کا حکم دیا تھا تا کہ وہ ان کی خبریں آپ (ص) تک پہنچا کر آپ (ص) کے لئے ان کی جاسوسی کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آپ (ص) کو خط میں ان کی خبریں پہنچاتا رہتا ہے اور ایک گمان کے مطابق اس نے آپ (ص) کو جنگ احد کے بارے میں بھی بتادیا تھا۔ لیکن یہ سب باتیں اس کے اسلام کی دلیل نہیں بن سکتیں۔ یہ باتیں صرف آپ (ص) کو خبردار کرنے پر دلالت کرتی ہیں چاہے یہ کام رشتہ داری اور اس غیرت کی بنا پر ہو کہ رسول (ص) کو بھی یہ سب جاننا چاہئے اور ان کی برابری کرنی چاہئے۔

نکتہ :

جب عباس کے متعلق گفتگو کر ہی رہے ہیں تو چند اور باتوں کی طرف اشارہ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے _ کہا جاتا ہے کہ جناب عباس مال دنیا کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور انہیں مال کے حصول کی

360

بڑی شدید خواہش ہوتی تھی _ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جنگ بدر میں اپنے اور عقیل کا فدیہ دینے کی وجہ سے بعد میں وہ آنحضرت (ص) سے مال کا مطالبہ کرتا رہتا تھا _ روایتوں میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ (ص) کے پاس بحرین سے کچھ مال آیا اور آپ (ص) اسے تقسیم کرنے لگے تو عباس نے آکر کہا : " یا رسول (ص) اللہ میں نے جنگ بدر میں اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا اور عقیل نادار آدمی تھا اس لئے یہ مال مجھے دیں " _ اور آپ (ص) نے بھی اسے وہ مال دے دیا (1) _ اور بعض روایات میں یہ بات بھی ہے کہ آپ (ص) ہمیشہ اس کی آنکھیں پڑھ لیا کرتے تھے (اور مانگنے سے بھی پہلے دے دیا کرتے تھے) اس لئے اس کی یہ لالچ ہم سے پوشیدہ رہتی اور اس پر نہایت تعجب ہوتا تھا (2) _

لوگوں میں تقسیم کے بعد بچے کھچے مال کے حصول کا اس کا طریقہ بھی قابل ملاحظہ ہے _ ابن سعد کہتا ہے کہ عہد عمر میں لوگوں میں مال تقسیم کرنے کے بعد بیت المال میں کچھ مال بچ گیا تو عباس نے عمر اور لوگوں

سے کہا: " مجھے بتاؤ اگر تم میں حضرت موسیٰ (ع) کے چچا موجود ہوتے تو کیا تم اس کی عزت افزائی کرتے؟ " سب نے کہا: " جی ہاں " تب اس نے کہا: " پھر تو میں اس کا زیادہ حق دار ہوں _ میں تو تمہارے نبی (ص) کا چچا ہوں " یہ بات سن کر عمر نے لوگوں سے بات چیت کی اور ان لوگوں نے وہ سارا بچا کھچا مال اسے عطا کر دیا (3)۔

بہر حال اس نے اپنی آرزوئیں پالیں _ حتیٰ کہ منقول ہے کہ جب آنحضرت (ص) نے اسے مال عطا کیا تو اس نے کہا: " خدا نے جن دو چیزوں کا مجھ سے وعدہ کیا تھا ان میں سے ایک کو تو پورا کر دیا ہے دوسرے کا نہیں پتا _ خدا نے اپنے رسول (ص) سے فرمایا تھا کہ اپنے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارے دلوں میں اچھائی سمانے کا خدا کو پتا چل گیا تو تم سے لی جانے والی چیز سے بہتر چیز تمہیں عطا کرے گا اور تمہیں معاف بھی کر دے گا _ یہ مال اس مال سے کہیں بہتر اور زیادہ ہے جو مجھ سے لیا گیا تھا، لیکن یہ نہیں پتا کہ مغفرت کا کیا بنے گا؟ " (4)

1) صحیح بخاری ج 1 ص 55 و ص 56 و ج 2 ص 130 ، مستدرک حاکم ج 3 ص 329 و ص 330 ، تلخیص مستدرک ذہبی اسی صفحہ کے

حاشیہ پر اور اس نے اسے صحیح جانابے ، طبقات ابن سعد ج 4 حصہ 1 ص 9 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 200 ، حیاة الصحابہ ج 2 ص

225 و الترتیب الاداریہ ج 2 ص 88 و 89 _

2) صحیح بخاری ج 1 ص 55 و 56 و ج 2 ص 130 و الترتیب الاداریہ ج 2 ص 89 _

3) طبقات ابن سعد ج 4 حصہ اول ص 20 ، حیاة الصحابہ ج 2 ص 234 و تہذیب تاریخ دمشق ج 7 ص 251 _

نبی کریم کو قتل کرنے کی سازش

اس جنگ میں عمیر بن وہب کا ایک بیٹا بھی گرفتار ہوا۔ جس کا بدلہ لینے کے لئے عمیر نے صفوان کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر یہ سازش کی کہ عمیر مدینہ جا کر آنحضرت (ص) کو اغوا کر کے لے آئے گا جس کے بدلے میں صفوان عمیر کے قرض چکائے گا۔ اس سازش کو انہوں نے سب سے خفیہ رکھا اور عمیر نے اپنی تلوار کی دھار تیز کی اور اسے زہر آلود کیا اور مدینہ پہنچ گیا۔ غرض آنحضرت (ص) نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی لیکن عمر کو اس سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے نیام سمیت اس سے اس کی تلوار لے لی، پھر اسے رسول (ص) خدا کے پاس لے گیا۔ جب آنحضرت (ص) نے اسے دیکھا تو عمر سے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ عمر نے اسے چھوڑ دیا تو وہ آپ (ص) کے قریب آیا۔ پھر آپ (ص) نے اس سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: " میں آپ (ص) کے پاس اس قیدی یعنی وہب کی سفارش کرنے آیا ہوں: اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں "۔ آپ (ص) نے پوچھا: " پھر تلوار کیوں ساتھ لائے ہو؟ "۔ تو اس نے کہا: " ان تلواروں کا

ستیاناس ہو، کیا انہوں نے کبھی فائدہ پہنچا یا ہے؟"۔
 تب آنحضرت (ع) نے بستی میں ہونے والا اس کا اور صفوان کا ماجرا اسے
 بتایا تو عمیر یہ سن کر مسلمان ہو گیا۔ جس پر آنحضرت (ص) نے مسلمانوں
 سے فرمایا: "اپنے اس بھائی کو دین کی باتیں سکھاؤ، قرآن پڑھاؤ اور اس کے
 قیدی کو بھی آزاد کر دو"۔ اور مسلمانوں نے بھی آپ (ص) کے احکام کی
 تعمیل میں ایسا ہی کیا۔
 پھر آنحضرت (ص) کی اجازت سے عمیر مکہ جاکر تبلیغ کرنے لگا جس سے
 مشرکین کو تکلیف پہنچتی تھی بلکہ صفوان نے تو یہ قسم اٹھالی کہ وہ اس
 سے نہ کبھی گفتگو کرے گا اور نہ اس کے کسی کام آئے گا (1)

زینب کے ہار اور رسول (ص) خدا کا موقف

اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ آنحضرت (ص) کی لے پالک بیٹی جناب زینب نے
 اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کی رہائی کے لئے فدیہ کے طور پر کچھ
 چیزیں بھیجیں جن میں وہ ہار بھی شامل تھے جنہیں جناب خدیجہ (ع) نے

(1) سیرہ نبویہ ابن ہشام ج 2 ص 317 و 318۔

زینب کو جہیز میں دیا تھا۔ یہ ہار دیکھ کر آنحضرت (ص) کو جناب

خدیجہ (ع) کی بہت یاد آئی اور زینب کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردی کا احساس ہوا اور اس پر رحم آگیا _ جس کی وجہ سے آپ (ص) نے مسلمانوں سے اس قیدی کو چھوڑنے کی خواہش کی اور انہوں نے بھی اسے چھوڑ دیا _ لیکن آپ (ص) نے اسے اس شرط پر آزاد کر کے جانے دیا کہ وہ جاتے ہی زینب کو ادھر بھیج دے گا _ اس نے بھی وعدہ وفا ئی کرتے ہوئے زینب کو مدینہ بھجوادیا تھا (1) زینب کی ہجرت کا ماجرا بھی انشاء اللہ آئندہ آئے گا _

چند جواب طلب سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت (ص) واقعاً اتنے جذباتی تھے کہ ان کی ہمدردی اور رقت نے آپ (ص) کو ایک ایسے قیدی کی رہائی پر مجبور کر دیا جس پر مسلمان بھاؤ تاؤ کر کے اس کے بدلے میں ایسی چیز یا اتنا مال حاصل کر سکتے تھے جو دشمن کے مقابلے میں انہیں طاقتور بنا سکتی تھی؟ کیا صرف زینب کی پرورش ہی آپ (ص) کے اس کے ساتھ امتیازی سلوک اختیار کرنے کے لئے کافی تھی؟ یا اور وجوہات بھی تھیں؟ کیا آپ (ص) اپنے رشتہ داروں کا دوسروں سے زیادہ اور خاص خیال رکھنا چاہتے تھے؟ اور کیا یہ بات آپ (ص) کی رسالت، صفات اور اخلاق کے مناسب بھی ہے؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ نہیں تھی بلکہ اس موقف میں چند ایسی مصلحتیں پوشیدہ تھیں جو اسلام اور مسلمانوں کی نفع میں ہی تھیں وگرنہ آپ (ص) کا موقف کسی کے ساتھ بھی کبھی امتیازی نہیں رہا _ اور اس

جیسے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ آپ(ص) کا سلوک بھی ہمارے سامنے ہے۔ آپ(ص) کا اپنے چچا ابولہب ملعون اور عقیل کے ساتھ رویہ بھی ہمارے ذہن میں محفوظ ہے۔ جبکہ ہم یہاں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت(ص) کا مذکورہ عمل اس بات کی تاکیدی وضاحت کے لئے تھا کہ اسلام دوسروں کے (اسلام کی خاطر انجام دیئے

1)سیرہ نبویہ ابن ہشام ج2 ص 308 ، تاریخ الامم والملوک مطبوعہ الاستقامة ج2 ص 164 الکامل فی التاريخ ج2 ص 134 ، بحار

الانوار ج 19 ، ص 241 ، دلائل النبوه مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ج3 ص 154 و تاریخ الاسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 46 _

363

جانے والے) افعال اور خدمات کا احترام اور ان کی قدر کرتا ہے اور جناب خدیجہ (ع) بھی ان شخصیات میں سے ہیں جن کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اور آپ(ص) جناب خدیجہ (ع) کی پیاری شخصیتوں کے ساتھ محبت آمیز اور بہترین سلوک کر کے ان قابل قدر خدمات کا صلہ دیتے تھے ، آپ(ص) جناب خدیجہ (ع) کی سہیلیوں کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اس وجہ سے آپ(ص) کو بی بی عائشہ سے ناپسندیدہ الفاظ بھی سننے پڑے تھے (1) اور اگر یہ خدمات جناب خدیجہ (ع) کے علاوہ کسی اور شخصیت سے بھی انجام پاتیں تب بھی

آنحضرت (ص) کا یہی موقف ہوتا _ یعنی آپ (ص) دین کی راہ میں انجام دی جانے والی خدمات کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے چاہے یہ خدمات جس کسی سے اور جس سطح پر انجام پائی ہوں_ اس پر مزید یہ کہ اس موقع سے اگر آپ (ص) ، مشرکین کے ظلم و ستم اور ان کے چنگل سے کسی کو (اور وہ بھی زینب جیسی شخصیت کو) نجات دلا سکتے تھے تو پھر اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتے؟ اور آپ (ص) نے ابوالعاص کو فدیہ لئے بغیر بھی تو نہیں چھوڑا تھا کیونکہ زینب نے اس کا فدیہ بھجوا دیا تھا، پھر اب اس کو قید رکھنے کا کیا جواز رہ جاتا تھا؟

جناب زینب کا واقعہ اور ابن ابی الحدید

اس مقام پر ابن ابی الحدید آپ (ص) کی رقت اور ہمدردی کے متعلق لکھتے ہیں کہ " میں نے نقیب (2) ابو جعفر یحییٰ بن ابوزید بصری (اس کی شخصیت کی تعریف اور تعارف ابن ابی الحدید نے کئی دیگر مقامات پر کیا ہے)_ (3) کو یہ روایت پڑھ کر سنائی تو انہوں نے کہا :

1) اس کے منابع و مأخذ " بیعت عقبہ " والی فصل میں " بی بی عائشہ کی غیرت اور حسد " کے متعلق گفتگو کے دوران ذکر ہو چکے

ہیں_

2) کسی دور میں عالم عارف اور زاہد کامل کو نقیب کا لقب دیا جاتا تھا جس کا مطلب خدا کا یا دین اسلام کا نمائندہ اور تقویٰ کا عملی

تھا_

ہوتا

نمونہ

(3) ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج 12 میں ان الفاظ سے اس کا تعارف کرایا ہے کہ " وہ نہ تو امامی مذہب ہے ، نہ کسی بزرگ صحابی سے بیزار اور نہ ہی کسی افراطی شیعہ کی بات سننے والا " اور اسی کتاب کی ج 9 ص 248 میں اس کی تعریف یوں کی ہے کہ " وہ منصف مزاج اور نہایت عقل مند ہے " نیز بحار الانوار ج 19 کے حاشیہ میں ابن ابی الحدید سے منقول ہے کہ اس نے اس کی تعریف دیانت داری ، امانت داری ، خوابشات اور تعصبات سے دوری ، مناظروں میں انصاف پسندی ، کثرت علم ، تیز فہمی اور عقل مندی جیسی صفات سے کی ہے ۔

364

" کیا تمہارے خیال میں اس واقعہ میں ابوبکر اور عمر موجود نہیں تھے؟ کیا کرم اور احسان کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ وہ فدک کو مسلمانوں کی طرف سے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کو دے کر ان کا دل خوش کرتے؟ کیا کائنات کی عورتوں کی سردار اس بی بی کی شان اپنی بہن جناب زینب سے بھی کم تھی؟ یہ تو اس صورت میں ان کا حق بنتا تھا جب وراثت یا رسول (ص) خدا کے عطیہ والا ان کا حق ثابت نہ ہوتا (حالانکہ دونوں صورتوں میں ان کا ثابت ہوتا ہے، لیکن برا ہو کر سی کا جو اپنے مد مقابل کو دبانے کے لئے ہر قسم کے انسانی اور غیر انسانی بلکہ شیطانی ہتھکنڈے استعمال کرنے پر مجبور کر دیتی ہے) " (1)

فدیہ اسیر، تعلیم تحریر

مقریزی کہتا ہے: " قیدیوں میں کئی ایسے بھی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے

جبکہ انصار میں کوئی بھی اچھی لکھائی والا نہیں تھا۔ اور وہ قیدی نادار بھی تھے۔ پس ان کے ساتھ یہ طے پایا کہ ہر قیدی دس لڑکوں کو لکھنا سکھائے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ انصار کے لڑکوں کے ساتھ زید بن ثابت نے بھی اسی عرصے میں لکھنا سیکھا تھا۔ امام احمد نے عکرمہ کے ذریعہ ابن عباس کی روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں کچھ افراد ایسے بھی تھے جن کے پاس فدیہ دینے کو کچھ نہیں تھا۔ تو رسول خدا نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ وہ انصار کے لڑکوں کو لکھنا سکھائیں " اس کے بعد مقریزی ایک ایسے شخص کا واقعہ نقل کرتا ہے جسے اس کے استاد نے مارا تھا۔ پھر اس کے بعد کہتا ہے: " عامر الشعبي نے کہا ہے کہ جنگ بدر کے ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ لیکن جس کے پاس یہ سب نہیں تھا تو اس پر دس مسلمانوں کو لکھائی سکھانا ضروری تھا۔ اور زید بن ثابت بھی انہی افراد میں سے تھا جنہوں نے لکھنا سیکھا تھا" (2)

(1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 ص 191۔

(2) ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج 1 ص 48 و 49 از المطالع النصریہ فی الاصول الخطیہ ابوالوفاء نصر الدین الہورینی واز سہیلی ، مسند احمد ج 1 ص 247 ، الامتاع ص 101 ، الروض الانف ج 3 ص 84 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص

395 ، سيره حلبه ج 2 ص 193 ، طبقات ابن سعد ج 2 حصه 1 ص 14 و نظام
الحكم فى الشريعة والتاريخ الاسلامى (الحياة الدستورية) ص 48_
365

ہم بھی کہتے ہیں کہ دس مسلمان بچوں کو لکھائی کی تعلیم کو قیدیوں کا فدیہ
قرار دینا تاریخ میں پہلی جہالت مکاؤ تحریک تھی جس میں اسلام تمام دیگر
اقوام اور ادیان سے سبقت لے گیا۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حکم بن سعید
بن عاص نے رسول (ص) خدا کے پاس آکر اپنے نام کے متعلق پوچھا تو
آپ (ص) نے اس کا نام بدل کر عبداللہ رکھا اور اسے حکم دیا کہ مدینہ جاکر
لوگوں کو لکھنا سکھائے (1) اور یہ بات ایسے زمانے میں اسلام میں علم کی
اہمیت کی انتہا کو بیان کرتی ہے جب اس وقت کی ایران جیسی دنیا کی بڑی
طاقتیں اپنے درباری اور حکومتی افراد کے علاوہ ہر کسی کو بڑے زور و
شور سے حصول علم سے منع کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے ایک بہت
بڑے تاجر نے قیصر روم سے انوشیروان کی جنگ کے تمام لازمی اخراجات
اس شرط پر اپنے ذمہ لینے کی پیشکش کی کہ اس کے بیٹے کو حصول علم
کی اجازت دی جائے (2)۔ بلکہ بعض عربی قبیلے تو لکھنے پڑھنے سے
آشنائی کو اپنے لئے عیب سمجھتے تھے (3)۔ اس کی طرف ہم نے اس
سیرت کی بحث کے مقدمہ میں اشارہ کر دیا تھا۔ شائقین وہاں مراجعہ
فرمائیں۔

بہر حال اسلام ان نازک حالات اور مشکل لمحات میں بھی دس مسلمان بچوں

کو تعلیم دینے کے بدلے میں اپنے سخت ترین دشمنوں کو بھی آزاد کرنے آیا _ حالانکہ وہ ان قیدیوں سے فدیہ بھی لے سکتا تھا یا خود ان سے مسلمانوں کے مشقت والے کام کرائے جاسکتے تھے بلکہ وہ انہیں قریش پر سیاسی دباؤ کا ذریعہ بھی بنا سکتے تھے۔ اور یہ کام اس نئے جنم لینے والے معاشرے کے لئے نہایت ضروری بھی تھے جسے دوسرے معاشرے دھتکارنے اور تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے جبکہ اس نئے معاشرے کو اپنی زندگی ، بقائے، اسلامی حکومت کے قیام اور آسمانی تعلیمات کے نشر و اشاعت کے لئے جنگوں سے بھر پور ایک طویل اور پر مشقت راستہ طے کرنا تھا۔

1)نسب قریش مصعب زبیری ص 174 و الاصابہ ج 1 ص 344 از نسب قریش۔

2)خدمات متقابل اسلام و ایران ص 283 ، 284 و 314 نیز ملاحظہ ہو ص 310 از شاہنامہ فردوسی ج 6 ص 258 تا 260۔

3)الشعر والشعراء ص 334 والتراتب الاداریہ ج 2 ص 248۔

366

قیدیوں سے سلوک

یہاں قابل ملاحظہ ہے کہ جن مسلمانوں نے کل مشرکوں سے سختیاں اور تلخیاں چکھی تھیں وہ آج اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرچکے تھے اور جن لوگوں نے کل انہیں اذیتیں دی تھیں ، در بدر کیا تھا، تمام مال و اسباب چھین لیا

تھا اور قطع رحمی کی تھی وہ آج انہی کے ہاتھوں ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کی ہمدردی کے محتاج ہو گئے تھے، تو آپ لوگوں کے خیال میں وہ مسلمانوں سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھ سکتے تھے؟ یا مسلمان ان سے کس قسم کا اور کس طرح کا بدلہ لیتے؟ توقعات اور خیالات تو ذہن میں بہت سے آسکتے ہیں لیکن مسلمانوں نے ان تمام توقعات کے برخلاف ان سے کسی قسم کا بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس فرصت سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ بلکہ ان کے عظیم رہنما (حضرت محمد مصطفیٰ (ص)) کی طرف سے صرف ایک جملہ صادر ہوا کہ قیدیوں سے ہر ممکن اچھا سلوک کرو۔ اور مسلمانوں نے بھی اس حکم کی پیروی کی اور انہوں نے قیدیوں کو اپنے مال و اسباب تک میں شریک کر لیا۔ حتیٰ کہ بعض تو ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا کھانا تک بھی قیدیوں کو کھلا دیتے تھے (1)

سودہ کا آنحضرت (ص) کے خلاف قیدیوں کو بھڑکانا

یہاں قابل تامل اور تعجب بات یہ ہے کہ بے (آنحضرت (ص) کی زوجہ) ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ مشرک قیدیوں کو آنحضرت (ص) اور مسلمانوں کی خلاف بھڑکاتی رہی۔ اور واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب بدر کے قیدیوں کو مدینہ لایا گیا اور سودہ نے سہیل بن عمرو کورسی کے ساتھ پس گردن بندھے ہاتھوں سے گھر کے ایک کونے میں دیکھا تو کہتی ہے کہ " بخدا جب میں نے

ابویزید کو اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں آپ سے باہر ہو کر کہنے لگی: "او ابویزید تم لوگوں نے اپنے ہاتھ ان کے آگے جوڑ دیئے؟ کیا تم شرافت کی موت نہیں

1) ملاحظہ ہو : طبری ج 2 ص 159 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 131 ، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 299 و ص 300 المغازی واقدی ج 1 ص

119 و تاریخ الخميس ج 1 ص 388_

367

مرسکتے تھے؟" اور خدا کی قسم مجھے اس وقت ہوش آیا جب گھر کے اندر سے مجھے سول (ص) خدا کی آواز سنائی دی۔ آپ (ص) فرما رہے تھے: "سودہ کیا تو انہیں خدا اور رسول (ص) خدا کے خلاف بھڑکانا چاہتی ہے؟" جس پر میں نے آنحضرت (ص) سے عرض کیا: "یا رسول اللہ (ص) آپ (ص) کو برحق نبی بنا کر بھیجنے والی ذات کی قسم جب میں نے ابویزید کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا اور جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا " (1)۔ اور بعض دستاویزات میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ سودہ کا اپنی زندگی میں آنحضرت (ص) کے ساتھ رویہ اکثر و بیشتر منفی رہا ہے حتیٰ کہ یہ بھی ملتا ہے کہ آنحضرت (ص) اسے طلاق دینے پر بھی آمادہ ہو گئے لیکن اس نے

آپ(ص) کو واسطہ دے دے کر دوبارہ رجوع کرنے پر راضی کیا اور اپنے حصے کے دن اور رات سے بھی عائشہ کے حق میں دست بردار ہوگئی کیونکہ عائشہ ہر وقت اس کی تعریف کیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ سودہ سے زیادہ مجھے کوئی بھی شخص زیادہ عزیز نہیں ہے۔ میرا تو دل کرتا ہے کہ سودہ کے جسم (روایت میں کینچلی کا لفظ آیا ہے) میں میری روح سماجاتی ... (2)

(1) البدایہ والنہایہ ج3 ص 307

(2) الاصابہ ج4 ص 338 و دیگر کثیر منابع۔

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

369

چوتھی فصل: جنگ بدر کا اختتام

371

اہل بدر بخشے ہوئے ہیں

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب آنحضرت(ص) فتح مکہ کے لئے تیار یوں میں مصروف تھے تو حاطب ابن ابی بلتعہ نے ایک خط میں مکہ والوں کو اس بات سے خبردار کرنا چاہا۔ اس نے وہ خط ایک عورت کو دیا تا کہ وہ اسے ان تک پہنچادے۔ لیکن جبرائیل (ع) نے آنحضرت(ص) کو یہ بات بتادی اور آپ(ص) نے حضرت علی (ع) کو ایک اور آدمی کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان " روضہ خاخ (باغ خاخ) نامی ایک جگہ بھیجا تا کہ وہ اس عورت سے وہ خط لے آئیں۔ انہوں اسی جگہ پر اس عورت کو جالیا اور اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس کے سامان سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا جس کی وجہ سے وہ واپس جانے لگے تو حضرت علی (ع) نے کہا: " بخدا ہم لوگوں نے کبھی جھوٹ بولا ہے نہ ہمیں کبھی کوئی جھوٹی بات بتائی گئی ہے " آپ(ع) نے نیام سے تلوار نکال کر لہراتے ہوئے اس عورت سے کہا: " وہ خط نکالو وگرنہ بخدا میں تمہاری گردن اڑادوں گا" جب اس نے آپ (ع) کی از حد سنجیدگی کا مشاہدہ کیا تو اپنی چوٹی سے وہ خط نکال کر آپ (ع) کو دے دیا۔ حضرت علی (ع) نے وہ خط لے کر آنحضرت(ص) کی خدمت میں جا کر پیش کیا۔ آنحضرت(ص) نے بھی حضرت علی (ع) کو حاطب کی طرف بھیجا اور اس سے اس خط کی بابت پوچھا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا: " میرے رشتہ دار مکہ میں رہتے ہیں اور مجھے مشرکوں سے ان کی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو میں نے یہ کام کر کے مشرکوں کو اس کام سے روکنا چاہا تھا" اور آنحضرت (ص) نے بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس کا عذر

قبول

کر لیا۔

لیکن عمر بن خطاب نے دل میں سوچا کہ حاطب نے خدا اور رسول (ص) کے ساتھ خیانت کی ہے اس لئے اس نے رسول (ص) خدا سے اس کی گردن مارنے کا مطالبہ کیا۔ جسے سن کر آنحضرت نے اس سے فرمایا: " کیا وہ

بدری

372

صحابی نہیں ہے؟ شاید (یا یقیناً) خدا بدریوں کے دلی حالات بخوبی جانتا ہے " پھر آپ (ص) نے بدریوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: " جو جی میں آئے کرو کہ جنت تمہارے اوپر واجب ہو چکی ہے (یا تمہیں بخش دیا گیا ہے) (1)۔ " حلی اس بارے میں کہتا ہے: " اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل بدر سے کوئی کبیرہ گناہ بھی ہو جائے تو انہیں اس کے لئے کسی توبہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ جب بھی مریں گے بخشے ہوئے اس دنیا سے جائیں گے۔ اور آنحضرت (ص) کا فعل ماضی میں یہ خبر دینا اس کے تحقق میں مبالغہ کی علامت ہے (یعنی وہ یقیناً ہر صورت میں بخشے ہوئے مریں گے) البتہ یہ معاملہ صرف ان کے آخرت کی بہ نسبت ہے، ان کی دنیا کی بہ نسبت ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں انہیں سزائیں ملیں گی، اسی لئے جب عہد عمر میں قدامہ بن مظعون نے شراب پی تو اس پر حد جاری کیا گیا (2)

(1) ملاحظہ ہو : بخاری مطبوعہ 1309 ج 2 ص 110 و ج 3 ص 39 و ص 129 و طبع مشکول کتاب المغازی غزوه بدر و ج 9 ص 23 ،فتح الباری ج 6 ص 100 ، ج 8 ص 486 و ج 7 ص 237 از احمد ، ابوداؤد و ابن ابی شیبہ ، البدایہ والنہایہ ج 4 ص 284 و ج 3 ص 328 ، از تمام صحاح سوانے ابن ماجہ ، مجمع الزوائد ج 8 ص 303 ، ج 9 ص 303 و 304 و ج 6 ص 162 و 163 از احمد ، ابویعلیٰ و بزار ، حیاة الصحابہ ج 2 ص 463 و 364 از گذشتہ بعض ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 203 و 192 ، مجمع البیان ج 9 ص 269 و 270 ، تفسیر قمی ج 2 ص 361 ، الارشاد مفید ص 33 ، 34 و 69 ، صحیح مسلم ج 4 ص 1941 ، مطبوعہ دار احیا التراث العربی، المغازی ج 2 ص 797 و 798 اسباب النزول ص 239 ، تاریخ یعقوبی ج 2 ص 47 ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6 ص 58 و ج 17 ص 266 ، سنن ابوداؤد ج 3 ص 44 و 45 و 48 ، التبیان شیخ طوسی ج 9 ص 296 ، اسد الغابہ ج 1 ص 361 درالمنثور سیوطی ج 6 ص 203 ، تاریخ اسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 93 ، 439 و 440 السنن الكبرى ج 9 ص 146 ، سیرہ نبویہ ابن بشام ج 4 ص 39 و ص 41 ، دلائل النبوه بیہقی ج 2 ص 421 و 422 الجامع الصحیح ج 5 ص 409 و ص 410 ، مسند شافعی 316 ، الطبقات الكبرى ج 2 ص 97 ، تفسیر فرات الکوفی ص 183 ص 184 ، لسان العرب ج 4 ص 557 ، المبسوط شیخ طوسی ج 2 ص 15 ، تاریخ الامم والملوک ج 3 ص 48 و 49 ، المناقب ابن شہر آشوب ج 2 ص 143 و 144 ، کنز العمال ج 17 ص 59 ، تہذیب تاریخ دمشق ج 6 ص 371 ، بحار الانوار مطبوعہ بیروت ج 72 ص 388 و ج 21 ص 125 ، 119 ، 120 ، 136 ، 137 و طبع سنگی ج 8 ص 643 از الارشاد شیخ مفید ، اعلام الوری ، تفسیر قمی و تفسیر فرات الکوفی ، عون المعبود ج 7 ص 310 ، 313 الدرجات الرفیعہ ص 336 ، زاد المعاد ابن قیم ج 3 ص 115 ، عمدۃ القاری ج 14 ص 254 ، تاریخ الخمیس ج 2 ص 79 ، ترتیب مسند شافعی ج 1 ص 197 ، المحلی ج 7 ص 333 ، الجامع لاحکام القرآن ج 18 ص 50 و ص 51 ، احکام القرآن جصاص ج 5 ص 325 ، جامع البیان ج 28 ص 38 تا ص 40 ، الکامل فی التاریخ ج 2 ص 242 ، کشف الغمہ اربلی ج 1 ص 180 الاصابہ ج 1 ص 300 ، البربان فی تفسیر القرآن ج 4 ص 323 ، الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 5 ص 500 و ص 501 ، تفسیر الصافی ج 5 ص 161 ، نہج السعاده ج 4 ص 28 ، معجم البلدان ج 2 ص 335 ، الموابب اللدنیہ ج 1 ص 149 ، بہجۃ المحافل ج 1 ص 188 و 400 المصنف ابن ابی شیبہ ج 15 ص 69 ، تفسیر ثعالبی ج 4 ص 298 و منہاج البراعہ ج 5 ص 106 (مؤخر الذکر کتاب کا اردو ترجمہ بھی میرے والد محترم کے قلم سے منظر عام پر آ رہا ہے مترجم)۔

(2) حد ايک فقہی اور شرعی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ (قتل کے علاوہ) ایسا جرم جس کی سزا کی حد شریعت میں مقرر کی

گئی ہو مقرر نہ ہو تو تعزیرات جبکہ قتل یا اس جیسے معاملے میں بدلے کو قصاص اور اس کی قیمت کو دیت کہتے ہیں۔

373

حالانکہ وہ بھی بدری صحابی تھا" حلبی نے یہ بھی کہا ہے: " کتاب خصائص الصغری میں شرح جمع الجوامع سے منقول ہے کہ دوسروں کے فسق کا موجب بننے والے افعال کے ارتکاب سے کوئی بھی صحابی فاسق نہیں ہوگا " (1)

اسی طرح آنحضرت(ص) سے یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ جنگ بدر میں شرکت کرنے والا کوئی بھی شخص ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا (2)۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ :

اس صورت میں تو اگر کوئی بدری (بلکہ کوئی بھی) صحابی شراب پیتا رہے ، کسی سے بلکہ محارم سے زنا بھی کرتا رہے نماز ترک کر دے، کسی بھی واجب پر عمل نہ کرے اور کسی بے گناہ کو قتل کر دے (جیسا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں انہوں نے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کیا تھا نیز دسیوں بے گناہوں کو چوری چھپے، دن دیھاڑے، دھوکے سے یا قید کر کے قتل کیا گیا تھا)۔ غرض کوئی بھی کبیرہ گناہ ان سے نہ چھوٹنے پائے تب بھی انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ وہ ان کے فاسق ہونے کا باعث نہیں ہوں گے۔ وہ نہ

تو کسی سزا کے مستحق ہوسکتے ہیں اور نہ انہیں ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنے کی کوئی ضرورت ہے _
 یہ بھی کہتے چلیں کہ اس صورت میں عبداللہ بن ابی کو بھی بخشا ہوا ہونا چاہئے _ کیونکہ بعض روایتوں کے مطابق اس نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا(3) _

اور اگر اہل بدر کے بارے میں یہ باتیں صحیح ہوں تو پھر بدریوں پر کسی فریضے کی پابندی اور احکام شریعت کے وجوب کا پھر کوئی معنی نہیں رہتا _ تو پھر وہ اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈال کر کیوں تھکائیں ؟ جبکہ انہیں جنت کی ضمانت دی گئی ہے بلکہ وہ حاصل ہوچکی ہے _ اب انہیں دنیاوی زندگی اور اس کی لذتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے چاہے وہ حلال ہوں یا حرام پھر اس میں کوئی فرق نہیں رہے گا _

1)سیرہ حلبیہ ج 2 ص 203 و 204 نیز ملاحظہ : بو فتح الباری ج 7 ص 237 و 238 _

2) فتح الباری ج7ص 237 اور اس کی سند مسلم کے معیار کے مطابق صحیح ہے _

3)سیرہ حلبیہ ج1 ص 335 _

فرقوں سے حضرت علی (ع) کی جنگ کے متعلق رسول (ص) خدا کے برحق فرامین اور پیشین گوئیوں کو ان لوگوں نے جان بوجھ کر طاق نسیان کے سپرد کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ حضرت علی (ع) کی ان سے جنگ اور ان کا قتل ، خونریزی میں ان کی جرات ، بے باکی اور جسارت کی وجہ سے تھا اور اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ انہوں نے یہ سن رکھا تھا کہ خدا نے اہل بدر کو کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں انہیں کوئی سزا نہیں ملے گی (1)؟

لیکن پھر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بدریوں کو دنیا میں کیوں سزا ملے گی ؟ جبکہ خود رسول (ص) خدا نے عمر بن خطاب کو مشرکوں پر مسلمانوں کا راز برملا کرنے کی کوشش کر کے خدا اور رسول (ص) سے خیانت کے مرتکب ہونے والے حاطب کو یہ کہہ کر سزا دینے سے منع کر دیا تھا کہ یہ اہل بدر سے ہے ؟ _ جب خدا نے بدریوں کو ہر چیز سے معاف کر رکھا ہے تو انہیں دنیا میں کیوں سزا ملے گی ؟ کیا اس صورت میں انہیں سزا دینا بلا سبب نہیں ہوگا؟ جب وہ کسی گناہ یا غلطی کے مرتکب ہوتے ہی نہیں تو پھر انہیں سزا کیسی؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب حلبی نے دیکھا کہ عمر ، قدامہ پر حد جاری کر رہے ہیں تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ بدریوں کو دنیاوی سزا معاف نہیں ہوئی _ اور اگر عمر کا یہ واقعہ نہ ہوتا تو ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے کہ رسول (ص) خدا کے حاطب کی سزا معاف کرنے کو دلیل بنا کر ان کی دنیاوی سزا

بھی معاف کردی جاتی اور چونکہ انکی فقہ اور شریعت کے احکام کا دارومدار جناب عمر کی ذات ہے اس لئے ضروری تھا کہ رسول (ص) خدا کے قول ، فعل اور تقریر (2) یعنی سنت رسول (ص) کو نظر انداز کر کے جناب عمر کے افعال و اقوال پر احکام شریعت کی بنیاد رکھی جاتی (اور اس کے مطابق سنت رسول (ص) کی توجیہ کی جاتی) حلبی نے یہ سارے احکام آپ (ص) کی اس حدیث شریف سے اخذ کئے ہیں جس میں " شاید" کا لفظ آیا ہے _ کاش کسی طریقے سے مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ اگر اسے ایسی حدیث مل جاتی جس میں قطعیت کے ساتھ ان کی مغفرت کا ذکر ہوا ہے تو وہ اس سے کتنے احکام استنباط کرتا؟

1) ملاحظہ ہو : صحیح بخاری ج 9 ص 23 طبع مشکوٰۃ ، فتح الباری ج 7 ص 238 ، الغارات ج 2 ص 568 و 569 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 ص 100_ اور چاہے وہ رسول (ص) کی اپنی دختر کو اذیت بھی کرتے رہیں انہیں کچھ نہیں ہوگا _

2) تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرت (ص) کے سامنے کوئی فعل انجام دے یا کوئی بات کرے اور آپ (ص) کے سامنے اور کوئی رکاوٹیں بھی نہ ہوں اور آپ (ص) اسے منع نہ فرمائیں تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ (ص) اس عمل پر راضی ہیں اور یوں وہ عمل ایک شرعی حکم کی حیثیت حاصل کر جاتا ہے _

375

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل بدر کے لئے مغفرت والی حدیث میں (اگر صحیح

بھی مان لیں تو) یقیناً "اعملوا ماشئتم" (جو جی میں آئے کرو) کا جملہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ان کی بخشش ان کے سابقہ گناہوں کی بہ نسبت ہوگی۔ اور اگر اس میں یہ فقرہ ہوگا بھی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ "اپنے اعمال کا از سر نوجائزہ لو کہ تمہاری سزا و جزا کا دارومدار تمہارے آئندہ کے اعمال ہوں گے" یہ مطلب نہیں ہوگا کہ ان کے آئندہ کے بھی تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ لیکن اگر اس حدیث میں "اعملوا ماشئتم" کا فقرہ موجود ہوتا اور اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تمہارے آئندہ کے بھی تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو اس حدیث اور اس بات کو دلیل بناکر قدامہ عمر پر اعتراض کرسکتا تھا تا کہ اس حد سے چھٹکارا پاسکے۔ نیز وہ حاطب کے ساتھ رسول (ص) خدا کے موقف کو بھی بطور دلیل پیش کرسکتا تھا۔ بلکہ خود عمر پر بھی اتنے واضح اور مشہور نبوی(ص) حکم کی مخالفت بھی نہایت دشوار ہوتی (1) اس کے علاوہ نبی (ص) کریم سے مذکورہ فقرہ منسوب کرکے اس کی نشر و اشاعت زیادہ تر سیاسی مفادات کے پیش نظر کی گئی۔ اس لئے پختہ احتمال یہی ہے کہ اس حدیث کو مذکورہ معنی میں پھیلانے میں سیاست کا ہاتھ تھا۔

اہل بدر سے بھی افضل لوگ ؟

تاریخ میں ملتاہے کہ سعد بن ابی وقاص جنگ مدائن میں اپنے لشکر کو اہل بدر سے افضل قرار دیتے ہوئے کہتاہے: "بخدا یہ لشکر امین ہے۔ اور اگر اہل بدر کے متعلق انتہائی باتیں نہ ہوچکی ہوتیں تو خدا کی قسم میں یہ کہتا کہ

یہ لشکر اہل بدر سے بھی بافضیلت ہے کیونکہ بدریوں سے ناقابل بیان کثرت سرزد ہوئے لیکن میں نے اس لشکر سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں سنی اور نہ ہی میرے خیال میں آئندہ کوئی بات ہوگی " (2) _ بلکہ کعب بن مالک تو بیعت عقبہ کی رات کو جنگ بدر اور بدریوں سے زیادہ بافضیلت قرار دیتا ہے گرچہ واقعہ بدر لوگوں میں بیعت عقبہ سے زیادہ مشہور ہے (3)

(1) عدالت صحابہ کے نظریے متعلق ملاحظہ ہو ہماری کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ والاسلام " ج 2_

(2) حیاة الصحابہ ج 3 ص 758 از تاریخ طبری ج 3 ص 138_

(3) البدایہ والنہایہ ج 5 ص 23 از بخاری ، ابوداؤد نسائی و غیرہ ، ٹکڑے ٹکڑے اور اختصار کے ساتھ ، ترمذی نے اس کا کچھ حصہ نقل

کیا ہے ، بیہقی ج 9 ص 33 ، حیاة الصحابہ ج 1 ص 475 از گذشتہ منابع واز الترغیب والترہیب ج 4 ص 366_

376

یہ تو ان کے نزدیک جنگ بدر کی شان اور وقعت ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے بدریوں کے علاوہ کسی اور کے لئے جنت واجب نہیں کی ہے _ کیونکہ دوسرے لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے بخشوانے اور جنت پہنچانے کی وہ کوشش کرتے یا اس دور کی سیاست اس کے اسلام ، قرآن اور انسانیت مخالف اعمال اور کردار کی توجیہ اور پردہ پوشی کرنے کی کوشش کرتی _ حالانکہ سعد بن ابی وقاص کی مذکورہ روایت کے مطابق اہل بدر میں

سے بعض ایسے بھی تھے جن سے ایسے ایسے ناقابل بیان برے کرتوت سرزد ہوئے جن کی وجہ سے ان کی شان اور قدر گھٹ گئی تھی اور اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گیا تھا۔ اور سعد بن ابی وقاص اس بات میں سچا بھی ہے کیونکہ اکثر بدریوں سے ایسے ایسے عجیب و غریب کرتوت سرزد ہوئے جو ناقابل بیان بھی ہیں اور یہاں ان کے بیان کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

ابن جوزی اور بدریوں کے مغفرت والی حدیث

بدریوں کے مغفرت والی حدیث پر ابن جوزی نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ بھی نہایت تعجب خیز ہے۔ وہ لکھتا ہے: " اس غلط فہمی سے اور وہ بھی علم کا دعویٰ کرنے والے افراد کی طرف سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ احمد نے اپنی کتاب مسند میں روایت کی ہے کہ ابو عبدالرحمن سلمیٰ اور حیان بن عبداللہ کا آپس میں جھگڑا ہو گیا تو ابو عبدالرحمن نے حیان سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ کس بات نے تمہارے بزرگ (یعنی حضرت علی (ع)) کو اس جنگ پر تیار کیا ہے۔ حیان نے پوچھا کہ وہ کونسی بات ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ رسول (ص) خدا کا یہ فرمان ہے کہ " شاید خدا اہل بدر (کے دلوں کے حال سے واقف ہے۔ جو جی میں آئے کرو کہ تمہیں بخش دیا گیا ہے "۔ اور یہ غلط فہمی ابو عبدالرحمن کی تھی کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت علی (ع) صرف اس لئے لڑ رہے تھے اور لوگوں کو قتل کر رہے تھے کہ اس مذکورہ حدیث کی وجہ سے انہیں اپنے بخشے جانے کا یقین تھا۔ سب سے

پہلے تو یہ جاننا چاہئے کہ حدیث کا اصل معنی یہ ہے کہ " تمہارے گذشتہ اعمال جو بھی تھے ، اب انہیں بخش دیا گیا ہے " لیکن آئندہ کے اعمال کی بخشش کا اس حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بہر حال بدری اصحاب معصوم تو پھر

377

بھی نہیں ہیں۔ بالفرض نعوذ باللہ اگر کوئی بدری مشرک ہو جائے تو کیا اس کا مؤاخذہ (پکڑ) نہیں ہوگا؟ دوسرے گناہ بھی اسی طرح ہیں ، ان کی بھی پکڑ ہوگی۔ پھر اگر یہ کہیں کہ اس حدیث میں آئندہ کے گناہوں کی بخشش بھی شامل ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آخر کار ان کا انجام بخشش کے ساتھ ہوگا (یعنی انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوگی)۔ پھر اگر حدیث کے معنی کو چھوڑ کر اس واقعہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ کوئی مسلمان حضرت علی (ع) کے حق میں یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ وہ اس یقین کے ساتھ کوئی ناجائز کام کریں گے کہ وہ بخش دیئے جائیں گے؟ معاذ اللہ۔ بلکہ حضرت علی (ع) نے دلائل کے ساتھ مجبورا جنگ کی تھی۔ پس حضرت علی (ع) حق پر تھے۔ اور سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی (ع) نے جس شخص کے ساتھ بھی جنگ کی ہے حق کی بنیاد پر کی ہے اور حق حضرت علی (ع) کے ساتھ تھا۔ مذکورہ بات حضرت علی (ع) سے کیسے منسوب کی جاسکتی ہے جبکہ رسول (ص) خدا

نے ان کے متعلق فرمایا تھا: " خدایا حق کو بھی ادھر ہی لے جا جہاں جہاں
علی (ع) جائے۔"

ابو عبدالرحمن نے نہایت غلط اور ربری بات کہی ہے۔ اور اس نے یہ بات
حضرت علی (ع) کے دشمن اور عثمانی مذہب ہونے کی وجہ سے بھڑک
کر کہی ہے " (1)

ناکام واپسی

بہر حال ، مشرکوں کا لشکر لٹا پٹا اور نہایت بری حالت میں مکہ واپس پہنچا۔
وہ غیظ و غضب کی وجہ سے سخت بیہرے ہوئے تھے لیکن ابوسفیان نے
انہیں اپنے مقتولین پر گریہ و زاری کرنے اور شاعروں کو بھی مرثیہ کہنے
سے روک دیا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو کر جھاگ کی طرح
بیٹھ جائے، مسلمانوں کے خلاف ان کا کینہ کم ہو جائے اور ان کے غم و اندوہ
کی خبر مسلمانوں تک پہنچ جائے جس کی وجہ سے وہ انہیں برا بھلا کہہ
سکیں اور ان پر ہنس سکیں۔ اور ابوسفیان نے اپنے اوپر رسول (ص) خدا
حضرت محمد (ص) سے دوبارہ بھرپور جنگ کرنے

(1) صید الخاطر ص 385۔

تک خوشبو اور عورتوں کے ساتھ قربت حرام کر رکھی تھی۔ اور اس کی بیوی
 بندہ نے بھی یہی کام کیا۔ اس نے بھی اپنا بستر علیحدہ کر لیا تھا اور
 خوشبوؤں سے دوری اختیار کر لی تھی۔ اور جب مشرکین اس جنگ سے بے
 نیل و مرام لوٹے تو انہوں نے قافلہ والوں سے یہ مطالبہ کیا کہ انہیں بھی اس
 مال میں حصہ دار کیا جائے اور اس سے ان کی مدد کی جائے۔ جس پر یہ
 آیت نازل ہوئی:

(ان الذین کفروا ینفقون اموالہم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونہا ثم تکون علیہم
 حسرة)

کافر لوگ خدا کے راستے (دین) سے لوگوں کو روکنے کے لئے مال خرچ
 کرتے ہیں۔ وہ عنقریب پھر بھی مال خرچ کریں گے لیکن انہیں پھر بھی
 حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔
 البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت جنگ بدر میں لشکریوں کو کھانا کھلانے
 والوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اونٹ نحر کیا کرتے تھے جن کا تذکرہ
 پہلے گذر چکا ہے۔ اور شاید یہ بات آیت کے مفہوم کے زیادہ مناسب ہو۔

کامیاب واپسی

ادھر رسول (ص) - خدا نے اپنی واپسی سے پہلے آگے آگے ایک شخص کو
 مدینہ بھیجا تا کہ وہ مدینہ والوں کو مسلمانوں کی واضح کامیابی کی
 خوشخبری سنائے۔ پہلے پہل تو کچھ لوگوں نے اس پر یقین نہ کیا لیکن جب

ان کے لئے بھی ثابت ہو گیا کہ یہ بات بالکل سچی ہے تو مؤمنین بہت خوش ہوئے اور خوش دلی اور خوشحالی سے رسول (ص) خدا کا استقبال کیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ وہ خوشخبری دینے والا زید بن حارثہ تھا۔ لیکن لوگوں نے اس کی باتوں پر یقین نہیں کیا بلکہ اس کے بیٹے اسامہ سے علیحدگی میں پوچھا تو تب انہیں اس بات کا یقین ہوا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اس وقت اسامہ ایک بچہ تھا جس کی عمر اس وقت دس برس سے زیادہ نہیں تھی۔ مدینہ کے رستے میں رسول (ص) خدا کہیں مسلمانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو مسلمان وہیں رک گئے، تھوڑی دیر بعد آنحضرت (ص) حضرت علی (ع) کے ساتھ وہیں تشریف لائے۔ مسلمانوں نے آپ (ص) سے پوچھا: "یا رسول اللہ (ص) کہیں تشریف لے گئے تھے؟" تو آپ (ص) نے فرمایا: " راستے میں علی (ع) کے پیٹ میں درد ہو گیا تھا، اس

379

کی وجہ سے میں پیچھے رہ گیا تھا" (1)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ (ص) مدینہ اس وقت پہنچنے جب لوگ جناب عثمان کی زوجہ کی تدفین میں مصروف تھے البتہ اس بارے میں گفتگو انشاء اللہ بعد میں " بدر اور احد کے درمیانی زمانے میں واقعات " کی فصل میں ہو گی۔ اور آپ (ص) کے مدینہ پہنچنے کے ایک دن بعد قیدی بھی مدینہ پہنچے جنہیں آپ (ص) نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور انہیں یہ سفارش کی کہ ان

کے ساتھ اچھا سلوک کرو یہانتک کہ مکہ والے ان کا فدیہ دے کر انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ پھر آپ (ص) نے نجد کی طرف والے مدینہ کے بالائی حصے کی طرف عبداللہ بن رواحہ کو اور تہامہ کی طرف والے زیریں حصے والوں کی طرف زید بن حارثہ کو بھیجا جو انہیں جاکر واضح کامیابی کی خوشخبری سنائیں۔ مدینہ کے بالائی حصے میں بنی عمرو بن عوف، خطمہ اور وائل و غیرہ کے قبیلے بستے تھے (1)۔

جنگ بدر کے بعض نتائج

اتنی ڈھیر ساری باتوں میں جنگ کے کچھ نتائج بیان ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہم یہاں کسی طویل گفتگو کے خواہاں نہیں ہیں۔ صرف مندرجہ ذیل چند نکات کی صورت میں ایک سرسری نگاہ پر اکتفا کرتے ہیں :

1۔ زندگی سے پیار کرنے والے مشرکوں پر جنگ بدر میں روحانی لحاظ سے حقیقتاً کاری ضرب لگی۔ اور وہ حد سے زیادہ ڈرپوک ہو گئے۔ اب مشرکین یہ دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں کے ساتھ ان کی زندگی بالکل خطرے میں پڑ چکی ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی بعد والی جنگوں پر اس خوف اور ڈر کا ایک ناقابل انکار اثر پڑا۔ کیونکہ طبیعتاً ہٹ دھرم بزدل آدمی اپنی جان کی حفاظت کے ساتھ اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے حد سے زیادہ احتیاط کا قائل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر قریش اپنی بعد والی جنگوں میں بہت زیادہ احتیاط، دقت، تمرکز، تعداد اور تیاری کے ساتھ میدان

میں اترتے تھے تا کہ وہ اس تحریک کو ہی نیست و نابود کر کے

_188

ص

ج 2

حلبیہ

سیرہ

(1

(2) ملاحظہ ہو: الترتیب الاداریہ ج 1 ص 382_

380

رکھ دیں جو ان کے مفادات اور علاقے میں ان کے معاشرتی ، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور دیگر امتیازات کے لئے خطرہ بنی ہوئی تھی۔
2_ دوسری طرف اس جنگ سے مسلمان ذہنی لحاظ سے طاقتور ہو گئے۔
اور ان کی ظاہری خود اعتمادی دوبارہ لوٹ آئی اور اس غیر متوقع کامیابی نے اس چیز (یعنی جنگ) کا سامنا کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جس کے خیال اور تصور سے بھی کل تک وہ لوگ کانپتے تھے یہ کامیابی تو اتنی بڑی تھی کہ بعض انصاریوں کے لئے اس کی تصدیق تک بھی بہت مشکل تھی۔ ہاں اس کامیابی نے مسلمانوں کے ایمان ، یقین اپنے دین اور نبی پر اعتماد میں اضافہ کیا ، خاص طور پر جب مسلمانوں نے مشرکوں کو پہنچنے والے خسارے کا مشاہدہ کیا تو ان کا یقین اور اعتماد مزید بڑھ گیا۔
3_ اس جنگ سے ملنے والے مال غنیمت نے ان کے بہت سے گہرے مالی مشکلات حل کر دیئے اس کے ساتھ ساتھ لالچیونکو بھی جنگوں میں

حصہ لینے پر اکسایا بلکہ اب تو وہ اس طرح کے دوسرے موقع کے انتظار میں رہنے لگے تھے تا کہ زیادہ سے زیادہ مال غنیمت ہتھیاسکیں۔

4_ اس جنگ نے دوسروں کی نگاہ میں مسلمانوں کی ایسی دھاک بٹھادی کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات نقش ہوگئی کہ مسلمان ایک پر اثر اور فعال کردار ادا کرنے والی طاقت ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔ دوسرے قبیلے مسلمانوں سے ڈرنے لگے تھے اور ان کی دوستی کے خواہشمند نظر آنے لگے تھے۔ اب ان کے لئے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کا توڑنا نہایت مشکل نظر آ رہا تھا۔ بلکہ یہ کامیابی تو ان کے لئے دوسری کامیابیوں کی توقعات بھی ساتھ لائی تھی۔ حتیٰ کہ یعقوبی جنگ بدر کے صرف چار ماہ بعد پیش آنے والے جنگ ذی قار کے بارے میں لکھتا ہے:

" اور خدا نے اپنے نبی (ص) کو عزت بخشی اور قریش کے کئی آدمی مارے گئے اور عربوں نے آنحضرت (ص) کی طرف اپنے وفود بھیجے اور کسری کی فوج کے ساتھ بھی ان کی ٹکر ہوگئی اور یہ واقعہ ذی قار میں پیش آیا تو انہوں نے کہا کہ تمہیں تہامی (انصاریوں) کا نعرہ لگانا چاہئے جس پر انہوں نے " یا محمد (ص) ، یا محمد (ص) " پکارنا شروع کر دیا اور

381

کسری کی فوج کو شکست دے دی" (1) جس کے بعد طبعی تھا کہ یہ بات قریش کی مسلمانوں کے خلاف دوسرے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملانے کی

کوششوں پر اپنا اثر دکھاتی _ اور اس سے بہت سے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف اپنا ہم نوا بنانا اب تقریباً ناممکن ہو گیا تھا _

جنگ بدر کے نتائج سے نجاشی کی خوشی

جب جنگ بدر میں خدا نے مشرکوں کو شکست دی اور ان کے بڑوں اور سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا تو نجاشی کو بھی اپنے جاسوس کے ذریعے اس کا علم ہو گیا اور یہ خبر سننے کے بعد نجاشی بہت زیادہ خوش ہو گیا اور خدا کے اس شکرانے کی ادائیگی کے لئے وہ نیچے خاک پر بیٹھا اور بوسیدہ کپڑے پہنے اور مسلمانوں کو بھی اس کا میابی پر مبارک باد دی (2)

آخری بات:

یہاں ہم یہ اشارہ بھی کرتے چلیں کہ یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ آنحضرت (ص) نے ملے جلے اور ناتجربہ کار لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ سب سے بڑی اور سرکش طاقت سے ٹکر لے کر اس پر کامیابی حاصل کی تھی _ اور ان لوگوں کو دینی رابطے کے علاوہ اور کوئی رابطہ اور تعلق یکجا نہیں کر سکتا تھا جبکہ ان کے سامنے ایک ایسی منسجم طاقت تھی جسے رشتہ داری، تعلق داری، مختلف معاہدوں اور مشترکہ مفادات نے اکٹھا کیا ہوا تھا _ اور یہ بات غیر طبیعی ہوتی ہے کہ چند مختلف اناری لوگوں کی ایک جماعت اس طاقت پر غلبہ پالے اور کامیاب ہو جائے جس کی حالت ان لوگوں

کے بالکل برعکس ہو۔ اسی لئے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے آنحضرت (ص) سے کہا : " اگر دوسری صورت (یعنی جنگ) کی خواہش کرتے تو میں ایسے چہرے اور چند انارٹی اور ناتجربہ کار لوگ دیکھ رہا ہوں کہ جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ نکلتے (3) اور ان جیسے لوگوں کے

1) تاریخ	یعقوبی	مطبوعہ	صادر	ج 2	ص	46
1) سیرہ	نبویہ	ابن	کثیر	ج 2	ص	477
(2) المصنف ج 5 ص 335						

382

متعلق ہی حضرت علی (ع) نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ شور شرابا کرنے والے اور فسادی ہوتے ہیں ، یہ لوگ جب اکٹھے ہوتے ہیں تو نقصان پہنچاتے ہیں اور جب الگ ہوجائیں تب نفع پہنچاتے ہیں (1) اور آپ (ص) کی ان چند انارٹی اور عام لوگوں کے ساتھ بہت بڑی طاقت سے جنگ صرف ایک دفعہ نہیں ہوئی تھی کہ یہ کہا جاتا کہ یہ محض اتفاقیہ کامیابی تھی جو بعض استثنائی حالات اور عوامل کے تحت حاصل ہوئی تھی بلکہ یہ صورت حال تو کئی سال تک رہی تھی اور شاید مندرجہ ذیل آیت بھی اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

(و الف بين قلوبهم لو انفقت ما فى الارض جميعا ما الفت بين قلوبهم و لكن الله
الف
بينهم)(2)

اور خدا نے ان کے دلوں میں لفت ڈال دی اگر آپ (ص) دنیا کا سارا مال بھی
خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے لیکن خدا نے ان
میں محبت پیدا کر دی _

اہل بدر کے بارے میں معاویہ کا موقف

آخر میں یہ بھی کہتے چلیں کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اہل بدر کے بارے میں
معاویہ نے سیاسی موقف اپنایا تھا _ اور یہ جنگ صفین میں واقعہ تحکیم کے
وقت ہوا تھا _ جب اس نے ایک بدری صحابی کو حکم (تام الاختیار نمائندہ)
ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا: " میں اہل بدر کے کسی شخص کو حکم
نہیں مانتا" (3) اور شاید یہ انکار اس وجہ سے ہو کہ وہ یہ جانتا تھا کہ اہل بدر
کی اکثریت شرعی احکام کی پابند ہے ، وہ خدا کی راہ میں پختہ ہیں اور دین
میں کسی معاملے اور دھوکہ بازی کو قبول نہیں کریں گے _
اور بدر اور احد کے درمیانی زمانے کے واقعات پر گفتگو سے پہلے ان
بعض موضوعات کے تذکرہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جو کسی نہ کسی
لحاظ سے گذشتہ باتوں سے متعلق ہیں _ اور یہ گفتگو اگلی فصل میں ہوگی _

383

پانچویں فصل: سیرت سے متعلق چند باتیں

385

تمہید:

ہم نے قارئین سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ گذشتہ واقعات سے کسی نہ کسی لحاظ سے متعلق بعض اباحت کا بعد میں ذکر کریں گے۔ اور اب ایفائے عہد کا وقت آگیا ہے۔ البتہ یہ اباحت قارئین کی سرگرمی کے لئے پیش خدمت ہیں اور چاہے تھوڑا سا ہی سہی قارئین کو سیرت کی فضا اور سیرت کے بعد والے مختلف قسم کے واقعات سے دور لے جائیں گے تا کہ وہ ان اباحت کا دقت سے مطالعہ کرے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی قاری ان اباحت کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ہم یہاں مندرجہ ذیل چار عناوین کا تفصیلی جائزہ لینگے۔

- 1 _ شیعوں کی بعض خصوصیات _
- 2 _ جناب ابوبکر کی شجاعت _
- 3 _ ذو الشمالین کا قصہ اور نبی (ص) کریم کے سہو، خطا، نسیان اور گناہ سے اختیاری طور پر معصوم ہونے پر دلائل _
- 4 _ خمس کے شرعی حکم کا سیاست سے تعلق _

387

پہلا عنوان

شیعیان علی (ع) کی بعض خصوصیات

غزوہ بدر میں ہم نے کہا تھا کہ آنحضرت (ص) نے اپنے صحابیوں سے فرمایا تھا کہ مشرکین سے جنگ میں پہل نہ کریں _ اور ہم نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ امیر المؤمنین حضرت علی (ع) بھی اپنے اصحاب کو کسی جنگ میں پہل نہ کرنے کی تاکید کیا کرتے تھے _ مروی ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی (ع) نے اپنے صحابیوں میں یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی شخص ابھی نہ تیر پھینکے گا ، نہ نیزے سے وار کرے گا اور نہ تلوار چلائے گا _ ان لوگوں سے جنگ کی ابتدا نہیں کرو بلکہ ان کے ساتھ نہایت نرمی کے ساتھ بات چیت کرو _ سعید کہتا ہے : " دوپہر تک یہی صورتحال رہی _ یہاں تک کہ دشمنوں نے

یکبارگی " یا ثارات عثمان " کا نعرہ لگا کر یلغار کردی ... " اور حضرت علی (ع) نے جنگ صفین میں بھی یہی سفارش کی تھی (1) جی ہاں یہ حقیقت ہے کہ :

1_ یہ بات شیعوں کی علامت بن گئی _ کیونکہ وہ بھی کبھی دشمنوں سے جنگ کی ابتداء نہیں کرتے تھے _ جاحظ بانیں ہتھ کٹے کر دو یہ کے متعلق (جو ایک بہادر اور ماہر لوہار تھا اور جس پر بھی کوئی وار کرتا تھا اس کا کام ہی تمام کر دیتا تھا) کہتا ہے: " کر دو یہ اپنی معذوری اور دلیری کے باوجود شیعوں والا کام کیا کرتا تھا _ کیونکہ وہ

1) سنن بیہقی ج 8 ص 180 ، حیاة الصحابہ ج 2 ص 503 از سنن بیہقی ، تذکرہ الخواص ص 72 و ص 91 ، الفتوح ابن اعثم ج 3 ص 45 و ج 2 ص 490 ، انساب الاشراف با تحقیق محمودی ج 2 ص 240 و المناقب خوارزمی ص 183 _

388

خود کبھی بھی لڑائی شروع نہیں کرتا تھا بلکہ پہلے اس پر وار کیا جاتا تھا" (1)

2_ نبی (ص) کریم نے جنگ بدر میں ابو عزت جحمی کو قید کیا لیکن پھر اس کی بیٹیوں کی وجہ سے اس پر احسان کرتے ہوئے اسے خمس دیا اور اس سے یہ وعدہ لے کر اسے آزاد کر دیا کہ وہ نہ تو دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرے گا اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد اور حمایت کرے گا _

لیکن اس نے وہ عہد توڑ کر جنگ احد کے لئے دوسرے قبیلوں کو بھی اکٹھا کیا اور خود بھی شریک ہوا _ آخر کا رجب وہ گرفتار ہو اور معافی کا خواستگار ہوا تو آنحضرت(ص) نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور کوئی توجہ نہیں دی تا کہ کل مکہ میں وہ یہ کہتے ہوئے فخر اور غرور سے اچھل کود نہ کرے کہ اس نے (نعوذ باللہ) محمد (ص) کو دو مرتبہ دھوکا دیا اور مسخرہ کیا _ اس کی تفصیل غزوہ حمراء الاسد میں بیان ہوگی _ انشاء ا بہر حال اس بات سے آپ(ص) نے بیدار اور چالاک مؤمن کے لیے ایک بہترین مثال پیش کی کہ وہ نہ تو دھوکا کھائیں، نہ فریب اور نہ ہی ان کا کبھی مذاق اڑایا جائے _ آپ(ص) کا ایک مشہور و معروف فرمان ہے کہ "مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا" (2)

اسی طرح معاویہ نے حضرت امام حسین (ع) اور ان کے محترم والد کے بارے میں بھی یہ گواہی دی ہے کہ یہ دونوں دھوکا نہیں کھاتے _ اس نے اس بات کا اعتراف عبید اللہ بن عمر کے سامنے ان الفاظ میں کیا تھا: "(حضرت) حسین (ع) بن علی (ع) ہرگز دھوکا نہیں کھاتے اور وہ اپنے باپ کے سپوت ہیں (یعنی بالکل اپنے باپ پر گئے ہیں)" (3) اور شیعین علی (ع) (4) نے اس خصوصیت اور صفت کو اپنے آقا و مولا سے وراثت میں پائی ہے اور انہوں نے بھی اپنے سرپرست اور مربی حضرت ختمی مرتبت رسول (ص) خدا حضرت محمد مصطفی سے

- (1) البرصان والعرجان والعميان والحولان و جاحظ ص 333_
- (2) مسند احمد ج 2 ص 115 و 373 و فيض الباري ج 4 ص 396_
- (3) ملاحظه بو: الفتوح ابن اعثم ج 3 ص 57_

(4) اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعین علی (ع) یا شیعین حیدر (ع) کرار کی اصطلاح صدر اسلام سی ہی معروف تھی بلکہ شیعہ علی کے ساتھ ساتھ شیعہ معاویہ اور شیعہ عثمان و غیرہ کی اصطلاحیں بھی مشہور تھیں لیکن رفتہ رفتہ وہ اصطلاحیں معدوم ہوتی گئیں لیکن شیعین حیدر کرار نے اپنے امام سے دلی لگاؤ کی وجہ سے اس نام کو محفوظ رکھا _ اس بنا پر مولانا شرف الدین موسوی جیسے بعض لوگوں کا شیعوں کی حیدر (ع) کرار اور اثنا عشری یا دوازده امامی میں تقسیم اور ان کی اچھی بری صفات سب غلط ہیں اس کی تفصیل کسی اور مقام پر آنے گی۔

389

وراثت میں پائی تھی _ اس لئے انہیں دوسری نادر اور بلند صفات کے ساتھ ساتھ دور اندیشی اور ذہنی بیداری کے ساتھ بھی پہچانا جاتا تھا _ اپنی اس بات پر دلیل کے لئے ہم تنوخی کی یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ کوئی شخص حسن بن لو کو دھوکہ دینا چاہتا تھا اور اس کے ساتھ مکاری کرنا چاہتا تھا تو اس نے اس سے کہا : "کیا مجھ بغدادی ، باب طاقی، پڑھے لکھے ، صاحب حدیث ، شیعہ، چالاک اور سخت دشمن کو دھوکہ دینا چاہتا ہے ؟" (1)

3_ شیعہ اپنے دینی امور میں باریک بینی اور پابندی میں بھی بہت مشہور ہیں _ اسد بن عمرو " واسط" کا قاضی (جج) تھا _ وہ کہتا ہے: " مجھے واسط کا

قبلہ بہت ٹیڑھا محسوس ہوا اور تحقیقات سے مجھ پر واضح بھی ہو گیا تو میں نے اسے موڑ دیا اور صحیح کر دیا۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ رافضی ہے۔ لیکن ان سے کسی نے کہا کہ نامرادو یہ تو ابوحنیفہ کا پیروکار ہے، یہ رافضی کیسے ہو گیا؟ " (2)۔

اسی کتاب کی پہلی جلد میں بتاچکے ہیں کہ جاحظ نے کہا تھا کہ بنی امیہ نے واسط کا قبلہ تبدیل کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے خیال میں قبلہ کی تبدیلی ان کی بہت بڑی غلطی تھی (3)۔

اور ہم نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ بنی امیہ نے بظاہر قبلہ کا رخ بیت المقدس کی طرف موڑ دیا تھا۔ کیونکہ عبدالملک نے "صخرہ" پر ایک قبہ (گنبد) تعمیر کیا تھا اور لوگوں کو اس کے حج کا حکم دیا تھا نیز اس کے گرد طواف، سعی، نحر اور حج کے دیگر مناسک کا بھی حکم دیا تھا۔ اور ہم نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ صرف عراقیوں کے لئے قبلہ (خانہ کعبہ) سے تھوڑا سا بائیں موڑنے کا استحباب بھی اسی وجہ سے ہونا اور اس حکم کا وقتی ہونا زیادہ قرین قیاس لگتا ہے۔ تا کہ اس ظالم و جابر اور غاصب حکومت کے مقابلے میں مومنین زیادہ تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔

4۔ شیعہ اپنی عورتوں کے معاملے میں بہت زیادہ غیرت (4) کے لحاظ سے بھی مشہور تھے۔

اسی لئے زکریا قزوینی مدائن والوں کے بارے میں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے: "مدائن کے لوگ کاشتکار اور

- (1) نشوار المحاضرات ج 5 ص 13 و ص 14 والمنتظم ابن جوزی ج 7 ص 140_
- (2) تاریخ بغداد ج 7 ص 16 و نشوار المحاضرات ج 6 ص 36_
- (3) رسائل الجاحظ ج 2 ص 16 نیز ملاحظہ ہو اسی کتاب کی پہلی جلد_
- (4) البتہ اس غیرت میں طالبانی تشدد کا عنصر نہیں ہوتا تھا، بلکہ صحیح مذہبی شیعہ عورتوں کی ذہنیت ہی یہی ہوتی ہے۔

390

شیعہ امامیہ ہیں اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ ہے کہ ان کی عورتیں دن میں کبھی باہر نہیں نکلتیں " (1)

اور یہ صفت آج بھی ایران کے بعض شہروں میں موجود ہے۔ بعض اہل علم حضرات نے مجھے کہا ہے کہ تبریز شہر کے ذیلی قصبہ خسرو شاہ میں دن میں کبھی کوئی عورت نہیں دکھائی دے گی شاید اکاد کا کوئی نظر آجائے تو آجائے وگرنہ نہیں ہے۔ اور یہ کام وہ اپنی آفاذی حضرت بی بی فاطمہ الزہرا (س) کی پیروی میں کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی کسی دینی سیاسی معاملے اور حق کے اثبات جیسے کسی نہایت ضروری کام کے علاوہ دن کو باہر بالکل نکلتی ہی نہیں تھیں۔ (2)

5۔ حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھی اس بات میں مشہور تھے کہ وہ حاکموں اور دولت مندوں پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے اور ان پر چڑھائی

کردیا کرتے تھے اور اس بات کو وہ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے(3)۔ اور یہی تو شیعہ مذہب کی صفت اور شیعوں کا عقیدہ ہے جبکہ دوسرے اس معاملے میں خاموشی اور اطاعت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

6۔ حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ وہ صحیح معنوں میں کٹر مذہبی افراد تھے (4) یعنی دین کے معاملے میں ہ بہت سخت تھے۔ حتیٰ کہ یہی بات ان پر تنقید کا باعث بنتی تھی۔

7۔ شیعوں پر حکام کے ظلم و جبر اور استبداد کے باوجود بھی بغداد میں شیعہ خوشحال تھے (5)۔ بظاہر ان کی خوشحالی اس وجہ سے تھی کہ وہ حکام کے استبداد اور غصب کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے۔ پس وہ ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کیا کرتے تھے، مشکلات حل کیا کرتے تھے اور معاملات نبٹا دیا کرتے تھے۔

1) آثار البلاد و اخبار العباد ص 453۔

2) اور آج کل ایران کی صورتحال تو نہینمعلوم لیکن بر صغیر پاک و ہند کی صحیح معنوں میں مذہبی اور دین دار خواتین آج بھی کسی

ضروری کام کے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں رکھتیں۔

3) البدایہ والنہایہ ج 8 ص 54 از ابن جریر و غیرہ۔

4) ایضاً۔

5) احسن التقاسیم ص 41۔

8_ اچھی شہرت بھی شیعوں کی ایک خصوصیت تھی (1) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سلوک نہایت بہترین نیز کردار اور تعلقات و غیرہ بھی اسلامی تقاضوں کے عین مطابق معتدل تھے۔

9_ شیعوں کی ایک خصوصیت نماز کی اول وقت میں پابندی بھی ہے۔ اور اس بات پر مامون کا یحییٰ بن اکثم کے ساتھ ایک واقعہ بھی دلالت کرتا ہے جس کے آخر میں مامون نے یحییٰ بن اکثم سے کہا تھا: "شیعہ تو مرجئہ سے بھی زیادہ نماز کو اول وقت میں پڑھنے کے پابند ہیں" (2) لیکن دوسرے لوگوں کے بارے میں امام مالك، قاسم بن محمد کا یہ قول روایت کرتا ہے کہ میں نے ان لوگوں کو ہمیشہ ظہر کی نماز مغرب کے نزدیک نزدیک پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (3) اور جاحظ کہتا ہے: "اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کو تباہ نہیں کیا قبلہ تبدیل نہیں کیا، رسول (ص) کو خلیفہ سے کم تر نہیں سمجھا، اصحاب کو قتل نہیں کیا اور نماز کے اوقات اور تعداد میں تبدیلی بھی نہیں کی" (4)

10_ علم اور فقہ بھی شیعوں کی خصوصیات میں سے ہیں۔

11_ مہربانی اور سخاوت بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے۔ اس بارے میں ایک واقعہ ذکر ہوا ہے کہ جن دنوں عبداللہ بن زبیر مکہ میں تھا ان دنوں عبداللہ بن صفوان نے عبداللہ بن زبیر کے پاس آکر کہا: "میری حالت اس شعر

کی طرح ہورہی ہے :

فان تصبک من الایام جائحة

لا ابک منک علی دنیا ولا دین

اگر کبھی تم پر زمانے کی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو دین اور دنیا پر تم سے زیادہ

رونے والا کوئی اور نہیں ہوگا۔

(1) ایضا -

(2) الموفقیات زبیر بن بکار ص 134 و ملاحظہ ہو : عصر الامون ج 1 ص 445۔

(3) موطا امام مالک (مطبوعہ با تنویر الحوائک) ج 1 ص 27۔

(4) آثار الجاحظ ص 305، اس بات سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ لوگ اپنے اموی بادشاہوں سے کتنے متاثر تھے۔

392

تو اس نے کہا : " ہوا کیا ہے لنگڑے بتاؤ تو؟ " اس پر اس نے کہا : " یہ عبداللہ

بن عباس لوگوں کو علم فقہ کی تعلیم دے رہا ہے اور اس کا بھائی عبیداللہ

بھوکوں کو کھانا کھلا رہا ہے۔ دونوں کام تو وہ کر رہے ہیں۔ تمہارے لئے اب

کیا رہ گیا ہے؟ " اس نے یہ بات ذہن نشین کر لی اور اپنی پولیس کے ایک

سپاہی عبداللہ بن مطیع کو یہ کہہ دونوں بھائیوں کے پاس بھیجا کہ عباس کے

دونوں بیٹوں کے پاس جا کر ان سے کہو : " جس ترابی (شیعیت کے) جھنڈے کو خدا نے سرنگوں کر دیا تھا اسے پھر تم لوگ دوبارہ لہرانے پر لگے ہو؟ اپنا یہ مجمع متفرق کرو اور بوریہ بستر سمیٹو وگرنہ میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ یادگار رہے گا" اس نے جب یہ پیغام جا کر پہنچایا تو ابن عباس نے کہا : " تیری ماں تیرے غم میں روئے بخدا ہمارے پاس صرف دو قسم کے لوگ آتے ہیں یا تو طالب علم و فقہ ہوتے ہیں یا پھر طالب فضل و بخشش _ تو کسے ہمارے یہاں آنے سے روکنا چاہتا ہے ؟" تو اس موقع پر ابوظیفیل نے کہا :

لا	درّ	درّ	اللیالی	کیف	تضحکنا
منہا	خطوب	اعاجیب	و	تبکینا	
و	مثل	ما	تحدث	الایام	من غیر
یا	ابن	الزبیر	عن	الدنیا	تسلینا
کنا	نجی	ابن	عباس	فیعبسنا	
علماً	و	یکسبنا	اجرا	و	یہدینا
جفانہ	مطعما	ضیفا	و	مسکینا	
فالبر	والدین	و	الدنیا	بدارہما	
و	لا	یزال	عبید	اللہ	مترعہ
ننال	منہا	الذی	نبغی	اذا	شین

ان النبي هو نور الذي كسفتبه
 عما يات باقينا و ما ضينا
 و ربطه عصمة في ديننا و لهم
 فضل علينا و حق واجب فينا
 و لست فاعلمه اولى منهم رحماً
 يا ابن الزبير و لا اولى به دينا
 ففيم تمنعهم عنا و تمنعنا
 عنهم و تؤذيهم فينا و تؤذينا
 لن يؤتى الله من اخزى ببيغضهم
 في الدين عزاوفى الارض تمكيناً(1)

(1) الاغانى طبع ساسى ج 13 ص 168 نيز انساب الاشراف ج 3 ص 32_

393

اے ابن زبير تمہارا برا ہوا اور کبھی چین سے رات نہ گذرے تمہارے عجیب
 و غریب مطالبے ہمیں ہنساتے بھی ہیں اور راتے بھی ہیں _ کبھی تمہیں بھی
 یہ دن دیکھنے پڑیں گے جس طرح روزگار نے ہمارے ساتھ ستم کیا ہے اور
 ہماری تسلی کا سامان بھی فراہم نہیں کیا _ ہم عبداللہ ابن عباس کے پاس کسب

علم کے لئے جایا کرتے تھے اور وہ بھی ہمارے لئے علم کی شمع جلاتے تھے، ہمیں ثواب کمانے کا موقع دیتے تھے اور ہماری ہدایت کرتے تھے۔ اور مہمانوں اور مسکینوں کو کھلانے پلانے کے لئے عبیداللہ کے برتن ہر وقت بھرے ہوئے اور تیار رہتے تھے۔ اس بنا پر احسان، دین اور دنیا سب کچھ ان دونوں کے گھروں میں جمع ہو گیتھا اور ہم جب بھی جتنا بھی اور جو کچھ چاہتے تھے ہمیں یہیں سے مل جایا کرتا تھا۔ نبی (ص) کریم ایسا نور ہیں جن کے ذریعہ ہمارے اگلوں پچھلوں کی آنکھیں منور ہو گئیں۔ اور اس کا خاندان ہمارے دین کو بچانے والے ہیں اس لئے وہ ہم پر فضیلت رکھتے ہیں اور ہماری گردن پر ان کا حق ہے۔ اے زبیر کے بیٹے تو نہ تو رشتہ داری کے لحاظ سے ان سے بہتر ہے اور نہ دین داری کے لحاظ سے۔ پھر تو کس برتے پر ہمیں ان سے اور انہیں ہم سے ملنے سے روک کر انہیں ہماری بارے میں اور ہمیں ان کے متعلق پریشان کر رہا ہے۔ جو لوگ اپنے بغض اور کینے کی وجہ سے رسوا ہو چکے ہیں خدا انہیں دین میں عزت اور زمین میں دلوں پر حکومت اور سکون کبھی نہیں دیتا۔ پس عبداللہ بن زبیر علم اور سخاوت کے جھنڈوں کو تراپی (شیعیت کا) جھنڈا سمجھتا ہے جس کے علمبردار شیعیاں ابوتراب حضرت علی (ع) ہیں اور انہوں نے یہ فیض آپ (ع) سے ہی حاصل کیا ہے۔

12۔ ہر قسم کے تعصبات سے دوری بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے۔ اس لئے کہ جب واقعہ عقر میں "آل مہلب" (خاندان مہلب) کو قتل کیا گیا تو

کثیر عزت نے کہا : " کیا بری صورتحال ہوگئی ہے۔ خاندان ابوسفیان نے واقعہ کربلا میں دین کو ذبح کردیا اور مروان کی اولاد نے واقعہ عقر میں کرم اور مرد انگی کا خون کردیا"۔ پھر یہ کہہ کر وہ رو پڑا۔ جب یہ بات یزید بن عبدالملک تک پہنچی تو اس نے اسے بلوایا۔ جب وہ اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: " خدا کی پھٹکار ہو تم پر کیا ترابی ہوکر بھی تعصب برت رہے ہو؟" (1) قبائلی اور ہر قسم کے دیگر تعصبات کے بارے میں اہل بیت (ع) عصمت و طہارت (ع) کا موقف واضح اور مشہور رہا ہے۔

(1) الاغانی ج 8 ص 6۔

394

جبکہ دوسروں کا موقف بھی نہایت واضح ہے۔ اور یہ ایک لمبی گفتگو ہے۔ اس لئے اس پر مزید گفتگو مجبوراً کسی اور مقام کے لئے چھوڑتے ہیں (1) 13۔ شراب سے دوری بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے۔ مذکور ہے کہ بغداد میں شاعروں کا ایک گروہ شراب کی ایک محفل پر اکٹھا ہوا۔ ان میں منصور نمری بھی تھا اور اس نے ان کے ساتھ شراب پینے سے انکار کردیا جس پر انہوں نے اس سے کہا : " تجھے شراب سے اس لئے چڑ بے کہ تو رافضی ہے " (2) اور جاحظ کہتا ہے: " ہر گروہ کی اپنی ایک خاص عادت اور

علامت ہوتی ہے خصی کی پہچان روم کی طرف جانا ہے خراسانی کی پہچان حج کو جانا ہے ... اور رافضیوں (شیعوں) کی پہچان شراب نہ پینا اور بارگاہوں (ائمہ علیہم السلام کے روضہ ہائے اقدس) کی زیارت ہے " (3)

14_ زمخشری کہتا ہے: " شیعوں کے نزدیک عید غدیر کی شب نہایت باعظمت ہے _ ساری رات وہ جاگتے اور شب بیداری کرتے ہیں _ یہ اس دن کی شب ہے جس دن غدیر خم کے مقام پر رسول (ص) خدا نے حضرت علی (ع) کو پالانوں کے منبر پر بلا کر اپنے خطبہ میں ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ جس جس کا میں مولا ہوں علی (ع) بھی اس کا مولا ہے " (4)_

15_ ادب اور شاعری میں مہارت بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے _

16_ امت میں تبدیلی لانے کا جوش، جذبہ، تحریک اور نشاط بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے اور ان تمام باتوں پر ابو فرج شیبانی کی تعریف میں کہے گئے ابن ہانی اندلسی کے یہ اشعار بھی دلالت کرتے ہیں :

"شیعی	املاک	بکران	ہم	انتسبوا
و	لست	تلقى	ادبیا	شيعي
من	انھض	المغرب	الا	ادب
سوی	التشيع	والدين	الحنيفی	(5)

(1) ملاحظہ ہو ہماری کتاب : "اسلمان الفارسی فی مواجهة التحدي" _

23_	ص	12	ج	2) الاغانی
418_	ص	4	ج	3) محاضرات
85_	ص	84	ج	4) ربیع

5) ملاحظہ ہو : دیوان ابن ہانی ایڈیشن اول لیکن 1405 ہجری قمری مطبوعہ دار بیروت کے ایڈیشن میں "سکھانے" کی جگہ " اصلاح کرے" ہے۔

395

بکر کے قبیلہ والے اگر اپنا نسب بیان کریں تو ابوفر ج شیبانی بھی بکر کے پادشاہ اور شیعہ ہیں۔ اور آپ لوگوں کو شیعوں کے سوا کوئی ادیب نہیں ملے گا۔ اور شیعوں کے علاوہ کون ہے جو بے ادب مغرب بعید (ہسپانیہ) کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سکھائے اور یہی تو دین حنیف ہے۔

17_ فصاحت و بلاغت ، سالم گفتگو اور صحیح لہجہ بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ عربی ضاد کا تلفظ بھی ادا کریں گے تو وہ واضح، مشہور اور الگ ہوگا(1)

18_ کثرت عبادت اور نماز بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے۔ یہاں یہ بات ذکر کرتے چلیں کہ جب عبید اللہ بن زیاد نے معقل کو حضرت مسلم (ع) بن عقیل کا پتا لگانے کے لئے بھیجا تو وہ چلتے چلتے مسجد اعظم پہنچا لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح معاملہ آگے بڑھائے۔ پھر اس نے دیکھا کہ مسجد کے ایک ستون کے پاس ایک آدمی کثرت سے نماز پڑھنے میں

مصروف تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا : " یہ شیعہ لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی انہی میں سے ہے "۔ پھر اس میں مذکور ہے کہ اس نے کیسے کیسے حیلے بہانے اور کیسی سازشیں کیں یہاں تک کہ اسے حضرت مسلم (ع) کا پتا چل گیا (2)۔

19۔ جمع بین الصلاتین (یعنی ظہر اور عصر کی نمازوں کو اکٹھا پڑھنا اور پھر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھنا) خود اہل سنت کی بنیادی کتب میں بھی اس کے دلائل ملتے ہیں) بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے اور وہ اس طرح کہ عصر کی نماز زوال کے کچھ دیر بعد (البتہ نماز ظہر کے بعد) ادا ہو جاتی ہے (3)۔

20۔ ابراہیم بن ہانی کہتا ہے: " شیعوں کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ فریب، بہت بالوں والے اور بازیگند پوش ہوتے ہیں " (4)۔

21۔ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں: " میرے محترم والد صاحب نے مجھے بتایا کہ

1)روضات	الجنات	ج 1	ص	244
(1)	اخبار	الطوال	ص	235
(2)مقاتل	الطالبین		ص	467

(3)بازیگند ایک قسم کا لباس ہوتا ہے۔

ہم اہل بیت (ع) کے پیروکار بہت نیک اور بہترین لوگ ہوتے ہیں _ اگر کوئی عالم اور فقیہ ہوگا تو وہ انہی میں سے ہوگا، اگر کوئی مؤذن ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا، رہنما اور قائد ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا، دیانت دار ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا اور امانت دار ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا _ اور انہی ایسے ہی ہونا چاہئے _ لوگوں میں ہمیں محبوب بناؤ ، انہیں ہم سے متنفر نہیں کراؤ" (1) _

22_ معتزلی امیر المؤمنین حضرت علی (ع) کی خندہ پیشانی ، حسن اخلاق، تبسم اور کشادہ روئی جیسی صفات حسنہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: " اور یہ صفات حسنہ آج تک بھی آپ (ع) کے محبوں اور پیروکاروں میں نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہے _ اسی طرح ان کے دشمنوں میں بھی ظلم و جفا، تنگ نظری، سنگ دلی اور سختی بھی منتقل ہوتی چلی آئی ہے _ جسے لوگوں کے اخلاق و کردار کے متعلق تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ ہے اسے اس چیز کا بالکل علم ہے " (2) _

23_ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا: " کسی قبیلہ میں اگر ایک آدمی بھی شیعہ ہوتا تھا تو وہ اس قبیلہ کی زینت اور ان کے لئے باعث فخر ہوتا تھا ، کیونکہ وہ ان سب سے زیادہ امانت دار، حقوق و فرائض کا پاسدار، سچا اور لوگوں کی سفارشوں اور امانتوں کا مرکز ہوتا تھا اور جب بھی اس کے

خاندان اور رشتہ داروں سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ جواب دیتے کہ اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں لاکھوں میں چراغ لے کر ڈھونڈو تب بھی نہ ملے۔ کیونکہ وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ امانت دار اور سچا شخص ہے " (3)۔

24۔ حضرت امام صادق (ع) نے (جس طرح مردمی ہے کہ) اپنے شیعوں سے فرمایا: " نماز میں صرف ایک بار رفع یدین (ہاتھوں کو کانوں تک اوپر) کیا کرو اور وہ بھی جب تم نماز شروع کرنے لگو اور بس۔ کیونکہ لوگوں نے تمہیں اس صفت کے ساتھ پہچاننا شروع کر دیا ہے " (4)۔

1) بحار الانوار ج 74 ص 162 و 163 و صفات الشیعہ شیخ صدوق ص 28۔

2) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج 1 ص 26۔

3) الکافی طبع قدیم ج 8 ص 678۔

4) بحار الانوار ج 75 ص 215 و الکافی ج 8 ص 7۔

397

25۔ حضرت امام جعفر صادق (ع) ہی فرماتے ہیں: " شیعیان علی (ع) ہر قبیلہ کے منظور نظر افراد ہوتے تھے۔ وہ دیانت دار، ہرد لعزیز، راتوں کو جاگ جاگ کر عبادت کرنے والے اور دن کے بھی چراغ ہوتے تھے " (1)۔

26۔ اندلس (ہسپانیہ) کے گورنر منصور بن ابی عامر نے ایک مرتبہ

ابومروان الجزیری اور اس کے علم و ادب کی تعریف کرتے ہوئے خود اسی سے کہا : " ہم نے تمہارا تقابل عراقیوں سے بھی کیا تو تم ان سے بھی زیادہ بافضیلت نظر آئے اب تمہیں خدا کا واسطہ تم خود ہی بتادو کہ تمہارا تقابل کس سے کریں " (2) _

27_ شیعوں کی ایک پہچان دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بھی ہے کیونکہ اسماعیل بروسوی نے عقد الدرر میں کہا ہے : " سنت در اصل دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ہی ہے لیکن چونکہ یہ ظالم بدعتیوں (اس لفظ سے اس ملعون کی مراد شیعہ ہیں) کی پہچان بن گئی ہے تو اب ہمارے زمانے میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت بن گیا ہے (3)_ اور راغب یہ کہنے کے بعد کہ رسول (ص) خدا دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا کرتے تھے اور سب سے پہلے معاویہ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ، یہ اشعار کہتا ہے:

قالوا	:	تختم	فی	الیمین	و	انما
مارست		ذاك		تشبها		بالصادق
و		تقرب	منی	لال		محمد
و		تباعدا	منی	نکل		منافق
الماسحین			فروجہم			بخواتم
اسم	النبی	بہن	واسم	الخالق	"	(4)

وہ لوگ کہتے ہیں کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرو۔ اور میں نے یہ کام آنحضرت (ص) سے مشابہت کے لئے کیا ہے (کیونکہ آپ (ص) ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں) اور اس لئے بھی کہ میں

1) بحار الانوار ج 65 ص 180 مطبوعہ مؤسسہ الوفاء نیز اس کے حاشیہ میں از مشکاة الانوار ص 62 و ص 63۔

2) بدائع البدانہ ص 356 و نفخ الطیب ج 3 ص 95 یہ ذہن نشین بھی رہے کہ ہسپانیہ کو آجکل سپین بھی کہتے ہیں۔ اس میں بنی امیہ

کی حکومت تھی۔ لیکن کیا یہ کسی کو معلوم ہے کہ یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے کیسے نکلا؟ اور ان میں غدار کون لوگ تھے اور

ان کا مذہب کیا تھا؟

3) (الغدير ج 10 ص 211 از روح البیان ج 4 ص 142۔

4) محاضرات الراغب ج 4 ص 473 و 474۔

398

اہل بیت (ع) رسول (ص) کی قربت حاصل کر سکوں اور ان تمام منافقوں سے بھی بیزاری کا اظہار کر سکوں جو بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہن کر (کم از کم طہارت کرتے وقت) اپنی شرمگاہوں سے اسے مس (ٹچ) کرتے ہیں جن پر خدا اور اس کے رسول (ص) کا نامی نامی لکھا ہوتا تھا۔ 28۔ وہ خود ہی کہتے ہیں کہ سنت اصل میں قبروں کو برابر کرنا ہے لیکن چونکہ یہ عمل رافضیوں کی پہچان بن چکا ہے اس لئے اب سنت یہ ہے کہ

قبروں کو کوہان نما بنایا جائے (1) _

29_ زرقانی کہتا ہے کہ بعض علما عامے کا شملہ (تحت الحنك) آگے سے بائیں جانب سے لٹکاتے تھے۔ اور میں نے دائیں جانب سے شملہ لٹکانے کی کوئی حدیث نہیں دیکھی _ صرف ایک ضعیف حدیث ہے اور وہ بھی طبرانی سے _ لیکن چونکہ یہ شیعہ امامیہ کی پہچان بن چکا ہے اس لئے ان سے مشابہت سے بچنے کے لئے بائیں جانب سے تحت الحنك لٹکانے کو ترك کر دینا چاہئے (2) _

30_ زمخشری نے اہل بیت (ع) پر علیحدہ سے درود اور سلام بھیجنے کو مکروہ جانا ہے _ کیونکہ اس سے رافضی ہونے کی تہمت لگ سکتی ہے (3) _

31_ عسقلانی کہتا ہے: " تمام علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ زندہ لوگوں کو سلام کرنا صحیح ہے لیکن انبیاء کے علاوہ دیگر وفات پا جانے والے افراد کے متعلق علماء کا آپس میں اختلاف ہے _ بعض کہتے ہیں کہ ہر صورت میں جائز ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ انبیاء پر درود اور سلام کے ذیل میں صحیح ہے علیحدہ نہیں _ لیکن ہر مردہ پر علیحدہ علیحدہ درود نہیں بھیجا جائے گا _ کیونکہ یہ رافضیوں کی علامت بن چکی ہے (4) _

32_ اور حسن ختام کے طور پر ہم یہ کہتے چلیں کہ راغب کہتا ہے: " اگر کہیں صرف لفظ "امیر المؤمنین" "

- 1)رحمة الامة باختلاف الانمة (مطبوعه بر حاشيه الميزان شعراني) ج1ص 88 ، المغنى ابن قدامه ج 2 ص 505 ، مقتل الحسين مكرم حاشيه ص 464 از مذكوره دونوں كتب و از المہذب ابواسحاق شیرازی ج1 ص137 ، الوجيزغزالی ج 1 ص 47 ، المنہاج نووی ص 25 ، شرح تحفه المحتاج ابن حجر ج 1 ص 560 ، عمدة القاری ج 4 ص 248 والفروع ابن مفلح ج1 ص 481_
- 2)مقتل الحسين مكرم حاشيه ص 265 4ز شرح موابب ج 5 ص 13_
- 3)الكشاف ج 3 ص 558_
- 4)فتح الباری ج11 ص 146_

399

اکیلا بولا جائے تو اس سے مراد امیر المؤمنین حضرت علی (ع) ہیں " (1) اس موضوع سے متعلق ہمارے ذہن میں ابھی صرف یہی چند باتیں موجود تھیں_ البتہ ہم محترم قارئین سے اس توفیق کے خواہاں ہیں کہ وہ مزید صفات حسنہ کو خود تلاش کریں گے اور اپنائیں گے_

1)محاضرات الادباء ج 3 ص 341_

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

401

دوسرا عنوان

جناب ابوبکر کی شجاعت اور سائبان میں ان کی موجودگی۔

مورخین اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی (ع) نے سب سے بہادر ترین شخص کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا: "آپ (ع) ہیں" لیکن آپ (ع) نے اس کی نفی کی۔ اور خود ہی اقرار کرتے ہوئے فرمایا: "جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت (ص) کے لئے ایک سائبان بنانے کے بعد یہ پوچھا گیا کہ اس سائبان میں رسول خدا (ص) کے ساتھ کون رہے گا تا کہ مشرکین آپ (ص) پر حملہ نہ کر سکیں اور حملہ کی صورت میں وہ آپ (ص) کا بچاؤ کر سکے؟۔ خدا کی قسم اس خطیر ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ہم میں سے صرف ابوبکر ہی آگے بڑھا۔ وہ آنحضرت (ص) کے سر پر تلوار لہرا رہا تھا تا کہ اگر کوئی مشرک آپ (ص) پر حملہ کرنے کی کوشش کرے بھی تو وہ اس پر حملہ مینپہل کر دے۔ اس لئے وہی سب سے زیادہ بہادر شخص ہے"

(1)

حلبی شافعی کہتا ہے: "اس روایت سے شیعوں اور رافضیوں کی یہ بات بھی رد ہو جاتی ہے کہ خلافت کے مستحق صرف حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ بہادر شخصیت ہیں" پھر حلبی اور دحلان نے ابوبکر کے سب سے زیادہ شجاع ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ "نبی (ص) کریم نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ وہ ابن

ملجم ملعون کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمائیں گے پس وہ جب بھی جنگ

1) تاریخ الخلفاء سیوطی ص 36 و ص 37، مجمع الزوائد ج 9 ص 47 البتہ اس نے کہا ہے کہ اس کی سند میں چند ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا ، البدایہ والنہایہ ج 3 ص 271، ص 272 از بزار ، حیاة الصحابہ ج 1 ص 261 از گذشتہ دونوں منابع، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 156، الفتح المبین دحلان (بر حاشیہ سیرہ نبویہ) ج 1 ص 122 ، از الریاض النضرہ ج 1 ص 92۔

402

میں شرکت کرتے اور کسی دشمن کا سامنا ہوتا تو انہیں یہ پتا ہوتا تھا کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا _ اس کے سامنے وہ اس طرح تھے جیسے اس کے ساتھ ایک بستر پر لیٹے ہوں _ لیکن ابوبکر کو اس کے قاتل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کی گئی تھی _ اس لئے جنگ میں حصہ لیتے ہوئے وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ پہلے مارے گا یا مارا جائے گا _ اس حالت میں جتنی تکلیفیں وہ برداشت کر سکتے تھے کوئی اور نہیں کر سکتا تھا _ اور عمر کے منع کرنے کے باوجود بھی زکات نہ دینے والوں سے اس کی جنگ بھی ابوبکر کی شجاعت اور بہادری پر دلالت کرتی ہے _ اور جب آنحضرت (ص) کی وفات حسرت آیت ہوئی تو تمام لوگوں کی عقلیں زائل ہو گئیں اور حضرت علی (ص) بھی شدت غم سے بیٹھ سے گئے ، عثمان کی زبان بھی بند ہو گئی اور وہ بولنے سے رہے لیکن اس سخت موقع پر بھی

ابوبکر ثابت قدم رہا _ لیکن جنگوں میں وہ حضرت علی (ع) کی طرح اس لئے مشہور نہیں ہوا کہ آنحضرت(ص) نے اسے بہادروں سے لڑنے سے منع کر دیا تھا" (1) _

دحلان کہتا ہے: " امامت اور رہبری سنبھالنے کے لئے شجاعت اور ثابت قدمی دو لازمی عنصر ہیں _ خاص کر جب مرتدوں و غیرہ سے جنگ کے لئے ان چیزوں کی اشد ضرورت ہو " (2) _ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں: " جنگ بدر کے موقع پر ابوبکر آنحضرت(ص) کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا _ اس لئے اس کا مرتبہ رئیسوں اور سرداروں والا تھا _ اور سردار کی شکست سے لشکر بھی شکست کھا جاتا ہے جبکہ حضرت علی علیہ السلام کا مرتبہ ایک سپاہی کا ساتھ اور سپاہی کے قتل سے کوئی لشکر کبھی شکست نہیں کھاتا" (3) ان لوگوں کے پاس یہی وہ سارے دلائل ہیں جن کو انہوں نے جناب ابوبکر کے دیگر تمام صحابہ حتی کہ حضرت علی (ع) سے بھی زیادہ بہادر اور شجاع ہونے پر پیش کیا ہے _

1) گذشتہ تمام باتوں کے لئے ملاحظہ ہو الفتح المبين دحلان (بر حاشیہ سیرہ نبویہ) ج 1 ص 123 تا ص 125، سیرہ حلبی ج 2 ص

156 و از تفسیر قرطبی ج 4 ص 222 _

2) الفتح المبين دحلان (بر حاشیہ سیرہ نبویہ) ج 1 ص 124 تا ص 126 _

3) تاریخ بغداد خطیب ج 8 ص 21، المنتظم ابن جوزی ج 6 ص 327 و العثمانیہ ج 10 _

مذکورہ باتیں نادرست ہیں

ہمیں یقین سے کہ مذکورہ باتیں یا تو نادرست ہیں یا پھر بلا دلیل ہیں _ سائبان کی بات ہی سرے سے غلط ہونے کے دلائل تو پہلے ذکر ہوچکے ہیں _ بقیہ باتوں کے غلط ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

الف : کئی مقامات پر ابوبکر کا فرار

دحلان نے یہ تو اقرار کر لیا کہ امر امامت کے لئے شجاعت اور ثابت قدمی نہایت لازمی عناصر ہیں _ لیکن ہمیں ابوبکر کئی مقامات پر بھاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں _ جنگ خیبر ، حنین اور احد میں اس کا فرار بہت مشہور و معروف ہے _ ان جنگوں کی گفتگو کے دوران اس کے منابع بھی بیان ہوں گے _ اور ابوبکر کی خلافت کے معترف ابن ابی الحدید نے جنگ خیبر(1)_ میں ابوبکر اور عمر کے فرار کے متعلق کہا ہے:

و	ما	انس	لا	انس	الذین	تقدما
و	فرہما	و	الفر	قد	علما	حوب
و	للراية	العظمی	و	قد	ذہبا	بہا
ملابس	ذل	فوقہا	و	و	جلابیب	

میں ان دونوں آگے بڑھ جانے والوں کے جنگ سے فرار کو کبھی نہیں بھلا
 سکتا۔ حالانکہ وہ یہ جانتے بھی تھے کہ جنگ سے فرار ایک بہت بڑا گناہ
 ہے۔ وہ دشمن کے پاس لشکر اسلام کا عظیم جھنڈا لے کر گئے لیکن اسے
 وہیں گرا کر اپنے ساتھ ذلت اور خواری کی چادریں لے آئے۔

(1) غزوہ احد میں ان کے فرار کی بات کثیر منابع کے ساتھ اس کتاب کی چوتھی جلد میں آئے گی ، غزوہ حنین میں ان کے فرار کی بات
 بھی اس غزوہ کی بحث میں آئے گی اور غزوہ خیبر میں ان کے فرار کی بات کثیر منابع کے ساتھ عنقریب آئے گی۔ اس روایت کو
 بزار نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اسی طرح اس روایت کو طبرانی ، ایجی ، بیضاوی اور ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے۔
 اس لئے ملاحظہ ہو : مجمع الزوائد ج 9 ص 124 ، المواقف (جیسا کہ اس کی شرح میں آیا ہے) ج 3 ص 276 اور اس کے شارحین
 نے بھی اس کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے ، المطالع ص 483 از بیضاوی در طوابع الانوار ، زندگانی حضرت علی (ع) بن ابی طالب
 از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 1 ص 82 و الغدیر ج 7 ص 204 ، مزید منابع کا ذکر آگے نے گا انشاء اللہ۔

404

پھر	یہ	بھی	کہا:
احضرہما	ام	حضر	خاضب
وذان	ہما	ناعم	مخضوب
عذرتکما	ان	الحمام	لمبغض
و	ان	النفس	مطلوب

لیکرہ طعم الموت و الموت طالب
فکیف یلذ الموت و الموت مطلوب

بھاگتے وقت وہ ایسے دوڑے جیسے باغ میں چرنے والا شتر مرغ ڈر کے مارے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بھاگتا ہے۔ اور اپنے پیچھے بھی نہیں دیکھتا۔ کیا یہ دونوں جنگجو ہیں یا آرام و آسائشے میں پلنے والے اور نرم گالوں والے ہیں جنہوں نے ہاتھوں پر مہندی لگائی ہوئی ہو (دوسرے لفظوں میں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنی ہوئی ہوں)۔ جس صورت میں موت ہمارے پیچھے لگی ہوتی ہے وہ کتنی ناپسندیدہ لگتی ہے تو اس وقت ان کی کیا صورتحال ہوگی جب وہ مرنے چلے ہوں؟

نیز یہ شعر بھی کہا:
و لیس بنکر فی حنین فرارہ
ففی احد قد فرقما و خیبراً

حنین میں ان کا فرار بھی ناقابل انکار ہے اور احد اور خیبر میں تو وہ پہلے فرار کر ہی چکے تھے۔

لیکن ہم ان ابی الحدید سے کہتے ہیں کہ جس شخص کو خدا کی عظمت اور قدرت نیز خدا کے (اپنے نیک بندوں، مجاہدوں اور دین کی حمایت کرنے والوں کو دیئے وئے) وعدوں پر گہرا یقین اور ان تمام چیزوں کی معرفت ہو اسے موت بہت پیاری ہوتی ہے۔ جنگ و جہاد کے موقع پر موت کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات اس بات کی بہترین

دلیل

ہیں

—

ابوبکر تو احد میں بھی جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گیا تھا _ اسکا فی کہتا ہے : " اس وقت آنحضرت(ص) کے پاس آپ(ص) کے ساتھ موت پر بیعت کرنے والے صرف چار افراد کے علاوہ کوئی اور نہ رہا تھا _ حالانکہ ان میں ابوبکر کا کوئی ذکر نہیں ہے "(1)

(1)الغدیر ج 7 ص 206 از سیرہ حلبیہ ج 3 ص 123 _

405

بہر حال اس بات کا ذکر غزوہ احد کی گفتگو میں کثیر منابع کے ساتھ آئے گا ، انشاء اللہ _ وہ غزوہ خندق میں بھی عمرو بن عبدود کے مقابلے میں جانے سے بھی بزدلی دکھاتے ہوئے کئی کترا گیا _ جنگ حنین میں بھی وہ بھاگ گیا تھا ، کیونکہ آنحضرت(ص) کے پاس اس مشکل گھڑی میں حضرت علی (ع) ، عباس ، ابوسفیان بن حارث اور ابن مسعود کے سوا اور کوئی بھی نہ رہا (1)

خلاصہ یہ کہ ابوبکر نے شرکت تو تمام جنگوں میں کی لیکن ان تمام جنگوں میں نہ صرف اس سے غلطی سے بھی ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا جو اس کی بہادری اور شجاعت پر دلالت کرتا (اس نے نہ تو جنگوں میں عملی حصہ لیا

نہ کسی کو قتل کیا حتی کہ کسی کو زخمی تک بھی نہیں کیا (بلکہ اس سے تو ان تمام چیزوں کے بالکل برعکس افعال سرزد ہوئے اور وہ اکثر جنگوں میں اس کا فرار کر جانا ہے۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ لوگوں کو بھی بزدلی دکھانے پر اکساتا اور انہیں رن چھوڑ کر بھاگ جانے کا مشورہ دیتا رہتا تھا۔ پھر اس جیسی صفات کے حامل شخص کو بہادر کیسے کہا جائے گا؟ اگر جنگ بدر میں حصہ نہ لینے کا اس کے پاس ایک بہانہ تھا کہ مؤرخین نے اسے آنحضرت (ص) کے ساتھ اس جھوٹے تخت پر بٹھایا ہوا تھا جنہیں چھوڑ کر وہ کہیں نہیں جاسکتا تھا تو جنگ احد، حنین اور خیبر و غیرہ میں تو یہ چیزیں نہیں تھیں؟ اس وقت وہ کہاں تھا؟ جب رسول (ص) خدا کو مشرکین نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور وہ نور الہی کو ہمیشہ کے لئے بجھانا چاہتے تھے۔ کیا اس وقت بھی ابوبکر تخت سرداری پر بر اجماع تھے؟ اور حضرت رسول (ص) خدا کی حیثیت (نعوذ باللہ) ایک لڑنے والے عام سپاہی کی سی تھی جو اپنے سردار ابوبکر کی جان کی حفاظت کے لئے بے جگری سے لڑ رہے تھے؟ کیونکہ ابوبکر کے قتل یا شکست سے لشکر ہی شکست کھا جاتا؟ پھر وہ خیبر میں علم پھینک کر کہاں بھاگ گیا تھا جب ایک یہودی "یا سر" مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آنحضرت (ص) تک آپہنچا تھا اور آنحضرت (ص) کو بنفس نفیس اس سے جنگ لڑنی پڑی تھی اور اس وقت آشوب چشم کی بیماری میں مبتلا مدینہ رہ جانے والے حضرت علی (ع) (2) کو بلوانا پڑا تھا اور انہوں نے ہی آکر مرحب کو پچھاڑ کر

(2) البتہ بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت علی (ع) لشکر کے ساتھ ہی تھے لیکن آشوب چشم کی وجہ سے اپنے خیمے میں آرام کر رہے تھے اور اگر یہاں کوئی معجزہ در کار نہ ہو تو یہی روایت قرین قیاس لگتی ہے۔

406

قتل کیا تھا اور خدا نے حضرت علی (ع) کے ہاتھوں قلعہ خیبر فتح کرایا تھا اور یہ واقعہ اتنا مشہور و معروف ہے کہ بچے بچے کو بھی اس کا علم ہے۔ اور جنگ احد میں بھی اسی نے بھاگ کر دشمنوں کو آنحضرت (ص) تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ جن میں سے کسی نے آنحضرت (ص) کے رخ انور پر پتھر دے مارا تھا جس سے آپ (ص) کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا اور آپ (ص) کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں۔

بہر حال ان کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ آنحضرت (ص) اسے لڑنے سے منع فرمایا کرتے تھے؟ تو کیا آپ (ص) نے اسے جنگ احد، حنین، خیبر اور دیگر جنگوں میں بھی لڑنے سے منع فرمایا تھا؟ اور کیا آنحضرت (ص) اسے لڑنے سے منع کر کے خود جنگ میں کود پڑتے تھے؟ حتیٰ کہ آپ (ص) کا جسم شریف زخمی بھی ہو جایا کرتا تھا؟ کیا یہ سب کچھ

آپ(ص) اپنے سردار ابوبکر بن قحافہ کے دفاع کے لئے کیا کرتے تھے؟ بہر حال اسکافی تو کہتا ہے کہ ابوبکر نے نہ کبھی کوئی تیز پھینکا ہے نہ تلوار چلائی ہے اور نہ جنگوں میں کوئی خون بہایا ہے وہ تو صرف لشکر کی سیاہی ہوا کرتا تھا _ نہ مشہور تھا نہ معروف ، نہ اس سے کسی کو کوئی کام ہوتا تھا اور نہ اسے کسی سے کوئی کام ہوتا تھا _ اسکافی کے طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر کا آنحضرت(ص) سے تقابل ممکن ہی نہیں ہے اور نہ اسے ایسا سردار قرار دیا جاسکتا ہے جس کی ہلاکت سے لشکر کے تباہ و برباد ہونے کا خدشہ ہو کیونکہ نبی (ص) کریم ہی سردار لشکر اور اس نئے دین کے بانی تھے اور آپ(ص) ہی اپنے دوست اور دشمن کی خوب پہچان رکھتے تھے اور سب دوست و دشمن صرف آپ(ص) کو ہی سید اور سردار جانتے اور مانتے تھے _ آپ(ص) نے ہی قریش اور پورے عرب کو اپنے نئے دین سے سخت غضبناک کیا ہوا تھا _ اور پھر ان کے بڑے بڑوں کو قتل کر کے انہیں گھبرا ہٹ اور پریشانی میں مبتلا کیا ہوا تھا _ آپ(ص) ہی وہ شخصیت تھے جس پر اس امت بلکہ جنگجوؤں کا دار و مدار تھا _ لیکن ابوبکر کسی بھی چیز پر کسی بھی لحاظ سے اثر انداز نہیں تھا _ ابوبکر بھی عبدالرحمن بن عوف اور عثمان و غیرہ جیسے دیگر مہاجرین کی طرح تھا _ بلکہ عثمان تو اس سے زیادہ مشہور اور مالدار تھا _ پس مذکورہ جنگوں میں سے کسی بھی معرکہ میں اس کے قتل سے اسلام کبھی کمزور نہیں ہوسکتا تھا ، نہ ہی کبھی مٹ سکتا تھا _ پس اسے کیسے

رسول(ص) خدا کی طرح قرار دیا جاسکتا ہے ؟ جبکہ آپ(ص) کا کہیں ٹھہرنا
بھی کسی مصلحت اور تدبیر اور حمایت کے تحت ہوتا تھا _ آپ(ص) اپنے
اصحاب کی نگرانی کیا

407

کرتے تھے ،حکمت عملی مرتب فرماتے تھے ، ان کا موقف اور کردار معین
کرتے تھے اور آپ(ص) کی صحت و سلامتی صحابہ کے لئے باعث اطمینان
ہوتی تھی _ اور اگر آپ(ص) لشکر کے ہر اول دستے مینہوتے تو تمام
صحابہ کا ذہن آپ(ص) کی چال اور رستے میں مصروف ہوجاتا اور وہ
یکسوئی کے ساتھ دشمن کے ساتھ نہ لڑپاتے _ اور صحابہ کے پاس ایسی
کوئی اور شخصیت بھی نہیں تھی جو ان کا ملجاء و ماوی ہوتی ، ان کی قوت
اور طاقت بنتی ، انہیں ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتی اور مناسب موقع
پر بذات خود کسی مہم میں حصہ لیتی _
ہاں اگر ابوبکر (نعوذ باللہ) نبی (ص) کریم کے ساتھ آپ(ص) کی نبوت میں
شريك ہوتا اور عرب کو بھی وہ آنحضرت(ص) کی طرح مطلوب ہوتا تو ان
لوگوں کی بات صحیح ہوتی _ لیکن وہ تو اعتقاد کے لحاظ سے سب مسلمانوں
سے کمزور اور عربوں کا سب سے بے ضرر شخص تھا _ اس نے کبھی
لڑائی نہیں کی تھی بلکہ وہ تو صرف لشکر کی سیاہی تھا _ پھر اسے
رسول(ص) خدا کے مقام و مرتبے کے برابر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے ؟ اس

کے بعد اسکافی نے جنگ احد میں اس کے اپنے بیٹے عبدالرحمن کے ساتھ
 لڑائی کا ماجرا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول(ص) خدا کا ابوبکر کو یہ
 کہنا کہ جنگ سے رڪ جاؤ اور ہمیں اپنے وجود سے نفع اٹھانے دو _ اس
 وجہ سے تھا کہ آپ(ص) جانتے تھے کہ یہ شخص لڑنے اور بہادروں کا
 سامنا کرنے والا نہیں ہے اور اگر یہ لڑنے چلا بھی گیا تو مارا جائے گا _ پھر
 اسکافی نے آیت (فضل الله المجاہدین علی القاعدین اجرا عظیماً) اور دیگر آیتیں
 ذکر کیں اور مزید یہ بھی کہا کہ اگر بزدل اور کمزور لوگ جنگ میں حصہ نہ
 لینے کی وجہ سے سرداری کے لائق بن سکتے ہیں تو حسان بن ثابت میں یہ
 قابلیت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی _
 حالانکہ قریشی سب سے پہلے تو رسول(ص) خدا کو قتل کرنا چاہتے تھے
 اور اس کے بعد وہ حضرت علی علیہ السلام کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے
 تھے _ کیونکہ وہ آنحضرت(ص) کے سب سے زیادہ قریب، مشابہ اور
 آپ(ص) کے سب سے سرسخت حامی اور مدافع تھے ، اور حضرت علی (ع)
 کا قتل آنحضرت(ص) کو بہت کمزور کر سکتا تھا اور (نعوذ باللہ) آپ(ص)
 کی کمر توڑ کر رکھ سکتا تھا _ جبکہ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی کو
 حضرت محمد(ص) ، علی (ع) یا حمزہ کو قتل کرنے کی صورت میں آزادی
 کا وعدہ دیا تھا _ اور اس میں بھی ابوبکر کا کوئی ذکر نہیں _ اور حضرت علی
 علیہ السلام کے حالات کی

رسول(ص) خدا کے حالات سے وابستگی کی وجہ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت(ص) کو ہر وقت حضرت علی (ع) کی جان کا خطرہ لاحق رہتا تھا اور آپ(ص) اس کی سلامتی اور حفاظت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اسکا فی کی باتوں کا خلاصہ اختتام کو پہنچا(1)۔ لیکن اسکا فی نے ابوبکر کی وہ حالت ذکر نہیں کی جب اس نے سراقہ کو نیزہ سنبھالے ہوئے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا۔ جبکہ سراقہ ایک ایسا آدمی ہے جس کی بہادری کاکوئی قصہ بھی نہیں ملتا (2)۔

ب: ابوبکر کے ذریعہ بنی (ص) کریم کی حفاظت

اور یہ روایت کہ ابوبکر آپ(ص) کے ساتھ تلوار سونتے کھڑا تھا تا کہ اگر کوئی مشرک آپ(ص) پر حملہ کرنا چاہے تو وہ آگے بڑھ کر پہلے اس کا کام تمام کر دے۔ یہ بھی مندرجہ ذیل دلائل کی روسے صحیح نہیں ہے۔

1۔ ایک تو اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں (3)۔ اس کے علاوہ ان کا یہ مشہور قول بھی اس کی نفی کرتا ہے کہ سعد بن معاذ ، انصار کے ایک گروہ کے ساتھ سائبان میں آپ(ص) کی حفاظت کی ذمہ داری نبھا رہا تھا اور بعض نے اس تعداد میں حضرت علی (ع) کا بھی اضافہ کیا ہے (4)۔

شاید انہوں نے حضرت علی (ع) کا اضافہ اس مذکورہ عمل کے سبب کیا ہے

کہ حضرت علی (ع) تھوڑی تھوڑی دیر لڑکر پھر آنحضرت (ص) کی خیریت دریافت کرنے آجاتے تھے۔ پس جب آپ (ص) اور ابوبکر سائبان کے اندر تھے اور وہ انصاری سعد بن معاذ کے ساتھ اس سائبان کے باہر کھڑے پہرہ دے رہے تھے تو پھر مشرکین آنحضرت (ص) تک کیسے پہنچ سکتے تھے؟ کہ اگر حملہ ہوتا تو ابوبکر پہل کر کے اس حملہ آور کا کام تمام کر دیتا؟ پھر کیا ان پہرے

1) ملاحظہ ہو : شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 278 تا ص 284۔

2) تقویہ الایمان ص 42۔

3) اس کی اسناد کو بیٹھی نے مجمع الزوائد ج 9 ص 461 میں ضعیف قرار دیا ہے۔

4) البدایہ و النہایہ ج 3 ص 271 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 156 و ص 161۔

409

داروں کے حالات ابوبکر کے حالات سے زیادہ سخت نہیں تھے؟ کیونکہ اس کا دفاع اور اس کی حفاظت کرنے والے لوگ باہر موجود تھے اور وہ اندر اطمینان اور آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن ان لوگوں کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا؟

2_ علامہ امینی فرماتے ہیں: "اس پر مزید یہ کہ آنحضرت (ص) کی حفاظت

کی خطیر ذمہ داری صرف ابوبکر یا سعد بن معاذ کے ساتھ خاص نہیں تھی۔ کیونکہ دوسرے لوگوں نے بھی دیگر مقامات پر آپ (ص) کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ بطور مثال: بلال، ذکوان اور سعد بن ابی وقاص نے وادی القریٰ میں، ابن ابی مرثد نے جنگ حنین کی رات، زبیر نے جنگ خندق کے دن، محمد بن مسلمہ نے جنگ احد میں، مغیرہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اور ابویوب انصاری نے خیبر کے رستے میں آپ (ص) کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور آپ (ص) کی یہ حفاظت حجة الوداع کے موقع پر اس آیت (و الله يعصمك من الناس) ترجمہ: "اور خدا تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا" کے نزول تک جاری رہی۔ پھر اس آیت کے نزول کے بعد حفاظتی مہم ختم کردی گئی۔ یہ تمام باتیں تو اس صورت میں ہیں جب ابوبکر کی حفاظت والی جعلی بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے" (1)۔

گذشتہ باتوں میں اگرچہ اعتراض کی گنجائش بھی موجود ہے لیکن سمہودی "اسطوان المحرس" (حفاظتی ستون) کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یحییٰ کہتا ہے کہ مجھے موسیٰ بن سلمہ نے خود بتایا کہ میں نے جعفر بن عبداللہ بن حسین سے حضرت علی (ص) بن ابی طالب کے ستون کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: "یہ حفاظتی چوکی تھی، جس کے روضہ اطہر کی طرف والے حصے کے سامنے حضرت علی (ع) بیٹھ کر آنحضرت (ص) کی حفاظت کیا کرتے تھے" (2)۔

3_ علامہ امینی ہی فرماتے ہیں: "اگر رسول (ص) کی حفاظت کے لئے

ابوبکر کے تلوار سوننتے والی حدیث صحیح ہوتی تو وہ حضرت علی (ع) ،
حمزہ اور عبیدہ و غیرہ سے زیادہ ان آیتوں کے اپنی شان میں نزول کا حق
دارتھا (بذات)

(1) الغدير ج 7 ص 202 نیز مذکورہ باتیں منقول از عيون الاثر ج 2 ص 316، المواهب اللدنيه ج 1 ص 383 ، سيره حليبه ج 2 ص 334،

شرح المواهب زرقانی ج 3 ص 204_

(2) وفاء الوفاء ج 1 ص 447_

410

خصمان اختصموا في ربهم) اور (من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه
(لیکن یہ آیتیں اس کے بارے میں نہیں بلکہ مذکورہ شخصیتوں کے بارے میں
نازل ہوئیں _ اسی طرح وہ حضرت علی (ع) سے بھی زیادہ اس آیت کے
نزول کا حق دار ہوتا (ہوالذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین) اس کے علاوہ دیگر
آیتوں کا بھی مصداق ٹھہرتا لیکن ایسا نہیں ہوا _ اسی طرح " لا سيف الا
ذوالفقار و لافتی الا علی " کی ندا دینے والے رضوان پر ضروری ہوتا کہ وہ
اپنی اس ندا میں حضرت علی(ع) کے نام کی جگہ ابوبکر کا نام لیتا اور
ذوالفقار کی جگہ اس کی تلوار کا ذکر کرتا _ کیونکہ مذکورہ جعلی روایت کی
روسے اس خطیر ذمہ داری کابیڑہ اس کے علاوہ کوئی اور اٹھانے کی بھی

جرات نہیں کرسکا تھا اور اس شخص کے ذریعہ سے رسول (ص) خدا اور
دین کی حفاظت ہوئی تھی" (1) _

ج : ابوبکر میدان جنگ میں

ابوبکر کے سائبان میں آنحضرت(ص) کی حفاظت کرنے والی بات کی
مندرجہ ذیل باتیں نفی کرتی ہیں:

1_ وہ خود کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر ابوبکر میمنہ (لشکر کے
دائیں حصہ) کا سردار یا اس حصہ میں شامل تھا (2)_

2_ وہ خود ہی کہتے ہیں کہ اس کے بیٹے عبدالرحمن نے اپنے باپ سے کہا :
" بابا آپ نے جنگ بدر میں مجھے کئی مرتبہ نشانہ بنانا چاہا لیکن میں آپ
سے چوک گیا " (3)_

3_ یہ بھی وہ خود ہی کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں عبدالرحمن نے اپنا
حریف طلب کیا تو اس کا باپ اس کے مقابلے کے لئے نکلا جس پر
رسول(ص) خدا نے اسے روکتے ہوئے فرمایا : " اپنے وجود سے ہمیں فائدہ
اٹھانے دو" (4) _

(1) ملاحظہ ہو: الغدير ج 2 ص 46 تا ص 51، ج 7 ص 202، ص 203 تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ۔

(2) المغازی واقدی ج 1 ص 58 و البدایہ والنہایہ ج 3 ص 275

(3) الروض الاتف ج 3 ص 64 اور مستدرک حاکم ج 3 ص 475 اور حیاة الصحابه ج 2 ص 332، ص 333 از کنز ج 5 ص 374 میں آیا ہے

411

البتہ اس واقعہ پر اسکافی کا حاشیہ بھی گذر چکا ہے اور مزید باتیں جنگ احد کے موقع پر بھی ہوں گی۔ انشاء اللہ۔

د: حضرت علی (ع) کی ناکثین اور قاسطین سے جنگ

رہا ان لوگوں کا حضرت علی (ع) کے متعلق آنحضرت(ص) کی اس پیشین گوئی کا ذکر کہ حضرت علی علیہ السلام ناکثین اور قاسطین سے جنگ کریں گے اور ابن ملجم کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمائیں گے اور اس طرح ان کے دعوے کے مطابق وہ دشمن کا سامنا کرتے وقت ایسے ہوتے تھے جیسے اپنے بستر پر سوئے ہوئے ہوں تو ان باتوں سے ابوبکر کی شجاعت اور افضلیت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اس بارے میں ہم مندرجہ ذیل نکات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں :

1۔ اسکافی کہتا ہے : " آنحضرت(ص) نے حضرت علی (ع) کو قاسطین اور ناکثین سے جنگ کرنے کی پیشین گوئی اس وقت کی تھی جب جنگوں کا موسم گذر چکا تھا ، لوگ دین الہی میں جوق در جوق داخل ہو رہے تھے ، جزیہ ادا کیا جا رہا تھا اور سارا عرب آپ(ص) کے سامنے جھک گیا تھا" (1)

2_ اور آنحضرت(ص) نے حضرت علی(ع) کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہونے کی پیشین گوئی غزوہ العشیرہ میں کی تھی _ جب آپ(ص) نے حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب (ع) کی کنیت سے نوازاتے ہوئے فرمایا تھا : " کائنات کا بدبخت ترین شخص تمہاری ڈاڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگے گا " _ لیکن اس میں بھی آپ(ص) نے حضرت علی (ع) کی شہادت کا وقت معین نہیں فرمایا تھا _ ہوسکتا تھا ایک ماہ بعدیہ سانحہ ہوجائے اور ہوسکتا تھا کئی سال تک بھی نہ ہو _

3_ اس بارے میں بداء بھی واقع ہوسکتا تھا _ اور وہ اس طرح کہ آنحضرت(ص) کی پیشین گوئی اس لحاظ سے تھی کہ اگر کوئی رکاوٹ آڑے نہ آئی تو اس فعل کا مقتضی موجود ہے _

(1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 287 _

412

4_ اگر ہم اس پیشین گوئی کو اس وقت مان بھی لیں تب بھی وہ اپنے بستر پر آرام سے سوئے ہوئے شخص کی طرح کیسے ہوگئے ؟ حالانکہ یہ بھی ممکن تھا بلکہ ہوا بھی ہے کہ آپ(ع) جنگ احد وغیرہ میں حد سے زیادہ زخمی ہوگئے تھے _ نیز یہ بھی ممکن تھا کہ آپ(ع) کی کوئی ہڈی و غیر ٹوٹ جاتی

یا آپ (ع) کا کوئی عضو کٹ سکتا تھا _ کیا رسول (ص) خدا کی مذکورہ پیشین گوئی سے ان کے لئے یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت علی (ع) ان تمام چیزوں سے بھی در امان ہیں؟ کہ ان کے نزدیک آپ (ع) اپنے بستر پر سوئے ہوئے شخص کی طرح قرار پائے؟ پھر مسلمان حضرت علی (ع) کی بہادریوں کی تعریف کیوں کرتے تھے؟ نیز خیبر، احد اور بدر و غیرہ جیسے کئی مقامات پر خدا اور رسول (ص) خدا نے آپ (ع) کی مدح سرائی کیوں کی؟ پھر وہ اسے آپ (ع) کے امتیاز فضیلت اور عظمت کی وجہ کیوں سمجھتے تھے؟ پس اگر یہ بات صحیح تھی تو پھر تو سب لوگ حتیٰ کہ عورتیں بھی حضرت علی (ع) سے زیادہ بہادر ہوئیں (1) _

5_ وہ لوگ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) (ص) نے زبیر کو یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ وہ حضرت علی (ع) سے لڑے گا جبکہ وہ آپ (ع) کے حق میں ظلم کر رہا ہوگا اور طلحہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

(ما کان لکم ان تؤذوا رسول (ص) اللہ و لا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ) تمہارے لئے رسول (ص) خدا کو تکلیف پہنچانا اور آنحضرت (ص) کی وفات کے بعد ان کی ازواج سے شادی رچانا مناسب نہیں ہے _ اور وہ " احجار الخلافة " (خلافت کے پتھروں) والی حدیث بھی خود ہی روایت کرتے ہیں جس میں ان کے دعویٰ کے مطابق ابوبکر آگے آگے تھے (جبکہ یہ یقینی بات ہے کہ یہ واقعہ تمام جنگوں سے پہلے پیش آیا ہے) _ اس

کے علاوہ اور بھی بہت سے اصحاب کے حق میں نہایت زیادہ احادیث موجود ہیں۔ اسی طرح خود رسول (ص) خدا بھی یہ جانتے تھے کہ یہ دین عنقریب سب پر غالب آئے گا اور کامیابی اور کامرانی کے ساتھ دوبارہ مگہ

1) یہاں اس بات کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ ابوبکر کو بھی اس نئے دین کی سرداری اور حکومت کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اور یہ پیشین گوئی حضرت علی (ع) کے متعلق پیشین گوئی سے زیادہ واضح اور حتمی تھی۔ وہ اس بنا پر کہ ابوبکر جب تک اس امت کا حاکم نہیں بنتا اسے کچھ نہیں ہوگا اور دوسرا یہ کہ وہ آنحضرت (ص) کی وفات کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہے گا تا کہ اس امت پر حکومت کرے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ رسول (ص) خدا کے دور کی جنگوں میں ہی مشکل مرحلے میں جان بچا کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل کسی اور موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ۔

413

میں داخل ہوں گے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ قیصر و کسری (روم اور ایران) کے خزانے لگیں گے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی پیشین گوئیاں ہیں جن کی جستجو اور ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے تو کیا ان پیشین گوئیوں کی وجہ سے ان کا جہاد اکارت گیا؟ ان کی فضیلتیں ختم ہو گئیں؟ اور بہادری بزدلی میں تبدیلی ہو گئی؟

ہ: زکات نہ دینے والوں سے جنگ

اور رہی زکات نہ دینے والوں سے ابوبکر کی جنگ، تو اس نے یہ جنگ بذات

خود نہیں لڑی تھی _ بلکہ اس کی حکومت اور مقام کے تحفظ کے لئے اس کی فوج نے لڑی تھی _ کیونکہ وہ لوگ اسے خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ وہ ان سے ناحق زکات لے رہا ہے _ اور بعینہ یہی صورتحال ان لوگوں سے جنگ میں بھی تھی جنہیں وہ " اہل الردہ " (مرتد لوگ) کہتے تھے (1)

اور یہ بات واضح ہے کہ فیصلہ میں ہٹ دھرمی اور اڑے رہنا جنگ میں شجاعت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص یہ دیکھ رہا ہو کہ میرے فیصلے دوسرے لوگ نافذ کریں گے تو اس موقع پر کوئی بزدل شخص ایک بہادر شخص سے بھی زیادہ اپنے فیصلے پر ڈٹا رہتا ہے _

و: وفات رسول(ص) کے وقت اس کی ثابت قدمی

اور وفات رسول(ص) کے وقت اس کی ثابت قدمی کے متعلق مندرجہ ذیل بیانات کافی ہیں :

1_ علامہ امینی فرماتے ہیں : " اگر شجاعت کا معیار کسی کی وفات پر آنسو نہ بہانا ہے تو اس صورت میں تو ابوبکر خود آنحضرت(ص) سے بھی زیادہ بہادر ہو جائے گا _ کیونکہ آنحضرت(ص) تو عام لوگوں کی وفات پر بھی ان کے

1) حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ(ع) کے بعد حضرت علی (ع) کے علاوہ کوئی اور حاکم اور خلیفہ بنے گا۔ وہ لوگ حضرت علی(ع) کو ہی حق دار سمجھتے تھے۔ مدینہ والے تو اسی دن یا چند دنوں میں دباؤ یا لالچ میں آگئے تھے لیکن دوسرے شہروں کا معاملہ مختلف تھا۔ حتیٰ کہ اسامہ بھی جب تک مدینہ سے باہر رہا اس نے ان لوگوں کی بات قبول نہیں کی تھی۔ اور وہ لوگ زکات و غیرہ صرف حق دار کو ہی دینا چاہتے تھے اسے لئے انہیں نہیں دی تھی لیکن انہوں نے اپنی حکومت بچانے کے لئے ان پر مرتد و غیرہ کا لیبل لگا کر ان سے جنگ شروع کر دی حالانکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں تھا۔

414

بقول ثابت قدم نہیں رہے۔ اس لئے کے آپ(ص) نے عثمان بن مظعون کو بوسہ دیا، اس کے لئے بلند آواز سے گریہ کیا اور آنسو آپ(ص) کے رخسار پر رواں تھے (1) نیز اس لحاظ سے تو عثمان بن عفان بھی نبی (ص) کریم سے زیادہ بہادر ہو جائے گا کیونکہ اس کی بیوی کی موت بھی شب وفات اسے عورتوں سے ہم بستری سے نہ روک سکی لیکن آپ(ص) اپنی لے پالک بیٹی کی وفات پر آنسو بہاتے رہے۔ (2)۔

2۔ عمر کے جنون، عثمان کے گونگے پن اور حضرت علی(ع) کی غم و اندوہ سے بے حالی کا جو حال انہوں نے ذکر کیا ہے اگر صحیح ہوتا اور دحلان کے دعوے کے مطابق خلافت کے حصول سے مانع ہوتا (کیونکہ امر امامت اور خلافت کے لئے شجاعت اور ثابت قدمی دو اہم عناصر ہیں اور مذکورہ افراد کے مذکورہ عمل کی وجہ سے ان میں یہ صفات مفقود ہو گئی

تھیں) تو ان لوگوں نے بعد میں ان کی خلافت کیسے قبول کر لی؟ حالانکہ اس وقت بھی تو امر امامت کے لئے ضروری اہم چیزوں سے وہ محروم تھے؟ جبکہ حضرت علی (ع) کے عاجز ہونے کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ وہ عاجز کیسے ہو گئے؟ حالانکہ آنحضرت نے آپ (ع) کی گود میں وفات پائی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے آنحضرت (ص) کی تغسیل، تجہیز اور تکفین کی ساری ذمہ داری نبھائی۔ یہاں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) کی وفات نے حضرت علی (ع) پر گہرا اثر تو چھوڑا لیکن وہ اپنی مصروفیات سے عاجز نہیں آئے لیکن دوسرے لوگوں کو تو آنحضرت (ص) کی وفات کا ذرا بھی صدمہ نہیں ہوا اور وہ لوگ آپ (ص) کی تجہیز و تکفین کے اہم کام کو نظر انداز کر کے حاکم بننے یا چننے نکل کھڑے ہوئے۔

3۔ انہوں نے ابوبکر کی ثابت قدمی کا جو تذکرہ کیا ہے تو یہ ثابت قدمی (اگر اسے آنحضرت (ص) کی وفات کا صدمہ ہوا تھا تو) صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے یہ صدمہ برداشت کر لیا اور بس۔ جبکہ ہم حضرت علی علیہ السلام کو دیکھتے ہیں کہ آپ (ع) حقیقت میں اس صدمہ کا سامنا کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ آپ کی

(1) الغدير ج 7 ص 214، از سنن بیہقی ج 3 ص 406، حلیۃ الاولیاء ج 1 ص 105، الاستیعاب ج 2 ص 495، اسد الغابہ ج 3 ص 387،

الاصابہ ج 2 ص 464، سنن ابوداؤد ج 2 ص 58، سنن ابن ماجہ ج 1 ص 481 و بعض دیگر منابع جنہیں علامہ احمدی نے اپنی کتاب

التبرک ص 355 میں ذکر کیا ہے پس وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(2) الغدير ج 2 ص 214، ج 3 ص 24 از الروض الاتف ج 3 ص 24، مستدرک حاکم ج 4 ص 47، الاستيعاب ج 2 ص 78، اس نے اسے

صحیح جاننا ہے و الاصابہ ج 4 ص 304، ص 489_

415

وفات سے فکر مند نہینہوا تھا _ یہانتک کہ لوگوں کے سامنے اسے نبی(ص) پر اپنے غم کی دلیل پیش کرنا پڑی (1) بہر حال ابوبکر کی شجاعت اور بہادری کے اثبات میں ان کے دلائل نادرست ، ناکافی اور بے فائدہ ہیں_

1) حیاة الصحابہ ج 2 ص 84 و کنز العمال ج 7 ص 159 از ابن سعد _

417

تیسرا عنوان

ذوالشمالین کا قصہ اور نبی(ص) کا سہو

ہم پہلے یہ بتاچکے ہیں کہ ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہو گیا تھا لیکن کچھ روایتیں اس کی نفی کرتی ہیں _ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ یہ دعویٰ کرتا ہے میں نبی (ص) کریم کے ساتھ ظہریا عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ

آپ(ص) نے دور کعتوں کے بعد سلام پھیر کر نماز تمام کردی جس پر بنی زہرہ کے حلیف ذوالشمالین بن عبد عمرو نے کہا : "کیا آپ(ص) نے نماز میں تخفیف کردی ہے (یعنی نماز قصر پڑھی ہے) یا پھر بھول گئے ہیں ؟ " جس پر آپ(ص) نے فرمایا : " یہ دوہاتھوں والا کیا کہتا ہے ؟" تو صحابیوں نے کہا : " یا رسول(ص) اللہ وہ سچ کہتا ہے " _ جس پر آپ(ص) نے ناقص رہ جانے والی دو رکعتیں پوری کر دیں _ اور اس روایت کے متعلق مختلف قسم کی کئی دستاویزات ہیں جن میں سے بعض میں آیا ہے کہ آپ(ص) نے ذوالشمالین کو یہ جواب دیا : " ایسی کوئی بات نہیں ہے " جبکہ بعض میں آیا ہے کہ آپ(ص) نے غضبناک حالت میں مسجد کی ایک لکڑی سے ٹیک لگایا اور کچھ لوگ آپ(ص) کو نماز میں کمی کے متعلق بتانے کے لئے جلدی سے صفوں سے باہر نکلے _ اور بعض دستاویزات میں آیا ہے کہ آپ(ص) جانے لگے تو پیچھے سے ابوبکر ، عمر اور ذوالشمالین آپ(ص) سے املے (1)

1) صحیح بخاری باب سوم از ابواب " ما جاء فی السہو فی الصلاة " ، صحیح مسلم ابواب سہو ، فتح الباری ج 3 ص 77 تا ص 83 نیز اس کے حاشیہ پر بخاری ، المصنف حافظ عبدالرزاق ج 2 ص 296 ، ص 297 ، ص 299 ، مسند احمد ج 2 ص 271 ، ص 284 ، ص 234 ، مؤطا مالک ج 1 ص 115 منقول از کنز العمال ج 4 ص 215 و ص 214 از عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ ، تہذیب الاسماء و اللغات ج 1 ص 186 ، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 491 و ص 492 ، الاصابہ ج 1 ص 489 ، اسد الغابہ ج 2 ص 146 ، سنن بیہقی ج 2 ص 231 ، سنن نسائی باب " ما یفعل من سلم من الرکعتین ناسیاً و تکلم " و دیگر ابواب و کتب _

البتہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے صبح کی نماز دو رکعت کی بجائے ایک رکعت پڑھی۔ جب نوالشمالین نے آپ (ص) کو اس کے متعلق بتایا تو آپ (ص) نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صفوں میں پھراتے ہوئے لوگوں سے اس بارے میں پوچھا۔ پھر آپ (ص) نے لوگوں کے ساتھ مزید ایک رکعت پڑھی اور دو سجدہ سہو ادا کیا پھر سلام پھیر کر نماز تمام کی۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ جب آپ (ص) نے نماز ظہر یا عصر ادھوری پڑھی اور خرباق نے آپ (ص) پر اعتراض کیا اور بعض صحابیوں نے بھی اس کے اعتراض کے صحیح ہونے کی گواہی دی تو آپ (ص) غضبناک حالت میں کھڑے ہوئے اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اپنے حجرے (گھر) میں چلے گئے پھر دوبارہ ان کے پاس باہر آکر باقی دو رکعتیں ادا کیں اور سہو کے دو سجدے بھی ادا کئے۔

جبکہ بزار کے مطابق، جب آنحضرت (ص) نے نماز پڑھ لی اور اپنی کسی زوجہ کے پاس گئے تو پیچھے سے نوالشمالین نے آکر آپ (ص) سے پوچھا کہ نماز قصر ہوگئی ہے کیا؟ جس پر آپ (ص) نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں میں پھر آیا اور ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی آپ کو گذشتہ کی طرح جواب دیا۔

البتہ اس طرح کی روایتیں شیعہ کتابوں میں بھی صحیح اسناد کے ساتھ ذکر

ہوئی ہیں۔ جنہیں سماعہ بن مہران ، حسن بن صدقہ ، سعید اعرج، جمیل بن دراج، ابوبصیر، زید شحام، ابو سعید قماط، ابوبکر حضرمی اور حرث بن مغیرہ نے روایت کی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ:

1_ روایات کے الفاظ مختلف، مضطرب اور ایک دوسرے سے ناموافق ہیں۔ اور روایات کے منابع کی طرف رجوع کر کے ان کے تقابل سے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سب روایتوں کا صحیح ہونا ناممکن ہے۔

2_ اس طرح کی بعض حدیثوں کو ذکر کر نے کے بعد نووی کہتا ہے: "ان حدیثوں میں اس طرح کے الفاظ بہت ہیں جن میں بحالت اسلام ابو ہریرہ کی موجودگی کی تصریح کی گئی ہے۔ حالانکہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابو ہریرہ ساتویں ہجری کو جنگ خیبر کے سال یعنی جنگ بدر کے سات برس بعد مسلمان ہوا تھا۔ جبکہ زہری کے بقول ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہو گیا تھا اور نماز کا اس کا مذکورہ واقعہ جنگ بدر

419

سے پہلے کا ہے ..."(1) یہ بھی اضافہ کرتے چلیں کہ شعیب بن مطیر نے اپنے والد کا واقعہ سناتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ذوالیدین سے ملا اور اس نے آنحضرت (ص) کی نماز کا مذکورہ واقعہ اسے بتایا۔ حالانکہ مطیر بہت متاخر ہے اور اس نے نبی (ص) کا زمانہ نہیں دیکھا تھا(2) اور حضرت امام جعفر

صادق(ع) سے منقول روایت میں بتایا گیا ہے کہ ذوالیدین ہی ذوالشمالین ہے(3)اسی طرح دیگر منابع میں بھی آیا ہے(4) اسی طرح بعض دیگر روایتوں میں یہ دونوںلقاب یکجا بیان ہوئے ہیں(5)پس وہاں مراجعہ فرمائیں۔ پس صاحب استیعاب و غیرہ کا ابو ہریرہ کی گذشتہ روایت کے بل بوتے پر دونوں(ذوالیدین اور ذوالشمالین) کے ایک شخص ہونے والے قول کو غلط کہنا(6)نہ صرف ہے جا ہے بلکہ صحیح بات اس کے برعکس ہے یعنی بظاہر ابو ہریرہ نے ان حدیثوں میں گڑبڑ کر کے اس واقعہ میں موجود نمازیوں میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ بہر حال عمران بن حصین کی وہ روایت جس میں ذوالیدین کو خرباق کے نام سے یاد کیا گیا ہے وہ بھی ہماری مذکورہ بات کی نفی نہیں کرتی۔ کیونکہ خرباق بھی ذوالشمالین کا لقب ہو سکتا ہے۔ اور خرباق کی "سُلْمی" کے نام کے ساتھ توصیف بھی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ سُلْمی، ذوالیدین یا ذوالشمالین کے اجدادی سلسلے میں کسی ایک جد کا نام تھا (7) اور اسی نسبت سے اسے سلمی کہا جاتا ہوگا۔

1)تہذیب الاسماء واللغات ج1ص186، نیز ملاحظہ ہو: بدر منثور عاملی ج1ص109، نیز ذوالشمالین کے بدر میں قتل ہونے کے بارے میں

ملاحظہ ہو:طبقات ابن سعد ج3ص119۔

2)ملاحظہ ہو:تہذیب الاسماء ج1ص186 حاشیہ

3)الکافی کلینی ج3ص357، وسائل الشیعہ ج5ص311، ودر منثور عاملی ج1ص109و110۔

4) ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد ج 3 حصہ 1 ص 118 و الترتیب الاداریہ ج 2 ص 385_

5) وہ روایتیں سند احمد، کنز العمال از عبد الرزاق و ابن ابی شیبہ، المصنف عبد الرزاق ج 2 ص 296، ص 271، ص 274، ص 297، ص 299 کی

ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: ارشاد الساری ج 3 ص 267، جوہری نے دونوں ناموں کے ایک شخص کے ہونے کے متعلق استیعاب میں

"ذوالیدین" کی تعریف میں گفتگو کی ہے۔ اسی طرح طبری، شرح مؤطا مالک سیوطی نیز تہذیب الاسماء و اللغات ج 1 ص 186، وغیرہ

مینبھی یہ بات بیان ہونی ہے۔

6) الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 491، اسد الغابہ ج 2 ص 142 و 145 و 146، الترتیب الاداریہ ج 2 ص 385، از شروحات

بخاری۔

7) ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد ج 3 حصہ 1 ص 118، الاصابہ ج 1 ص 489 و اسد الغابہ ج 2 ص 141 و 145_

420

اور ابن قتیبہ نے بھی اس کے ایک ہی شخصیت ہونے کی تصریح کرتے ہوئے

کہا ہے کہ بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام خرباق تھا۔ اور

قاموس میں بھی " ذوالیدین خرباق " آیا ہے (1)۔

3_ ہمارے پاس موجود روایتیں بنی (ص) کریم کے ایسے افعال اور اعمال کا

تذکرہ کرتی ہیں جن کی وجہ سے نماز کی شکل و صورت ہی محو ہو جاتی

ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ نماز کی صورت کا ختم ہونا اس کے باطل

ہونے کا باعث ہے۔ خاص کر جب آنحضرت (ص) (بعض روایتوں کے

مطابق) قبلہ سے رخ پھیر کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ قبلہ کی

طرف پیٹھ کرنا چاہے بھول کر ہی کیا جائے نماز کو باطل کرنے کا باعث ہے

_ لیکن کلینی کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ(ص) اپنی جگہ پر بیٹھے رہے تھے _ (2) یہ سب تو اس صورت میں ہے جب ہم کہیں کہ نماز کی خاطر کی ہوئی کوئی بات نماز کو باطل نہیں کرتی _

4_ آنحضرت(ص) نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے ؟ کیونکہ اگر آپ(ص) اپنے لئے کسی بھول چوک کو ممکن قرار دیتے تھے تو بہتر تھا کہ آپ(ص) یوں فرماتے : " میرے خیال میں یہ بات نہیں ہے " _ مگر یہ کہا جائے کہ آپ(ص) نے اپنا نظریہ بیان کیا ہوگا _ کیونکہ آپ(ص) کو یقین تھا کہ آپ(ص) سے کوئی بھول چوک نہیں ہوئی _ اور ذوالیدین کی بات بھی آپ(ص) میں کسی قسم کا شك و شبہ پیدا نہ کر سکی بلکہ آپ(ص) اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے لیکن جب آپ(ص) نے ذوالیدین کا اصرار دیکھا تو آپ(ص) کے دل میں شك پیدا ہوا _

5_ پھر آپ(ص) غضبناك ہو کر اپنی عبا گھسیٹ گھسیٹ کر کیوں چل دیئے کیا آپ(ص) کو ذوالیدین کی باتوں پر غصہ آگیا تھا؟ اگر یہ غصہ اس بات پر تھا کہ انہوں نے آپ(ص) کو حقیقت سے آگاہ کیا تھا؟ تو یہ بات کسی بھی لحاظ سے آپ(ص) کے شایان شان نہیں ہے _ اور اگر یہ غصہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے آپ(ص) پر الزام لگایا تھا اور آپ(ص) کو جھٹلانے پر ایکا کر لیا تھا اور آپ(ص) سے ایسی بات منسوب کی تھی جو آپ(ص) کے شایان شان نہیں تھی _ تو پھر آپ(ص) نے پلٹ کر ان کے ساتھ نماز مکمل کیوں کی تھی ؟ اور سہو کے دو سجدے کیوں کئے تھے؟

421

6_ یہ نہیں معلوم کہ وہ نماز کیسے صحیح ہوسکتی ہے جس کے درمیان میں آپ(ص) اٹھ کر حجرے میں چلے گئے تھے پھر واپس آکر نماز مکمل کی تھی _ اور بھی اسی طرح کی دیگر باتیں ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں_

شیعوں کے نزدیک سہو کی روایات

بہر حال اہل بیت (ع) سے بھی اس بارے میں روایتیں ذکر ہوئی ہیں جن میں سے پانچ سند کے لحاظ سے معتبر احادیث بھی ہیں لیکن کسی میں بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی رو سے ان پر مذکورہ اعتراضات ہوسکیں_ تستری نے اس موضوع پر ایک الگ مقالہ لکھا ہے جو قاموس الرجال کی گیا رہوین جلد کے آخر میں چھپا ہے _ شائقین وہاں مراجعہ فرمائیں _ لیکن شیخ نے التہذیب میں زرارہ کی ایک روایت بیان کی ہے _ وہ کہتا ہے : " میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا رسول (ص) خدا نے بھی کبھی سجدہ سہو کیا ہے ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں انہیں کوئی فقیہ بھی ادا نہیں کرتا " _ پھر چند ایک ایسی حدیثیں بھی بیان کی ہیں جن میں رسول

(ص) خدا کے سہو کی باتیں بیان ہوئی تھیں پھر کہا: " لیکن میں اس روایت کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں کیونکہ رسول (ص) خدا کے سہو کو بیان کرنے والی حدیثیں عامہ اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ہیں " (1) اس نے روایتوں پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ روایتیں خبر واحد ہیں جنہیں ناصبیوں اور سادہ لوح شیعوں نے روایت کیا ہے _ اس لئے نظریاتی لحاظ سے ان پر اعتبار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ گمان کی پیروی کے مترادف ہو جائے گا (2) _

یہ ماجرا کس لئے؟

ممکن ہے بعض افراد سہو النبی (ص) کی یہ توجیہ کریں کہ خدا نے رسول (ص) کو اپنی عظمت اور شان کے باوجود مندرجہ ذیل مصلحتوں کے پیش نظر سہو اور نسیان میں مبتلا کر دیا تھا کہ :

1)الدار المنثور عاملی ج 1 ص 107 _

2)الدار المنثور عاملی ج 1 ص 113 _

422

1_ لوگ آنحضرت (ص) کے متعلق غلو کرتے ہوئے آپ (ص) کو خدا نہ سمجھ بیٹھیں یا آپ (ص) کے لئے بعض ایسی صفات ثابت نہ کر بیٹھیں جو

آپ(ص) میں ہیں ہی نہیں۔

2_ خدا مسلمانوں کو علم فقہ سمجھانا چاہتا تھا _ جس طرح یہ بات حسن بن

صدقہ کی اس روایت میں موجود ہے جسے کلینی نے ذکر کیا ہے _ (1)

اور خدا انہیں یہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ رسول (ص) بھی ان ہی کی طرح کے

ایک انسان ہیں _ پس آپ(ص) کی ایسی کوئی بھی توصیف جو آپ(ص) کو

انسانیت سے خارج کر دے وہ بے جا اور ناقابل قبول ہے _

3_ خدا نے ہی آپ(ص) کو امت پر رحمت کے نزول کے لئے نسیان اور سہو

میں مبتلا کر دیا _ کیونکہ پہلے جو شخص بھول جاتا تھا تو کیا آپ لوگوں نے

مشاہدہ کیا کہ اسے لعنت ملامت کی جاتی اور رکھا جاتا کہ تمہاری نماز قبول

نہیں ہوئی؟ لیکن اگر آج کوئی شخص نماز میں کوئی چیز بھول جاتا ہے تو

کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں رسول (ص) خدا بھی بھول گئے تھے _ اوریوں

آپ(ص) کا یہ عمل سب کے لئے اسوہ بن گیا ... (2)_

اس طرح کی باتیں آپ(ص) کے سفر میں نماز صبح کے وقت سوتے رہنے

کے متعلق (روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں) بھی ہوئی ہیں _ لیکن

ہماری نظر میں یہ سب نادرست ہیں _ اسے آئندہ ثابت کریں گے _ انشاء اللہ

ان توجیہات کے نقائص

لیکن یہ توجیہات ناکافی اور نادرست ہیں _ کیونکہ بھولنے پر کسی کی لعنت

ملامت اس وقت صحیح ہے جب اس کی بھولنے کی عادت ہی نہ ہو _ جبکہ

انسانوں کی عادت ہی بھولنا ہے _ اور جو شخص دوسروں کی طرح بھولتا ہو وہ دوسروں کو لعنت ملامت کیسے کرسکتا ہے ؟

(1) الکافی ج 3 ص 356

(2) الکافی ج 3 ص 357

423

اور رہی رسول (ص) خدا کے بارے میں غلو کی بات تو غلو کا شائبہ دور کرنے کے اور بھی طریقے ہوسکتے تھے جن سے کوئی اور مشکل بھی پیش نہ آتی _ اسی طرح سہو اور نسیان کے احکام بھی دوسرے بہت سے احکام کی مانند بنی (ص) کریم کو اس میں مبتلا کئے بغیر بتائے جاسکتے تھے _ اس کے علاوہ اس سہو میں ایک بہت بڑا مفسدہ (عیب) بھی پایا جاتا ہے اور وہ آنحضرت (ص) کی تمام تعلیمات اور ارشادات پر عدم اطمینان ہے _

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس آخری اعتراض کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ نبی(ص) کریم کا ہر قول ، فعل اور تقریر(1) حجت اور قابل عمل ہے _ اور سہو کا واقعہ آپ(ص) کے افعال و اقوال کی حجیت کے مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے منافی ہے _ اور یہ چیز آپ(ص) پر اعتماد اور اطمینان کے اٹھ جانے کا باعث بنتی ہے نیز

لوگوں کا عدم اطمینان آپ(ص) کی نبوت اور رسالت کی حکمت کے بھی
منافی ہے (2)

البتہ اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ سہو اس وقت آپ(ص) کے
قول و فعل کی حجیت کے منافی ہوتا جب آپ(ص) اپنی اس بھول پر باقی
رہتے اور لوگ اس سے ایک غلط حکم اخذ کر لیتے لیکن جب خدا نے فوراً ہی
آپ(ص) کو یاد دلایا بلکہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کا حکم بھی آپ(ص)
اور لوگوں کے لئے واضح کر دیا تو اس میں عقلی اور شرعی لحاظ سے کوئی
مانع نہیں ہے (3)

خلاصہ یہ کہ خدا کا کسی مصلحت کے پیش نظر آپ(ص) کو سہو میں مبتلا
کرنا ان کے اس مقولے سے متصادم ہے کہ اس نسیان کا مطلب کسی نامعلوم
چیز کے حوالے ہونا ہے _ (یعنی نسیان کا مطلب نامعلوم چیز کا ارتکاب

1) تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرت(ص) کے سامنے کوئی بات کرے یا کوئی کام کرے اور آنحضرت(ص) کے سامنے

سے روکنے ٹوکنے میں بھی کوئی مانع نہ ہو اور آپ(ص) اس شخص کی تائید کریں یا کم از کم نہ ٹوکیں تو وہ بات یا فعل بھی قابل عمل

اور جانز بوجانے گا _

2) ملاحظہ ہو : دلائل الصدق ج 1 ص 384 تا ص 386 _

3) ملاحظہ ہو : فتح الباری ج 3 ص 81 _

ہے دوسرے لفظوں میں بھولنا ہے _ جبکہ اگر مصلحت مقصود تھی تو اس کا مطلب ہے بھول چوک نہیں تھی) _ اور بھول پر باقی نہ رہنے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ آنحضرت (ص) کی شان اور کرامت کی حفاظت اور آپ (ص) کے فرامین پر اطمینان کیلئے نا کافی ہے (کیونکہ آپ (ص) بھولے تو پھر بھی ہیں _ خدا نے اس مسئلے کو جلدی یاد دلادیا _ اور وہ بھی کسی اور شخص کے ذریعہ دیگر معاملات میں کیا ضمانت ہے کہ آپ (ص) نہیں بھولیں گے ؟ اور اگر نعوذ باللہ بھول بھی گئے تو خدا آپ (ص) کو فوراً یاد دلادے گا ؟ اگر جلدی بھی یاد دلادی ، اس سے کوئی نیا حکم اخذ نہیں ہوگا ؟ اور پھر آپ (ص) کے حافظے پر کتنا اعتبار رہ جائے گا؟ اور ...) اسی طرح یہ سہو اور بھول لوگوں کی نظر میں آپ (ص) کی قداست پر بھی برا اثر ڈالتی ہے اور یہ بات نہایت ہی واضح ہے _

اسی مناسبت سے یہاں سہو ، نسیان اور خطا سے آنحضرت (ص) کی عصمت اور پھر گناہوں سے آنحضرت (ص) کی عصمت اور ان کے جبری یا اختیاری ہونے پر بحث میں کوئی مضائقہ نہیں ہے _ پس گفتگو دو حصوں میں ہوگی _ پہلا حصہ سہو ، نسیان اور خطا سے عصمت سے بحث سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ گناہوں سے عصمت سے متعلق ہے _

سہو ، خطا اور نسیان سے بچنا اپنے اختیار میں ہے

بظاہر بھول چوک اور خطاؤں سے بچنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اور نماز میں پیش آنے والے واقعہ کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ خدا کی طرف سے کسی مصلحت کے پیش نظر آپ(ص) کو سہو میں مبتلا کرنا تھا وگرنہ آپ(ص) خود نہیں بھولے تھے۔ اس بات کا اثبات مندرجہ ذیل نکات کے بیان میں پوشیدہ ہے۔

1_ کوئی شخص اگر اپنے آپ کو نہ بھولنے ، حفظ کرنے اور دقت کرنے کی مشق کرائے تو وہ یاد رکھنے اور نہ بھولنے پر زیادہ قادر ہو جائے گا۔ اور اس شخص کی خطا کی نسبت اس دوسرے شخص سے بالکل کم ہوگی جسے کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی کہ اسے کوئی چیز بھول جائے یا یاد رہ جائے ، کسی چیز کا اضافہ ہو یا پھر حافظہ میں کمی ہو۔ پس اگر وہ اس کام پر خصوصی توجہ دے گا تو اس میں نسیان اور خطا کا احتمال بھی کم ہو جائے گا۔

اور جتنا جتنا اس

425

کام کو وہ اہمیت دے گا اتنا اتنا اس کے خطا اور نسیان کا احتمال بھی کم ہوتا جائے گا۔ اور یہ چیز محسوس اور تجربے سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ اور عام انسان کی بہ نسبت یہ بات صادق ہے۔ اور کسی کے ادراکات ، ذہنی اور فکری قوتیں جتنی زیادہ اور طاقتور ہوں گی اسے اپنے حافظے اور دماغ

پر زیادہ قابو ہوگا اور خطا، نسیان اور سہو کا احتمال اتنا ہی کم ہوگا _ جس طرح دودھ پلانے والی ماں کے لئے اپنے دودھ پیتے بچے سے غفلت عام طور پر ناممکن ہوتا ہے _ اور ہمارے نبی (ص) تو ہر کمال اور فضیلت کی چوٹی پر فائز ہیں _ آپ(ص) وہ اولین انسان ہیں جو روئے زمین پر خلافت الہی کا حقیقی نمونہ ہیں _ آپ(ص) وہ انسان ہیں جو خدا کی ذات میں فنا ہیں یعنی آپ(ص) کا ہدف اور مقصد خدا کی خوشنودی کا حصول اور اہداف خداوندی کا تحقق تھا _ پس طبیعی بات تھی کہ آپ(ص) کی گرد پاتک بھی کوئی نہ پہنچ پاتا اور کوئی بھی بشر آپ(ص) کے حافظے کا مقابلہ نہ کر پاتا _ خاص کر ان امور میں جو آپ(ص) کے اعلیٰ مقاصد ، اپنے رب کی عبادت اور اطاعت سے متعلق تھے _ اور خصوصاً جب آپ(ص) خدا کو حقیقتاً ہر موقع پر حاضر اور ناظر جانتے تھے _ اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ مزید کسی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے _ مزید یہ کہ آنحضرت(ص) نے دین اور احکام دین کی حفاظت کے لئے جتنی کوشش اور جد و جہد فرمائی وہ آپ(ص) پر خدا کے الطاف و احسانات کا باعث بنی اور (والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا) اور (ولینصرن اللہ من ینصرہ) (ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً) کے مصداق آپ(ص) کی بھلائوں اور تائیدات ایزدی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور آپ(ص) کے سب راستے صاف ہوتے چلے گئے _

2_ بعض چیزیں ایسی ہیں جو نسیان کا باعث بنتی ہیں _ اور ہر شخص ان

چیزوں سے پرہیز کر سکتا ہے _ اس بنا پر وہ ان چیزوں سے پرہیز کر کے ان کے اثرات یعنی سہو اور نسیان سے بھی بچ سکتا ہے _ روایات میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر آیا ہے _ بطور مثال جو چیزیں نسیان کا باعث بنتی ہیں ان میں سے ایک پنیر (cheese) کھانا، قبروں کے کتبے پڑھنا ، برادھنیا کھانا ، بہت زیادہ پانی پینا ، جسم کے بعض حصوں کے ساتھ بے فائدہ چھیڑ چھاڑ کرنا ، زیادہ پریشان ہونا جو اکثر وبیشتر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے _ اور ان جیسے اور کام کرنا ہیں _

426

جبکہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو حافظے کو زیادہ کرتی ہیں _ بطور مثال کثرت سے یاد دہانی ، کشمش کھانا ، قرآن مجید کی تلاوت کرنا ، خدا کا ذکر کرنا اور نیکی کے کام کرنا ہیں اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے _ واضح ہے اسباب اور وسائل پر قدرت رکھنے کا مطلب اس امر یعنی مسبب پر قدرت رکھنے کی طرح ہے (یعنی اگر آپ اپنے آپ کو خود پینا ٹائز کر سکتے ہیں ، کشمش و غیرہ کھا سکتے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہیں اور اس طرح کے حافظے بڑھانے والے دیگر کام کر سکتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اپنا حافظہ بڑھا سکتے ہیں) _ پس انسان اپنے آپ کو فلاں چیز کے نہ بھلانے پر مکلف اور مامور کر سکتا ہے یا اپنے حافظے بڑھانے والے کام کر سکتا ہے کیونکہ اسے اس کے اسباب فراہم

کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ اور ایسے مسبب (امور) کا فریضہ شریعت میں بھی زیادہ ہے جسے انسان صرف اس کے اسباب (مقدمات و غیرہ) کے اوپر قدرت رکھنے اور انہیں فراہم کرنے سے ہی انجام دے سکتا ہے۔

3_ بہت سی آیتیں ایسی ہیں جو نسیان کی مذمت کرتی ہیں۔ بلکہ بعض آیتوں میں تو نسیان پر فوری سزا دینے یا دنیا میں ہونے والے نسیان کی وجہ سے آخرت میں عذاب دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ نمونے کے لئے ہم مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں :

(و من اظلم ممن نكّر بايات ربہ فاعرض عنها و نسی ما قدمت یداہ) (1)

اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جسے اپنے پروردگار کی نشانیاں یاد دلائی جائیں لیکن وہ ان سے روگردان ہو جائے اور اپنے کرتوتوں کو بھی بھول جائے۔

یہاں پر آیت کے سیاق اور لفظ " نكّر " کی موجودگی کی وجہ سے لفظ " نسی " سے تجاہل عارفانہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔ حالانکہ بعض مفسرین نے یہی کہنا چاہا ہے۔ یہی صورتحال مندرجہ ذیل آیتوں کی بھی ہے۔

پس ان آیتوں میں لفظ نسیان کا مطلب تجاہل عارفانہ نہیں بلکہ حافظے سے ہٹ جانا یعنی سستی ، روگردانی

اور اہمیت نہ دینے کی وجہ سے بھول جانا ہے ۔
 (يحرّفون الكلم عن مواضعه و نسوا ا حطاً مما ذكّروا به)
 " الفاظ کو اپنی جگہ سے بدل کر تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس (عذاب) سے اپنا حصہ بھول جاتے ہیں جس کی انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی
 " (1)

(فالیوم ننساہم کما نسوا لقاء یومہم ہذا)
 " پس قیامت کے دن ہم بھی انہیں اس طرح خود سے بے خبر کر دیں گے جس
 طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا " (2)
 (و لا تکنونوا کالذین نسوا اللہ فانساہم انفسہم)
 " اور ان لوگوں جیسے مت بنو جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تھا جس کے نتیجے
 میں خدا نے بھی انہیں خود سے بے خبر کر دیا تھا " (3)
 (نسواللہ ففسیہم)

" انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا " (4)
 (اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم)
 " کیا تم لوگ دوسروں کو تو نیکیوں کا حکم دیتے ہو لیکن اپنے آپ کو بھول
 جاتے ہو "؟
 (فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم ہذا)

" پس اس دن کی ملاقات کو فراموش کرنے پر عذاب کا مزہ چکھو" (6)

- 1)ماندہ
_13/
2)اعراف
_10/
3)حشر
_9/
4)توبہ
_67/
5)بقرہ/4_
6) حم سجدہ/14_

428

(رَبَّنَا لَا تَأْخُذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا) (1)

" پروردگار گر ہم بھول جائیں یا ہم سے کوئی خطا سر زد ہو جائے تو ہمارا

مؤاخذہ نہ کرنا "

اور خدا سے ایسی خواہش تب صحیح اور جائز ہوسکتی سے جب نسیان پر

مؤاخذہ اور گرفت بھی صحیح اور جائز ہو۔ اور اس بارے میں آیات بہت زیادہ

ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے ۔

اسی طرح بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جو نسیان سے منع کرتی ہیں ۔ اور

لازمی بات ہے کہ نہی اور ممانعت کسی اختیاری اور مقدر کام سے ہوسکتی

ہے۔ جو چیز بس میں نہ ہو اس سے ممانعت عبث ہے اور خدا سے یہ کام
 محال ہے۔ _ ارشاد ربانی ہے :
 (و لا تنس نصيبك من الدنيا) (2)
 " اور دنیا سے اپنے حصے کو فراموش مت کر "
 (و لاتنسوا الفضل بينكم) (3)
 " اور ایک دوسرے سے بھلائی کو فراموش مت کرو "
 اور مذکورہ آیتوں میں نسیان سے مراد " ترك " لینا بھی ہمارے مدعا کی نفی
 نہیں کرتا کیونکہ اس ترك سے مراد سستی اور اہمیت نہ دینے سے پیدا ہونے
 والے نسیان کی وجہ سے ترك کرنا ہے۔ اس علم کے ساتھ کہ مکلف (انسان
) کے امکان اور بس میں ان چیزوں کا نہ بھولنا اور یاد رکھنا بھی ہے۔
 کیونکہ سبب پر قدرت رکھنا مسبب پر قدرت رکھنے کے مترادف ہے۔ پس
 اس صورت میں نسیان اور فراموشی پر عذاب عقلی لحاظ سے قبیح نہیں ہوگا
 (4)

_286/

(1) بقرہ

(2) قصص/77_

_237/

(3) بقرہ

(4) ملاحظہ ہو : اوثق الوسائل ص 262_

پختہ ارادہ

ہم مندرجہ ذیل آیت میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ خدا نے نسیان کے اختیاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

(ولقد عہدنا الی آدم من قبل فَنَسِيَ و لم نجد له عزمًا)

" اور ہم نے اس سے پہلے آدم (ع) سے عہد لے لیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہیں دیکھی " _

پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر آدم (ع) میں طاقت ، تحمل اور پختہ ارادہ ہوتا تو وہ ایسا کام کبھی نہ کرتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نسیان، صبر و تحمل پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے تھا (یعنی بے صبری کی وجہ سے وہ عہد خداوندی کو بھول گیا) _ اور نسیان بھی بے صبری کی پیداوار ہے _ پس انسان کی قدرت ، ارادے کی پختگی ، تحمل اور طاقت جتنی بڑھتی جائے گی اس آیت کی روسے اس کا نسیان اتنا ہی کم ہوتا جائے گا _ اور نسیان کے اختیاری ہونے کی ایک اور دلیل آنحضرت (ص) کا یہ ارشاد بھی ہے کہ " رفع عن امتی النسیان " (میری امت سے نسیان پر مؤاخذہ اٹھا لیا گیا ہے) اور یہ مؤاخذہ خدا کے لطف و کرم سے مسلمانوں کی آسانی کے لئے اٹھایا گیا ہے (1) _

اور اٹھائی وہ چیز جاتی ہے جسے رکھا اور وضع کیا جائے اور وہ یہاں مؤاخذہ ہے۔ اور مؤاخذہ صرف اختیاری امور پر ہوتا ہے چاہے اس پر اختیار اس کے سبب پر اختیار کے ذریعہ سے ہی ہو۔ کیونکہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ سبب پر قدرت مسبب پر قدرت کے برابر ہے۔

تبلیغ و غیرہ میں عصمت

گذشتہ باتوں کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت (ص) کے لئے سہو ، نسیان اور خطا سے عصمت ثابت

1) اس کا مطلب ہے کہ گذشتہ امتوں کا نسیان کی وجہ سے مؤاخذہ ہوتا تھا۔

430

ہوگئی ہے تو یہ عصمت بلا قید و شرط ہوگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ ایک مقام کے لئے تو ثابت ہو لیکن دوسرے کے لئے نہیں۔ کیونکہ ملکہ ہمیشہ ناقابل تبعیض اور ناقابل تجزیہ ہوتا ہے پس اس بنا پر بعض افراد کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) صرف تبلیغ دین میں معصوم ہیں۔ بلکہ آپ (ص) ہر وقت اور ہر جگہ معصوم ہیں اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے۔ گناہوں سے عصمت بھی اختیاری ہے :

ایک جواب طلب سوال

تمام مسلمانوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ہر لحاظ سے معصوم ہیں (1) اور شیعین اہل بیت (ع) عصمت و طہارت تمام انبیاء کے علاوہ بارہ اماموں کو بھی معصوم جانتے ہیں۔ اور وہ اس لئے کہ ان کی اطاعت اور پیروی سب پر واجب ہے۔ اور اگر (نعوذ باللہ) ان سے گناہ سرزد ہوتے ہوتو پھر ان کی اطاعت کا جواز ہی معقول نہیں ہے چہ جائیکہ ان کی اطاعت واجب ہو۔ اس لئے کہ اس کا مطلب خود گناہوں کے ارتکاب کو جائز قرار دینا ہے اور یہ بات نامعقول ہے۔ کیونکہ ایک تو اس صورت میں گناہ اپنے گناہ ہونے سے خارج ہو کر ایک جائز فعل کی صورت اختیار کر لیں گے اور دوسرا یہ کہ یہ بات انبیاء کی بعثت اور نبوت کی حکمت اور فلسفے کے بھی خلاف ہوگا۔ البتہ ہم یہاں ان باتوں کی مکمل تفصیلات اور مختلف اقوال پر تفصیلی بحث کے در پے نہیں ہیں۔ یہاں ہم فقط اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ کیا انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی سکت اور استطاعت ہی نہیں ہے اور وہ اطاعت کے علاوہ کسی اور کام کی قدرت ہی نہیں رکھتے؟ دوسرے لفظوں میں کیا وہ اطاعت کرنے اور گناہوں سے

1) گرچہ بعض افراد کو تمام انبیاء (ع) کے عمومی عصمت پر اعتراض ہے لیکن شیعین اہل بیت (ع) اس بات کے قائل ہیں کہ تمام

انبیاء (ع) اپنی ولادت سے رحلت تک معصوم اور خدا کی حمایت اور رہنمائی کے زیر سایہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی عصمت صرف ان

431

دوری اختیار کرنے پر مجبور ہیں؟ اگر وہ ان باتوں پر مجبور ہیں تو پھر وہ کس بات پر افضل ہیں؟ ان پر یہ فضل و کرم کیوں کیا گیا؟ ہم ان کی طرح اس بات پر مجبور کیوں نہیں ہوئے؟ خدا کس لئے ہمیں ناپسندیدہ کاموں کے انجام کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے پھر ہمیں جہنم میں عذاب اور جنت سے محروم کر کے ہمیں سزا کیوں دے گا؟ پھر مجبور ہو کر اطاعت کرنے اور رگناہوں سے دوری اختیار کرنے والے شخص کو جنت دینا اور جہنم سے دور رکھنا کیا صحیح اور مناسب ہے؟

:

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب سے بچاؤ اختیار ہی ہے۔ اس بات کی تفصیل کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔ پس ہم مندرجہ ذیل نکات میں اس کی وضاحت کرتے ہیں:

اسلام اور فطرت

جو شخص بھی اسلام کی آسمانی تعلیمات کا مطالعہ اور ان میں غور و فکر کرے گا تو اسے اس قطعی حقیقت کا ادراک ہوگا کہ یہ تعلیمات انسانی فطرت

اور طبیعت کے ساتھ بالکل سازگار ہیں البتہ اگر اس خالص فطرت پر غیر متعلقہ بیرونی عوامل یکبارگی دباؤ ڈال کر اسے دبا نہ دیں (1) _
 حتیٰ کہ آپ زمانہ جاہلیت کے بعض افراد کو مشاہدہ کریں گے کہ انہوں نے جھوٹ بولنے ، شراب پینے ، زنا کرنے اور بتوں کی پوجا کرنے کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا اور کتاب "امالی" کے مطابق جناب جعفر بن ابی طالب اور چند دوسرے لوگ بھی انہی افراد میں سے تھے (2) _
 اسی طرح قیس بن اسلت نے بتوں سے دوری اختیار کر لی تھی، وہ جنابت کا غسل کیا کرتا تھا ، حیض

1) اس بارے میں ماہنامہ المنتظر فروری 1999 کے صفحہ 28 پر مترجم کا چھپنے والا مضمون " انسان میں دینی فطرت کا وجود"

بھی قابل ملاحظہ ہے

2) "شخصیات اور واقعات" کی فصل میں تحریم خمر کی گفتگو کے دوران ان افراد کا ذکر بھی آنے لگا جنہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی _

432

والی عورتوں کو صاف ستھری ہونے نیز سب کو صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا تھا (1)...

جناب عبدالمطلب بھی اپنی اولاد کو ظلم اور زیادتی نہ کرنے کا حکم دیتے

تھے اور انہیں اخلاقِ حسنہ پر اکساتے تھے ، پست کاموں سے روکتے تھے ، آخرت پر یقین رکھتے تھے ، بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے اور خدا کی وحدانیت کے قائل تھے _ اور اس نے ایسے رسوم کی بنیاد رکھی جن کی اکثریت کی قرآن نے تائید کی ہے اور وہ سنت قرار پائے ہیں _ جن میں سے ایک نذر کی ادائیگی ، دوسری ، محرموں سے نکاح کی حرمت ، تیسری چور کے ہاتھ کاٹنا ، چوتھی ، لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کی ممانعت ، پانچویں ، شراب کی حرمت ، چھٹی ، زنا کی حرمت اور ساتویں ، ننگے بدن بیت اللہ کے طواف سے ممانعت ہے (2) _ اور قرآن نے نہ صرف یہ تصریح کی ہے بلکہ وعدہ بھی کیا ہے اور اپنے اوپر لازم بھی قرار دیا ہے کہ یہ نیادین ، دینِ فطرت ہوگا _ اس لحاظ سے کہ اگر اس کی تعلیمات میں سے کوئی حکم بھی خلاف فطرت ثابت ہو جائے تو اسے ٹھکرایا جاسکتا ہے اور اسے جعلی ، عجیب و غریب اور غیر آسمانی قرار دیا جاسکتا ہے _ ارشادِ خداوندی ہے:

(فَاقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم و لكن اكثر الناس لا يعلمون) (3) _

" پس اپنا رخ اس پائندہ اور سیدھے دین کے مطابق کرلو کہ یہ ایسی خدائی فطرت کے مطابق ہے جس پر اس نے لوگوں کو خلق کیا _ اور خلقِ خدا کے لئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی _ یہ ایک سیدھا دین ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں "

اور علامہ طباطبائی کے بقول " یہ اس وجہ سے ہے کہ انسان ایسی فطرت پر پیدا ہوا ہے جو اسے اپنے

1(سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 190 و ص 191_

2(سیرہ حلبیہ ج 1 ص 4 و سیرہ نبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ج 1 ص 21_

3(روم/30_

433

نقائص دور کرنے اور ضروریات پوری کرنے کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور اس کو زندگی میں فائدہ مند اور نقصان وہ چیزوں سے مطلع کرتی ہے۔
ارشاد پروردگار ہے :

(و نفس و ماسوٰاہا فالہمہا فجورہا و تقواہا) (1)

" نفس (روح) کی اور اس کو ہموار کر کے اسے اچھائیوں اور برائیوں کے الہام کرنے والے کی قسم "

پس دین اسلام ایک ایسا نظام اور دستور ہے جو انسان کی ہدایت کرتا ہے ، اچھائیوں اور بھلائیوں کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اسے برائیوں اور بدبختیوں سے روکتا ہے۔ اور یہ نظام ،نفس انسانی کو کئے جانے والے ان خدائی الہامات کے بالکل مطابق ہے جن کی خدا نے اسے پہچان کرادی

تھی _ اسی طرح عقل بھی اس کی پرورش اور حفاظت کرتی ہے اور اسے راستہ دکھا کر اسے ڈگمگانے یا اپنے خواہشات کی سرکشی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اپنے من پسند ادراکات اور احکام کی طرف جھکاؤ سے روکتی ہے اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ عقل اندرونی شریعت ہے اور شریعت بیرونی عقل ہے _ اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایت کی پیروی نہ کرنے والے اور سیدھے راستے پر نہ چلنے والے کو قرآن مجید ان الفاظ سے یاد کرتا ہے:

(ارایت من اتخذ الہم ہواہ افانت تکون علیہ وکیلاً ام تحسب ان اکثرہم یسعمون او یعقلون ان ہم الا کالانعام بل ہم اضل سبیلاً) (2)

" کیا آپ (ص) نے اس شخص کی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے اور اس کی پیروی میں لگا ہوا ہے؟ کیا پھر بھی آپ (ص) اس پر اعتبار کرتے ہیں؟ یا یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اکثریت سنتی اور سمجھتی ہے؟ (ایسا نہیں) بلکہ وہ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر لوگ ہیں "

(1) فرقان / 44_

(2) شمس / 8_

نیز یہ بھی کہتا ہے :

(و لقد ذرانا لجنہم کثیراً من الجن و الانس لہم قلوب لا یفقہون بہا و لم اعین لا یبصرون بہا و لہم اذان لا یسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل و اولئک ہم

الغافلون (1)

" اور ہم نے تو بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لئے تیار کیا ہوا ہے کیونکہ (قصور ان کا اپنا ہے) ان کے دل و دماغ تو ہیں لیکن وہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں ، آنکھیں تو بینلیکن وہ ان سے حقیقت کو دیکھتے نہیں اور دماغ تو بینلیکن وہ ان سے ہدایت کی باتیں سنتے نہیں۔ یہ لوگ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں اور یہی لوگ غافل ہیں " پس قرآن مجید ایسے لوگوں کو جانور کی طرح سمجھتا ہے جو اپنی خواہشات نفسانی کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں، عقل کی ہدایت اور کہنے پر عمل نہیں کرے اور اسی عقل سے سازگار امر و نہی الہی پر کان نہیں دھرتے۔ یہ لوگ ان جانوروں کی طرح ہیں جو اپنی مرضی اور خواہش پر کسی بھی طرف کو نکل پڑتے ہیں اور ان کے پاس عقل نام کی کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جس سے وہ روشنی اور ہدایت حاصل کرتے اور نہ ہی وہ ایسے راستے (شریعت) پر چلتے ہیں جو انہیں عقل کے احکام کی طرف راہنمائی کرتا۔ بلکہ قرآن تو ان لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ کیونکہ اگر جانور اقتضائے عقل بشری کے خلاف کوئی کام کریں۔ بطور مثال درندگی

کریں ، خرابی مچائیں یا کوئی چیز تلف کر دیں تو نہ تو انہیں کوئی ملامت کی جائے گی اور نہ ہی ان سے کوئی حساب کتاب ہوگا _ کیونکہ انہوں نے اپنی عادت اور غریزے کے مطابق کام کیا ہے _ اس لئے کہ یہ غریزے اور خواہشات ہی ہیں جو انہیں چلاتے ہیں اور ان کے رفتار اور سلوک پر حاکم ہوتے ہیں اور ان کے پاس تو عقل ہی نہیں ہوتی کہ جس سے وہ ہدایت حاصل کرتے _ لیکن اگر یہی جانور عقل مندی کا کوئی کام کرنے لگیں ، بطور مثال

(1 اعراف / 179_

435

اگر ہم یہ دیکھ لیں کہ کوئی بھیڑیا کسی بھیڑ پر حملہ نہیں کر رہا یا کوئی بلی کسی چوہے کا پیچھا نہیں کر رہی تو ان کے اس فعل سے ہم تعجب کرنے لگیں گے اور وہ ہماری محفلوں کا موضوع گفتگو بن جائیں گے _ کیونکہ یہ چیز ان کے متوقعہ فطرت اور جبلت کے برخلاف ہے چاہے ان کا یہ کام سوجھ بوجھ کے ساتھ نہ بھی ہو ، کیونکہ ان کی عقل ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ یہ کام سدھائے جانے ، عادت بنانے اور مانوس ہونے کے نتیجے میں کرتے ہیں (جس طرح سرکسوں میں جانوروں کے کئی کر تب دکھائے جاتے ہیں) _ لیکن انسان اگر ظلم کرنے لگے ، جھوٹ بولنے لگے ، غیبت کرنے لگے ، بر

بادى کرنے لگے یا اپنی بہتری ، دین یا عقل کے خلاف کوئی اور کام کرنے لگے تو وہ اپنی فطرت اور جبلت کے تقاضوں کے خلاف کام کرے گا ، اپنے راستے سے منحرف ہو جائے گا اور انسانیت سے خارج ہو جائے گا اور اس صورت میں وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوگا _ (کیونکہ وہ اپنی بے عقلی اور بے شعوری کے باوجود محیر العقول کام کرجاتے ہیں جبکہ مذکورہ افراد عقل و شعور رکھنے کے باوجود نامعقول کام کرتے ہیں) مزید یہ کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جانور اپنے لئے مضر کسی کام کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن انسان اپنی نفسانی خواہشات اور شہوات اور غریزوں کے پیچھے لگ کر اپنے لئے مضر کاموں کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور اپنی سعادت اور خوشبختی کو تباہ کر ڈالتے تو ہمیں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ بے شک جانور اس انسان سے زیادہ ہدایت یافتہ اور عقلمند ہیں _ پس گذشتہ تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان اپنے لئے فائدہ مند چیزوں کے حصول اور مضر چیزوں سے دوری کی کوششوں پر پیدا کیا گیا ہے _ اور اسلامی احکام انسانی فطرت اور طبیعت کے مطابق ہیں _ اور انسان کی اپنے لئے مضر چیزوں سے دوری اور باعث سعادت اور راحت چیزوں کے حصول کی کوششیں اس میں ایسی فطری خصوصیات ہیں جن سے دوری ، اختلاف اور چھٹکارا ممکن نہیں ہے _ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عقل مند انسان (چاہے وہ مؤمن نہ بھی ہو) فطری طور پر ایسے کام نہیں کرتا جن کے مضر اور برے ہونے پر اسے پختہ یقین ہو _ بطور مثال وہ اپنے

ارادے اور اختیار سے زہر نہیں کھائے گا _ بلکہ وہ کسی ایسی جگہ پر بھٹکے گا بھی نہیں جہاں کے متعلق اسے یہ یقین ہو کہ اس کی وہاں موجود گی سے اسے

436

کسی بھی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے _ اسی طرح وہ اپنی اولاد و غیرہ کو کبھی قتل نہیں کرے گا ، مگر یہ کہ اس پر خواہشات یا نیند یا غصہ و غیرہ جیسے عقل کو زائل کرنے والی ان چیزوں کا غلبہ ہو جائے جو اس موقع پر عقل کے تسلط اور مناسب کار کردگی سے مانع ہوتی ہیں _ بلکہ ہم ایک بچے کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے آگ کو ہاتھ لگانے کی جرات تو کر بیٹھتا ہے لیکن جب آگ اسے تکلیف پہنچاتی ہے اور اسے بھی اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ آگ تکلیف دیتی ہے تو پھر وہ اپنے ارادے اور اختیار سے آگ کے قریب بھی نہیں بھٹکتا مگر اس پر نیند جیسی کوئی زبردست قوت غالب آجائے جو اس کے اس شعور پر غلبہ پالے _ پس عقل مند لوگ (چاہے وہ مومن نہ بھی ہوں بلکہ بچے تک بھی) زہر کھانے ، اپنے آپ کو آگ میں جلانے اور ہر اس چیز کے ارتکاب سے معصوم ہیں جن کے مضر اور برے ہونے کا انہیں یقین ہو _ مگر یہ کہ یہاں کوئی ایسی زبردست طاقت ان کے ارادوں اور ان کے عقل پر غلبہ پا کر انہیں ذہن پر تسلط سے منع کر دے اور کام کرنے سے روک دے اور

ان کے سامنے مضر خواہشات کو صحیح اور فائدہ مند جلوہ نما کر کے انہیں دھوکے میں مبتلا کر دے۔

عصمت کے لئے ضروری عناصر

گذشتہ معروضات میں دقت کرنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ بچے کا آگ سے بچنا اور عقل مندوں کا زہر کھانے سے پرہیز کرنا مندرجہ ذیل امور سے متعلق اور انہی کے نتیجے میں ہے :

1_ انسان اپنی آسودگی ، سعادت اور تکامل میں مدد کرنے والی چیزوں کے حصول اور اپنے لئے مضر ، بری اور باعث بدبختی چیزوں سے دوری اختیار کرنے کی کوششوں کی فطرت پر پیدا ہوا ہے۔ یعنی انسان کی ارتقاء پسند فطرت۔

2_ کسی خاص حقیقت کا ادراک پھر مذکورہ کسوٹی پر اس حقیقت کی پرکھ اور جانچ پڑتال۔

3_ عقل کی قوت اور ایسے موقعوں پر اس کا تسلط اور تمام نفسانی اور شہوانی طاقتوں پر اس کا غلبہ اور ان

437

خواہشات اور طاقتوں کو ان رستوں پر ڈالنا جن میں انسان کی بھلائی ، آسودگی اور سعادت ہو۔

4_ انسان کا اختیار اور ارادہ اور اس کا ان نفسانی خواہشات سے بچاؤ جو اس سے ارادے اور اختیار کو سلب کر لیتی ہیں _

پس جب یہ چار چیزیں مکمل ہوں تو انسان ان چیزوں کے ارتکاب سے معصوم ہو جائے گا جنہیں وہ یقینی طور پر اپنے لئے مضر سمجھے گا _ او اپنے آپ کو ان کاموں کی انجام دہی کا پابند سمجھے گا جنہیں وہ اپنی ترقی ، ارتقاء اور انسانیت کی بھلائی کے لئے مفید سمجھے گا _ اور مذکورہ عناصر کی تکمیل کے بعد ہم انسان کو صرف سیدھے رستے پر چلتا ہوا ہی دیکھیں گے جو اپنی بھلائی اور بہتری کے کام انجام دے گا اور اپنے لئے مضر اور نقصان دہ کاموں سے پرہیز کرے گا _ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ شخص کون ہے اور کس وقت کیا کر رہا ہے _

اور جب وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے لوگ اپنے ادراک کے درجات ، ذہنی اور فکری سطح ، نفسانی اور شہوانی خواہشات جیسے دوسرے باطنی طاقتوں پر عقل کے تسلط کے قوت اور ضعف اور ادراکات کی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو طبیعی بات ہے کہ ان کی عصمت کے درجات اور مقامات بھی مختلف ہوں گے _ یہ اختلاف ان کے ادراکات ، بصیرتوں ، اعتدال اور باطنی قوتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے _ اسی لئے اکثر اوقات علماء کو دیگر لوگوں سے زیادہ مذکورہ امور کا پابند دیکھا جائے گا بلکہ بسا اوقات ان سے کسی بھی غلطی کا ارتکاب مشاہدہ نہیں ہوگا _

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کا ادراک وسیع اور زیادہ ہے نیز دوسروں کی

بہ نسبت ان کے ادراک کی نوعیت ، کیفیت اور گہرائی بہت فرق کرتی ہے ۔
 بلکہ اس صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے تمام انسانوں کے لئے
 یہ واجب قرار دیا ہے کہ سب معصوم ہوں۔ اور وہ اس طرح کہ خدا نے تمام
 انسانوں پر اپنی اطاعت والے تمام کاموں (واجبات) پر عمل در آمد اور تمام
 برائیوں اور نافرمانی والے کاموں (گناہوں) سے اجتناب کو ضروری قرار دیا
 ہے ۔ اور یہ فریضے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر مکلف (انسان) میں
 یہ طاقت پائی جاتی ہے کہ وہ کسی بھی گناہ کا مرتکب نہ ہو کیونکہ

438

تکلیف اور فریضہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط اس کی انجام دہی پر قدرت
 اور طاقت رکھنا بھی ہے (یعنی جب کسی میں کسی کام کی قدرت ہی نہیں
 ہے تو اس کو اس کام کا پابند کرنا معقول نہیں ہے اور خدا کبھی کوئی
 نامعقول کام نہیں کرتا) ۔ وگرنہ خدا کو یہ استثناء بیان کرتے ہوئے بطور
 مثال یہ کہنا چاہئے تھا کہ ایک دو گناہوں کے علاوہ باقی سب گناہوں سے
 بچو کیونکہ تم سب سے پرہیز نہیں کر سکتے ۔ بلکہ یہ استثناء تو اس فعل کو
 سرے سے گناہ ہونے سے ہی خارج کر دیتی ہے (یعنی وہ فعل جائز ہوجاتا
 ہے جبکہ گناہ کا مطلب اس کا عدم جواز ہے ۔ اس صورت میں گناہوں اور
 ناقابل ارتکاب افعال کا دائرہ محدود ہوجاتا ہے ۔ بہر حال چونکہ لوگ ان گناہوں
 سے بچ سکتے ہیں اس لئے خدا نے ان سے بچنے کا حکم دیا ہے وگرنہ خدا

ایسا نہ کرتا) _ اس لحاظ سے سلمان فارسی ، ابوذر ، مقداد ، عمار اور شیخ مفید و غیرہ جیسے لوگوں کو بھی بطور مثال کسی بھی گناہ اور نافرمانی کے عمدی ارتکاب سے معصوم کہا جاسکتا ہے _ البتہ ان لوگوں میں اور نبی (ص) اور امام (ع) میں یہ فرق ہے کہ نبی (ص) اور امام (ص) گناہوں کا تصور بھی نہیں کرسکتے اور نہ ہی انہیں گناہوں کے ارتکاب کی کوئی رغبت ہوتی ہے کیونکہ انہیں حقیقت حال کا علم ہوتا ہے اور ان کاموں کی برائیوں اور بھلائیوں کا عین الیقین ہوتا ہے _ اس کے علاوہ انہیں خدا کی جلال اور عظمت کی وسیع اور گہری معرفت ہوتی ہے اور خدا کے حاضر ہونے کا شدت سے احساس ہوتا ہے _ جبکہ دوسرے لوگوں کو انبیاء اور ائمہ کی معرفت کی طرح اکثر احکام کی صحیح عُلّت اور خدا کی عظمت ، جلال اور ملکوت کا صحیح علم اور ادراک نہیں ہوتا _ اس لئے وہ بعض گناہوں میں رغبت تو رکھتے ہیں لیکن وہ صرف خدا کی اطاعت میں اور خدا کا حکم مانتے ہوئے ان گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں _

خلاصہ یہ کہ لوگوں کی (ذہنی ، عملی اور ہر قسم کی) سطح مختلف ہوتی ہے جس کی وجہ سے فرائض پر پابندی کے لحاظ سے ان کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں اور عام طور پر علماء فرائض کے زیادہ پابند ہوتے ہیں _

اگر چہ کہ ان میں بھی بعض ایسے افراد مل جاتے ہیں جن کی نفسانی خواہشات کے مقابلے میں ان کی عقل کمزور پڑ جاتی ہے _ جس کی وجہ سے فرائض پر ان کی پابندی میں بھی ضعف اور فرق آجاتا ہے جس کی وجہ سے

دوسرے علماء کی بہ نسبت ان کی معصومیت کا مرتبہ کم ہوجاتا ہے _ البتہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں بلکہ حقیقی علماء میں ایسے لوگ ہوتے ہی نہیں ہیں _ اسی لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ خدا حقیقی علماء کی تعریف کرتے

439

ہوئے کہتا ہے :
 (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء)
 " خدا سے تو صرف علماء ہی ڈرتے ہیں " (1)

توضیح اور تطبیق:

انبیاء اور ائمہ کو توفیقات اور عنایات الہی اور ان سے بڑھ کر وحی اور خدا سے رابطے نیز شریف اور عظیم پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہونے کی وجہ سے صرف صفات حسنہ اور انحصاری کمالات ہی حاصل ہوئے ہیں _ انہی وجوہات کی بنا پر وہ وسعت ادراک اور مثالی انسانی سلوک کی چوٹی ہیں _ نیز حقائق اور مستقبل قریب اور بعید میں ان کے مثبت اور منفی اثرات اور نتائج سے بھی وہ بلا شك صحیح معنوں میں واقف تھے اور ان کی واقفیت اور ادراک میں کسی شك و شبہ کی بھی گنجائش نہیں تھی _ وہ خوبیوں ، ذہنی اور صحیح نفسانی اور نفسیاتی طاقتوں کے بھی درجہ کمال پر فائز تھے _ وہ سب لوگوں سے زیادہ دانا ، تمام عقلمندوں سے بھی زیادہ عاقل ، ہر

بہادر سے بھی زیادہ بہادر اور تمام نیک اور اچھی صفات کے حامل ہونے کے لحاظ سے وہ سب مخلوقات سے زیادہ کامل اور افضل تھے _ کیونکہ وہ انسانی طبعی اور فطری تقاضوں سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوسکتے تھے _ اور ان کی عقل اتنی پختہ اور طاقتور تھی کہ نفسانی اور شہوانی خواہشات جیسی دیگر باطنی طاقتیں انہیں نہ تو دھوکہ دے سکتی تھیں اور نہ ان پر غلبہ پاسکتی تھیں _ بلکہ ان کی عقل ہی ہمیشہ ان پر غالب رہتی ، ان پر حکومت کرتی ، انہیں منظم کرتی ، انہیں چلاتی اور ان پر نگرانی کرتی تھی

بلاشك وہ انہی صفات اور خصوصیات کی وجہ سے فطری طور پر کسی گناہ اور ناپسندیدہ عمل کے ارتکاب سے اس طرح معصوم تھے جس طرح کوئی بچہ آگ کو چھیڑنے سے بچتا ہے اور عقلاء زہر کھانے سے کتراتے ہیں اور ہر اس چیز کے ارتکاب سے بچتے ہیں جو ان کے وجود ، شخصیت ، مستقبل اور موقف کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے _

(1) فاطر / 28_

440

پس گذشتہ باتوں کے علاوہ ، عقل کا نقصان دہ اور فائدہ مند نیز اچھی اور

بری چیزوں کا صحیح معنوں میں ادراک ، نیز خدا اور خدا کی عظمت ، جلال ، احاطہ ، قدرت ، حکمت اور تدبیر کی کمال معرفت اور امر و نہی کے مقام صدور کی پہچان اور قیامت ، ثواب اور سزا پر اس کا پختہ ایمان ، یہ سب چیزیں مل کر اس شخص کے لئے برائیوں اور گناہوں کے ارتکاب کے تصور کو بھی ناممکن اور ناقابل قبول بنا دیتی ہیں کیونکہ عقل اور گناہ ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف ہیں _ یہی وجہ ہے کہ جب ہم کسی شخص سے ملتے ہیں اور اس کے تمام حالات ، عادات ، خصوصیات ، ترجیحات اور افکار سے واقف ہوتے ہیں تو اس سے منسوب ایسی ساری باتیں جھٹلانے پر مجبور ہوجاتے ہیں جو اس کی شخصیت کے مناسب نہیں ہوتیں _ اور جتنا جتنا ہمارے لئے ثابت ہوتا جائے گا کہ اس کی مذکورہ صلاحیتیں پختہ اور راسخ ہیں اتنا ہی ہمارے لئے اس سے منسوب باتوں کا قبول سخت اور دشوار ہوتا جائے گا _ اور گذشتہ باتوں کی روسے جو شخص برائیوں سے دور اور اچھائیوں پر پابند رہنے کی کوشش کرے گا تو توفیقات الہی بھی اس کے شامل حال ہوتی جائیں گی کیونکہ (ولینصرن اللہ من ینصرہ) ، (و من یتق اللہ ینجعلہ فرقاناً) اور (والذین اہتدوا زاد ہم ہدی و آتا ہم تقوا ہم) پھر خدا نیک لوگوں کی اس جماعت میں سے اس شخص کو چن لیتا ہے جس کی عقل ان لوگوں میں سب سے کامل اور شخصیت سب سے افضل اور خیر اور کمال کی صفات کی جامع ہوتی ہے _ لیکن یہ واضح ہے کہ ان لوگوں کے متعلق خدا کے علم اور چناؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کسی قول یا فعل پر

مجبور ہیں _ اسی بنا پر عصمت سے کوئی جبر اور زبردستی لازم نہیں آتی کہ یہ کہا جائے کہ معصوم تکوینی (پیدائشی) طور پر سرے سے گناہوں کے ارتکاب کی طاقت نہیں رکھتا _ بلکہ عصمت ان معنوں میں ہوتی ہے کہ ان سے یہ افعال سرزد نہیں ہوتے _ اور علمی الفاظ میں یوں کہا جائے گا کہ معصوم میں گناہوں کا مقتضی ہی موجود نہیں ہوتا (اس کے دل میں گناہ کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی) اور نہ ہی اس میں گناہوں کے ارتکاب کے لئے علت مؤثرہ پائی جاتی ہے (اسے گناہوں کے ارتکاب پر کوئی چیز نہیں ابھار سکتی) _ بلکہ اس کے دل میں ارتکاب گناہ کا تصور بھی نہیں ابھرتا _ پس ان معنوں میں کہا جاسکتا ہے کہ ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے _ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح

441

ہم یہ کہیں کہ بچے کا اپنے آپ کو آگ میں گرانا محال ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کام اس کے لئے مقدور ہی نہیں ہے _ بدیہی اور واضح سی بات ہے کہ یہ کام اس کے لئے مقدور تو ہے لیکن ہمارے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کام کرے گا ہی نہیں _ اس طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کا ظلم کرنا محال ہے اور خدا کبھی ظلم نہیں کر سکتا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خدا ظلم کرنے پر قادر نہیں ہے _ کیونکہ بلاشک وہ اپنے سب سے زیادہ فرمانبردار بندے کو بھی عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے _ لیکن ہمارے

کہنے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ خدا ایسا کام نہیں کرے گا کیونکہ یہ کام حکمت خداوندی کے منافی ہے اور خدا کی شان اور عظمت کے بھی خلاف ہے۔ پس گذشتہ تمام باتوں کی روسے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ خدا کا اپنے بعض بندوں کو چن کر ان کے ہاتھ سے معجزہ دکھلانا اس بندے کے کامل اور معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس طرح پہلے بھی اشارہ کرچکے ہیں یہ معقول ہی نہیں ہے کہ خدا لوگوں کی ہدایت اور قیادت کے لئے اس شخص کا انتخاب کرے جو خود گناہگار اور نافرمان ہو۔

حضرت محمد(ص) افضل ترین مخلوق

گذشتہ باتوں کی رو سے اب ہمارے لئے سمجھنا آسان ہو گیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کیوں تمام مخلوقات حتی کہ دیگر تمام انبیاء و مرسلین سے بھی افضل ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گرچہ تمام انبیاء معصوم ہیں اور سب کو گناہوں کے اثرات اور نتائج کا بخوبی علم تھا اور وہ سب خدا کی عظمت اور جلالت اور ملکوت کی معرفت بھی رکھتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں سے زیادہ معرفت رکھتے تھے، لیکن ہمارے نبی(ص) کو ان اثرات اور ان کے پہلوؤں اور ہر نسل کے مختلف جوانب پر اس کے انعکاس کا اور اسی طرح خدا کے لامتناہی جلال اور بے اندازہ عظمت کا زیادہ گہرا اور حقیقی ادراک اور علم تھا۔ کیونکہ عقل، حکمت، دانائی، گہرے ادراک، شجاعت، کرم اور حلم میں بلکہ، مثالی اور نمونہ

عمل انسان کی تمام صفات حمیدہ اور اخلاق حسنہ

442

میں بلکہ تمام چیزوں میں آنحضرت (ص) سب سے کامل ، افضل اور اولین شخصیت ہیں _ پس اس لئے آپ (ص) سب سے افضل ہیں کہ آپ (ص) کی عصمت سب سے زیادہ عمیق ، پائیدار ، زیادہ پر اثر اور وسیع تھی _ اسی بنا پر آپ (ص) اپنی عبادتوں میں خدا سے سب سے زیادہ راز و نیاز کرنے والے اور سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے _

حدیث " علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " کا صحیح مطلب

اسی طرح جب ہم اس حدیث کو مشاہدہ کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ " علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " (1) _ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں) تو اپنے آس پاس موجود ان علماء کو دیکھتے ہوئے اس حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکتے جن سے بعض لا یعنی باتوں اور صغیرہ گناہوں کے سرزد ہونے کا احتمال رہتا ہے _ کیونکہ یہ معقول نہیں ہے کہ یہ شخص جس سے گناہوں کے ارتکاب کا اندیشہ رہتا ہے اس معصوم کی طرح ہوجائے جس کے متعلق نہ یہ اندیشہ رہا ہو ، نہ اس سے سرزد ہوا ہو اور نہ اس کے دل میں گناہ کا خیال تک آیا ہو _ اس لئے اس کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ یہ علماء معرفت ، علم اور بصیرت کے لحاظ سے ان انبیاء کی مانند

ہیں کیونکہ یہ علماء دینی ، تاریخی اور دیگر معارف میں ان حقائق سے مطلع ہوئے جن کا علم گذشتہ انبیاء کو نہیں تھا _ لیکن یہ توجیہ قرآنی منطق سے میل نہیں کھاتی_ کیونکہ قرآن مجید ، تقابل اور افضیلت کا معیار تقوی اور اعمال صالحہ کو قرار دیتا ہے _ ارشاد خداوندی ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) ترجمہ: " خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ متقی شخص ہے " (2) اور حدیث قدسی میں بھی آیا ہے : " میں جنت میں اس شخص کو لے جاؤں گا جو میری اطاعت کرے گا چاہے وہ حبشی غلام ہی ہو اور دوزخ میں اسے لے جاؤں گا جو میری نافرمانی کرے گا چاہے وہ قریشی سردار ہی ہو " _

 1)بحار الانوار ج 2 ص 22 از غوالی اللنالی _

(2)حجرات/13_

443

پس لازمی ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل علماء سے مراد نہ صرف ان انبیاء کی طرح معصوم شخصیات ہوں بلکہ انہیں ان انبیاء سے یہ امتیاز بھی حاصل ہو کہ ان کا ادراک ان سے زیادہ بھی ہو اور اس امت بلکہ نسلوں پر ہر فعل کے اثرات کا انہیں یقین بھی ہو _ بلکہ گذشتہ عہد کے

لوگوں کی تاریخ ، عقائد اور تبدیلیوں کا بھی مشاہدہ کرچکے ہوں اور ان سے مطلع ہوں اور خود بھی ان سے زیادہ زمانے اور صعوبتیں دیکھ چکے ہوں اور بنی اسرائیل کے انبیاء بھی انہیں پہچانتے ہوں _ مزید یہ کہ ان کے پاس ان تمام معلومات اور واقعات اور ان کے تمام جوانب اور مستقبل قریب یا بعید میں ان کے تمام پوشیدہ اور ظاہر اثرات کے ادراکات کے تحمل اور ان سے نتیجہ گیری کرنے کے لئے بہت زیادہ طاقت اور قدرت بھی ہونی چاہئے تاکہ جس طرح ہم نے پہلے بھی تفصیل سے بتایا ہے ان کی عصمت ان سے زیادہ دقیق ، عمیق ، پائیدار ، پر اثر اور وسیع ہو_ اور ہمیں تاریخ میں بارہ اماموں کے علاوہ ایسی خصوصیات کمالک کوئی اور شخص نہیں ملتا _ اور رسول(ص) خدا نے بھی انہیں ثقلین کا ایک حصہ اور کتاب خدا کا ہم پلہ قرار دیا تھا اور امت پر ان سے تمسک ، ان سے ہدایت کے حصول اور ان کے اوامر اور نواہی کی پیروی کو واجب قرار دیا تھا جن میں سے پہلی شخصیت حضرت علی (ع) اور آخری حضرت مہدی (ع) ہیں _

الصحيح من سيرة النبي الاعظم(ص)

445

چوتھا عنوان

خمس کا شرعی حکم اور سیاست

محترم قارئین سے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ عہد نبوی(ص) میں لاگو ہونے والے
 خمس کے حکم کی مختصر وضاحت کریں گے۔ اور چونکہ علامہ علی
 احمدی نے اس موضوع پر نہایت مفید گفتگو کی ہے اس لئے ہم بھی کچھ
 اضافات کے ساتھ حتی الامکان انہی کی باتوں سے استفادہ کریں گے۔
 ارشاد خداوندی ہے :

(و اعلموا انما غنمتم من شي فان لله خمسہ و للرسول و لذی القربى و اليتامى و
 المساكين و ابن السبيل)
 "او رجان لو کہ تمہیں جس چیز سے غنیمت (نفع) حاصل ہو تو اس میں سے
 پانچواں حصہ خدا ، رسول (ص) ، رسول (ص) کے قریبیوں (ذوالقربی) ،
 یتیموں ، مسکینوں اور (بے پناہ) مسافروں کا ہے" (1)

غنیمت کا معنی

بعض مسلمان فرقوں کے علماء کا نظریہ ہے کہ " غنیمت وہ مال ہے جو
 میدان جنگ میں کفار سے حاصل

(1) انفال / 41_

ہو"۔ جبکہ شیعوں کا اپنے ائمہ کی پیروی میں (لغویوں کی تشریح کے

مطابق) یہ نظریہ ہے کہ " غنیمت ہر وہ مال ہے جو کسی بدلے اور معاوضہ کے بغیر (یعنی مفت) حاصل ہو " _ لغوی کہتے ہیں : " غنم : مشقت کے بغیر کسی چیز کو پانا ، مفت حاصل کرنا " ، " اغتنام : فرصت کو (یا کسی چیز کو) غنیمت سمجھنا " اور " غنم الشی غنما : کسی چیز کا بلا مشقت حصول اور بدلے کے بغیر ہاتھ لگنا " _

راغب کہتا ہے : " غنم کا اصل مطلب کسی چیز کو اچانک پانا اور اسے حاصل کرنا ہے لیکن پھر ہر اس چیز کو " غنم " کہا جائے لگا جسے غلبہ پا کر حاصل کیا جائے " (1) یہ تو ہوئی لغویوں کی بات _

پھر جب ہم احادیث اور خطبوں میں کلمہ " غنم " کے استعمال کو دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ لفظ کا استعمال ہر چیز کے ہمہ قسم حصول پر ہوتا ہے یعنی ہر قسم کے نفع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے _

ہمارے اس مدعا پر دلیل کے لئے حضرت علی (ع) کے یہ فرامین بھی کافی ہیں :

(من اخذ بها لحق و غنم) (2)

" جو دین کی شاخوں کو پکڑ لے گا وہ اس کی حقیقت تک پہنچ جائے گا اور

فائدہ مند رہے گا " _

(ویری الغنم مغرمّاً و الغرم مغنماً) (3)

" وہ نفع کو نقصان سمجھتا ہے اور گھائے کو فائدہ " _

(و اغتتم من استقرضك) (4)

" اور تم اس شخص کو غنیمت سمجھو جو تم سے کوئی چیز ادھا رمانگے "

(الطاعة غنیمة الاکیاس) (5)

" اطاعت عقلمندوں کے لئے فائدہ مند اور غنیمت ہے "

1) ملاحظہ ہو: لسان العرب ، أقرب الموارد ، مفردات راغب ، قاموس النہایہ ابن اثیر ، معجم مقایس اللغہ ، تفسیر رازی ، مصاحبہ اللغات

و	نعت	کی	دیگر	کتب	_
2) نہج	البلاغہ	خطبہ	118	(بعض میں 120 ہے)	_
3) نہج	البلاغہ	کلمات	قصار	حکمت	_150
4)	نہج	البلاغہ	خط	نمبر	_31

5) نہج البلاغہ کلمات قصار حکمت نمبر 331_

447

اس کے علاوہ حدیث میں بھی ہے کہ :

(الربن لمن رہنہ لہ غنمہ و علیہ غرمہ) (1)

" رہن کا مال گروی رکھنے والے شخص کی ملکیت ہے اس کا نفع بھی اسی کا ہوگا اور نقصان بھی "

(الصوم فی الشتاء الغنیمۃ الباردة) (2)

" سردیوں کا روزہ بلا مشقت (مفت) کی کمائی ہے "

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے :

(عنداللہ مغانم کثیرہ) (3)

" خدا کے پاس تو بہت سارے خزانے (اور فائدے) ہیں "

اسی طرح جب آنحضرت (ص) کو کوئی زکات دی جاتی تو آپ(ص) یہ دعا

فرماتے:

(اللہم اجعلها مغنماً ولا تجعلها مغرمأ) (4)

" خدایا اسے فائدہ مند (اور با برکت) بنا گھاٹا (اور تلوان) مت بنا "

نیز فرمایا:

(غنمیة مجالس الذکر الجنة) (5)

" وعظ و نصیحت کی محفلوں کا فائدہ جنت ہے "

نیز روزے کی تعریف میں فرمایا :

(ہو) غم المؤمن (6)

" یہ مومن کے لئے غنیمت اور مفت کی کمائی ہے "

(1) النہایة ابن اثیر مادہ " غم" _

(2) النہایة ابن اثیر مادہ ' ' غم " _

(3) نساء 94/_

(4) سنن ابن ماجہ (کتاب الزکات) حدیث نمبر 1797_

(5) مسند احمد ج 2 ص 177_

اس کے علاوہ بھی کثیر احادیث اور روایات ہیں _ پس اس بنا پر لغت میں " غم " کا معنی ہے "ہر وہ چیز جو کسی بھی طرح سے حاصل ہو " _ لیکن بعض لوگوں کی طرف سے " بلا مشقت " کا اضافہ اس کے گذشتہ استعمال کے برخلاف ہے _ اور اس سے مجازی معنی مراد لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اکثر مقامات پر اس لفظ کا مجازی معنی میں استعمال ہونے کا عقیدہ رکھا جائے _ جبکہ قرآن مجید میں ہی خود آیت خمس کا اطلاق ہر اس مال پر ہوتا ہے جس سے فائدہ حاصل ہو _ اور ان میں وہ مال غنیمت بھی ہے جو جنگ میں بڑی مشقت کے بعد حاصل ہوتا ہے _ اور بعض شخصیات (1) کا یہ کہنا بھی کہ " اس لفظ کا اصل معنی پہلے ہر قسم کا نفع اور فائدہ تھا لیکن بعد میں صرف مال غنیمت کے ساتھ خاص ہو گیا " صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں یہ الفاظ صرف ان معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوئے بلکہ اصل معنوں میں اس سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں _ پھر اگر یہ شك بھی پیدا ہو جائے کہ یہ لفظ اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یا نہیں تو اس صورت میں اس لفظ کا اصلی لغوی معنی مراد لیا جائے گا _ پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر اس چیز پر خمس واجب ہے جو انسان کو حاصل ہو چاہے وہ کافروں سے جنگ کے

میدان سے بھی نہ ہو _ اور اس چیز کا اعتراف قرطبی نے بھی کرتے ہوئے کہا ہے : " لغت کے لحاظ سے تو آیت میں منافع کو جنگ کے مال غنیمت سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا " لیکن اس بارے میں وہ کہتا ہے : " لیکن علماء نے اس تخصیص پر اتفاق کر لیا ہے " (2) اور اس کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ علمائے اہل سنت نے آیت کے ظاہری مفہوم اور متبادر معنی کے خلاف اتفاق کر لیا ہے _

آنحضرت (ص) کے خطوط میں خمس کا تذکرہ

اسی طرح آنحضرت (ص) کے خطوط بھی اس بات کی تاکید اور تائید کرتے ہیں کہ خمس جس طرح جنگ کے مال غنیمت پر واجب ہے اسی طرح جنگ کے علاوہ دیگر منافع میں بھی واجب ہے _ اور غنیمت سے اس کا

1) اس سے مراد علامہ بزرگوار جناب سید مرتضیٰ عسکری صاحب ہیں جنہوں نے یہ بات مرآة العقول کے مقدمہ میں لکھی ہے _

2) تفسیر قرطبی ج 8 ص 1 _

عام معنی مراد ہے (1) پس مندرجہ ذیل باتیں ملاحظہ ہوں _
 1_ قبیلہ بنی عبدالقیس نے آنحضرت (ص) سے کہا ، " ہم پورے سال میں صرف حرام مہینوں میں ہی آپ (ص) کے پاس آسکتے ہیں کیونکہ ہمارے

رستے میں قبیلہ مضر کے کافروں کی ایک شاخ پڑتی ہے _ اس لئے آپ(ص) ہمیں ایسے قطعی احکام بیان فرمادیں جنہیں ہم واپس جا کر قبیلہ والوں کو بھی بتائیں اور جن پر عملدار آمد سے ہم جنت بھی جاسکیں " اور انہوں نے آپ(ص) سے کھانے پینے کے مسائل بھی پوچھے _ اس پر آنحضرت(ص) نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا _ آپ(ص) نے انہیں خدائے واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا _ پھر پوچھا : " جانتے ہو خدائے واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے ؟ " انہوں نے کہا " خدا اور اس کا رسول(ص) بہتر جانتے ہیں " _ پھر آپ(ص) نے فرمایا : " اس کا مطلب یہ گواہی دینا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ، (حضرت) محمد (ص) اللہ کے رسول (ص) ہیں ، نماز قائم کرنا ہے ، زکات ادا کرنا ہے ، ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہے اور ہر بچت اور نفع سے خمس ادا کرنا ہے ... " (2) _ یہاں یہ بات واضح ہے کہ بنی عبدالقیس کا قبیلہ بہت کمزور قبیلہ تھا جو صرف حرام مہینوں میں (جن میں جنگ حرام تھی اور کسی کو کسی سے کوئی سر و کار نہیں ہوتا تھا) ہی اپنے گھروں سے باہر نکل سکتے تھے اور ان میں لڑنے جھگڑنے کی کوئی سکت ہی نہیں تھی (لیکن آپ(ص) نے پھر بھی انہیں خمس ادا کرنے کا حکم دیا) نیز ہمارے مدعا کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جنگ کے مال غنیمت کا اختیار قائد اور سردار لشکر کے پاس ہوتا ہے اور وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے ، وہ اس سے خمس نکال کر باقی واپس کر دیتا ہے جسے سپاہیوں میں آپس میں بانٹ دیا جاتا ہے اور اس میں

قائد کو خود افراد سے کوئی غرض نہیں ہوتی جبکہ آپ(ص) کے اوامر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ(ص) نے انہیں ایسے احکام کے بجالانے کا حکم دیا جن کا تعلق صرف افراد کے ساتھ تھا یعنی وہ انفرادی احکام تھے اور وہ ہر فرد کا فریضہ تھے جن کو اسے کیفیت یا کمیت میں اضافے کے ساتھ بجالاتے رہنا چاہئے

1) مولانا محمد حسین نجفی صاحب کے لئے خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے _
 2) بخاری طبع مشکوٰۃ ج 1 ص 22 و ص 32 و ص 139 ، ج 2 ص 131 و ج 5 ص 213، ج 9 ص 112 ، صحیح مسلم ج 1 ص 36، سنن نسائی ج 2 ص 333 و مسند احمد ج 1 ص 228 و ص 361، ج 3 ص 318 و ج 5 ص 36 ، الاموال ابو عبید ص 20 ، ترمذی باب الایمان ، سنن ابو داؤد ج 3 ص 330 و، ج 4 ص 219 ، فتح الباری ج 1 ص 120 و کنز العمال ج 1 ص 20 و ص 19 حدیث نمبر 4 _

450

تھا جس طرح ایمان ، نماز اور زکات ہے _ اسی طرح خمس بھی زکات و غیرہ کی طرح ہے اور یہ ان سے کوئی مختلف نہیں ہے _
 2_ آنحضرت (ص) نے عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے ہوئے اسے ایک لمبا دستور نامہ بھی ساتھ لکھ کر دیا تھا جس میں آیا ہے کہ آپ(ص) نے اسے اضافی اور بچت کے مال سے خدا کا حصہ خمس وصول کرنے کا حکم دیا تھا (1) اور اس جملے کا معاملہ بھی گذشتہ جملے کی طرح ہے _

3_ آنحضرت (ص) نے یمینوں کے قبیلہ بنی عبد کلال کو شکرے کا ایک خط لکھا جس میں آپ(ص) نے عمرو بن حزم کے ذریعہ بیان ہونے والے آپ(ص) کے گذشتہ احکام کی تعمیل کرنے پر خود عمرو بن حزم اور قبیلہ بنی عبدکلال کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے فرمایا : " تمہارا نمائندہ ملا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ تم نے اپنے اضافی مال سے خدا کا خمس ادا کر دیا ہے " (2)_

یہاں یہ بھی وضاحت کر دیں کہ ہم تاریخ میں بعد از اسلام اس قبیلے کی کسی سے کسی جنگ کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ انہوں نے اس جنگ سے مال غنیمت لوٹا ہو اور اسے عمرو بن حزم کے ہمراہ بھیجا ہو _

4_ آنحضرت(ص) نے قبیلہ قضاہ کی شاخ قبیلہ سعد ہذیم اور جذام کو ایک خط لکھا جس میں آپ(ص) نے انہیں حکم دیا کہ وہ خمس اور صدقات کو آپ(ص) کے دو نمائندے ابی اور عنبہ کے یا جس کو آپ(ص) بھیجیں، اس کے حوالے کریں (3) حالانکہ یہ قبیلے تازہ اسلام لائے تھے اور ان کی کسی سے جنگ بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس سے مراد مال غنیمت کا خمس لیا جاتا _

1) تاریخ ابن خلدون ج 2 ، تنویر الحوالک ج 1 ص 157 ، البدایہ و النہایہ ج 5 ص 76 ، سیرہ ابن ہشام ج 4 ص 242 ، کنز العمال ج 3

ص 186 ، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 2 ص 517 ، الخراج ابو یوسف ص 77 ، مسند احمد بن حنبل ج 2 ص 14 و ص 15 ، سنن ابن

ماجہ ج 1 ص 573 و 575 ص 577 سنن دارمی ج 1 ص 281 و ص 385 و ج 2 ص 16 تا ص 195 ، الاصابہ ج 2 ص 532 ، سنن

ابو داؤد ج 2 ص 98 و 99 ، الدر المنثور ج 2 ص 253 ، التراتیب الاداریہ ج 1 ص 248 و ص 249 و سنن ترمذی ج 3 ص 17 ، نیز

از رسالات نبویہ 204 ، طبری ج 2 ص 388 ، فتوح البلدان بلاذری ص 80 ، اعلام السانلین ص 45 ، مجموعة الوثائق السياسية ص

175 ، فریدون ج 1 ص 34 ، اہدلی ص 68 و الامتاع مقریزی ص 139_

(2) الاموال ابو عبید ص 21 ، سنن بیہقی ج 4 ص 89 ، کنز العمال ج 3 ص 186 و ص 252 و ص 253 از طبرانی و غیرہ ، مستدرک حاکم

ج 1 ص 395 ، الدر المنثور ج 1 ص 343 ، مجمع الزوائد ج 3 نیز از تہذیب ابن عساکر ج 6 ص 273 و ص 274 ، جمہرۃ رسائل العرب ج

1 ص 89 ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ص 185 از اہدلی ص 67 و 68 از ابن حبان و المبعث ص 141 _

(3) طبقات ابن سعد ج 1 حصہ 2 ص 23 و ص 24 ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ص 224 و مقدمہ مرآہ العقول ج 1 ص 102 و ص 103_

451

5_ اسی طرح مختلف قبیلوں اور ان کے سرداروں کو بھیجے گئے سولہ سے

بھی زیادہ دیگر خطوط میں آنحضرت (ص) نے ان پر خمس واجب قرار دیا تھا

_ اور وہ قبائل اور شخصیات درج ذیل ہیں : قبیلہ بکائی، بنی زبیر ، حدس، لخم

، بنی جدیس، لاسبذیین ، بنی معاویہ ، بنی حرقہ، بنی قیل ، بنی قیس ، بنی

جرمز، اجنادہ اور اس کا قوم و قبیلہ ، قیس اور اس کا قبیلہ ، مالک بن احمر،

بنی ثعلبہ کے بزرگ صیفی بن عامر ، فجیع اور اس کے ساتھی ، قبیلہ بنی

عامر کے سردار نہشل بن مالک اور جہینہ بن زید ، نیز یمنیوں ، بادشاہان حمیر

اور بادشاہان عمان کو خطوط میں بھی اس بات کی تاکید کی تھی ان خطوط

اور دستاویزات کو مندرجہ ذیل منابع میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے (1)

ان خطوط پر ایک نظر

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان خطوط میں ذکر ہونے والے الفاظ " مغنم ، غنائم

اور مغانم " سے مراد صرف جنگ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہے _
 لیکن یہ بات صحیح نہیں ہوگی ، کیونکہ :
 1_ اس موقع پر جنگوں کا اعلان ، ان کی قیادت اور ان کا نظم و انتظام خود
 رسول (ص) خدا کے یا آپ(ص) کی طرف سے قیادت کے لئے منصوب کسی
 شخص کے ذمہ ہوتا تھا _ پھر آپ(ص) کے بعد آنے والے خلفاء یا ان کی
 طرف سے منصوب افراد کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی _ اور کسی قبیلے کو
 بھی اپنی طرف سے جنگ چھیڑنے یا جنگ کی ٹھاننے کا کوئی اختیار اور
 حق نہیں ہوتا تھا _ اور تاریخ میں بھی ہمیں کسی ایسی جنگ کا تذکرہ نہیں
 ملتا جس میں

 1) اسعد الغابہ ج 4 ص 175 و ص 271 و ص 328 و ج 5 ص 40 و ص 389 و ج 1 ص 300 و الاصابہ ج 3 ص 338 و ص 199 و
 ص 573 ، ج 1 ص 53 و ص 247 و ص 278 و ج 2 ص 197 ، طبقات ابن سعد ج 1 ص 274 ، ص 279 ، ص 66 ، ص 269 ص
 271، ص 268 ، ص 270 ، ص 284، ج 7 حصہ 1 ص 26 و ج 5 ص 385، رسالات نبویہ ص 237 ، ص 102، ص 103، ص 131،
 ص 253، ص 138، ص 188 ، ص 134 ، مجموعہ الوثائق السياسیہ ص 121 ، ص 264 و ص 273 از اعلام السانلین ، ص 98، ص
 99 و ص 252، ص 250، ص 216، ص 196، ص 138، ص 232، ص 245، ص 180 ، کنز العمال ج 2 ص 271 ج 5 ص 320، ج 7
 ص 64 از رویاتی ، ابن عساکر ، ابوداؤد ، کتاب الخراج و طبقات الشعراء جمعی ص 38، سنن بیہقی ج 6 ص 303 ، ج 7 ، ص 58 و ج
 9 ص 13، مسند احمد ج 4 ص 77، ص 78 و ص 363 ، سنن نسائی ج 7 ص 134، الاموال ابو عبید ص 12، ص 19، ص 20 ، ص 30
 ، الاستیعاب تعارف عمر بن تولى و ج 3 ص 381، جمرۃ رسائل العرب ج 1 ص 55 و ص 68 از شرح المواہب زرقانی ج 3 ص 382 ،
 صیح الاعشى ج 13 ص 329 نیز مجموعۃ الوثائق السياسیہ از اعلام السانلین ، نصب الراية ، المغازی ابن اسحاق ، المصنف ابن ابی

شيبه ، معجم الصحابه المنتقى ، ميزان الاعتدال ، لسان الميزان ، تاريخ يعقوبى ، صبح الاعشى و الاموال ابن زنجويه ، تاريخ يعقوبى ج 2 ص 64 ، البدايه و النهايه ج 5 ص 46 و ج 2 ص 351 ابونعيم ، تاريخ طبرى ج 2 ص 384 ، فتوح البلدان بلاذرى ص 82 ، سيره حلبه ج 3 ص 258 ، سيره ابن بشام ج 4 ص 248 و ص 260 ، سيره زينى دحلان ج 3 ص 30 ، المصنف ج 4 ص 300 ، طبقات الشعراء ابن سلام ص 38 و مجمع الزوائد ج 8 ص 244_

452

انہوں نے مستقل طور پر کوئی جنگ کی ہو _ اور اگر ایسا ہوتا بھی تو اس صورت میں مناسب یہ تھا کہ آپ(ص) ان کے قائدین اور جرنیلوں کو خط لکھتے کیونکہ مال غنیمت کا خمس نکال کر آپ(ص) کو بھیجنے اور باقی کو جنگجوؤں میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی تھی _

2_ یہ مذکورہ قبیلے حجاز، شام ، بحرین اور عمان میں بستے تھے اور اکثر قبیلے اتنے چھوٹے اور کمزور تھے کہ ان میں جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں تھی کہ آپ(ص) ان سے جنگ کے مال غنیمت کا مطالبہ کرتے _

3_ اگر ان الفاظ سے مراد صرف جنگ کا مال غنیمت ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہر کسی کو ہر جگہ اور ہر وقت دشمن پر چڑھائی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جاتی جس سے انار کی پھیل جاتی اور اسلامی حکومت کے لئے بہت زیادہ اور مہلک ، خطرات کا باعث بنتی اور کسی عاقل ، سمجھدار اور با تدبیر شخصیت سے کوئی ایسا حکم جاری نہیں ہوسکتا _ نیز ہم نے تاریخ میں بھی کوئی ایسا حکم اور اس حکم پر عمل درآمد سے پھیلنے والی

انار کی کی کوئی مثال نہیں دیکھی _
 4_ پہلے بھی بتاچکے ہیں کہ ان خطوط میں خدا اور رسول(ص) پر ایمان اور
 خمس اور زکات کی ادائیگی جیسے کچھ انفرادی احکام کا بیان تھا _ جو ہمیں
 اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ ماہیت کے لحاظ سے خمس بھی ان احکام سے
 کوئی مختلف نہیں ہے _ اور یہ کوئی نادر حکم نہیں تھا کہ ان کی عملی
 زندگی سے غیر متعلق ہوتا اور کئی دہائیوں بلکہ صدیوں تک انہیں اس پر عمل
 کرنے کا موقع نہ ملتا بلکہ یہ تو ان کی روزمرہ زندگی کا ایک عمومی حکم تھا
 _

وافر مال پر خمس واجب ہے

آنحضرت نے وائل بن حجر کو بھی ایک خط لکھا جس میں آپ(ص) نے فرمایا
 : " سُبُوبِ پر بھی خمس واجب ہے" (1)

(1) اسد الغابہ ج 3 ص 38، الاصابہ ج 2 ص 208 و ج 3 ص 413 ، بحار لانوار ج 6 ص 93 و ص 190 ، الاستیعاب (برحاشیہ
 الاصابہ) ج 3 ص 643 ، جامع احادیث الشیعہ ج 8 ص 73 ، العقد الفرید ج 1 باب الوفود ، البیان و التبیین ، وسائل الشیعہ کتاب الزکاة
 باب تقدیر نصاب الغنم ، معانی الاخبار ص 275 ، شرح الشفاء قاری ج 1 ص 18 ، تاریخ ابن خلدون ج 2 ، سیرہ نبویہ دحلان (بر حاشیہ
 سیرہ حلبیہ ج 3 ص 49 ، الشفاء قاری ج 1 ص 14 نیز از المعجم الصغیر ص 243 ، رسالات نبویہ ص 67 و ص 297 از المواہب اللدنیہ ،
 زرقانی نیز نہایہ ابن اثیر ، لسان العرب ، تاج العروس ، نہایة الارب و غریب الحدیث ابو عبید میں ذیل لفظ "سیب " اور "قیل" او طبقات
 ابن سعد ج 1 ص 287 _

زیلعی کہتا ہے : " سیب یعنی عطاء کسی اور چیز کا یونہی مل جانا اور سیوب یعنی زمین میں چھپا ہوا خزانہ " (1)

جبکہ لغت کی اکثر کتابوں میں " سیوب " کی وضاحت بھی " عطا " یعنی وافر مال سے کی گئی ہے ۔ اس بنا پر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے سیوب کو صرف چھپے ہوئے خزانے سے کیوں مخصوص کیا ہے جبکہ چھپے ہوئے خزانے تو سیوب کا ایک حصہ اور فرد ہیں اور سیوب کا لفظ عام اور مطلق ہے (جس کا اطلاق ہر وافر مال پر ہوتا ہے) کیا یہ خمس کے حکم کو ہر اضافی مال سے مستثنیٰ کرنے کے لئے لغت میں ان کا اجتہاد اور جھوٹی اور باطل تاویل نہیں ہے؟

بلکہ انہوں نے تو اسے زمانہ جاہلیت میں مدفون خزانوں سے مخصوص کر دیا ہے ۔

اور ہماری سمجھ میں تو اس کی وجہ بالکل بھی نہیں آئی کیونکہ لفظ " سیوب " ان شرطوں کے ساتھ بالکل بھی مخصوص نہیں ہے کیونکہ ہر اضافی مال اور ہر چھپے ہوئے خزانے کو سیوب کہا جاتا ہے ۔ نیز یہ لفظ تو زمانہ جاہلیت میں بھی استعمال ہوا کرتا تھا اور یہ معقول ہی نہیں ہے کہ خود زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی سیوب کے متعلق یہ کہیں کہ اس سے مراد زمانہ جاہلیت میں مدفون خزانہ ہے

لگتا یہی ہے کہ اس بات سے ہمیں انہوں نے یہ سمجھا نے کی کوشش کی ہے کہ اس طرح وہ مال ان کافروں سے لوٹا ہوا مال غنیمت بن جائے گا جن سے جنگ واجب ہے۔ تا کہ یہ بات ان کے مذہب کے موافق ہو جائے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ لغت کی کتابیں کہتی ہیں کہ سیب کا اصل معنی مہمل، فاضل اور چھوڑی ہوئی چیز ہے اور "سائبہ" سے مراد ہر وہ جانور ہے جس کا کوئی مالک اور نگران نہ ہو اور زمانہ جاہلیت میں بھی جس اونٹنی کو آزاد اور بلا مالک اور نگران چھوڑ دیا جاتا اسے "سائبہ" کہا جاتا تھا۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ "کل عتیق سائبۃ" (ہر پرانی چیز کسی کی چھوڑی ہوئی ہوتی ہے)۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں بھی "سیوب" سے مراد ہر متروک اور چھوڑی ہوئی اور ایسی فاضل چیز ہے جس کی انسان کو روزمرہ میں ضرورت نہ ہو اس لئے اس پر خمس واجب ہو جاتا ہے۔

(1) تبیین الحقائق ج 1 ص 288۔

454

مزید دلائل

آنحضرت (ص) نے عرب کے بعض قبیلوں کو لکھا کہ زمین کی وادیاں، میدان، ٹیلے، اوپر اور نیچے سب تمہارے لئے ہے تا کہ تم اس کے نباتات

اور سبزیوں سے استفادہ کرو اور پانی پئو اور اس کا خمس بھی ادا کرو (1) اس کلام کا سیاق و سباق ہمیں واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ یہاں مراد جنگ کے مال غنیمت کا خمس نہیں ہے، کیونکہ جنگ کے مال غنیمت کا زمین کی وادیوں، ٹیلوں، میدانوں اور ان کے ظاہر اور باطن سے استفادہ کرنے اور اس کے۔ نباتات اور پانی سے استفادہ کرنے کا آپس میں اور پھر ان کا اور (ان کے نظریئے مطابق) خمس کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں بنتا اور نہ ہی اس جملے کی کوئی تک بنتی ہے۔ مگر اس صورت میں کہ زمین سے حاصل ہونے والی ہر چیز پر خمس کے وجوب کا بھی قائل ہوا جائے۔ اس بات کی تاکید اور تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت (ص) نے خمس کے ذکر کے بعد بھیڑ بکریوں کی زکات کا تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ کاشتکاری کریں گے تو ان سے بھیڑ بکریوں کی زکات معاف ہوگی۔ البتہ بظاہر یہ بات انہیں زراعت کی ترغیب دینے کے لئے کی گئی تھی۔

معدنیات اور مدفون خزانوں پر بھی خمس ہے

اہل سنت کے نزدیک بھی معدنیات اور مدفون خزانوں پر خمس کا حکم ثابت ہے (2)

(1) طبقات ابن سعد ج 4 حصہ 2 ص 167 نیز از مجموعة الوثائق السياسية ص 219 ، رسالات نبویہ ص 228 ، کنز العمال ج 7 ص 65 و

جمع الجوامع مسند عمرو بن مرہ اور اسے مرآة العقول ج 1 میں النہایہ ابن اثیر اور لسان العرب لفظ " صرم " سے نقل کیا گیا ہے۔
 (2) الاموال ابو عبید ج 33 ص 337، ص 473، ص 477، ص 476، ص 468، ص 467، نصب الراية ج 2 ص 382، ص 381 و ص 380، مسند احمد ج 2 ص 228، ص 239، ص 254، ص 274، ص 314، ص 186، ص 202، ص 284، ص 285، ص 319، ص 382، ص 386، ص 406، ص 411، ص 415، ص 454، ص 456، ص 467، ص 475، ص 482، ص 493، ص 495، ص 499، ص 150 و ص 507، ج 3 ص 354، ص 353، ص 336، ص 356، ص 335، ص 128 و ج 5 ص 326، کنز العمال ج 4 ص 227 و ص 228، ج 19 ص 8 و ص 9 و ج 5 ص 311، مستدرک حاکم ج 2 ص 56، مجمع الزوائد ج 3 ص 77 و ص 78 و از طبرانی در الکبیر و الاوسط و از احمدو بزار، المصنف عبدالرزاق ج 10 ص 128 و ص 66، ج 4 ص 117، ص 64 و ص 65، ص 116 و ص 300 و ج 6 ص 98 از خمس العنبر، مقدمہ مرآة العقول ج 1 ص 97 و ص 96، المغازی واقدی ص 682، سنن بیہقی ج 4 ص 157، ص 156 و ص 155 و ج 8 ص 110، المعجم الصغیر ج 1 ص 120، ص 121 و ص 153، الطحاوی ج 1 ص 180، سنن نسائی ج 5 ص 44 و ص 45، بخاری طبع مشکول ج 2 ص 159، ص و 160 در باب " فی اکاز الخمس " نیز در باب (...بقیہ اگلے صفحہ پر ...)

455

اصطخری کہتا ہے : " حکام معدنیات کا خمس بھی لیا کرتے تھے " (1)۔
 اور مالک اور مدینہ والوں کے علاوہ اہل سنت کے باقی مکاتب فکر نے زمین میں چھپی ہوئی چیزوں میں سے معدنیات پر خمس کو واجب قرار دیا ہے اور اسے مال غنیمت کی طرح جانا ہے (2)۔
 لیکن ابو عبید کہتا ہے کہ یہ مدفون خزانے کے زیادہ مشابہ ہے (3)۔
 اسی طرح عمر بن عبدالعزیز نے عروہ کو خط لکھ کر اس سے خمس کے متعلق بزرگان کا نظریہ پوچھا تو عروہ نے جواب میں لکھا کہ عنبر بھی مال

غنیمت کی طرح ہے اس کا خمس لینا واجب ہے (4) _
 شیبانی کہتا ہے کہ معدنیات اور مدفون خزانوں پر بھی خمس واجب ہے اور یہ
 بھی اضافی چیزوں میں سے ہیں (5) _
 نیز حضرت علی علیہ السلام نے بھی یمن میں مدفون خزانے کا خمس نکالاتھا
 _ البتہ اس بارے میں بعد میں گفتگو کریں گے۔ اسی طرح جابر سے بھی
 مروی ہے کہ " جو بھی اضافی مال حاصل ہو اس پر خمس واجب ہے " _ نیز
 اسی طرح کی ایک اور روایت ابن جریح سے بھی مروی ہے (6) _
 نیز روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص بھی دشمن سے کوئی زمین لے
 اور اسے سونے یا چاندی و غیرہ کے بدلے میں بیچے تو اس کا خمس بھی
 نکالنا ضروری ہے (7) _

" من حفرینراً فی ملکہ " نیز مطبوعہ 1309 ھ ج 4 ص 124 ، الہدایہ شرح البدایہ ج 1، ص 108، خراج ابویوسف ص 26 سنن ابن ماجہ
 ج 2 ص 839 و ص 803 ، سنن ابو داؤد ج 3 ص 181 و ج 4 ص 19، شرح الموطا زرقانی ج 2 ص 321، کتاب الاصل شیبانی ج 2 ص
 138، سنن دارمی ج 1 ص 393 و ج 2 ص 196، نیل الاوطار ج 4 ص 210، موطا ج 1 ص 244 و ج 3 ص 71 (مطبوعہ با تنویر الحوالمک
) ، منحة المعبود ج 1 ص 175، ترمذی ج 1 ص 219 و ج 3 ص 138 ، صحیح مسلم ج 5 ص 127، ص 11 و ص 225، العقد الغرید ،
 نہایة الارب، الاستیعاب ، تہذیب تاریخ دمشق ج 6 ص 207 ، تاریخ بغداد ج 5 ص 53 و ص 54، مصابیح السنہ طبع دار المعرفہ ج 2 ص
 17 ، المسند حمیدی ج 2 ص 462 و مسند ابویعلی ج 10 ص 437، ص 461 و ص 459 و ج 11 ص 202 نیز اس کے حاشیہ میں ملاحظہ

بوں	کثیر	منابع	—
(1) مسالک	الممالک	ص	— 158

- (2) ملاحظہ ہو : الاموال ابو عبید ص 472_
- (3) الاموال ص 474_
- (4) المصنف عبدالرزاق ج 4 ص 64 و ص 65_
- (5) کتاب الاصل شیبانی ج 2 ص 138_
- (6) المصنف عبدالرزاق ج 4 ص 116_
- (7) المصنف عبدالرزاق ج 5 ص 179 و ص 180 و ص 181 و ج 9 ص 67 و تحف العقول ص 260_

456

بہر حال یہ باتیں تو ہر کسی کے سمجھ میں آنے والی ہیں کہ گذشتہ تمام چیزوں کا شمار جنگ کے مال غنیمت سے نہیں ہوتا لیکن ان پر بھی خمس کا حکم لگایا گیا ہے تو پھر خمس والی آیت کو جنگ کے مال غنیمت سے مخصوص کرنے کا کیا معنی رہ جاتا ہے؟ بہر حال اتنا ہی کافی ہے کیونکہ ہدایت کے متلاشیوں کے لئے اس میں کافی قانع کنندہ دلائل موجود ہیں۔

لطیفہ

یہاں مزے کی ایک یہ بات بھی ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر نے بھی اپنے مال کا خمس نکالنے کی وصیت کرتے ہوئے کہا : " میں اس چیز کی سفارش کر رہا ہوں جسے خدا نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے " پھر اس آیت کی تلاوت کی : (و اعلموا انما غنمتم من شیی فان لله خمسہ و للرسول ...) (1)

خمس لینے والے نمائندے

ایسا لگتا ہے کہ آنحضرت(ص) کے صدقات لینے والے نمائندوں کی طرح خمس لینے والے نمائندے بھی تھے کیونکہ آنحضرت(ص) نے عمرو بن حزم کو یمنی قبیلے بنی عبد کلال سے خمس لینے کا حکم دے کر یمن بھیجا تھا اور اس کے خمس بھیجنے پر ان کا شکر یہ بھی ادا کیا تھا _ اور حضرت علی علیہ السلام کو خالد بن ولید سے مال غنیمت کا خمس وصول کرنے کے لئے بھیجا

تھا (2)_
بلکہ ابن قیم کہتا ہے کہ آنحضرت(ص) نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو خمس لینے اور قضاوت کے لئے یمن بھیجا (3) _

1)المصنف عبدالرزاق ج 9 ص 66_

2) نصب الراية ج 2 ص 382، المصنف عبدالرزاق ج 4 ص 116، مجمع الزوائد ج 3 ص 78 نیز ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 21 ص 360

از اعلام النوری

3)-البدایہ و النہایہ _

457

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ یمنیوں نے بخوشی اسلام قبول کیا تھا اور مسلمانوں اور یمنیوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی _

اور حضرت علی (ص) نے یمن میں مدفون خزانے پر خمس نکالاتھا (1)
 نیز محمیہ بن جزء قبیلہ بنی زبید کا ایک فرد تھا ، آنحضرت (ص) نے اسے
 خمس وصول کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی(2)۔
 اور حضرت علی (ع) کو خمس کی وصولی کیلئے بھیجنے والی بات کی یہ
 تاویل بھی نادرست ہے کہ آنحضرت(ص) نے انہیں صدقات کی وصولی کے
 لئے بھیجا تھا _ کیونکہ آنحضرت (ص) کسی ہاشمی کو صدقات کی وصولی
 کا کام نہیں سونپتے تھے اور اس بارے میں عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن
 عباس کا واقعہ بھی بہت مشہور ہے (3)
 بلکہ آپ(ص) اپنے غلاموں کو بھی ایسا کام نہیں سونپتے تھے کیونکہ
 آپ(ص) نے ابو رافع کو بھی اس کام سے منع کرتے ہوئے اس سے فرمایا تھا
 : " کسی قوم اور گروہ کا غلام بھی انہی کی طرح ہوتا ہے اور ہمارے لئے
 صدقہ حلال نہیں ہے " (4)

کتاب اور سنت میں خمس کے استعمال کے مقامات

قرآن مجید میں خمس کی آیت اس بات پر تصریح کرتی ہے کہ خمس خدا ، اس
 کے رسول (ص) ، رسول(ص) کے قریبیوں ، یتیموں، مسکینوں اور غریب
 مسافروں کے لئے ہے _ اور آنحضرت(ص) اپنی رحلت تک اپنے قریبیوں کو
 خمس کا حصہ دیا کرتے تھے (5)

(1) زاد المعاد ج 1 ص 32 نیز ملاحظہ ہو : سنن ابوداؤد ج 3 ص 127 باب
کیف القضاء_

(2) الاموال ابو عبید ص 461_

(3) مجمع الزوائد ج 3 ص 91 ، اسد الغابہ تعارف عبدالطلب بن ربیعہ ، نوفل
بن حارث و محمیہ ، صحیح مسلم ج 3 ص 118 باب تحریم الزکاة علی آل النبی
(ص) ، سنن نسائی ج 1 ص 365 ، سنن ابو داؤد ، الاموال ابو عبید ص 329 ،

المغازی واقدی ص 696 ، ص 697 ، تفسیر عیاشی ج 2 ص 93_

(4) سنن ابوداؤد کتاب الزکاة ج 2 ص 212 ، ترمذی کتاب الزکاة ج 3 ص 159 ،

نسائی کتاب الزکاة ج 1 ص 366 ، مجمع الزوائد ج 3 ص 90 و ص 91 ، کنز

العمال ج 6 ص 252 تا ص 256 ، امالی شیخ طوسی ج 2 ص 17 ، بحار الانوار

ج 96 ص 57 ، سنن بیہقی ج 7 ص 32_

(5) ملاحظہ ہو : تفسیر طبری ج 15 ص 504 و ص 506 نیز اس کے حاشیہ پر

تفسیر نیشابوری ج 15 ، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 65 و ص 61 و الاموال

ابو عبید ص 22 و ص 447 ، ص 453 و ص 454_

458

رہے یتیم اور مسکین ، تو اس بارے میں حضرت امام زین العابدین (ع) سے

جب مذکورہ آیت میں (والیتامی و المساکین) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں

نے فرمایا : " اس سے مراد ہمارے یتیم اور مسکین ہیں " (1) _

اہل بیت (ص) کی روایات میں خمس

ائمہ اہل بیت کی روایتوں کے مطابق اللہ ، رسول (ص) اور ذوی القربی کا حصہ امام(ص) کے لئے ہے جبکہ یتیموں ، مسکینوں اور ابن السبیل (مسافروں) کا حصہ سادات بنی ہاشم کے لئے ہے (2) _ اور بنی ہاشم میں بھی خاندان بنی عبدالمطلب کے لئے ہے (3)_ اور خمس میں مرد اور عورت مشترک ہیں پس خمس کا آدھا حصہ ان تینوں قسم کے افراد میں ان کے مستحق ہونے کی صورت میں (4) (ان کی رسول(ص) خدا کے ساتھ قرابت داری اور غربت کی وجہ سے) تقسیم کیا جائے گا _ اور جناب عبدالمطلب کے ساتھ ان کی مادری نسبت کافی نہیں لیکن اگر صرف پدری نسبت بھی ہو تب کفایت کرتی ہے۔

اہل سنت کی روایتوں میں خمس

کتب صحاح میں ایک ایسی روایت مذکور ہے جو عہد نبوی(ص) میں خمس کے استعمال کو بیان کرتی ہے _ جبیر بن مطعم کہتا ہے کہ جنگ خیبر (ا لبتہ ایک روایت میں جنگ حنین آیا ہے) کے موقع پر رسول(ص) خدا نے ذوی القربی کے حصہ میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب کا حصہ نکالا جبکہ بنی نوفل اور بنی عبدشمس کا حصہ نہیں نکالا تو میں

(2) ملاحظہ ہو : وسائل الشیعہ ج 9 ص 356، 358، 359، ص 361، ص 362۔

(3) وسائل الشیعہ ج 9 ص 358، ص 359 و مقدمہ مرآة العقول مرتضیٰ عسکری ج 1 ص 116 و ص 117۔

(4) یعنی اگر سادات مستحق نہ ہوں تو خمس نہیں لے سکتے۔ اور بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں والے نیز نئی ماڈل کی گاڑیوں والے

تو کسی صورت میں مستحق نہیں ہیں۔ اور اگر ثروت مند ہونے کے باوجود خمس لیتے ہیں تو دوسرے مستحقین کا حق غصب کرتے

ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔

459

اور عثمان بن عفان آنحضرت (ص) کے پاس گئے اور آپ (ص) سے عرض کیا : " یا رسول (ص) اللہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں کیونکہ خدا نے ان کی مدد اور حمایت کی وجہ سے آپ (ص) کو یہ مقام اور مرتبہ دیا ہے۔ لیکن بنی مطلب میں ایسی کیا بات ہے کہ آپ (ص) نے انہیں حصہ عطا کیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری رشتہ داری تو یکساں ہے؟" تو رسول (ص) خدانے فرمایا : " زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہم اور بنی مطلب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے (البتہ نسائی کی روایت میں آپ (ص) کے یہ الفاظ آئے ہیں کہ انہوں نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا) پس ہماری اور ان کی بات ایک ہی ہے" اور آپ (ص) نے اپنے دونوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائیں (1)

گذشتہ معروضات کے بعد یہاں ہم بعض علماء (2) کی فرمائشے ات کے خلاصے کو کچھ کمی بیشی کے ساتھ نقل کرنا چاہتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل

ہے:

عہد نبوی(ص) کے بعد خمس کا استعمال

آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد خمس بہت سی تبدیلیوں کا شکار ہوا جس کا

ذکر ذیل میں آئے گا _

خلیفہ اول کے دور میناگر ہم جناب ابوبکر کے اور اس دور کے حالات کا

مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس وقت حکومت کی ساری توجہ اس نئی

حکومت کے مخالف گروہوں اور ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والوں کی

1) صحیح بخاری باب غزوة خبير ج 3 ص 36 مطبوعہ 1311 ، ج 4 ص 111 و ج 6 ص 174 ، سنن ابو داؤد ج 3 ص 145 و ص 146 ،

تفسیر طبری ج 15 ص 5 ، مسند احمد ج 4 ص 81 ، ص 85 و ص 83 ، سنن نسائی ج 7 ص 130 و ص 131 ، سنن ابن ماجہ ص 961 ،

المغازی واقدی ج 2 ص 696 ، الاموال ابو عبید ص 461 و ص 462 ، سنن بیہقی ج 6 ص 340 تا ص 342 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 209 ،

المحلی ج 7 ص 328 ، البدایہ و النہایہ ج 4 ص 20 ، شرح نہج البلاغہ ج 15 ص 284 ، مجمع الزوائد ج 5 ص 341 و نیل الاوطار ج 8

ص 228 از برفانی و بخاری و غیرہ ، الاصابہ ج 1 ص 226 و بداية المجتهد ج 1 ص 402 ، الخراج ابو یوسف ص 21 و تشیید المطاعن ج

2 ص 818 و ص 819 از زاد المعاد ، الدر المنثور ج 3 ص 186 از ابن ابی شیبہ ، البحر الرائق ج 5 ص 98 و تبیین الحقائق ج 3 ص 257 و

نصب الراية ج 3 ص 425 و ص 426 ، مصابیح السنہ ج 2 ص 70 ، تفسیر القرآن العظیم ج 2 ص 312 ، فتح القدير ج 2 ص 310 ، لباب

التاویل ج 2 ص 185 ، مدارك التنزيل (مطبوعہ بر حاشیہ خازن) ج 2 ص 186 و الكشف ج 2 ص 221_ نیز مذکورہ بات مندرجہ ذیل

منابع سے بھی منقول ہے : الجامع لاحكام القرآن ج 7 ص 12 ، فتح الباری ج 7 ص 174 و ج 6 ص 150 ، تفسیر المنار ج 10 ص 7 ،

ترتیب مسند الشافعی ج 2 ص 125 و ص 126 و ارشاد الساری ج 5 ص 202_

سرکوبی کے لئے لشکر کی فراہمی اور ترسیل پر تھی۔ اس لئے اس وقت خمس اور خاص کر ذوالقربی کے حصہ کو اسلحہ اور سواریوں کے بندو بست میں خرچ کیا۔ اسی بنا پر مؤلفین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت (ص) کی وفات کے بعد صحابیوں میں خمس کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ نے کہا کہ رسول (ص) کا حصہ ان کی رحلت کے بعد خلیفہ کے لئے ہے۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ ذوی القربی کا حصہ رسول (ص) کے قریبیوں کے لئے ہے، جبکہ ایک اور گروہ نے کہا کہ ذوی القربی کا حصہ خلیفہ کے قرابت داروں کے لئے ہے۔ جس پر آخر میں سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ رسول (ص) اور ذوی القربی کے حصول کو لشکر کی تہیز اور تیاری میں خرچ کر دیا جائے۔

سنن نسائی اور الاموال ابو عبید میں آیا ہے کہ یہ صورتحال ابوبکر اور عمر دونوں کی خلافت کے دور میں رہی۔ البتہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد ابوبکر نے قریبیوں کے حصے کو مسلمانوں میں تقسیم کر کے اسے "فی سبیل اللہ" کا حصہ قرار دیا۔ قریب قریب ایسی ہی ایک اور روایت ذکر ہوئی ہے جس میں ابوبکر کے ساتھ عمر کا ذکر بھی ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی روایات ہیں (1)۔

ان تمام باتوں کی وضاحت جبیر بن مطعم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول (ص) خدا بنی ہاشم اور بنی مطلب کا حصہ تو خمس سے نکالتے تھے لیکن بنی عبد شمس اور بنی نوفل کا حصہ بالکل نہیں نکالتے تھے۔ اور ابوبکر بھی جناب رسول (ص) خدا کی طرح خمس کو تقسیم کیا کرتا تھا لیکن جس طرح رسول (ص) خدا اپنے قریبیوں کو حصہ دیا کرے تھے ابوبکر آنحضرت (ص) کے قریبیوں کو وہ حصہ نہیں دیتا تھا... (2)۔

خلیفہ ثانی کے دور میں

خلیفہ ثانی کے دور میں فتوحات زیادہ ہو گئیں اور مال زیادہ ہو گیا تو خمس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

(1) ان تمام باتوں اور اس سے متعلق دیگر باتوں کے لئے ملاحظہ ہو : سنن نسائی ج 2 ص 179، کتاب الخراج ص 24 و ص 25، الاموال ابو عبید ص 463، جامع البیان طبری ج 15 ص 6، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 62 و ص 60، سنن بیہقی ج 6 ص 342 و ص 343، سنن ابو داؤد بیان مواضع الخمس، مسند احمد ج 4 ص 83 و مجمع الزوائد ج 5 ص 341۔

(2) مسند احمد ج 4 ص 83۔

461

اور عمر نے بنی ہاشم کو کچھ حصہ دینا چاہا تو انہوں نے اپنے پورے حصے

کا مطالبہ کیا اور کچھ حصہ لینے سے انکار کر دیا _ تو اس نے بھی انہیں پورا حصہ دینے سے انکار کرتے ہوئے انہیں اپنے حصے سے ہی محروم کر دیا _ یہ بات ابن عباس کی ایک روایت میں بھی آئی ہے _ جب نجدہ حروری نے ابن عباس سے پوچھا کہ ذوی القربی کا حصہ کس کا ہے تو اس نے جواب دیا : "وہ ہم اہل بیت (ص) کا حصہ ہے ، عمر نے بھی اس حصہ سے ہمارے غیر شادی شدہ افراد کی شادی کرانے ، ہمارے شادی شدہ افراد کی خدمت کرنے اور ہمارے قرضے چکانے کی پیشکش بھی کی لیکن ہم نے اس سے اپنے پورے حصہ کا مطالبہ کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا تو اس نے بھی ہمیں پورا حصہ دینے سے انکار کر دیا اور ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اس وجہ سے ہم نے بھی اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا " _ اس طرح کی ایک روایت حضرت علی علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ عمر نے انہیں بھی کچھ حصہ دینے کی کوشش کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اگر حصہ زیادہ ہو جائے تب بھی انہیں پورا حصہ ملے گا لیکن انہوں نے پورا حصہ لینے کے بغیر کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا (1)

خلیفہ سوم کے دور میں

عثمان نے افریقہ کی پہلی فتوحات سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو دیا (2) حالانکہ یہ شخص مرتد تھا _ اور دوسری مرتبہ کی فتوحات کا خمس مروان بن حکم کو عطا کیا _ اس بارے

1) حدیث ملاحظہ ہو در : الخراج ابو یوسف ص 21، ص 22، ص 23، ص 24 ، المغازی واقدی ص 697، الاموال ابو عبید ص 465 ، ص 466، ص 467، سنن نسائی ج 2 ص 178، ص 177، ج 7 ص 129، ص 128 ، شرح معانی الآثار ج 3 ص 335 و ص 220، مسند حمیدی حدیث نمبر 532، الجامع الصحیح (السیر) حدیث نمبر 1556، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 63، لسان المیزان ج 6 ص 148، صحیح مسلم ج 5 ص 198 باب "النساء الغزوات یر ضیح لہن " ، مسند احمد ج 10 ص 225 و ج 1 ص 320، ص 308، ص 248، ص 249، ص 224، مشکل الآثار ج 2 ص 136، ص 179 و مسند شافعی ص 183، ص 187، حلیۃ ابونعیم ج 3 ص 205 و تفسیر طبری ج 10 ص 5 ، سنن ابوداؤد ج 3 ص 146 کتاب الخراج ، سنن بیہقی ج 6 ص 344، ص 345، ص 332، کنز العمال ج 2 ص 305، المصنف ج 5 ص 228 نیز ملاحظہ ہو ص 238، المحاسن و المساوی ج 1 ص 264، وفاء الوفاء ص 995 ، الروض الانف ج 3 ص 80 ، مسند ابویعلیٰ ج 4 ص 424 و ج 5 ص 41 ، ص 42_

2) ملاحظہ ہو : تاریخ الاسلام ذہبی ج 2 ص 79، ص 80، تاریخ ابن اثیر مطبوعہ یورپ ج 3 ص 71 و شرح نہج البلاغہ ج 1 ص 67_

462

بن اوس ساعدی نے (جس نے عثمان کی بقیع میں تدفین سے ممانعت کی تھی)
(یہ شعر کہا :

و اعطیت مروان خمس العباد
ظلمالہم و حمیت الحمی (1)

اور تم نے حق داروں سے ظلم کے ساتھ ان کا حق چھین کر رشتہ داری کی بنا پر مروان کو خمس دیا اور اچھی طرح لوٹ مار کی _ اور لوگوں نے اس بات پر دو وجوہات کی بنا پر عثمان پر ناراضگی کا اظہار کیا _

1_ گذشتہ دونوں خلیفوں نے اگرچہ مستحقوں سے ان کا حق چھین لیا تھا لیکن انہوں نے خمس کو رفاہ عامہ میں خرچ کیا لیکن عثمان نے اسے اپنے گمراہ اور ذلیل رشتہ داروں کے ساتھ خاص کر دیا _ 2_ عثمان نے جن لوگوں کو ناحق اتنا کثیر مال بخش دیا تھا ان کا کردار بھی صحیح نہیں تھا بلکہ بہت ہی برا کردار تھا اور وہ ہر لحاظ سے انحراف اور کجروی میں مشہور و معروف تھے _

خمس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی سیرت

جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جب حضرت علی علیہ السلام مسند اقتدار پر فائز ہوئے تو ذوی القربی کے حصہ کا کیا کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: " انہوں نے ابوبکر اور عمر کا طریقہ اپنا یا " پوچھا گیا: " وہ کیسے؟ جبکہ آپ حضرات کا اس بارے میں اپنا الگ نظریہ ہے؟ " انہوں نے فرمایا: " ان کا نظریہ ذاتی نہیں ہوتا بلکہ رسول (ص) خدا اور خدا کا نظریہ ہوتا ہے " پوچھا گیا: " تو پھر رکاوٹ کیا تھی؟ " فرمایا: " خدا کی قسم انہیں یہ بات ناپسند تھی کہ ان پر ابوبکر اور عمر کی مخالفت کا الزام

لگایا جائے) اور اس الزام کے بہانے ان پر خواہ مخواہ چڑھائی کر دی جائے)

(2)

"

1) ملاحظہ ہو : الكامل ج 3 ص 71، طبری مطبوعہ یورپ حصہ 1 ص 2818، ابن کثیر ج 7 ص 152، فتوح افریقیا ابن عبدالحکم ص

58 و ص 60 ، بلاذری ج 5 ص 25، ص 27، ص 28، تاریخ الخلفاء سیوطی ص 156، الاغانی ج 6 ص 57۔

2) الاموال ابو عبید ص 463، الخراج ص 23، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 63، سنن بیہقی ج 6 ص 323، انساب الاشراف ج 1 ص

517، تاریخ المدینہ ابن شبہ ج 1 ص 217، کنز العمال ج 4 ص 330 از ابو عبید و از ابن انباری در المصاحف۔

463

سنن بیہقی میں آیا ہے کہ حضرت امام حسن (ع) ، حضرت امام حسین (ع) ، ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی (ع) سے خمس میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ان سے فرمایا : " وہ تو آپ لوگوں کا حق ہے لیکن میں آجکل معاویہ سے جنگ میں مصروف ہوں اس لئے اگر تم چاہو تو فی الحال اپنے حق سے چشم پوشی کر سکتے ہو " (1) پس ان احادیث اور روایات کی روسے حضرت علی (ع) نے خمس میں لائی ہوئی ابوبکر اور عمر کی تبدیلیوں کو بالکل بھی نہیں چھیڑا کیونکہ یہ کام لوگوں کو آپ (ع) کے خلاف ابھارتا اور لوگ آپ (ع) پر ابوبکر اور عمر کی مخالفت کا الزام لگاتے۔ اور چونکہ معاویہ سے ہر سر پیکار تھے تو اس لازمی کام کو دیگر تمام کاموں

پر فوقیت اور ترجیح دینا اور اس مہم کو کسی ایسے مناسب وقت کے لئے چھوڑ رکھنا ضروری تھا جس وقت اتنی زیادہ اور خطرناک مشکلات درپیش نہ ہوں۔

معاویہ کے دور میں

بنی ہاشم کو گذشتہ خلفاء کے دور میں تمام مسلمانوں کے حصے سے ہی سہی کچھ نہ کچھ ملتا رہتا تھا۔ لیکن معاویہ کے دور میں تو وہ سرے سے خمس سے محروم ہی ہو گئے، اس نے سب مال اپنے لئے خاص کر دیا۔ اور مسلمانوں میں خمس کا ایک پیسہ بھی نہیں بانٹا تھا۔ علی بن عبداللہ بن عباس اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "معاویہ کے دور سے لے کر اب تک ہمیں خمس کا کوئی حصہ نہیں ملا" (2) اور جب عمر بن عبدالعزیز نے بنی ہاشم کو خمس کا کچھ حصہ دینے کا حکم دیا تو کچھ ہاشمیوں نے اکٹھے ہو کر اسے شکریہ نامہ لکھا جس میں اس کی صلہ رحمی پر اس کا شکریہ ادا کیا گیا اور اس خط میں آیا ہے کہ "ان پر معاویہ کے دور سے ہمیشہ ظلم اور جفا ہوتا آیا ہے" (3) اسی طرح زیاد نے خراسان کے اپنے گورنر حکم بن عمرو غفاری کو بہت زیادہ مال غنیمت ملنے پر اسے اسی

464

طرح خط لکھا: " اَمَّا بَعْدُ ، امیر المؤمنین (یعنی معاویہ) نے حکم دیا ہے کہ سب سونا چاندی اسی کے لئے علیحدہ کیا جائے اور مسلمانوں میں ایک پیسہ بھی تقسیم نہ کیا جائے " _ اور طبری نے سونے چاندی پر چوپاؤں کا بھی اضافہ کیا ہے (1)_ لیکن حکم نے اس کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے مال غنیمت کو مسلمانوں میں بانٹ دیا _ جس پر معاویہ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا _ اور وہ وہیں قید میں ہی مر گیا اور وہیں دفن ہوا اور معاویہ نے کہا: " میں بہت انتقامی ہوں " (2) _

عمر بن عبدالعزیز کے دور تک

عمر بن عبدالعزیز کے دور تک خمس امویوں کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے اسے اپنے باپ کا مال سمجھ کر استعمال کیا ، لیکن اس نے بعض مصلحتوں کے پیش نظر بنی ہاشم کو ان کے کچھ حقوق دینے کی کوشش کی اور اس نے کچھ حقوق ادا بھی کئے اور ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر ان کا کوئی حق رہ گیا ہو تو وہ سب ادا کر دے گا (3) لیکن خود عمر بن عبدالعزیز کے دور کی طرح اس کی یہ کوششیں بھی جلد

ہی دم توڑ گئیں ، کام دھرے رہ گئے اور وعدے ناتمام رہ گئے _ اور تمام امور پھر اسی ڈگر پر چلنے لگے جس پر دشمنان اہل بیت (ع) نے چلایا تھا _ اور یہ بات تاریخ اور سیرت کی کتابوں کے قلیل سے مطالعے سے بھی معلوم ہوسکتی ہے _

خمس کے متعلق علمائے اہل سنت کے نظریات

خلفاء اور حکام کے کرتوتوں کے نتیجے میں اور ان کرتوتوں پر پردہ پوشی کے لئے علمائے اہل سنت کے خمس کے متعلق نظریات بھی ایک دوسرے سے متضاد ہیں _ اس بارے میں ابن رشد کہتا ہے : " خمس کے متعلق بھی

1) مستدرک حاکم و تلخیص مستدرک ذہبی بر حاشیہ مستدرک ج 3 ص 442، طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج 7 ص 18، الاستیعاب ج 1

ص 118، اسد الغابہ ج 2 ص 36، طبری مطبوعہ یورپ ج 2 ص 111، ابن اثیر مطبوعہ یورپ ج 3 ص 391، ذہبی ج 2 ص 220، ابن

کثیر ج 8 ص 47_

2) تہذیب التہذیب ج 2 ص 437 و مستدرک حاکم ج 3 ص 442_

3) ملاحظہ ہو : طبقات ابن سعد ج 5 ص 281، ص 285، ص 287، ص 289، الخراج ص 25، و سنن نسائی باب قسم الفیء ج 2 ص

_178

465

چاروں مشہور مذاہب کا آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے _ ان میں سے ایک

نظریہ یہ ہے کہ خمس کو آیت کی تصریح کے مطابق پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہ شافعیوں کا نظریہ ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ آجکل صرف تین قسموں میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ آنحضرت (ص) کی رحلت سے آپ (ص) کا اور ذوی القربی کا حصہ ساقط ہو گیا ہے۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ خمس فیء (یعنی مال غنیمت) کی طرح ہے جو ہر امیر اور غریب میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ جو لوگ خمس کی چار یا پانچ حصوں میں تقسیم کے قائل ہوئے ہیں ان کا آپس میں اس بات پر اختلاف ہے کہ آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد آپ (ص) کے اور آپ (ص) کے قریبیوں کے حصہ کاکیا کیا جائے گا۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کے حصے کو خمس کے دیگر تمام حصہ داروں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اسے باقی سپاہیوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ حالانکہ ایک اور گروہ کا کہنا ہے کہ رسول (ص) خدا کا حصہ امام (حاکم) کو اور آپ (ص) کے قریبیوں کا حصہ امام کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔ لیکن چوتھے گروہ کا کہنا ہے کہ اسے اسلحہ وغیرہ اور لشکر کی تیاری کے لئے مخصوص کیا جائے گا۔ نیز ان لوگوں کا اس بات پر بھی اختلاف ہے کہ قرابت داروں سے مراد کون لوگ ہیں؟ (1)۔

جبکہ ابن قدامہ کہتا ہے: "ابوبکر نے خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور یہ نظریہ اصحاب قیاس یعنی ابوحنیفہ اور اس کی جماعت کا بھی ہے کیونکہ

وہ کہتے ہیں کہ خمس کو "یتامی" ، "مساکین" اور "ابن السبیل" کے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور انہوں نے آنحضرت (ص) کی رحلت کی وجہ سے آپ (ص) کا اور آپ (ص) کے قریبیوں کا حصہ ختم کر دیا۔ اور مالک کہتا ہے کہ خمس اور فی دونوں ایک ہی چیز ہیں انہیں بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا" ابن قدامہ اس کے آگے کہتا ہے: " اور ابوحنیفہ کا نظریہ آیت کے مفہوم کے مخالف ہے کیونکہ خدا نے اپنے رسول (ص) اور اس کے قریبیوں کے لئے ایک حصہ رکھا ہے اور خمس میں ان دونوں کا حق بھی اسی طرح دائمی رکھا ہے جس طرح باقی تین قسم کے افراد کا حصہ رکھا ہے ، پس جس نے اس کی مخالفت کی اس نے آیت کی

(1) بداية المجتهد حکم الخمس ج 1 ص 401۔

466

تصریح کی مخالفت کی لیکن ابوبکر اور عمر کا " ذوی القربی" کے حصہ کو " فی سبیل اللہ " میں قرار دینے کے متعلق جب احمد کو بتایا گیا تو اس نے خاموشی اختیار کر لی اور اپنا سر ہلادیا لیکن اس نظریئے وقبول نہیں کیا۔ اور اس نے ابن عباس اور اس کے ہم خیالوں کے نظریئے و کتاب اللہ اور سنت رسول (ص) کے ساتھ موافقت اور مطابقت کی وجہ سے بہتر جانا ہے " (1)

اور ابو یعلیٰ اور ماوردی کا نظریہ ہے کہ خمس کے استعمال کی تعیین خلفاء
(حکام) کی مرضی پر منحصر ہے (2)

خمس کے متعلق اہل بیت (ع) اور ان کے پیروکاروں کا نظریہ

اہل بیت (ع) اور شیعیان اہل بیت (ع) کے نزدیک خمس کے چھ حصے ہوں گے
_ ان میں سے تین حصے خدا ، اس کے رسول (ص) اور آنحضرت کے
قربیبوں کے بے جنہیں اپنی حیات طیبہ میں آنحضرت (ص) خود لیں گے اور
آپ (ص) کی رحلت کے بعد یہ معاملہ بارہ اماموں کے سپرد ہوگا _ اور باقی
تین حصے بنی ہاشم کے یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کا ہے البتہ اگر وہ
سب غریب اور محتاج ہوں _
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر اس مال کا خمس نکالنا واجب ہے جو کسی مسلمان
کو حاصل ہو چاہے وہ دشمنوں سے حاصل ہو یا کہیں اور سے وہ صرف اپنے
دعوے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے مدعا پر ائمہ اہل بیت (ع) سے مروی
ان بہت سی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو خمس کے متعلق ہیں _ کیونکہ
ائمہ اہل بیت (ع) ثقلین کا ایک حصہ ہیں جن سے تمسک کا ہمیں حکم دیا گیا ہے
اور وہ نوح (ع) کی کشتی اور مغفرت کا دروازہ ہیں _ خدا ہم سب کو ان سے
زیادہ سے زیادہ محبت ، ان سے تمسک اور ان کے رفتار اور گفتار کی پیروی
کرنے کی توفیق عطا فرمائے _

آمين

ثم

آمين

1)المغنى ابن قدامه ج 7 ص 351باب قسمة الفي والغنيمه_

2)احكام السلطانيه ماوردى باب قسم الفي ص 126، احكا السلطانيه ابويعلى ص 125_